رجسٹرڈ نمبر اے ۱۵۷ جنوری سنہ ۱۹۳۳ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت پانچ روپیہ سالانہ

مطبع معارف میں چھپکر

دفتر دار المصنفین اعظم گڈہ سے شائع ہوا

تصانیف شبلی

الفاروق۔ یعنی حضرت فاروق اعظمؓ کی لائف اور طرز حکومت، صحابہ کے فتوحات، طریقۂ حکومت عراق وشام، مصر اور ایران کے فتح کے واقعات، حضرت عمرؓ کی سیاست، اخلاق، زہد وعدل اور اسلام کی عملی تعلیم کا شاندار مرقع، مولانا شبلی کی یہ بہترین تصنیف سمجھی جاتی ہے، اگرچہ مسخ شدہ صورت میں معمولی کاغذ پر اس گران پایہ کتاب کے بیسیوں اڈیشن فروخت ہو رہے ہیں، مگر اہل نظر کو ہمیشہ اس کے اعلیٰ اڈیشن کی تلاش تھی، مطبع معارف نے نہایت اہتمام اور سعی بلیغ سے اسکا نیا اڈیشن تیار کرایا ہے، جو حرف بحرف نامی پریس کانپور کی نقل ہے، نہایت عمدہ کتابت، اعلیٰ چھپائی، عمدہ کاغذ، دنیائے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ، مطلّا ٹائٹل، ضخامت ۶۱۲ صفحے قیمت للعہ

شعر العجم: فارسی شاعری کی تاریخ، جسمین

حصۂ اول: شاعری کی ابتدا، عہد بعہد کی ترقیون اور ان کے خصوصیات اور اسباب سے مفصل بحث کی گئی ہے، اور اسی کے ساتھ تمام مشہور شعرا (عباس مروزی سے نظامی تک) کے تذکرے اور ان کے کلام پر تنقید وتبصرہ ہے، مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۲۵۰ صفحے، قیمت سے،

حصۂ دویم: شعرائے متوسطین کا تذکرہ (خواجہ فریدالدین عطار سے حافظ اور ابن یمین تک) مع تنقید کلام، مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۲۰۲ صفحے، قیمت عہ

حصۂ سویم: شعرائے متاخرین کا تذکرہ (فغانی سے ابوطالب کلیم تک) مع تنقید کلام، مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۲۲۰ صفحے، قیمت عہ

حصۂ چہارم: اس حصہ میں تفصیل کیساتھ بتایا گیا ہے کہ ایران کی آب وہوا، اور تمدن، اور دیگر اسباب نے شاعری پر کیا اثر کیا، کیا کیا تغیرات پیدا کئے، اور شاعری کے تمام انواع واقسام میں سے مثنوی پر بسیط تبصرہ، مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۲۳۶ صفحے، قیمت سے،

حصۂ پنجم: اس مین قصیدہ، غزل اور فارسی زبان کی عشقیہ، صوفیانہ، اور اخلاقی شاعری پر تنقید وتبصرہ ہے، مطبوعہ معارف پریس ضخامت ۲۲۸ صفحے، قیمت عـ،

علم الکلام مسلمانون کے علم کلام کی تاریخ، اسکی عہد بعہد کی ترقیان، اور علمائے متکلمین کے نظریات اور مسائل، طبع چہارم، مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۲۰۴ صفحے، قیمت عہ

الکلام۔ مولانا کی مشہور تصنیف، جدید علم کلام جسمین عقلی دلائل سے مذہب کو فلسفہ کے مقابلہ مین ثابت کیا گیا اور ملاحدہ اور منکرین کے دلائل کا رد کیا ہے۔ اور عقائد واصول اسلامی کی فلسفیانہ تشریح، طبع سوم، مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۲۰۵ صفحے، قیمت عہ

جلد سی و یک | ماہ رمضان المبارک ۱۳۵۱ھ مطابق ماہ جنوری ۱۹۳۳ء | عدد ۱

مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شذرات

عیسوی سال کے خاتمہ پر ۲۸ دسمبر ۱۹۳۲ء کو عیسوی مذہب کے سب سے بڑے نقاد اور عیسوی ممالک میں اسلام کے مشہور مبلغ خواجہ کمال الدین نے افسوس ہے کہ وفات پائی، وہ کئی برس سے سل کے مرض میں مبتلا تھے، اور اس حالت میں بھی وہ تصنیف و تالیف میں ہمیشہ مصروف رہے، احمدی جماعت میں ہمارے نزدیک وہ عام مسلمانوں سے سب سے زیادہ قریب تھے اسی لئے اُنکے مشن کا بار اٹھانے میں عام مسلمان اور امراء نے بھی شرکت کی تھی، اور شاید یہ راز ہے کہ مسیح الملک حکیم اجمل خان مرحوم، اور مولانا شبلی مرحوم نے انکی امدادی تحریکوں میں سب سے زیادہ دلچسپی لی، مولانا مرحوم نے ایکدفعہ علماء کے بالمقابل نوجوان تعلیم یافتوں میں سے خواجہ صاحب کے عزم تبلیغ کو سامنے رکھکر یہ شعر خود انہیں کے خط میں لکھا تھا

کام اس فرقۂ زہاد سے اُٹھا نہ کوئی ۔۔۔ کچھ ہوئے تو یہی رندانِ قدح خوار ہوئے

گو ہم کو خواجہ صاحب کے بہت سے خیالات اور تاویلات سے اتفاق نہیں تاہم یہ کہنا اظہار واقعہ ہے کہ انھوں نے ۱۹۱۲ء سے لیکر ۱۹۳۲ء تک اپنی پوری بیس برس کی زندگی اسلام کی تبلیغ، اور اس کے محاسن کی اشاعت اور یورپ میں اسلامی لٹریچر کی فراہمی میں صرف کی، اور نیز یہ کہ انکی تصنیفات کے بڑے حصہ کا موضوع "احمدیت" نہیں "محمدیت" ہے، افسوس کہ انکی موت سے دنیا کی مذہبی بزم میں ایک اہم جگہ خالی ہوگئی، اللہ تعالیٰ انکے ان اعمال صالحہ کے صدقہ میں ان کو اپنی مغفرت سے نوازے، اور انکی لغزشوں سے درگذر فرمائے۔

شاید ناظرین کو معلوم ہو کہ ہماری سیرۃ النبی کی تین گذشتہ جلدون کا ترجمہ قسطنطنیہ مین ترکی زبان مین ہو چکا ہے۔ جناب نواب فخر یار جنگ بہادر (حیدرآباد دکن) جنکے پہلو مین اسلامی درد ہے، اور جو نہایت دیندار مسلمان ہین، وہ ترکی کی سیاحت ابھی کر آئے ہین، اپنے ایک گرامت نامہ مین لکھتے ہین :-

"مین کچھ عرصہ ہوا ترکی گیا تھا، اور باوجود اس کے کہ جن لوگون کے ہاتھ مین زمام حکومت ہے وہ اسلام سے زیادہ تعلق نہین رکھتے، ایک بڑی جماعت ایسے لوگون کی ہے جو اب بھی سیرت مبارک کی بڑی دلدادہ ہے، اس کا جو ترجمہ ترکی مین ہو چکا ہے، اس کو وہ بہت شوق سے مطالعہ کرتے ہین، خود استنبول تو چونکہ مغرب زدہ ہو چکا ہے، وہان زیادہ لوگ نہین ملے، لیکن بروصہ مین جو شاہان عثمانیہ کا فتح استنبول سے پہلے دار الحکومت رہا ہے، بہت احباب کو سیرۃ النبی کا دلچسپی سے ذکر کرتے سنا، خدا آپ کے مساعی جمیلہ کو بارآور کرے"

اللہ تعالی کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے دار المصنفین کے اس نیک عمل کو یہ عزت بخشی کہ اس کے ذریعہ سے ترکی جیسے متعلق ہر روز خدا جانے کیا کیا کہا جاتا ہے، محمد رسول اللہ صلعم کی محبت کا فیض پہنچایا، دل سے دعا ہے کہ وہ خداوند قلوب اسکے بدولت خود اس کے مؤلف کے اور مسلمانون کے دلون کو اس محبت کی آبادی سے ہمیشہ معمور رکھے،

ہمنے تاریخ ہند کی نسبت پچھلے دو پرچون مین جو تجویز پیش کی تھی، بحمد اللہ کہ اس نے ہر دلعزیزی حاصل کی اور اکثر صاحبون نے اسکی ضرورت کا اعتراف کیا، اکثر اردو اور بعض انگریزی اخبارات مین اس کا خیر مقدم کیا گیا، طلبہ کے حلقہ مین خصوصیت کیساتھ اس سے دلچسپی کا اظہار کیا گیا، جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تجویز کتنی ضروری اور اہم ہے، اور عجیب اتفاق یہ کہ پنجاب کونسل مین نواب احمد یار خان دولتانہ نے اسی قسم کی ایک تجویز پیش کی تھی جو افسوس ہے کہ منظور نہ ہو سکی، اس مجوزہ تاریخ ہند کی نسبت پورا خاکہ ہم آیندہ پیش کرینگے جسمین جلدون کی تعداد، مباحث کا تعین اور مصنفین کے نام لکھے جائین گے،

ہندی کو ہندوؤن کی ملکی زبان بنانے کی جو کوشش ملک مین ہو رہی ہے وہ قابل قدر ہے، راجپوتانہ اور الور اور بالآخر

گجراتی بولی والی ریاست بڑودہ مین ہندی کو سرکاری زبان کا منصب مل رہا ہے لیکن ضرورت ہے کہ اسکے ساتھ اردو کو بھی زندہ رہنے دیا جائے، صوبہ متوسط کی تعلیمات سے سنا جا رہا ہے کہ اردو کو شہر بدر کیا جا رہا ہی، اگر یہ صحیح ہی تو حقیقت مین یہی وہ باتین ہین جو ہندوستان کی دو قومون کو بار بار لڑنے پر آمادہ کرتی ہین، مدراس کی رکنسا بھارت ہندی پرچار سبھا کے جلسہ تقسیم انعامات منعقدہ ۲۰ دسمبر ۳۲ء مین میسور کے ڈاکٹر شاستری نے یہ بجا کہا ہی کہ سنسکرت شمال و جنوب کی مادری زبان تھی اور اردو اور ہندی اسکی دو بیٹیان ہین، لیکن ضرورت ہی کہ ان دونون بہنون کو باہم دست و گریبان ہونے سے بچایا جائے،

ڈاکٹر صاحب نے اس جلسہ مین یہ تجویز بھی پیش کی ہے کہ اردو ہندی دونون زبانون کے ماہرین کا ایک متحدہ جلسہ حیدرآباد مین منعقد کیا جائے تاکہ ان دونون زبانون کے درمیان اتحاد کی دقتون کا حل سوچا جائے، ہم نے خود اسی قسم کی تجویز ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد کے سامنے پیش کی تھی اب بھی ناگری پرچارنی سبھا بنارس کے ایک آیندہ شائع ہونے والے مجموعہ مضامین مین اپنے نام کے مضمون مین پیش کی ہی، ضرورت ہی کہ دونون زبانون کے چند نیک دل اتحاد پسند اس مسئلہ کی اہمیت کیطرف توجہ فرمائین

سنا جا رہا ہی کہ بنگال کے کچھ مسلمان اسپر مصر ہین کہ اردو کو اپنے صوبہ کے دائرہ تعلیم مین داخل نہونے دین، تاکہ صوبہ کے لسانی اتحاد مین فرق نہ آنے پائے، یہ خیال مبارک ہی مگر سوال یہ ہی کہ صوبہ کے ہندو اگر ہندی کو ملک کی عمومی زبان کی حیثیت سے صوبہ مین داخل ہونے کی اجازت دیدین تو اس اتحاد مین فرق آجائیگا یا نہین، اور اس وقت بنگال کے مسلمانون کا اردو کی نسبت طرزِ عمل کیا ہوگا؟

ہمکو یہ اچھی طرح معلوم ہی کہ بنگال، گجرات، مہاراشٹر، مدراس وغیرہ مختلف صوبون کے مسلمان بچون کو اپنے صوبہ کی زبانون کے سیکھنے کے ساتھ ساتھ ایک نئی زبان اردو سیکھنے کی مشکل بھی پیش آتی ہی، جو ہندو بچون کو پیش نہین آتی لیکن اس تھوڑی سی دقت اٹھانے کا فائدہ یہ کیا کم ہے کہ آج اردو مین لکھی ہوئی ہر کتاب ہندوستان کے ہر صوبہ کے اکثر مسلمان پڑھ لیتے ہین، اور ایک اردو اخبار پورے ملک کے مسلمانون کو بیدار اور ہشیار رکھنے مین کامیاب ہے، اور ہندوستان کے ہر صوبہ کے جلسہ مین اردو ذریعہ تقریر ہی حالانکہ دوسری قوم اس ملکی عالمگیری کیلئے انگریزی کا سہارا لینے پر ہر قدم پر مجبور ہی، اسکے علاوہ اب تو ہر صوبہ کے ہندو بھی ہندی کو ملکی زبان کی حیثیت سے قبول کرتے جاتے ہین، اسطرح ایک نئی زبان کا بار صوبون کی دونون قومون پر آیندہ شاید برابر ہوگا،

مقالات

ترجمان القرآن وتفسیر حضرت مولینا ابوالکلام آزاد

(از جناب چودھری غلام احمد صاحب پرویز دہلی)

جناب غلام احمد صاحب پرویز کو مولینا ابوالکلام آزاد کی تفسیر و ترجمہ ترجمان القرآن کے مطالعہ سے چند شبہات پیدا ہوئے ہیں جنھیں انھوں نے قلمبند کر کے رفع شک کیلئے اشاعت کی غرض سے بھیجا ہے، ان میں بعض شبہات کی بنا بعض غلط فہمیوں پر بھی ہے تاہم وہ نظر انداز کرنے کے لائق نہیں، ہم ان شبہات و شکوک پر کسی آیندہ موقع پر ایک نظر ڈالیں گے،

سید ریاست علی ندوی سب اڈیٹر

خوش قسمتی سے میں بھی اُن لوگوں میں سے ہوں جنھیں ایک عرصہ سے حضرت مولینا ابوالکلام آزاد مدظلہ کے ترجمہ یا تفسیر قرآن کریم کا ایک "مہدی موعود" کی طرح انتظار تھا، بارے الحمد کہ ایک مدت کے مد و جزر کے بعد یہ گوہر تابناک بحر العلوم کی لہریوں سے ابھر کر سطح آب پر آیا اور اسی سال ترجمان القرآن کی پہلی جلد طبع ہو کر نظر نوازی کے لئے وجہ سکون ہوئی. ترجمہ قرآن کے متعلق کچھ بھی عرض کرنا گویا آفتاب کو آئینہ دکھانا ہے، ایک تو خود قرآن کریم کا معجزانہ انداز کلام اس پر حضرت مولینا کا ساحرانہ اسلوب بیان. بیساختہ غالب کا یہ شعر یاد آجاتا ہے،

ذکر اوس پری رخ کا اور پھر بیاں اپنا بن گیا رقیب آخر جو تھا رازداں اپنا

ترجمان القرآن کے شروع میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر پونے دو سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، جس کا حرف حرف ترجمان القرآن کی طرح حضرت مولینا کے تبحر علمی کا آئینہ دار ہے، اور بلا شائبہ تشکیک کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی لٹریچر

مین اپنی نوعیت کی یہ پہلی چیز ہے، کوئی تبصرہ نگار اس کے متعلق سوائے اسکے اور کیا کہہ سکتا ہے کہ

خاموش از ثنائے تو حد ثنائے تو،

اس عاجز نے بھی کئی مرتبہ اس تفسیر کو پڑھا، اور ہر بار نئے نئے نکات نادرہ کا انکشاف ہوا، لیکن اس مین دو ایک مقام ایسے نظر پڑے جنمین اعتقادی طور پر کچھ شبہہ معلوم ہوا اور غور و تفحص کے باوجود ان کا حل نہین مل سکا، مین منتظر تھا کہ کوئی صاحب علم ہستی اس موضوع پر کچھ روشنی ڈالے تو شاید میرا عقدہ بھی ضمناً ہی حل ہو جائے، لیکن یہ انتظار اس وقت تک بے سود رہا، اور کسی طرف سے اس کے متعلق کوئی آواز سنائی نہ دی، ہر چند میری یہ کیفیت کہ حضرت مولینا کے مقابلہ مین:-

چشم بروئے او کشا باز بخویشتن نگر

کا مضمون ہے، لیکن اس خیال سے کہ ان شکوک کو زیادہ عرصہ کے لئے سینہ مین تھامے رکھنا اونھین اور پختگی دیا جائے گا، مجبوراً جسارت پذیر ہو رہا ہون، کہ معترضانہ نہین بلکہ سائلانہ حیثیت سے ان شبہات کو ارباب علم و ذوق کے سامنے پیش کر دون، کہ شاید خود حضرت مولانا یا کسی اور صاحب کی توجہ میرے لئے طمانیت قلب کا باعث ہو سکے،

(۱)

تفسیر مین "ایمان باللہ" کے متعلق حضرت مولینا نے نہایت شرح و بسط سے بحث کی ہے جس کا ملخص یہ ہے، کہ خدا کی ہستی کا اعتقاد ذہن انسانی کی پیداوار نہین، بلکہ یہ اوسکی فطرت کا وجدانی احساس ہے، البتہ جس چیز کی تخلیق ذہن انسانی کی رہین منت ہے، وہ تصور صفات باری تعالیٰ ہے اور تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ نوع انسانی کے تصورات الوہیت مین مادی تصورات کی طرح ایک طرح کا تدریجی ارتقائی سلسلہ جاری ہے،

یہان تک تو صاف ہے، اور یہی امر وحی و نبوت کی ضرورت پر دلیل قاطع ہے کہ چونکہ ذہن انسانی تنہا، محض عقل و فکر کے آسرے پر تصور صفات مین غلطی سے مبرا نہین ہو سکتا تھا، اس لئے ماورائے سرحد ادراک کسی ایسی روشنی

کی ضرورت تھی، جو خارجی اثرات سے متاثر ہوئے بغیر صحیح تصور الوہیت بنی نوع انسان کے سامنے پیش کرے، یہی وہ روشنی ہے، جسے مامورین من اللہ بہ تقاضائے ضرورت وقتاً فوقتاً اپنے ساتھ لے کر مبعوث ہوئے اور جب بھی کسی قوم نے اس پیش فرمودہ تصور میں غلطی کی، اس پیغام کی تجدید کے لئے ایک اور منادی شریعت لے آیا، لیکن اس سے آگے جو کچھ حضرت مولینا نے فرمایا ہے، وہ غور طلب ہے، وہ فرماتے ہیں:۔

"بہرحال انسان کے تمام تصورات کی طرح صفات الٰہی کا تصور بھی اس کی ذہنی و معنوی ترقی کے ساتھ ساتھ ترقی کرتا رہا ہے، انبیاء کرام (علیہم السلام) کی دعوت کی ایک بنیادی اصل یہ رہی ہے، کہ انھوں نے ہمیشہ خدا پرستی کی تعلیم ویسی ہی شکل و اسلوب میں دی جیسی شکل و اسلوب کے فہم و تحمل کی استعداد مخاطبین میں پیدا ہو گئی تھی، وہ مجمع انسانی کے معلم و مربی تھے، معلم کا فرض ہے کہ متعلمین میں جس درجہ کی استعداد پائی جائے اسی درجہ کا سبق دے، پس انبیاء کرام نے بھی وقتاً فوقتاً خدا کی صفات کیلئے جو پیرایۂ تعلیم اختیار کیا وہ اس سلسلۂ ارتقاء سے باہر نہ تھا، بلکہ اسی کی مختلف کڑیاں مہیا کرتا ہے" (ترجمان ص۱۰۱)

اس شکل کے دو مختلف گوشے ہیں، ایک تو یہ کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے صفات باری تعالیٰ کے متعلق ایک ہی تصور ہر زمانے میں پیش کیا، البتہ جن الفاظ میں پیش کیا، وہ مخاطبین کے قدر عقول کے مطابق تھا، دوسرے یہ کہ انکا پیغام ہی وقتاً فوقتاً اسی سلسلۂ ارتقاء کی ایک کڑی ہوا کرتا تھا، جو نوع انسانی میں تدریجی جاری تھا، گویا ایک نبی (ع) جس زمانہ میں آیا، اُس کا پیغام اپنے ماحول اور گرد و پیش کے ارتقائی تخیلات کے حدود کے اندر اندر ہوتا تھا، اور جوں جوں ذہن انسانی نے ترقی کی، اس تصور میں بھی ترقی ہوتی گئی، حضرت مولانا کے بیان سے اس دوسری شکل کی زیادہ تائید ہوتی ہے، کیونکہ ایک دوسرے مقام پر وہ اس سے ذرا واضح تر الفاظ میں فرماتے ہیں کہ

"اگر یہ تمام کڑیاں تاریخی ترتیب کے ساتھ یکجا کر دی جائیں تو صاف نظر آ جائے کہ اس سلسلہ کی سب سے آخری اور اس لئے سب سے زیادہ ترقی یافتہ کڑی وہی ہے، جو قرآن نے نوع انسانی کے سامنے پیش کی ہے" (ترجمان ص۱۰۴)

اب یہ بالکل واضح ہو گیا کہ انبیاء کرام کا یہ پیغام ذہن انسانی کے ارتقائی مدارج کا ساتھ دیتا رہا ہے، اور اس سلسلہ

کی آخری کڑی قرآنی تعلیم کی شکل میں پیش کی گئی ہے،

میرا خیال ہے کہ یہ تعلیم قرآنی تعلیم کے مفہوم کے مطابق نہیں قرآن حکیم نے زمان و مکان کے اختلافات کی بنیاد پر شرائع و منہاج میں اختلاف و تباین کی ضرورت تو بتلائی ہے، لیکن جہاں تک ایمان باللہ کا تعلق ہے اسے کہیں بھی ذہن انسانی کے ارتقائی مدارج کا تبع نہیں بتایا، بلکہ یہ حقیقت عظمیٰ واضح کردی کہ جہاں اور جیسا بھی ذہن انسانی نے اس بارے میں غلطی کی، یا دانستہ طور پر اس میں تحریف کی، تو اس منحرف یا فراموش کردہ پیغام کی تجدید کے لئے ایک اور پیغامبر تشریف لے آئے اور حضرت آدم سے نبی اکرم صلعم تک بلا لحاظ احوال و ظروف ایک ہی اصول پیغام پیش کرتے رہے،

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:-

ولقد بعثنا فی کل امة رسولاً ان اعبدوا اللہ واجتنبوا الطاغوت (۱۶: ۳۸)	اور بلا شبہ ہم نے دنیا کی ہر قوم میں ایک پیغمبر مبعوث کیا، جسکی تعلیم یہ تھی، کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچتے رہو

دوسری جگہ ارشاد ہے:-

وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الٰہ الا انا فاعبدون (۲۱: ۲۴)	اے پیغمبر تم سے پہلے کوئی رسول بھی دنیا میں نہیں بھیجا مگر اس ہی کیساتھ کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری ہی عبادت کرو

سورۂ نسا میں اسے اور بھی واضح طور پر بیان کیا ہے،

انا اوحینا الیک کما اوحینا :	ہم نے آپکے پاس وحی بھیجی ہے جیسی نوح کے پاس بھیجی تھی،
.. ..	اور ان کے بعد اور پیغمبروں کے پاس اور ہم نے ابراہیم اسمٰعیل
.. ..	اسحاق اور یعقوب اور آل یعقوب اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس
.. ..	اور ہارون اور سلیمان کے پاس وحی بھیجی تھی اور ہم نے داؤد
.. ..	کو زبور دی تھی اور ایسے پیغمبروں کو صاحب وحی بنایا جن کا
.. ..	حال اس سے قبل ہم آپ سے بیان کرچکے ہیں، اور ایسے پیغمبروں کو

.. .. کو جن کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا، ور موسیٰ سے اللہ

.. .. .. تکلیما، (۴ - ۱۶۴) تعالیٰ نے خاص طور پر کلام فرمایا،

سورہ بقر آیت ۲۰۰ کے تشریحی نوٹ میں خود حضرت مولینا فرماتے ہیں، کہ

ہر رسول کی دعوت کا مقصد ایک ہی تھا، یعنی خدا پرستی اور نیک عملی کی تلقین"

سو ظاہر ہے کہ جب تمام انبیاء کرام خدائے واحد کی تعلیم پیش کرتے تھے، تو جب خدا کا نام لیتے تھے، تو اسکی صفات کی تشریح بھی تو فرماتے ہوں گے، ذہنِ انسانی میں اللہ تعالیٰ کا تصور ہی صفاتی تشریحات پر مبنی ہوتا ہے، لہذا اگر یہ تفصیل و تشریح ایک دوسرے سے مختلف ہو جائیں، تو تصور الٰہ بھی مختلف ہو جائے گا، اور یہی اختلافِ تصور ہی تو ہے، جسکی بنا پر "خدا پرستوں" میں خود اس قدر اختلاف موجود ہے، اور یہی اختلاف ہی جس کے مٹانے کے لئے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام تشریف لاتے رہے، اور یہ اسی صورت میں ممکن تھا، کہ صفات باری تعالیٰ کا ایک ہی تصور ہر حال میں پیش کیا جاتا، اور یہی "لا الٰہ الا ھو" سے مقصود ہے، کہ اس ایک الٰہ کا صحیح صحیح تصور ذہن نشین ہو جائے، ورنہ ذاتِ "الٰہ" کا یقین دلانے کی تو بقول حضرت مولینا ضرورت ہی نہ تھی، کیونکہ یہ تو انسانی فطرت کا وجدانی مسئلہ ہے،

بہرکیف حضرت مولینا کے سورہ فاتحہ کی تفسیر والے بیان کا مفہوم اگر وہی ہے، جو یہ عاجز سمجھا ہے اور جو اس سے بظاہر مترشح ہوتا ہے، تو وہ قرآنی تعلیم کے مطابق معلوم نہیں ہوتا، اور اگر اس کا مفہوم یہ نہیں تو ادائے مطلب میں کچھ تبدیلی کی ضرورت ہے، کیونکہ اسکی موجودہ شکل میں ایک بہت بڑے شبہہ کا دروازہ کھل رہا ہے، جو اس دور مادہ پرستی میں جب کہ عام طبائع کا رجحان پہلے ہی اس طرف جا رہا ہے، کہ نبی کی حیثیت اپنی قوم کے ایک ریفارمر سے زیادہ نہیں ہو سکتی، ایک فتنۂ عظیم برپا کرنے کا موجب بن جائے گا،

(۲)

دوسرا مسئلہ بہت اہم ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ اگر تفسیر یا حواشیِ ترجمہ کا سرسری مطالعہ بھی کیا جائے، تو یہ امر

اور تعصب کی کوئی گنجائش نہیں لیکن جو وسعت و مفاہمت اصول و عقائد کی قیمت پر خریدی جائے، قرآن اسکی بھی اجازت نہیں دیتا، جہانتک یہ عاجز سمجھا ہے، قرآن کریم کی تعلیم اس ضمن میں یہ ہے کہ

۱۔ تمام انبیائے کرام خدائے تعالیٰ کی طرف سے سچے اصول دین لیکر مبعوث ہوئے تھے،

۲۔ تمام الہامی کتابیں خدا کی طرف سے سچی اور برحق تھیں،

۳۔ تمام شرایع و مناہج اپنے اپنے وقت میں واجب العمل اور خدا کا بتایا ہوا سچا راستہ تھیں،

لیکن چونکہ الہامی کتابیں دستبردِ زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکیں، شرعی احکام کی صورت انسانی تحریف نے مسخ کر دی اور کسی عمل و عقیدہ کے متعلق حتمی طور پر یہ کہنا مشکل ہو گیا کہ یہ اللہ کا پیغام ہے یا انسانی تحریف، نیز احوال و ظروف کے بدلنے سے وقتی شرایع میں بھی تبدیلی ہوتی گئی، لہذا تمام سابقہ سچائیوں کو ایک مجموعہ کی شکل میں تالیف کرکے اپنے آخری پیغام کی صورت میں دنیا پر نازل فرما دیا، اور اوسکی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے خود ذمہ لے لیا، (نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون)

لھذا، نبی اکرمؐ کی بعثتِ مبارک قرآن کی تنزیل کے بعد، نجات و سعادت کے لئے یہ ضروری ٹھہرا، کہ

۱۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان انھی شرائط و پابندیوں کے ساتھ وابستہ کیا جائے جو قرآن نے تجویز کی ہیں،	اسلئے کہ اللہ کو نہ ماننے والے تو بالکل النادر کالمعدوم ہیں جس چیز میں "خدا پرستوں" میں اختلاف ہے، وہی قیود و شرائط ہی ہیں،
۲۔ محمد رسول اللہ صلعم کے اسوۂ حسنہ کو عملی زندگی میں خضرِ راہ بنایا جائے،	اس لئے کہ قرآن اگر نقوش و حروف کی شکل میں ہے تو حضورؐ کی زندگی اوس کا عملی نمونہ ہے اور تعلیم بلا عمل کے سمجھنے میں دقت ہے
۳۔ عبادت و مناسک، اوامر و نواہی، غرضیکہ تمام عمل و احکام میں شریعتِ محمدی (یعنی احکامِ قرآنی) کا اتباع کیا جائے،	اس لئے کہ قرآن خدا کا آخری پیغام ہونیکی وجہ سے اعلیٰ ترین اصولِ حیات کا حامل ہے، اور ہر شعبۂ زندگی میں بلحاظ زمان و مکان بہترین احکام پیش کرتا ہے، اور اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کی طرف رجوع کرنا کہاں کی عقلمندی ہے،

اس اجمال کی تفصیل اس عاجز کے مضمون "ایمان وعمل" مطبوعہ معارف بابت ماہ ستمبر و اکتوبر ۱۹۳۲ء میں گذر چکی ہے،
قارئین کرام سے درخواست ہے کہ اس مضمون پر ایک دفعہ پھر نظر ڈال لیں جس سے میرے اس بیان کی تائید بحوالہ آیات قرآنی
ہوجائیگی۔ اس کے علاوہ ذیل کے مقامات کا پیش نظر رکھنا بھی مفید ہوگا جن کا ترجمہ میں نے ترجمان القرآن[1] ہی سے نقل
کیا ہے، سب سے پہلے خدا پرستی اور نیک عملی کی تعلیم کے لئے نبی اکرم ﷺ کی اتباع واطاعت کے متعلق قرآن کا فیصلہ ملاحظہ فرمائیے
ارشاد ہے:۔

(۱) قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی .. .. غفور رحیم (آل عمران ۲۹)

(اے پیغمبر! ان سے) کہہ دو اگر واقعی اللہ سے محبت رکھتے ہو، تو تمھیں چاہئے کہ میری پیروی کرو اگر تم نے ایسا کیا تو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا، اور تمھاری خطائیں بخشدیگا جو بڑا ہی بخشنے والا اور رحمت والا ہے۔

(حاشیہ از حضرت مولینا:۔ جو کوئی اللہ سے محبت رکھنے کا دعویدار ہے، تو اوسے چاہئے کہ اللہ کے رسول کی پیروی کرے، اللہ کی محبت کا دعوی اور اوس کی راہ بتلانے والے کی پیروی سے انکار ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتے، ترجمان ص ۲۸۵)

(۲) یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول .... (النساء ۶۲)

مسلمانو! اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو،

(حاشیہ مسلمانوں کیلئے اصل دین یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کریں، اللہ کے رسول کی اطاعت کریں. . . پھر اگر ایسا ہو کہ کسی معاملہ میں نزاع پیدا ہوجائے، تو چاہئے کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے احکام کیطرف رجوع کریں، اور جو فیصلہ ملے اوس کے آگے سر تسلیم خم کردیں، ترجمان ص ۲۴۷)

(۳) وما ارسلنا من رسول الا

(حاشیہ) اور صاف صاف کہدیا ہے کہ جو شخص اللہ کے رسول کے

---

[1] ان حوالجات میں میں نے اسی حد تک اپنے آپ کو محدود رکھا ہے جہاں تک ترجمان القرآن جلد اول طبع ہوکر ہمارے سامنے آچکی ہے

بظاہر یہ تعلیم بڑی نظر فریب اور خوش آیند معلوم ہوتی ہے، اور اس مین بڑی مفاہمت اور مصالحت کی جھلک نظر پڑتی ہے، کہ جسکی برادری ایک عالمگیر وسعت بداماں ہوگی، اور دنیا مین پھر کوئی اختلاف و نزاع باقی نہ رہیگا، لیکن دیکھنا ہے کہ نجات و سعادت کی یہ شکل قرآنی زاویۂ نگاہ سے کہان تک واجب التسلیم والعمل ہے، سب سے پہلے یہ دیکھ لینا چاہئے کہ اگر یہ تعلیم قابلِ عمل بھی ہو تو کیا اس سے وہ مقصدِ عظیم حاصل ہو سکے گا جس کے حصول کے لئے حضرت مولینا نے یہ تعلیم تجویز فرمائی ہے، یعنی گروہ بندیون اور تحزب و تشیع کا وجود فی الواقعہ دنیا سے اوٹھ جائے گا، اس مین شبہہ نہین، کہ اس تعلیم مین بہت بڑی لچک موجود ہے، اس لئے یہ حلقہ زیادہ کھینچنے سے ٹوٹے گا نہین لیکن یہ حلقہ برادری کتنا ہی بڑا کیون نہ ہوجائے، پھر بھی اس مین ایک "گروہ بندی" کی شکل موجود رہے گی. زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ گروہ بندی ایک بہت بڑی گروہ بندی ہوگی، جس مین بہت سی چھوٹی چھوٹی گروہ بندیان جذب ہو جائین گی، لیکن "وسعت تحزب" سے عدمِ تحزب کیسے لازم آجائے گا، گروہ بندی تو بہرحال قائم رہیگی،

وہ چاہتے تھے نہ دیکھے کوئی ادا میری ؎ چھپے جو مجھ سے تو کیا یہ بھی اک ادا نہ ہوئی

اسکے بعد یہ دیکھنا ہے کہ کیا آج صفحۂ ہستی پر کوئی گروہ ایسا بھی موجود ہے، جس کے اصولِ زندگی یا اصولِ مذہب من و عن وہی ہون، جو حضرت مولینا نے تجویز فرمائے ہین، اور اگر کوئی ایسا گروہ موجود ہے تو اس جدت کی پھر کیا ضرورت، کیون نہ اُسی حلقہ کو وسیع کیا جائے، اس تلاش کے لئے ہمین زیادہ دور جانے کی ضرورت نہین، خود ہمارے ہندوستان مین ایک ایسا گروہ موجود ہے، جسکی تعلیم حرفاً حرفاً وہی ہے، جو حضرت مولانا نے پیش کی ہے، برہمو سماج کے نام سے آج کون واقف نہین، اس کے بنیادی اصول ہی "خدا پرستی اور نیک عملی کی زندگی" ہین. لفظ برہما سماج کے معنی ہی ایسا گروہ ہین جو خدا پرست ہو، ان کی توحید کا عقیدہ جسقدر منزہ عن الشرک ہے اوسکی تفصیل بانی سماج سوامی رام موہن رائے کے سب سے پہلے رسالہ تحفۃ الموحدین مین موجود ہے، اس سماج کے اجتماع کے لئے آج سے قریب ایک سو سال بیشتر چیت پور روڈ پر جو عمارت تعمیر کی گئی تھی اوسکے TRUSTDEED (وثیقہ وقف) مین یہ عبارت موجود ہے:-

"یہ عمارت اس غرض کے لئے تعمیر کی گئی ہے کہ اوس مین بلا تفریق (مذہب وملت) ہر قسم کے ایسے لوگ جمع ہوا کرین، جنکا باہمی سلوک نہایت شریفانہ، متین، اور نیک ہو، اور جو لباس مذہبی عقائد کے ساتھ اُس ایک خدا کی پرستش اور تسبیح و تقدیس کے لئے جمع ہوا کرین جو کہ ازلی اور ابدی ہے، جس کو (عقل انسانی کی) تلاش سے پایا نہین جا سکتا، جو نقائص سے منزہ ہے، جس کی ذات اس عالم موجودات کی خالق اور محافظ ہے، اور جسے اس نام کے علاوہ کسی اور اپنے نام سے مخاطب نہین کیا جا سکتا جو اوس کے علاوہ کسی اور ذات کیلئے، کسی انسان یا انسانون کی جماعت کیلئے بولا جاتا ہو، عمارت مین کسی قسم کا کوئی کندہ کردہ مجسمہ یا تصویر، بت، نقاشی کی شکل کوئی انسانی تصویر، یا کوئی ایسی چیز جو ان سے ملتی جلتی ہو، ہرگز داخل نہین کی جائیگی ..."

ان کے مذہبی عقائد مین یہ چیزین شامل ہین،

۱۔ خدا کو واحد مانا اور صرف اسی کی پرستش کیجائے، خدا کا کوئی اوتار نہ مانا جائے، بت پرستی کی مخالفت کیجائے،

۲۔ صحیفۂ فطرت کو مذہبی اعتقادات کا بنیادی اصول مانا جائے،

۳۔ اگرچہ اپنے مذہبی عقائد کی بنیاد کسی خاص کتاب پر نہ رکھی جائے لیکن ہر الہامی کتاب کی صداقت وحقانیت کو تسلیم کیا جائے،

۴۔ ہر مذہب کے سچے اصولون کو اعتقادی اصول مانا جائے،

۵۔ ظواہر و رسوم پر اعتقاد نہ رکھا جائے، بلکہ مقصد اصلی قلبی صفائی کو قرار دیا جائے،

وغیرہ وغیرہ (ملاحظہ ہو انسائیکلوپیڈیا بریطانیکا اور سائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس از جیمس ہیسٹنگز)

حضرت مولینا کی تعلیم اور مندرجہ صدر عقائد کو ایک دوسرے کے مقابلہ مین رکھکر موازنہ فرمالیجئے، ایک حرف کا بھی فرق نظر نہین آئے گا، اب سوال یہ ہے کہ اگر "الدین" اور "الاسلام" یہی ہے، جو برہمو سماج کی شکل مین موجود ہے تو کیون نہ اوسی حلقہ کو زیادہ وسیع کیا جائے، لیکن مصیبت یہ ہے کہ ان اصولون کو مانتے ہوئے برہمو سماج پھر بھی ایک علیحدہ گروہ تسلیم کیا جاتا ہے اور اوسے یا کسی اور ایسے ہی گروہ کو وسیع کر دینے پر بھی وہ علیحدہ گروہ رہیگا،

اس کے بعد یہ دیکھنا ہے کہ قرآن حکیم مین اوسکے متعلق کیا ارشاد ہے، ہر چند یہ صحیح ہے کہ قرآن کریم مین تنگ نظری

واضح ہوجاتا ہے کہ دراصل یہی ایک پیغام ہے، جو حضرت مولینا لوگون تک پہنچانا چاہتے ہین، "اس پیغام کی تفصیل تو بہت طویل ہے لیکن اس کا ماحصل یہ ہے، کہ تمام مذاہب عالم اپنے اپنے طریقہ پر سچے ہین، اور اصل دین "خدا پرستی" اور نیک عملی کی تلقین ہے، اور شرائع و منہاج کے اختلاف پر جو گروہ بندیان بنائی گئی ہین، وہ اس تعلیم کے منافی ہین، بظاہر یہ اصول مذہب نہایت خوش آیند معلوم ہوتا ہے، اور بادی ہی نہین کیا جاسکتا کہ اسمین کسی اعتراض کی گنجایش ہوسکتی ہو، لیکن اس اجمال کی تفصیل پر اگر نظر ڈالی جائے، تو اوسکے بہت سے گوشے ایسے نکلین گے جنھین مشکل سے تسلیم کیا جاسکے گا، بہتر ہے کہ اس تفصیل کو حسب حیثیت مقامات سے خود حضرت مولینا کے الفاظ ہی مین پیش کیا جائے، تاکہ صحیح مفہوم کے سمجھنے مین غلطی کا امکان نہ رہے،

تفریق بین الرسل و تحزب و تشیع کے تفصیلات کی بحث کے خاتمہ پر آپ ارشاد فرماتے ہین:-

(خلاصۂ بحث) متذکرۂ صدر تفصیلات کا ماحصل حسب ذیل دفعات مین بیان کیا جاسکتا ہی،

(۹) اس نے (قرآن نے) صاف لفظون مین اعلان کردیا، کہ اوسکی دعوت کا مقصد اسکے سوا کچھ نہین ہو کہ کہ تمام مذاہب اپنی مشترک اور متفقہ سچائی پر جمع ہوجائین، وہ کہتا ہے، تمام مذاہب سچے ہین لیکن پیروان مذاہب سچائی سے منحرف ہوگئے ہین، اگر وہ اپنی فراموش کردہ سچائی از سر نو اختیار کرلین، تو میرا کام پورا ہوگیا، اور اونھون نے مجھے قبول کرلیا، تمام مذاہب کی یہی مشترک اور متفقہ سچائی ہے جسے وہ "الدین" اور "الاسلام" کے نام سے پکارتا ہی،

(۱۰) اوس نے بتلایا کہ تمھاری مذہبی گروہ بندیون اور اون کے ظواہر و رسوم کو انسانی نجات و سعادت مین کوئی دخل نہین، یہ گروہ بندیان تمھاری بنائی ہوئی ہین، اور خدا کا ٹھہرایا ہوا دین ایک ہی ہے، وہ دین حقیقی کیا ہے؟ وہ کہتا ہے ایک خدا کی پرستش اور نیک عملی کی زندگی، جو انسان بھی ایمان اور نیک عملی کی راہ اختیار کریگا، اوس کے لئے نجات ہی، خواہ وہ تمھاری گروہ بندیون مین داخل ہو یا نہ ہو" (ترجمان صفحہ ۱۷۳)

دوسری جگہ فرماتے ہین:-

"اور یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہین کہ اوس نے (قرآن نے) کسی مذہب کے پیرو سے بھی یہ مطالبہ نہین کیا کہ وہ کوئی نیا عقیدہ

یا نیا اصول قبول کرلے، بلکہ ہر گروہ سے یہی مطالبہ کرتا ہے کہ اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر سچائی کے ساتھ کاربند ہو جائے" (ترجمان ص ۱۵۴)

سورۂ بقر آیت ص ۱۷۲ کے تشریحی نوٹ میں تحریر فرماتے ہیں :-

"دین حق کی اس اصل عظیم کا اعلان کہ سعادت و نجات کی راہ یہ نہیں ہے کہ عبادت کی کوئی خاص شکل یا کھانے پینے کی کوئی خاص پابندی یا اسی طرح کی کوئی دوسری بات اختیار کرلی جائے، بلکہ وہ سچی خدا پرستی اور نیک عملی کی زندگی سے حاصل ہوتی ہے، اور اصل شئے دل کی پاکی و عمل کی نیکی ہے، شریعت کے ظاہری احکام و رسوم بھی اسی لئے ہیں تاکہ یہ مقصود حاصل ہو جائے" (ص ۲۹)

اسی کے آگے درج ہے" جہاں تک دین کا تعلق ہے، ساری طلب مقاصد کی ہونی چاہئے، نہ کہ وسائل کی"

خلاصہ اس بحث کا یہی ٹھہرا کہ نجات کے لئے یہی کافی ہے کہ

۱- ایک خدا کی پرستش کیجائے،

۲- اپنے اپنے خیال کے مطابق یا اپنے اپنے مذہبی اعتقاد کے مطابق جس عمل کو نیک سمجھا جائے اس پر عمل پیرا ہوا جائے، اور

۳- حصول مقصد (یعنی کسی خاص "مقام" پر پہنچ جانے کے بعد شریعت کے ظاہری رسوم و احکام کو بھی خواہ چھوڑ دیا جائے) اور یہ ضروری نہیں کہ :-

(۱) ایمان کو کسی خاص شرط سے مقید کیا جائے، (یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملائکہ کتب الہٰی انبیائے کرام آخرت پر بھی اسی شکل میں ایمان لایا جائے جس شکل میں قرآن نے پیش کیا، اور نبی اکرم نے کرکے دکھایا)

(۲) احکام و عوامل، اوامر و نواہی میں شریعت محمدی کی ہی پیروی کیجائے اور عبادت و مناسک میں قرآنی احکام کا ہی اتباع کیا جائے،

۳- حرام و حلال (کھانے پینے کی پابندیوں) میں قرآن کے فیصلوں کو ہی قول فیصل مانا جائے،

لیطاع باذن اللہ ۔ (النساء ۶۴) ...	اور فیصلہ پر یقین نہیں رکھتا وہ کبھی سچا مومن نہیں ہو سکتا یقین کے لئے صرف یہی کافی نہیں ، کہ حکم مان لیا جائے ، بلکہ لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ایسی حالت پیدا ہو جائے کہ حکم رسول کے خلاف دل میں کوئی تنگی و خلش بھی محسوس نہ ہو ، (ترجمان صفحہ ۲۴۴)
(۴) یا ایھا الناس قد جاءکم رسول بالحق ..... خیرا لکم (النساء ۱۶۰)	اے افراد نسل انسانی بلاشبہہ الرسول (یعنی پیغمبر اسلام) تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس سچائی کے ساتھ آ گیا ہے ، (اور اوس کی سچائی اب کسی کے جھٹلانے جھٹلائی نہیں جا سکتی) پس ایمان لاؤ کہ تمہارے لئے (اسی میں) بہتری ہے ۔

تفسیر میں حضرت مولینا خود ایک جگہ فرماتے ہیں ، :-

"کوئی شخص دائرۂ اسلام میں داخل ہوہی نہیں سکتا جب تک کہ وہ خدا کی توحید کی طرح پیغمبر اسلام کی بندگی کا بھی اقرار نہ کرلے .... اس اقرار میں جس طرح خدا کی توحید کا اعتراف کیا گیا ہے ، ٹھیک اوسی طرح پیغمبر اسلام کی بندگی اور درجۂ رسالت کا بھی اعتراف ہے" (صفحہ ۱۱۹)

معلوم نہیں جب ایک طرف یہ تعلیم ہو کہ ہر گروہ اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر سچائی کے ساتھ کاربند ہو جائے اور یہ بھی ضروری نہ ہو کہ عبادت کی کوئی خاص شکل یا کھانے پینے کی کوئی خاص پابندی یا اس قسم کی کوئی دوسری صورت اختیار کر لی جائے ، تو رسول اکرم کی پیروی پھر کس بات میں کی جائے ،

اسکے بعد قرآن کریم پر ایمان لانے کے متعلق ملاحظہ فرمایئے ، یوں تو سارا قرآن اس بات پر شاہد ہے کہ نجات

وسعادت کے لئے قرآن کریم کے احکام پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے لیکن بخوف طوالت میں یہاں صرف ایک حوالہ پر اکتفا کرتا ہوں حضرت مولینا نے فرمایا ہے کہ اصل دین یہ ہے کہ ہر گروہ اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر سچائی کے ساتھ کاربند ہو جائے لیکن قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ ایک یہودی و عیسائی کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ قرآن پر ایمان لائے۔ چنانچہ ارشاد ہے:-

واذا سمعوا .... المحسنین (المائدہ ۸۳-۸۶)

اور جب یہ لوگ (یعنی) وہ کلام سنتے ہیں جو اللہ کے رسول پر نازل ہوا ہے، تو تم دیکھتے ہو، کہ ان کی آنکھیں آنسو گرنے لگتی ہیں، کیونکہ انھوں نے اس کلام کی سچائی پہچان لی ہے، اور وہ (بے اختیار) بول اٹھتے ہیں "خدایا ہم اس کلام پر ایمان لائے پس ہمیں بھی ان لوگوں کے ساتھ لکھ لے جو تیری سچائی کی گواہی دینے والے ہیں" اور (وہ کہتے ہیں) ہمیں کیا ہوگیا ہے کہ ہم اللہ پر اور اس کلام پر جو سچائی کے ساتھ ہمارے پاس آیا ہے ایمان نہ لائیں، اور اللہ سے اس کی توقع نہ رکھیں کہ وہ ہمیں نیک کرداروں کے زمرے میں داخل کر دے؟ تو دیکھو خدا نے ان کے اس کہنے کے صلے میں انھیں (نعمت و سرور ابدی کی) جنتیں عطا فرمائیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، اور اس لئے ان کی بہار کے لئے کبھی خزاں

یا اپنے تمام اعمال و افعال حیات اور تعلقات و لوازم زندگی میں یکسر پیکر شریعت اور مجسمۂ اسلامیت ہونا،

۲۔ حکم اسلام اور شریعت اسلامیہ کی اطاعت کا بتدریج وہ مرتبہ حاصل کرنا اور اس طرح اس کے احکام کی عظمت و سطوت اپنے اوپر طاری کر لینا کہ اس کا ہر حکم فرمان قضا اور اس کا ہر اشارہ فیصلۂ کن جسم و جان ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔" (الہلال ۱۷ دسمبر ۱۹۱۲ء)

گویا شریعت محمدی کا اتباع نہایت ضروری ہے، اور یہ اس لئے کہ

"اسلام ایک آخری دین الٰہی تھا، جس نے نہ صرف احکام شریعت میں ہی بلکہ حیات قومی کی ہر شاخ میں ہم کو سب سے آخر اور سب سے بہتر اصول دے دئے، اور دنیا خواہ کتنی ہی بدل جائے لیکن آزما لیا جا سکتا ہے، کہ ان اصولوں کی صداقت کو بدلنے کی ضرورت نہیں، ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پھر اتمام نعمت کا لفظ کہکر بتا دیا، کہ جو اصول ان میں دئے گئے ہیں وہ چونکہ آخری ہیں اس لئے اعلیٰ ترین بھی ہیں، اور اب ان کے پاس زر و جواہر کی کانیں مہیا ہو گئی ہیں پس ان کو اوروں کے خزف ریزوں پر للچانے کی ضرورت نہیں" (الہلال ۳ جولائی ۱۹۱۳ء)

یہاں یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اسلام سے مراد وہ متفقہ اور مشترکہ سچائی نہیں جو ہر مذہب میں پائی جاتی ہو بلکہ وہ دین الٰہی ہے، جس نے احکام شریعت میں بہترین اور آخری اصول مسلمانوں کو دئے، کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ ایک ہی چیز کا "مشترک و متفق" اور بہترین اور اعلیٰ ترین ہونا متضاد ہے،

اس کے بعد مولانا نے اس حقیقت عظمیٰ کا اعلان کہ نبی اکرم صلعم کی تشریف آوری کے بعد احکام اسلامی کے علاوہ کوئی تعلیم ذریعۂ نجات نہیں ہو سکتی، اس قدر واضح، غیر مبہم اور بیّن الفاظ میں فرمایا ہے، کہ وہ اس بحث کے لئے قول فیصل کا حکم رکھتا ہے، اور وہ ایسی حقیقت ہے کہ جس کی موجودگی میں کسی مزید دلیل و حجت

کی ضرورت باقی نہیں رہتی نہ ہی کسی تاویل و تسویل کی گنجائش بعثت نبی اکرم صلعم کے سلسلہ میں حضرت مولینا رقمطراز ہیں :-

...... یعنی وہ وجود اعظم و اقدس جس کے لئے دشت حجاز میں ابراہیم خلیل علیہ السلام نے اپنے خدا کو پکارا (ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم آیاتک ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم - ۲: ۱۲۹) جس کے نور مبین کی تجلی فاران کی چوٹیوں پر موسیٰ علیہ السلام نے دیکھی، جس کے عشق میں داؤد علیہ السلام نے نغمہ سرائی کی، جس کے جمال الٰہی کی تقدیس میں سلیمان علیہ السلام اپنے تخت جلال پر جھک گیا، جس کی طرف یوحنا علیہ السلام سے پوچھنے والوں نے بقیرارانہ اشارہ کیا، اور جس کے لئے ناصرہ کے اسرائیلی نبی علیہ السلام نے اپنا جانا ہی بہتر سمجھا تا وہ اپنے باپ سے جو آسمان پر ہے سفارش کرے، اور اوس کو جو آنے والا ہے جلد بھیجدے،، (یوحنا ۱۶: ۸)
غرضیکہ جب وہ آنے والا آیا، اور خدا کی زمین آخری مرتبہ سنواری گئی، تا اوسکی ابدی حکومت و جلال کا تخت بچھے اور پھر اوس کے فرمان آخری کا اعلان ہوا،

ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاخرۃ من الخاسرین (۳ : ۸۴)

اب سے جو انسان احکام اسلامی کی جگہ کسی دوسری تعلیم کو تلاش کرے گا، تو یقین کرو کہ اوس کی تلاش کبھی مقبول نہ ہوگی، اور اوس کے تمام کاموں کا آخری نتیجہ ناکامی و نامرادی ہوگا"

(الہلال بابت ۲۴ ستمبر ۱۹۱۳ء)

یہ اقتباسات کسی مزید حاشیہ آرائی و خیال آفرینی کے محتاج نہیں، ارباب ذوق خود اندازہ

اولئک کتب فی قلوبھم الایمان	یہی وہ سچے مومن ہین جن کے دلون کے اندر خدا نے
.. ..	ایمان نقش کردیا ہے اور اپنی روح سے ان کی نصرت
.. ..	فرمائی ہے۔ نیز وہ انہین کامیابی و فتحمندی کے ایسے باغون
.. ..	مین داخل کریگا، جن کے نیچے نہرین بہ رہی ہونگی
.. ..	اور وہ ہمیشہ اوس کا عیش ابدی حاصل کرین گے۔ یہی
.. ..	وہ خدا کے خاص بندے ہین جن سے وہ راضی ہے اور وہ خدا
.. .. ..و رضوا عنہ (۵۸ : ۲۱)	سے راضی ہین" (الہلال ۲۴ دسمبر ۱۹۱۳ء)

گویا بارگاہِ الٰہی مین انکا درجہ یہ ہے کہ وہ خدا سے خوش اور راضی ہین اور خدا اون سے خوش اور راضی ہے، اور یہ انتہا، مراتب عباد اللہ ہے، پھر "دائمی نشاط کار و سرور فتحمندی" اور فلاح دارین اونکا صلہ ہے، لہٰذا نجات و سعادت کی راہین اس جماعت پر کھل جائین گی، اوسکے بعد اس جماعت کا نام تجویز فرماتے ہوے ارشاد ہے:۔

"یہ جماعت "حزب اللہ" کے نام سے موسوم ہوگی، کہ خدائے تعالیٰ نے مومنین مخلصین کو اسی لقب سے ملقب فرمایا ہے،

"الا ان حزب اللہ ھم الغالبون" (〃)

یہ تو ہوئی "گروہ بندی" اب سوال یہ ہے کہ تعین جماعت کے لئے تخاطب مین مسلمانون کی تخصیص کیون کی گئی ہے، اور اونھین وہ کونسا امتیازی تفوق حاصل ہے، جس کی بنا پر یہ شرف و اعتبار اون کے حصہ مین آیا، فرماتے ہین:۔

"... بلکہ ہم کو (مسلمانون کو) بتایا گیا ہے کہ تمام دنیا تمھارا گلہ ہے اور تم اوس کے چرواہے ہو، یہ تمام انسانی آبادیاں تم کو دی گئی ہین، تاکہ اللہ کی طرف سے تم اون کی حفاظت کرو، اور گرگ ابلیس کے خونخوار حملون سے اون کو بچاؤ، تم کو بہترین امت اور افضل ترین امم بنایا گیا، تاکہ تم ارض الٰہی کے خدمتگذار بنو، اور تم کو دنیا مین اوس نے اپنی جماعت، اپنی فوج اور قائم مقام قرار دیا، تاکہ اوسکی ہدایت کا علم

صرف تمھارے ہی ہاتھ مین ہو، اور اوس کے تمام بندے اوس کے سایے کے نیچے آکر پناہ لین ....

.... پھر غور کرو کہ کس طرح تمام دنیا کی اصلاح وسعادت کا ہمین ذمہ وار بتایا ہے، اور کہا ہے کہ تم ہی ہو جو اوس کے لئے شاہد ہو سکتے ہو کیونکہ زمین پر تمھارے سوا اور کوئی نہین جس کے لئے ہمارا رسول شاہد ہو" (الہلال بابت ۲۰ ... ثانی ۱۹۱۳ء)

اللہ اللہ کس درجہ مہتم بالشان مقام ہے جو جماعت مسلمہ کو عطا فرمایا گیا ہے، اور کس قدر عالی منصب ہے جو انھین تفویض کیا گیا ہے، کہ تمام افراد نوع انسانی کے رشد و ہدایت اور حفاظت و نگہبانی کی ذمہ داری اُن پر عائد کی گئی ہے، اور انھین بہترین امت اور افضل ترین امم قرار دیا گیا ہے، یہ کیون، اس لئے کہ

ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا ... ذالک ھو الفضل الکبیر (۲۵:۳۰)

پھر پچھلی قومون کے بعد ہم نے اپنے بندون مین سے اون لوگون کو کتاب الٰہی (قرآن) کا وارث ٹھہرایا جن کو ہم نے اپنی خدمت کے لئے اختیار کر لیا (یعنی مسلمانون کو) ...... (رر)

اس کے بعد ان شرائط اور پابندیون کا ذکر ہے جو اس جماعت مین داخل ہونے والون پر عائد کی جائین گی، اس کے لئے جماعت کے تین مدارج متعین کئے گئے تھے پہلا درجہ احساس و ایقان کا تھا یعنی ایثار و قربانی کیلئے دلون مین ایک تڑپ پیدا کی جائے، اس کے بعد دوسرا درجہ قوت عمل کے مظاہرہ کا تھا، اس مین یہ نہین کہا گیا کہ بلا تعریف و تخصیص "نیک عملی" کی زندگی کی جائے، بلکہ فرمایا :-

"لیکن اس کے لئے اولین شرط یہ ہوگی کہ داخل ہونے والا امور ذیل کی پابندی کا مومنانہ و مخلصانہ عہد کرے، نیز جس قدر زمانہ پہلی جماعت مین بسر کر چکا ہے، اوس کے نتائج اس کے عہد کی صداقت کا یقین دلائین،

۱- تمام احکام شریعت کی، ان کی تمام شرائط و ارکان کے ساتھ سچی پابندی کرنا اور ازسرتا

نہیں) وہ ہمیشہ انھیں جنتوں میں رہینگے اور ایسا
ہی بدلہ ہے جو نیک کرداروں کے لئے ٹھہرا دیا گیا ہے"

(ترجمان صفحہ ۴۰)

اب شرع و منہاج کا سوال جس کے لئے حضرت مولینا فرماتے ہیں کہ اسکی بھی کوئی ضرورت نہیں کہ عبادت کی کوئی خاص شکل یا کھانے پینے کی کوئی خاص پابندی یا اسی قسم کی کوئی دوسری صورت اختیار کیجائے، سو اول تو قرآن پر ایمان لانے کے معنی ہی یہی ہیں کہ اوس کے احکام پر عمل پیرا ہوا جائے لیکن اصولی طور پر اس کی ضرورت کے متعلق خود حضرت مولینا ما ننسخ من آیۃ او ننسھا (۲: ۱۰۰) کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں :-

"ایک شریعت کے بعد دوسری شریعت کا ظہور اس لئے ہوا کہ یا تو نسخ کی حالت طاری ہوئی، یا نسیان کی، "نسخ" یہ ہے کہ ایک بات پہلے سے موجود تھی لیکن موقوف ہوگئی، اور اوسکی جگہ دوسری بات آگئی "نسیان" کے معنی بھول جانے کے ہیں پس بعض حالتوں میں ایسا ہوا کہ پچھلی شریعت کسی نہ کسی شکل میں موجود تھی، لیکن احوال و ظروف بدل گئے تھے، یا اوس کے پیروؤں کی عملی روح معدوم ہوگئی تھی، اس لئے ضروری ہوا کہ نئی شریعت ظہور میں آئے (؟ پرویز) بعض حالتوں میں ایسا ہوا کہ امتداد وقت سے پچھلی تعلیم بالکل فراموش ہوگئی، اور اصلیت میں سے کچھ باقی نہ رہا، پس لا محالہ تجدید ہدایت ناگزیر ہوئی، سنت الٰہی یہ ہے کہ نسخ شرائع ہو یا نسیان شرائع لیکن ہر نئی تعلیم پچھلی تعلیم سے بہتر ہوتی ہے، یا کم از کم اوس کے مانند ہوتی ہے، ایسا نہیں ہوتا کہ کمتر ہو کیونکہ اصل تکمیل و ارتقا ہے نہ کہ تنزل و تسفل" ترجمان صفحہ ۱۲۷)

مجھ میں نہیں آتا کہ جب ہر گروہ اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر عمل پیرا ہو کر نجات حاصل کرسکتا ہے، تو پھر "نسخ شرائع" کی کیا ضرورت! اور جب نسیان شرائع کا وجود بھی مانا جاتا ہے، تو ہر گروہ اپنے مذہب کی "حقیقی تعلیم" لو کہاں سے ڈھونڈھ کر لائے، حیرت اندر حیرت است و مشکل اندر مشکل است،

میں یہاں تک لکھ چکا تھا کہ حسن اتفاق سے مجھے خود حضرت مولینا کا ایک سلسلۂ مضامین خاص انہی موضوعات پر مل گیا، جو اونھوں نے آج سے قریب ۳۰ سال پیشتر شایع فرمایا تھا، مناسب معلوم ہوا کہ جستہ جستہ مقامات

سے اس مسئلہ کی کچھ کڑیاں پیش کردی جائیں تاکہ ان شبہات کا خود حضرت مولانا کے الفاظ سے ہی فیصلہ ہو جائے،

۱۹۱۳ء کا ذکر ہے کہ حضرت مولانا نے جماعت "حزب اللہ" کے نام سے ایک تحریک کی بنا ڈالی تھی اور اس غرض کے لئے انھوں نے "الہلال" میں "النداء والندا" کے زیرعنوان کئی متفرق اشاعتوں میں یہ سلسلہ مضامین شائع فرمایا تھا۔ اس وقت میرے پیش نظر ۲۰ جون لغایت ۲۳ دسمبر ۱۹۱۳ء کے پرچے ہیں، اور ذیل کے اقتباسات انہی پرچوں سے لئے گئے ہیں۔ یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ جماعت حزب اللہ کی بنا حضرت مولانا نے کسی خاص سیاسی یا معاشرتی اغراض و مقاصد کے حصول کے لئے نہیں ڈالی تھی، بلکہ ان کے الفاظ میں وہ "عین اسلامی" جماعت تھی چنانچہ آغاز تحریک میں وہ اپنے مطلب کو ان الفاظ میں پیش فرماتے ہیں:-

"بہتر ہے کہ میں اپنے مطلب کو زیادہ واضح کر دوں۔ میرا مقصود اس صدائے دعوت سے یہ ہے جو محض آجکل کی مصطلح تحریک اور ایک رسمی آواز ہی نہ ہو، بلکہ اسکی داعی ایک ایسی جماعت ہو جو اپنی زبانوں کی طرح اپنے اعمال کے اندر بھی ایک صدا ری دعوت رکھے، جو سر سے پیر تک اس دعوت کا ایک پیکر مجسم ہو، جو دنیا کو اللہ کی طرف بلانے سے پہلے خود اللہ کیلئے ہو چکی ہو......... اوسکے اندر حقیقت اسلامی کی عملی روح ہو اوس کا دل جمال الٰہی کا مسکن اور اس کا چہرہ حسن حقیقت کا حجاب ہو، وہ دنیا کی تمام طاقتوں اور ما سوا اللہ قوتوں سے باغی ہو کر صرف خدائے اسلام کی وفادار اور تابع احکام ہو"

.... (الہلال ۲ جولائی ۱۹۱۳ء)

جب کہ میرا اشارہ ایک ایسی جماعت کی طرف ہے تو پھر کیوں متعجب ہوتے ہو۔ کہ اگر میں نے اوسکی صدا کو صدائے حق، اور اوسکے جمال کو جمال الٰہی کہا، حالانکہ جو نفوس قدسیہ نفس و شیطان کے تسلط کی زنجیروں کو توڑ کر حقیقت اسلامیہ کی محویت و خود فروشی کے مقام کو اپنے اوپر طاری کر لیتے ہیں یعنی اپنی تمام قوتوں اور خواہشوں کے ساتھ اللہ کے ساتھ بک جاتے ہیں اور ہر طرف سے گردن موڑ کر صرف اوسی قبلۂ ارواح و کعبۂ قلوب کے آگے منہ کر لیتے ہیں، پھر وہ "مسلم" ہوتے ہیں، اور "اسلام" کے معنی گردن کے رکھ دینے حوالہ کر دینے اور جھکا دینے کے ہیں............ " (ایضاً)

پھر ان کی تعریف ان لفظوں میں کی ہے،

فرما سکتے ہین، کہ اوس وقت حضرت مولینا کے نزدیک معیار نجات و سعادت وہی تھا، جو انھون نے آج تفسیر و ترجمان القرآن مین پیش کیا ہے، یا وہ جو اس عاجز نے گذارش کیا ہے، اس مین شک نہین، کہ بیس۲۰ سال کے عرصہ مین احوال و ظروف بہت کچھ بدل چکے ہین، لیکن اصول و حقائق تو ہمیشہ اٹل اور غیر متبدل ہوا کرتے ہین، احوال و ظروف کی تبدیلی کا ان پر تو کچھ اثر نہین ہونا چاہئے، لیکن یہان تو یہ مشکل ہے کہ آیات قرآنی تک کے ترجمہ و مفہوم مین بین فرق پیدا ہو رہا ہے، مندرجۂ بالا آیت قرآنی ومن یبتغ غیر الاسلام دینا .... الخ کا مفہوم اور ترجمہ ۱۳ ۱۹ء کا بھی آپ نے ملاحظہ فرما لیا ہے، اب ۱۹۳۲ء عیسوی کا مفہوم اور ترجمہ بھی ملاحظہ فرمائی ارشاد ہے:-

"اور جب وہ (قرآن) کہتا ہے کہ "الاسلام" کے سوا کوئی دین اللہ کے نزدیک مقبول نہین تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے، کہ دین حقیقی کے سوا جو ایک ہی ہے۔ اور تمام رسولوں کی مشترک تعلیم ہے، انسانی مسافت کی کوئی گروہ بندی مقبول نہین، سورۂ آل عمران مین جہان یہ بات بیان کی ہے کہ دین حقیقی کی راہ تمام مذہبی رہنماؤن کی تصدیق و پیروی کی راہ ہے، وہین متصلاً یہ بھی کہدیا ہے:-

ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاخرۃ من الخٰسرین (۳: ۸۴)	اور جو کوئی اسلام کے سوا (جو عالمگیر سچائی اور تصدیق کی راہ ہے) کوئی دوسرا دین چاہے گا تو یاد رکھو اوس کی راہ کبھی قبول نہ کی جائیگی، اور وہ آخرت مین یہ دیکھے گا، کہ اوسکی جگہ کمانے والون مین نہین، بلکہ نقصان اوٹھانے والون مین ہے،، (ترجمان صہ ۱۵۰)

"اسلامی احکام" اور "عالمگیر سچائی اور تصدیق کی راہ" مین جو مین فرق ہے وہ محتاج تشریح نہین، مین حضرت مولانا کی خدمت مین بصد احترام وعقیدت عرض کرنیکی جرأت کرتا ہون کہ وہ تھوڑے سے وقت کے لئے ادھر توجہ فرماکر اتنا ارشاد فرمادین کہ اون کے مندرجہ صدر (۱۹۱۲ء) کے خیالات اور آج کے مفہوم قرآن مین فی الواقعہ کچھ اختلاف ہی ہیا یہ اس عاجز کی غلط فہمی ہی اور اگر اختلاف موجود ہے تو اون مین سے کونسا مفہوم صحیح ہی، اگر حضرت مولینا کی گوناگون مصروفیتین اسکی اجازت نہ دین (حالانکہ میرے نزدیک یہ بڑا اہم مسئلہ ہی) تو کوئی اور صاحب علم ہستی اس طرف توجہ فرماکر میرے شکوک رفع فرمادے کہ یہ بہت سے دلون کیلئے موجب طمانیت ہوگا، وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم،

قاضی تلمسانی اور اون کے صاحبزادے بہرام جنگ بہادر

از

جناب محمد غوث صاحب، حیدر آباد، دکن،

معارف ماہ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ ۲۹ نمبر ۵ مین "ارکاٹ کا گور غریبان" کے عنوان سے قاضی تلمسانی اور سعادت اللہ خان کی قبرون کے دو کتبے شائع ہوئے تھے، سعادت اللہ خان کا تذکرہ کسی اور موقع پر کیا جائیگا، ہمین ذیل کی سطرون مین قاضی تلمسانی کے حالات سامنے لانے ہین،

قاضی تلمسانی ارکاٹ کی مشہور ریاست خاندان والاجاہی سے وابستہ تھے، حسن اتفاق سے نواب عظیم الدولہ بہادر اولین وظیفہ یاب نواب کرناٹک کے عہد کے چند رجسٹر دستیاب ہوئے ہین، جنمین اس عہد کی چند اہم مراسلتین جو مختلف ارباب اقتدار کے درمیان ہوئی ہین، اور چند وابستگان دولت کی عرضیان اور یادداشتین محفوظ ہین، ان رجسٹرون مین سے ایک رجسٹر ۱۸۰۸ء کی مراسلت کا ہے، اس مین قاضی تلمسانی کے فرزند قادر نواز خان بہرام جنگ بہادر کی بھی ایک عرضی مع متعدد یادداشتون کے نقل کی گئی ہے، یہ عرضی انھون نے ریاست سے منقطع ہونے کے بعد جاگیر کی بحالی کے لیے ارباب اقتدار کی خدمت مین پیش کی تھی، وہان سے بغرض اظہار رائے نواب صاحب کے حضور مین آئی اور درج رجسٹر ہوئی، اس عرضی مین بہرام جنگ بہادر نے اپنے خدمات کے ماسوا اپنے والد ماجد کے حالات وخدمات کا بھی واضح تذکرہ کیا ہے، جس سے ان کے حالات پر روشنی پڑتی ہے،

قادر نواز خان بہرام جنگ بہادر بیان کرتے ہین کہ اُن کے والد شیخ محمد الانصاری المالکی تلمسان سے جو تونس وطرابلس کے قریب واقع ہے، بہ ارادۂ حج روانہ ہوئے، بعد ادائے فریضۂ حج ہندوستان کی سیاحت

کا ارادہ کیا اور براہ سورت دہلی مین وارد ہوئے، محمد شاہ کا زمانۂ سریر آرائی تھا، بادشاہ کو جب اس نووارد
مسافر کے کمالات اور علم و فضل کا علم ہوا تو باریابی کی عزت بخشی، اقامت دہلی کا امر ہوا، در اولیت و تدریس مدرسۂ
بادشاہی کی خدمت کا اعزاز عطا ہوا، چنانچہ فرمان بھی بہ مہر شاہی نافذ ہو، روز بروز تقرب شاہی زیادہ ہوتا گیا
اور خود جہان پناہ کو اور جہانبانی سے جب فرصت ملتی تو تجوید کا درس بھی ان سے حاصل فرماتے، نادر شاہ کی
آمد، محمد شاہ کا انتقال، احمد شاہ درانی کا ہنگامہ اور دیگر شاہان ہند کی حکمرانی کے واقعات سب ان کی نظرون
کے سامنے گذرے، شیخ کی جو عزت و تکریم محمد شاہ کے عہد مین تھی وہ آخر تک برابر قائم رہی، شاہ عالم نے الہ آباد
سے دہلی کا قصد فرمایا تو شیخ نے بڑھاپے کا عذر کر کے مکہ معظمہ کی روانگی کی رخصت حاصل کی اور اسی قصد سے
وارد مدراس ہوئے اور نواب والاجاہ بہادر سے خواہش کی کہ ہر سال ریاست والاجاہی کی جانب سے
جو سرکاری جہاز قافلہ حجاج کو حجاز لیجاتے ہین ان مین سے کسی مین روانگی کی اجازت عطا کیجائے[1]، لیکن جب
نواب والاجاہ بہادر کو قاضی تلمسانی کے علم و فضل کی اطلاع ہوئی، تو انھون نے بڑے اصرار سے شیخ کو اپنے پاس
روک لیا، شیخ نے ہرچند رخصت چاہی، لیکن اجازت نہ ملی، پانچ سال تک نواب صاحب نے اپنے پاس مدراس
مین روک رکھکر اوقاتِ فرصت مین درسِ حدیث کا سلسلہ جاری رکھا، بعد ازان بہ کمال اصرار خدمتِ قضا
صوبہ ارکاٹ پر مامور کیا، نواب والاجاہ بہادر اور ان کے فرزند نواب امیر الامراء بہادر تکریم و تعظیم کے ساتھ عنایت
نامہ جات لکھا کرتے، خدمت پر دو سال پورے ہوئے تھے کہ نواب حیدر علی خان بہادر نے ہنگامہ برپا کر دیا،
اسی ہنگامہ مین ہر علاقہ دار سرکاری ارکاٹ سے روانہ ہو گیا، صرف قاضی صاحب ارکاٹ مین رہ گئے اور اس
وقت بے معاشی اور قحط سالی کے عالم مین ہر قسم کی تکلیف برداشت کر کے حقِ رفاقت اور خیر خواہی ادا کیا،
نواب حیدر علی خان بہادر کے انتقال کے بعد ملک کرناٹک ارباب کمپنی کے تحتِ اقتدار آگیا، لارڈ جارج مکارٹنی

---

[1] نواب والاجاہ بہادر نے ریاست کی جانب سے دو جہاز تیار کرائے تھے جو ہر سال حجاج کو لاتے اور لیجاتے تھے، ایک جہاز کا نام
"سفینۃ اللہ" تھا، ان جہازون اور نیز مصارف حرمین و حجاج کیلئے نواب صاحب نے بعض بندرگاہون کی آمدنی "وقف" کر دی تھی ؎

گورنر مدراس کو قاضی صاحب کا حال معلوم ہوا تو بتوجہ خاص خدمتِ سابقہ بر مع جاگیر و مشاہرہ بحال رکھا گیا،

ہالی برٹن صاحب ارکاٹ مین آئے تو قاضی صاحب کی خدمت مین خود حاضر ہوے، قاضی صاحب نے پھر سفرِ

حج کے لئے رخصت کی خواہش ظاہر کی لیکن اجازت نہین ملی، بہرام جنگ بہادر نے لکھا ہے کہ

"ایشان (ہالی برٹن صاحب) اصلا قبول نہ کردند و جواب دادند کہ لارڈ صاحب ہرگز صاحب

را نخواہند گذاشت، بودن صاحب درین شہر موجب برکت است"

لارڈ جارج مکارٹنی اور ہالی برٹن صاحب پوری تعظیم و تکریم سے خطوط لکھا کرتے تھے،

اربابِ کمپنی نے ملک کو جب دوبارہ نواب والاجاہ بہادر کو تفویض کیا تو اس وقت قاضی صاحب انتقال

کر چکے تھے[1] اس وقت بہرام جنگ بہادر اور ان کے بھائی حافظ احمد خان اعظم یار جنگ بہادر دونون نوجوان

تھے، علاوہ برین دو چھوٹے فرزند اور بھی تھے، اس لئے نواب صاحب نے خدمتِ قضا پر دوسرے شخص کو

مامور کر دیا، لیکن جاگیر مشروطی خدمت بنام متعلقان بلا شرط خدمت جاری کر دی، اور دونون بڑے بھائیون

کو ارکاٹ اور دوسرے مقامات مین مناسب خدمات پر مقرر کیا،

اپنی عرضی اور یادداشتون مین اپنے والد کی ان خدمات و حالات کا ذکر کرنے کے بعد بہرام جنگ بہادر

نے اپنی خدمات کا بھی تذکرہ کیا ہے، چونکہ واقعات دلچسپ ہین اس لئے اسی سلسلہ مین وہ بھی درج ذیل ہین،

بہرام جنگ بہادر بیان کرتے ہین کہ اربابِ کمپنی کے حکم سے ملک سرکار پھر ضبطی مین آگیا تو وہ ارکاٹ

---

[1] بیان کیا جاتا ہے کہ مرض کی حالت مین خود نواب والاجاہ بہادر اپنے دونون فرزند نواب عمدۃ الامراء بہادر اور نواب امیر الامراء بہادر کے ساتھ عیادت کے لئے گئے، نواب صاحب نے قاضی صاحب سے دریافت کیا کہ اب کیا خواہش ہے؟ قاضی صاحب نے آہستہ آہستہ کچھ کہا، دونون فرزندون نے نواب صاحب کی خدمت مین عرض کیا کہ قاضی صاحب اپنے بچون کو حضور کے سپرد کرتے ہین، یہ سنکر قاضی صاحب اٹھ کر بیٹھے اور "لا واللہ لا واللہ" کہنے لگے اور کہا مین اپنے بچون کو خدا کے سپرد کرتا ہون (بیان کردہ مولوی عبدالرحمن صاحب منتظم مدرسہ محمدی مدراس جو فی الحقیقت اپنے خاندان مین ضبط تحریر مین نہ آئی ہوئی تاریخی روایتون کے لئے مرجع اور سند ہین) ۱۲

سے مدراس چلے آئے، نواب والاجاہ بہادر نے سرداری فوج کے عہدہ پر مامور فرمایا، کچھ عرصہ کے بعد ملک بھر واپس ہوا تو بہرام جنگ بہادر کا مرتبہ روز بروز زیادہ ہوتا گیا، بخشی گری افواج، صدر الصدوری کرناٹک اور اور تیر سامانی کے مراتب پر سرفرازی ہوئی، داروغگی باغات شاہی اور داروغگی یازو پیشکش کے خاص خدمات بھی سپرد ہوئے، جاگیر و خطابات سے بھی سربلندی حاصل ہوئی،

مارکوئیس کارنوالس نے سلطان شہید میسور سے مقابلہ کے بعد بوقت صلح بطور یرغمال سلطان شہید کے دو فرزند حاصل کئے، مدراس میں ان کے قیام کا بندوبست کیا گیا، مارکوئیس کارنوالس نے دونوں صاحبزادوں کی نواب والاجاہ بہادر سے ملاقات کرائی اور ظاہر کیا کہ فی الحقیقت ارباب کمپنی اور سلطان میسور میں مصالحت اور دوستی ہو چکی ہے، بنابریں نواب والاجاہ بہادر کے لیے بھی رفع کدورت مناسب ہے، ان دونوں فرزندوں کے حال پر شفقت بزرگانہ سے بالخصوص مہربانی کرنی چاہئے اور یہ کہ ان فرزندوں پر جو بھی نظر عنایت ہوگی وہ خود مارکوئیس کارنوالس کی ذات کے لیے متصور ہوگی،

دونوں فرزندوں اور غلام علی خان بہادر اور علی رضا خان بہادر وکلاے سلطان کی خدمت میں مراسم دوستی کی تجدید کی غرض سے آمد و رفت کے لیے بہرام جنگ بہادر کو باطلاع مارکوئیس کارنوالس مامور کیا گیا اور ہدایا و تحایف، خلعت و جواہر کے رسل و رسائل سے روابط اتحاد کا سلسلہ شروع ہوا، بہرام جنگ بہادر کے ساتھ اکثر اوقات مسٹر ڈفلن بھی شریک مجلس رہتے تھے،

نواب والاجاہ بہادر نے بہرام جنگ بہادر کی وساطت سے جو جو خاص پیغام بھیجے تھے وہ یہ ہیں،

۱۔ فی الوقت انگریزوں اور فرانسیسیوں میں نفاق پیدا ہو گیا ہے، فرانس میں خانہ جنگی برپا ہے، فرانس کی خرابی کے لیے سات قوموں نے کمر باندھی ہے، کچھ دن میں خبر آتی ہے کہ فرانس کا سارا ملک دشمنوں کے تصرف میں آگیا، انگریزی لشکر آج کل میں مدراس سے پانڈی چری روانہ ہوتا ہے، پانڈی چری میں بلاشبہہ فوج موجود ہے، لیکن فساد خانگی کی وجہ سے سب فوج اسیر ہو رہے گی، غرض اس پیام سے یہ ہے

کو معلوم ہوا ہے کہ ٹیپو سلطان کا وکیل جو پانڈیچری مین رہتا ہے سلطان کی خدمت مین مدد طلب کرنے کی غرض سے حاضر ہو رہا ہے، اسی قصد سے وہ روانہ میسور ہوا ہے، یقین ہے کہ سلطان سب نشیب و فراز پر غور کرینگے، اس وقت کسی قسم کی کمک عمل مین نہ آنی چاہئے، وکیل کو چند روز ر دکے رکھا جائے، تحریر رسل و رسائل بھی موقوف رہے کہ موجب صلاح دولت ہے، بلاشبہ سلطان کو اہل فرانس سے رابطۂ قدیم ہے لیکن اب مقتضائے وقت اور ہے، برائے خدا اس پیام سے کوئی اور امر نہ خیال کر لیا جائے، صرف خیر خواہی منظور ہے،

۲- سابق مین فی مابین جو کدورت پیدا ہو گئی تھی وہ بفضل الٰہی اب بالکل دور ہو گئی، اگر دل مین ذرہ برابر بھی عناد ہو تو مسلمان نہین، ٹیپو سلطان کی جانب سے بھی اسی طرح صفائی کلی کا یقین ہے،

۳- معلوم ہوا ہے کہ ٹیپو سلطان نے اپنے وکلا مرہٹون کے پاس روانہ کئے ہین اور مرہٹون سے موافقت کا خیال پیدا ہوا ہے، پونہ مین جو مدبر انگریز ہین انھون نے اس واقعہ سے صاحبان حکومت کو مطلع کیا ہے، کہین ایسا نہ ہو کہ لارڈ کارنوالس کو کوئی شبہہ پیدا ہو جائے، کسی دوسرے کے اعتماد پر لارڈ کارنوالس کے معاہدہ کے خلاف کسی دوسرے پر ہرگز اعتماد نہ کیا جائے، اگر دوسرے اس کے خلاف کرین تو حرف ان پر آئے گا، معاہدۂ مذکور کو موجب قیام دولت خیال کرنا چاہئے،

۴- کل عید کا دن ہے، نور چشمون کو دیکھنے کے لیے دل بہت چاہتا ہے، اگر مرضی نور چشمان ہو تو ملاقات کے لیے سواری آئیگی،

اس طرح بسا مرتبہ صرف خیریت دریافت کرنے کے لئے بہرام جنگ بہادر کو روانہ کیا جاتا بعض وقت ارشاد ہوتا کہ استادون کو کہکر تدریس سے چھٹی دلائی جائے کہ بچون کو اس سے بہت خوشی ہوتی ہے،

بہرام جنگ بہادر بیان کرتے ہین کہ غلام علی خان بہادر اور علی رضا خان بہادر وکلائے سلطان نے چند مرتبہ سلطان کی جانب سے یہ پیغام نواب والا جاہ بہادر کو کہلایا کہ سلطان کی یہ کمال خواہش ہے کہ ان دونو

صاحبزادون کی نسبت نواب والاجاہ بہادر کی صاحبزادیون سے عمل مین آئے، دونون وکلا نے اپنی طرف سے یہانتک بھی کہا کہ صاحبزادیان "بیگم ہائے معتبر کے بطن سے بھی نہ ہون تو بھی کوئی مضائقہ نہین. نواب والاجاہ بہادر نے جواب دیا کہ اپنے بوڑھاپے کی وجہ سے صاحبزادیون کی کمسنی کے باوجود ان کی نسبتین اہل قرابت مین پہلے ہی قرار پاچکی ہین، اور اب ان کی شادیان بھی یکے بعد دیگرے ہورہی ہین،

نواب والاجاہ بہادر کی مرضی تھی کہ ٹیپو سلطان کی صاحبزادی کی نسبت اپنے فرزند حسین نواز خان کے ساتھ قرار پائے، اس بارہ مین باہمی استمزاج بھی ہوا، لیکن آخر الامر نواب صاحب نے اس کو مناسب نہ جان کر خیال ترک کر دیا،

ایک مرتبہ نواب والاجاہ بہادر نے بہرام جنگ بہادر کی وساطت سے ہر دو وکلائے سلطان کو کہلا بھیجا کہ "چیزے مخفی" بالمشافہ خلوت مین کہنا ہے، دونون صاحب ملکر مسجد دیکھنے آئین، جو مدراس مین جدید تعمیر ہوئی ہے، وہان اپنے لڑکے نواب عمدۃ اللہ کو روانہ کیا جائیگا، چنانچہ دونون وکلا مسجد دیکھنے کے بہانے سے آئے، نواب عمدۃ الامراء بہادر بھی وہان آئے اور ملاقات عمل مین آئی، جو گفتگو ہوئی اس سے بہرام جنگ بہادر اپنی لاعلمی ظاہر کرتے ہین،

سلطان شہید کے دونون فرزند مدراس سے روانہ ہوئے، نواب والاجاہ بہادر نے خلعت و جواہر ہاتھی بطور محبت و ارتباط عنایت کئے، سلطان شہید نے اپنی شکر گذاری ظاہر کی اور غلام علی خان نے بہرام جنگ بہادر کو خط شکر گذاری روانہ کیا،

بہرام جنگ بہادر نے لکھا ہے کہ

"نیاز مند مدت شش سال در حضور نواب والاجاہ بہ کمال دیانت و راستی و محبت شبانہ روزے سرانجام خدمات مفوضہ خود نمودہ، و دیگر امورات سرکار یعنی سوال و جواب صاحبان حکومت و دیگر صاحبان انگریز کہ معرفت نواب عمدۃ الامراء بود، نواب والاجاہ درمیان خود و نواب عمدۃ الامراء

نیاز مند را واسطہ سوال و جواب مذکورہ داشتہ بودند آں را نیز بخوبی و درستی تمام بتقدیم رسانیدہ از ابتدائے گورنری سرچارلس رونکی صاحب و جنرل منرو صاحب بہادر و ہنگام تشریف فرمائی مارکوئس کنوالس بہادر در استقرار قرار نامہ مارکوئیس کنوالس بہادر و اوقات گورنری لارڈ ہوبرٹ بہادر بسا سوال و جواب متعلقہ اہل حکومت معرفت عمدۃ الامرا بوساطت خود نزد نواب والاجاہ بخیر و خوبی و صلاح طرفین بعمل آورد۔

نواب والاجاہ بہادر کے انتقال کے بعد نواب عمدۃ الامرا بہادر کے عہد مین بھی بہرام جنگ بہادر کے اعزاز و مراتب حسب سابق باقی رہے اور خدمات مفوضہ بہ خیر خواہی و بہ درستی سرانجام پاتے رہے نواب عمدۃ الامرا بہادر کو کمپنی کے قرضہ وغیرہ کی ادائی کے لئے رقم کی ضرورت ہوتی تو بہرام جنگ بہادر کے ذریعہ اُن کے نام اور تمسک سے بعض انگریزون یا دوسرے ساہوکارون سے قرضہ حاصل کیا جاتا، چنانچہ نواب عمدۃ الامرا بہادر کے انتقال کے وقت بہرام جنگ بہادر کے ذمہ ۲۳ ہزار ہون[1] قرضہ سرکاری باقی تھا اور اُن کے بھائی حافظ احمد خان اعظم یار جنگ کے ذمہ ۳۰ ہزار ہون،

نواب عمدۃ الامرا بہادر مرض الموت سے فراش ہو گئے، بہرام جنگ بہادر شب و روز ڈیوڑھی پر حاضر رہتے، نواب صاحب نے اپنے انتقال سے پہلے نجیب خان بہادر اور تقی علی خان بہادر کو اپنے ۱۰ سالہ فرزند محمد علی حسین خان تاج الامرا بہادر کی نیابت اور اعانت پر مامور کیا تھا اور بہرام جنگ بہادر کو ہر وقت پاس رہ کر حفاظت کرنے کا حکم دیا تھا،

صاحبانِ حکومت نے نواب تاج الامرا بہادر کو مسندِ حکومت سے محروم کر دیا اور نواب عظیم الدولہ بہادر کو وظیفہ یاب نواب کی حیثیت مین مسند نشین کیا، بہرام جنگ بہادر سوال و جواب کے آخر تک نواب تاج الامرا بہادر کے پاس رہے تا آنکہ کرنل میکنل نے انھین حکم بھیجا کہ "بخانہ خود بروند" اور اسی پر بہرام جنگ بہادر خانہ نشین ہو گئے،

[1] ایک ہون کے ڈھائی روپے ہوتے ہین

بہادر خانہ نشین ہوگئے،

بعد ازان بہرام جنگ بہادر سے نواب عظیم الدولہ بہادر نے بارہا خواہش کی کہ وہ دربار مین حاضر ہون، بالآخر ایک معتمد علیہ کے ذریعہ سے ان کے دربار مین باریابی ہوئی، نواب صاحب نے ان کی مرہونہ جائداد چھوڑ دینے کا وعدہ کیا، ڈیڑھ ماہ تک بہرام جنگ بہادر نے نواب صاحب کے کاروبار انجام دئے، بہرام جنگ کے خلاف صاحبان حکومت کو شبہہ پیدا ہوگیا تھا، نواب صاحب کو بھی ان کے خلاف سمجھا دیا گیا، اس لئے پھر ان کو دربار مین حاضر ہونے سے روک دیا گیا،

بہرام جنگ بہادر نے اپنی درخواست الفاظ ذیل پر ختم کی ہے ۔

"بعد نظم و نسق صاحبان حکومت در کرناٹک جاگیر است آلتر موہ اجرا یافتہ مگر جاگیر نیازمند کہ در چندین حقوق از سرکار یافتہ بود جاری نہ گردید، ہمہ صد و پنجاہ ہون در ماہ بنام نیازمند مقرر شد، چون معاملہ قرض ستر لتور کہ اصل مع سود ہجدہ ہزار ہون شدہ باداے چہار ہزار چہار صد ہون سالانہ فیصلہ یافت بہ لاچاری در دست زر ماہوار مذکور بہ مومی الیہ رسانیدن مقرر نمودہ نیازمند با خاندان کثیر از فروختن ہمگی اسباب و سرانجام خانہ و اسپان سواری وغیرہ بہ کمال تکلیف شب را بہ روز و روز را بہ شب می رساند، حالا مع خاندان خود از تصدیعات جان بلب رسیدہ، باظہار حالات خود پرداخت، از بزرگی و ترحم و انصاف عمیم کہ خاصہ قوم عظیم الشان انگریز است با ہزاران امید خواہان انصاف و ترحم است، اگر از روے عدالت و انصاف و شرع با تجربہ کار صاحبان انگریز تقصیر بر نیازمند ثابت شود سزاے آن حاضر است و در صورت بے تقصیری ہمہ وجوہ امید دارد کہ بزرگی و ترحم و انصاف این قوم باوفا نخواہد پسندید کہ باوجود چندین حقوق از جاگیر خود محروم ماند و در دست قرض خواہان سرکار گرفتار و از تکالیف اخرجات مع توابع کثیرہ ہلاک باشد، ترحم و انصاف ضرور۔"

اس کے بعد چار ماہ کے اندر اندر ان کا انتقال ہوگیا،

شیخ محمد تلسانی کے دوسرے فرزند حافظ احمد خان اعظم یار جنگ بہادر اپنی مسجد کی وجہ سے مدراس میں آج بھی مشہور ہیں، وہ اپنے عہد میں مدراس میں ریاضیات کے مسلم الثبوت ماہر تھے، ریاضی میں ان کی ضخیم فارسی تصانیف اس وقت بعض کتب خانوں کی زینت ہیں،

معارف:- حافظ احمد خان اعظم یار جنگ بہادر کی ایک کتاب ریاضیات میں فارسی زبان میں مرآۃ العالم کے نام سے جو ۱۲۶۲ھ کی لکھی ہوئی ہے کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں موجود ہے، (فہرست کتب خانہ آصفیہ ص ۸۲۰)

طبقات الامم

اندلس کے نامور فاضل قاضی صاعد اندلسی المتوفی ۴۶۲ھ کی جس میں انھوں نے اپنے زمانہ تک کی تمام قوموں کی عموماً اور مسلمانوں کی خصوصاً علمی و ادبی تصانیف اور علوم و فنون کی تاریخ عربی میں لکھی تھی، قاضی احمد میاں اختر جوناگڈھی نے اس کو عربی سے اردو میں ترجمہ کیا، اور جابجا حاشیوں میں علماء اور فلاسفہ کے حالات اور تصانیف کے متعلق مزید معلومات فراہم کئے ہیں،

ضخامت ۱۵۰ صفحے، قیمت عہ

دنیائے اسلام اور خلافت

موجودہ عہد میں خلافت عثمانیہ کے قیام و بقا کے لئے دنیا کی مسلمان قومیں کیا جد و جہد کر رہی ہیں مصنف کے سفر یورپ کے دلچسپ معلومات ہیں،

قیمت ۶؍ ضخامت ۵۰ صفحے،

"منیجر"

شیخ سعدی کا تخلص سعدی کیے نام پر ہے

(۲)

از مولوی محمد اعجاز حسن خانصاحب رئیس بہسمنہ

شیخ کا نام مشرف الدین بعض نے شرف الدین بعض نے مصلح الدین لکھا ہے، شیخ نے صرف اپنا تخلص اپنے نام کے عوض لکھا ہے، کہین اپنا نام نہین لکھا، اہل کمال ہمیشہ اپنے لقب سے اور شعرا اپنے تخلص سے مشہور ہوتے ہین، عنصری، فردوسی، منوچہری، نظامی، انوری وغیرہ وغیرہ کا نام کوئی جانتا نہین، یہ سب اپنے تخلص سے شہرۂ آفاق ہوے، اسی طرح شیخ بھی اپنے تخلص سے مشہور ہین، ان کے نسب کا حال کسی کتاب سے مجھکو نہین ملا، اکثر اہل کمال باوجود عالی نسب ہونے کے اپنے نسب کو بضا للنفس بیان نہین کرتے، اس کا ذکر کرتے شیخ نے بھی کہین اس کا اظہار نہین کیا، مگر گمان غالب بلکہ یقین یہ ہے کہ عربی النسل تھے، ان کا ایک شعر عربی النسل ہونے پر دلالت کرتا ہے،

شاید کہ بپادشہ بگویند ترک تو بریخت خون تاجیک

تاجیک اصل مین تازیک ہے جو عربی عجم مین آکر رہ گیا، اس کی اولاد کو اہل عجم تازیک کہتے تھے، اسی بنا پر شیخ نے آپ کو تاجیک کہا ہے،

ان کے خاندان کے لوگ عالم و فاضل تھے، فرماتے ہین،

ہمہ قبیلۂ من عالمان دین بودند مرا معلم عشق تو شاعری آموخت

ان کے والد بزرگوار ان پر نہایت مہربان تھے، ہمیشہ ان کو ساتھ رکھتے تھے، ایک بار یہ اپنے والد کیساتھ

عید کے دن باہر نکلے اس وقت یہ بہت بچہ تھے اس حکایت کو بوستان میں یون بیان کیا ہے:-

همی یاد دارم ز عهدِ صغر — که عیدے برون آمدم با پدر

به بازیچه مشغولِ مردم شدم — در آشوبِ خلق از پدر گم شدم

برآوردم از هول و دهشت خروش — پدر ناگهانم بمالید گوش

که اے شوخ چشم آخرت چند بار — بگفتم که دستم ز دامن مدار

به تنها نداند شدن طفلِ خرد — که مشکل توان راه نادیده برد

تو هم طفلِ راهی بسعی اے فقیر — برو دامنِ نیک مردان بگیر

ان کے والد بڑے مدبر آئینِ تربیت و اخلاق کے بڑے ماہر تھے۔ روک ٹوک کیساتھ ان کی طبیعت کی شگفتگی و دلچسپی کا بھی خیال رکھتے تھے کہ بشاشت تربیت کی روح ہے، استاد کو شاگرد کی طبیعت کا بھی خیال رکھنا ضرور ہوتا ہے۔ ان کے لیے لوح و دفتر خرید کئے تو ان کو ایک انگوٹھی سونے کی عنایت کی اس زمانہ مین بھی یہ بہت کم سن تھے، فرماتے ہین:-

ز عهدِ پدر یاد دارم همی — که بارانِ رحمت برو هر دمی

که در خردیم لوح و دفتر خرید — ز بهرم یکے خاتمِ زر خرید

بدر کرد ناگه یکے مشتری — بخرمائے از دستم انگشتری

شیخ اپنے والد کی صحبت مین زہد و عبادت کی طرف بہت مائل تھے، اپنے والد کے ساتھ راتون کو اٹھکر عبادت کرتے، گلستان مین ہے:-

"یاد دارم که در ایامِ طفولیت متعبد بودم و شب خیز و مولعِ زهد و پرهیز، تا شبے در خدمتِ پدر نشسته بودم و همه شب دیده بر هم نزده و مصحفِ مجید در کنار گرفته و طائفه گرد ما خفته" الخ (باب دوم)

بوستان مین فرماتے ہین:-

بطفلی درم رغبت روزه خواست / ندانستمی چپ کدام ست و راست

مگر افسوس کہ شیخ کی کمسنی مین ان کے والد کا انتقال ہوگیا، اپنی یتیمی کا حال بوستان مین یون لکھتے ہین :-

من آنگه سر تاجور داشتم / که سر در کنار پدر داشتم

اگر بر وجودم نشستی مگس / پریشان شدی خاطر چند کس

کنون گر بزندان برندم اسیر / نباشد کس از دوستانم نصیر

مرا باشد از درد طفلان خبر / که در طفلی از سر برفتم پدر

گلستان کی ایک حکایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آغاز جوانی تک شیراز مین رہے،

وقتی بجهل جوانی بانگ بر مادر زدم دل آزرده بکنجی نشست و گریان همی گفت مگر ایام خردی فراموش کردی که درشتی می کنی ... الخ (باب ششم)

قرین قیاس یہ ہے کہ یہ واقعہ شیراز سے باہر جانے کے پہلے کا ہوگا، ورنہ عقل قبول نہین کرتی کہ عالم اور [illegible] ہوکر جب شیراز واپس آئے ہونگے تب ایسی گستاخی کی ہوگی،

شیراز علم و دانش مین ہمیشہ سے شہرۂ آفاق تھا اس شہر کا لقب دار العلم تھا، ان کے خاندان مین سب عالم و فاضل تھے، باپ کمسنی ہی مین مرچکے تھے، ماں نے لاڈ پیار سے پالا ہوگا، ابتدائی تعلیم اپنے گھر مین پائی ہوگی، پھر بغداد گئے ہونگے، اس زمانہ مین بغداد ایسا تھا جیسا اس زمانہ مین لندن، پیرس یا برلن، بغداد پہنچکر مدرسہ نظامیہ مین داخل ہوئے، مدرسہ سے وظیفہ مقرر ہوا، چونکہ نہایت ذہین و طباع تھے، مزاج مین غیر معمولی جرأت و ہمت تھی، علم و تحقیق کا شوق فطری تھا، طالب العلمون سے بحث و تکرار خوب رہتی تھی، فرماتے ہین -

مرا در نظامیه ادرار بود / شب و روز در بحث و تکرار بود

مر استاد را گفتم ای پر خرد / فلان یار بر من حسد می برد

چو من داد معنی دهم در حدیث / برآید بهم اندرون خبیث

بغداد وغیرہ عراق عرب و بلادِ شام و افریقہ مین زیادہ حصہ ایامِ جوانی کا بلکہ زندگانی کا صرف ہوا گلستان بوستان وغیرہ مین جو حکاتین خاص آپ بیتی لکھی ہین وہ اکثر اسی علاقہ کی ہین، دوسرے ملکون جیسے ہندوستان ترکستان وغیرہ کی بھی ہین گرکم ہین، ممالکِ اسلامیہ عراق و بلادِ شام مین نہایت عزت کے ساتھ رہتے تھے باوجود عجمی (یعنی عجم مین پیدایش و بود و باش) ہونے کے ممالک عربیہ مین تبلیغ و وعظ کہتے اہل عرب گوشِ دل سے سنتے ملوکِ عرب ان کی خدمت مین حاضر ہوکر طالبِ دعا ہوتے یہ اُن کو نصیحت کرتے چونکہ سیاحی کا دائرہ بہت وسیع تھا، سیر و سیاحت مین مختلف حالتین اُن پر گذرتین، عہدِ صلیبی مین قیدِ فرنگ کی مصیبت جھیلی، کبھی پاؤن مین جوتے نہین تو ننگے پاؤن پھرے، کبھی معتکف ہوکر گوشہ نشین ہوے، کبھی قاضی کی مجلس مین علمی مباحثہ مین شریک ہوکر اپنے حسنِ تقریر سے دادِ فصاحت و بلاغت دی اور علماے مجلس پر غالب ہوے، کبھی ہندوستان مین آئے تو سومنات کے مندر مین رہے، کبھی صوفیون کے حلقہ مین رہے، مجلسِ سماع مین شریک رہے، ان کے زمانہ مین بڑے بڑے اکابرِ فن کے موجود تھے، غالباً سب سے ان سے ملاقاتین رہی ہونگی مگر کسی کا نام نہین لکھا، اپنے اساتذہ مین سے صرف علامہ ابن جوزی کا نام لکھا ہے جن کا ذکر گلستان مین ہے، اپنے پیر کا بھی نام لکھا ہے فرماتے ہین

مرا پیر داناے مرشد شہاب دو اندرز فرمود بررُوے آب
یکے آنکہ بر غیر بدبین مباش دگر آنکہ بر خویش خودبین مباش

ان دو بزرگون کے سوا اور کسی کا نام نہین لکھا ہے جس سے ان سے ملاقات ہونے کا یقین کیا جائے حضرت غوث الاعظم کے متعلق اوپر لکھا جا چکا ہے، یہ بھی نہین معلوم ہوتا کہ کس ملک مین کتنی بار آمد و رفت کا اتفاق ہوا مگر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایک مدتِ دراز کے بعد شیخ نے گھر کی طرف رخ کیا، جب گھر پہنچے ہین تو اس وقت ابوبکر بن سعد زنگی بادشاہ تھا، آپ نے یہ قطعہ کہا جس مین مجمل طور پر گویا تمام دنیا کی سیر کا مختصر ذکر کردیا ہے، وہ قطعہ یہ ہے

وجودم بہ تنگ آمد از جورِ تنگی شدم در سفر روزگارے درنگی
جہان زیر پے چون سکندر بریدم چو یاجوج بگذشتم از سدِ سنگی

چو باز آمدم کشور آسوده دیدم ز گرگان بدر رفته آن تیز چنگی

خطا ماہرویان چو مشک تتاری سر زلف خوبان چو درع فرنگی

بنام ایزد آباد و پرناز و نعمت پلنگان رہا کردہ خوے پلنگی

درون مردمی چون ملک نیک محضر برون لشکرے چون ہژبران جنگی

نگفتم کہ این کشور آسودہ گشتی یکے گفت سعدی چہ شوریدہ رنگی

چنان بود در عہد اول کہ دیدی جہانے پر آشوب و تشویش و تنگی

چنین شد در ایام سلطان عادل اتابک ابوبکر بن سعد زنگی

یہ تو معلوم نہین ہو سکتا کہ ابوبکر بن سعد زنگی کے زمانہ مین کب شیخ شیراز پہنچے تھے، لیکن ان کے کلام اور اس زمانہ کے حالات پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ بغداد کی تباہی کے بعد بھی شیراز آئے ہین، بغداد کی تسخیر کے ارادہ سے ہلاکو خان اوائل محرم ۶۵۶ھ مین لاؤ لشکر کے ساتھ چلا ہے، یہ اس وقت کہان تھے؟ اس کا پتہ نہین لگتا لیکن بوستان انھون نے ماہ ذیقعد ۶۵۵ھ مین تمام کی ابتدا مین شیراز آنے کا حال لکھا ہے، ابوبکر کی مدح بھی ہے، اس لیے یقین کرنا پڑے گا کہ ۶۵۵ھ کے ماہ ذیقعدہ مین وہ اپنے شہر مین تھے، اس مین ایک شعر ابوبکر بن سعد کی تعریف مین ہے، جس سے پایا جاتا ہے کہ ہلاکو اور ابوبکر بن سعد مین اتفاق ہو گیا ہے، ابوبکر نے روپے اور تحائف بھیجکر اپنی فرمانبرداری کا اظہار کیا ہے، اس سبب سے ہلاکو نے ابوبکر بن سعد کے ممالک مقبوضہ کو ہاتھ نہین لگایا، یہ حالات تو کتب تاریخ سے معلوم ہوتے ہین، شیخ نے صرف اس شعر مین اشارہ کر دیا ہے، کہتے ہین، ؎

ترا سد یاجوج کفر از زر است نہ رویین چو دیوار اسکندر است

مطلب یہ کہ سکندر نے لوہے کی دیوار بنا کر لوگون کو یاجوج سے بچایا تھا تو نے یاجوج کفر (یعنی چنگیزی کفار کے بادشاہ ہلاکو) سے بچایا ہے، فی الحقیقہ عام مسلمان امرا، علما، صلحا اور اشراف کے لیے مامن و ملجا صرف شیراز تھا، یا ہندوستان، مگر ہندوستان بہت دور تھا، عام مسلمان شیراز وغیرہ ممالک زیر حکومت ابوبکر بن سعد زنگی مین

پناہ لیتے تھے، شیخ نے اسی وجہ سے تعریف کی ہے۔ الغرض یہ ٹھیک پتہ نہین لگ سکتا کہ شیخ کس زمانہ مین کہان رہے، بوستان کے بعد گلستان ۶۵۶ھ مین لکھی، ان دونون کتابون کے تمام کرنے کے وقت وہ یقیناً شیراز مین تھے لیکن شیخ نے عربی مین قصیدہ بغداد کی تباہی پر لکھا ہے، اس سے یہ قیاس کرنا پڑتا ہے کہ بغداد کی تباہی یعنی تاتاریون کے حملہ کے وقت وہ بغداد مین یا اسی طرف کے کسی شہر یا قریہ مین رہے ہونگے، مرثیہ کے اشعار سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر خود اس کی بربادی دیکھ رہا ہے، اس وقت بغداد وغیرہ کی دردناک حالت کو کس قدر تفصیل سے لکھا ہے، اس لئے یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ شیخ بوستان اور گلستان لکھتے وقت یعنی ۶۵۵ھ اور ۶۵۶ھ کے درمیان کب تک کہان رہے، بہرحال یہ یقین کرنا ضرور ہے کہ اپنی دونون مشہور و مقبول تصنیف کے وقت وہ اپنے وطن شیراز مین تھے، اور حملہ تاتاری کے وقت وہ بغداد مین یا اس کے قرب وجوار مین تھے، اسکا ماننا تو ضرور ہے کہ سیر و سفر مین مدتین گذر جاتی تھین، تب یہ واپس گھر کے طرف رخ کرتے تھے، بوستان مین شاطر سپاہانی کی حکایت ہے، اس کے چند شعر لکھتا ہون، جس مین سے کچھ ان کے سفر و واپسی و امتداد زمانہ کا حال قیاس مین آسکتا ہے، وہ اشعار یہ ہین،

مرا در سپاہان یکے یار بود	کہ جنگ آور و شوخ و عیار بود
مدامش بخون دست و خنجر خضاب	بر آتش دل خصم از وچون کباب
ندیدمش روزے کہ ترکش نہ بست	ز پولاد پیکانش آتش نہ جست
بدعوی چرا وناوک انداختے	عدو را دو تن از یک انداختے
نہ مردی او را نہ در مردمی	دوم در جہان کس شنید آدمی
مرا یک دم از دست نگذاشتے	کہ با راست طبعان سرے داشتے
سفر ناگہم زان زمین در ربود	کہ بیشم دران بقعہ روزی نبود
قضا نقل کرد از عراقم بشام	خوش آمد دران خاک پاکم مقام

دگر پر شدہ از شام پیمانہ ام ۔۔ کشید آرزو مندی خانہ ام
شبے سر فرو بردہ اندیشہ ام ۔۔ بدل برگذشت آن ہنر پیشہ ام
نمک ریش دیرینہ ام تازہ کرد ۔۔ کہ بودم نمک خوردہ از دست مرد
بدیدار وے در سپاہان شدم ۔۔ بمہرش طلبگار و خواہان شدم
جوان دیدم از گردش چرخ پیر ۔۔ خدنگش کمان ارغوانش زریر
چو کوہ سفیدش سراز برف موی ۔۔ روان آبش از برف پیری بروی
بدر کردہ گیتی غرور از سرش ۔۔ سر ناتوانی بزانو برش
بدو گفتم اے سرور شیر گیر ۔۔ چہ فرسودہ گشتی چو روباہ پیر
بخندید کز روز جنگ تتر ۔۔ بدر کردم آن جنگجوئی ز سر الخ

اس حکایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ اپنے بہادر جنگ جو دوست کو پہلی ملاقات کے وقت جوان دیکھ چکے تھے جب اصفہان سے شام آئے تو اتنے زمانۂ دراز کے بعد شام سے گھر کی طرف لوٹے اور رستہ مین اصفہان پہنچکر اپنے دوست سے ملاقات کی ہے کہ اس وقت ان کے دوست از کار رفتہ بڈھے پھوس ہو گئے تھے اور ان سے جنگ تاتار کا حال بیان کیا، جس مین وہ خود شریک ہو ے تھے، یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شیخ اس زمانہ مین بلاد شام مین تھے، کہ وہان سے واپسی مین جنگ کے حالات ان کو اپنے دوست سے معلوم ہوے جو اس پر گذرے تھے،

ایک موقع پر وہ شیراز آئے ہین تو ایک قطعہ لکھا جس کے چند اشعار لکھے جاتے ہین، پورا قطعہ کلیات مین موجود ہے،

سعدی اینک بقدم رفت و بسر باز آمد ۔۔ مفتی ملت ارباب نظر باز آمد
تو مپندار کہ آشفتگی از سر بنہاد ۔۔ باز بیہوشی و مستی بخبر باز آمد

دل بخویشتن و خاطر شور انگیز ش | همچنان بادگی و تن بحضر باز آمد
سالہا رفت مگر عقل و سکون آموزد | تاچہ آموخت کزان شیفتہ تر باز آمد
وہ کہ چون تشنہ دیدار عزیزان می بو | گوئیا آب بر آتش بجگر باز آمد
خاک شیراز ہمیشہ گل سیراب دہد | لاجرم بلبل خوشگوے دگر باز آمد
حالش از شام بشیراز بخسرو مانست | کہ باندیشہ شیرین زشکر باز آمد
بوالعجب بود کہ نفسے بمرادے برسید | فلک خیرہ کش از جور مگر باز آمد

اخیر عمر مین برابر قیام شیراز مین رہا ہوگا، سلطان محمد خان شہید نے دو بار شیخ کی خدمت مین آدمی بھیجے کہ شیخ شیراز سے ہندوستان مین تشریف لاکر قیام فرمائین، مگر شیخ نے دونون بار ضعف پیری کا عذر کرکے آنے سے انکار کیا،

شیراز مین گھر بنایا تھا تو یہ قطعہ لکھا،

حقیقت است کہ دنیا سراے عاریت است | براے نشستن و برخاستن نفس باید
من این مقام نہ از بہر آن بنا کردم | کہ پنج روزہ بقا اعتماد را شاید
بلے نیست آن تا چو رخت بر بندم | بجاے من دگرے ہمچنین بیاساید
وزین قدر نہ گریزست مرغ و ماہی را | بقدر خویش حقیر آشیانۂ شاید
سراے و دام ہمالیست نیک بختان را | بود کہ در ہمہ عمرت یکے بدام آید
بسا کسا کہ گرش در بروے بکشائی | سعادت ابدت در بروے بکشاید
حلال نیست کہ صورت کنند بر دیوار | کہ رد شرع بود زد غلل بیفزاید
خلاف عہد زمان بے خلاف معلوم است | کہ ہیچ چیز نہ بخشد کہ باز برباید
گر اہل معرفتی دل مبند بر دنیا | کہ دوستی ست کہ با دوستان نمی پاید

ہمین نصیحت سعدی بآب زر بنویس ۔ کہ خانہ زاں کس ازین خوب تر بیارائی

شادی ان کی رئیس حلب کی دختر سے ہوئی تھی جسکا ذکر اوپر گذر چکا ہے، پھر اس کی مفارقت کے بعد دوسری شادی کی یا نہین، اس زمانہ مین بہت کم تجرد کا رواج تھا، پھر شادی ضرور کی ہوگی، بوستان مین ایک ملکہ عورتون کا ذکر و مذمت کرکے فرماتے ہین،

تو ہم جور بینی و بارش کشی ۔ اگر یک زمان در کنارش کشی

یمن کے شہر صنعا مین لڑکا ان کا مرگیا توان کو اس کا ایسا غم ہوا کہ ہوش جاتا رہا، غایت اضطراب مین اسکی قبر کا پتھر اوکھیڑ ڈالا، اس سے یقین ہوتا ہے کہ رئیس حلب کی دختر کے سوا اور بھی بیوی کی ہوگی، پچاس برس کا زمانہ گذرا کہ موضع نگنہسہ ضلع پٹنہ مین ایک ایرانی مع اپنی ایرانی بیوی کے آکر مقیم رہے، وہین انکا انتقال ہوگیا، وہ اپنے کو شیخ کی نسل سے کہتے تھے،

شیخ کی طبیعت مین جوش اور بے باکی کے ساتھ خودداری و پرہیزگاری اعلیٰ درجہ پر تھی، ایام جوانی کی بعض نقلین اپنی نہایت صفائی سے لکھی ہین، ان سے یہ خصائل حمیدہ صاف ظاہر ہوتے ہین، ایک حکایت اپنی اس طرح شروع کی ہے،

"در عنفوان جوانی چنانکہ افتد دانی با شاہدے سرے و سرے داشتم بحکم آنکہ حلقے داشت طیب الادا وخلقے کالبدر اذا بدا . . . . اتفاقاً بخلاف طبع از وے حرکتے بدیدم دامن از و درکشیدم و مہرہ مہر برچیدم و گفتم ؎

برو ہرچہ می بایدت پیش گیر ۔ سرِ ما نداری سر خویش گیر الخ (باب پنجم)

اگر شائبہ ہوا و ہوس کا ہوتا تو اس کی ایک حرکت سے اتنا خفا نہ ہوتے کہ دوستی ترک کر دیتے،

دوسری حکایت یہ ہے:-

"رفیقے داشتم کہ سالہا باہم سفر کردہ بودیم و نمک خوردہ و حقوق نعمت بیکران ثابت شدہ

آخر بسبب آنکہ نفع آزار خاطر من روا داشت و دوستی سپری شد و با این ہمہ از ہر دو طرف دلبستگی بود "الخ

ان دونون حکایتون سے ظاہر ہے کہ دوستی کے پکے تھے، سچی محبت کیساتھ خودداری تھی، اگر دوستون کا معاملہ ان کے ساتھ ایسا نہ تھا غالباً یہی وجہ تھی کہ باوجود شہرت وعظمت کے کہ کسی شاعر کو نصیب نہیں ہوئی اور شوقِ سفر و سیاحت کے کہ بہت کم سیاح شیخ کے برابر گذرے ہین، عام لوگون سے ملتے جلتے کم تھے، خود فرماتے ہین،

بگویند از ین حرف گیران ہزار | کہ سعدی نہ اہل ست و آمیز گار
روا باشد ار پوستینم درند | کہ طاقت ندارم کہ مغزم برند

شیخ نے اپنی عمر مین عجائب و غرائبِ عالم و انقلابِ روزگار بہت دیکھے، ان سب مین فتنۂ چنگیز سب سے بڑا انقلاب تھا، اس نے ممالکِ اسلامیہ کو جو تمدن وعلم کے منبع و مرکز تھے سب کو تباہ و برباد کر دیا، اس کی آگ نے تر و خشک سب جلا دیا، شیخ کا شہر شیراز بھی گردشِ آسمانی سے نہ بچ سکا، خاندانِ سلغریہ کی تباہی کے بعد تاتاری حکومت شیراز مین بھی ہو گئی، مگر شیخ کی عظمت چنگیزیون کے دل مین تھی، شیراز کے حاکم کو جو چنگیزی تھا، ایک نصیحت نامہ لکھا ہے، جو شیخ کی کلیات مین موجود ہے، معلوم ہوتا ہے وہ خود شیخ سے نصیحت سننے کا خواہشمند تھا، شیخ نے اس کی ارادت وعقیدت دیکھکر اس کے نام سے قصیدہ لکھا ہے، اس کے چند اشعار یہ ہین،

جہان سالار عادل انکیانو | سپہدار عراق و ترک و دیلم
کہ روز بزم بر تختِ کیانی | فریدون ست و روز رزم رستم
چنین پند از پدر نشنیدہ باشی | الا اگر ہوشیاری بشنو از عم
چو یزدانت مکرم کرد و مخصوص | چنان زی در میانِ خلقِ عالم

کہ گروتے مقام بادشاہت نباشد ہم چنان باشی مکرم

نہ ہرکس حق تواند گفت گستاخ سخن ملکیست سعدی را مسلم

چنگیز خان اور اسکی اولاد کی سلطنت مین یہ عجیب بات تھی کہ اس کی سلطنت مین علما و فضلائے اہل اسلام بڑے بڑے عہدون پر تھے، شمس الدین صاحب دیوان وزیر اعظم تھے، دار و مدار سلطنت کا ان پر تھا، ان کے چھوٹے بھائی علاء الدین عطا ملک بغداد وغیرہ عراق عرب کے گورنر تھے، ان دونون بھائیون کی بدولت اہل علم و ہنر کی حالت بہت اچھی ہو گئی، یہ دونون بزرگ عالم و شاعر، ہنر دوست، علم پرور، صاحب جود و کرم تھے، ان دونون بھائیون کو شیخ سے بڑی عقیدت تھی، ایک بار شمس الدین صاحب دیوان صاحب دیوان نے پانچ سو دینار اور ایک دستار بھی شیخ کو بھیجی تھی، صاحب دیوان کا ملازم جب چلا اور اصفہان پہنچا تو اس نے ڈیڑھ سو دینار کسی تاجر کے پاس رکھدیے، شیراز پہنچکر شیخ کے حضور مین خط اور تین سو پچاس دینار رکھدیے، شیخ کو خط کے مضمون سے حال معلوم ہو گیا، نوکر سے کہا کہ کل آؤ تو جواب دونگا، اب صاحب دیوان کے پانچون سوال لکھتا ہون،

سوال اول، دیو بہتر یا آدمی، **سوال دوم** مرا دشمنے ہست کہ با من دوست نمی گردد، **سوال سوم**، حاجی بہتر یا غیر حاجی، **سوال چہارم** علوی فاضل تر یا عامی، **سوال پنجم**، آنکہ بندہ ہمت دارندہ خط دستارے از برائے آن پدر می رسد و پانصد دینار از برائے علوفۂ مرغان آن را قبول فرما

جواب از شیخ سعدی

شرائف اوقات فرزند عزیز دوام بقائہ بوظائف طاعات و خیرات آراستہ باد،

اے کہ پرسیدیم از حال بنی آدم و دیو من جوابیت بگویم کہ دل از لطف ببرد

دیو بگریزد ازان قوم کہ قرآن خوانند آدمی زادہ نگہ دار کہ قرآن ببرد

دوسرے سوال کا جواب

اولین باب تربیت پندست | دویمین تو بہ خانہ و بندست
سیومین توبہ و پشیمانی ست | چارمین شرط و عہد و سوگندست
پنجمین گردنش بزن کہ جہت | بقضاے بد آرزومندست

تیسرے سوال کا جواب

یا ذا العجب پیادہ حاج چون عرصۂ شطرنج بسر می برد فرزین می شود یعنی بہ ازان میشود کہ بود، و پیادہ حاج بادیہ می پیماید و بتر ازان میشود کہ بود،

ازمن بگوی حاجیٔ مردم گزاے را | کو پوستین خلق بآزار می درد
حاجی تو نیستی شترست از براے آنکہ | بے چارہ خار می خورد و بار می برد

چوتھے سوال کا جواب

بعمر خویش ندیدم جز اینچنین علوی | کہ خمر می خورد و کعبتین می بازد
بروز حشر ہمی ترسم از رسول خدا | کہ از شفاعت ایشان بما نپردازد

پانچوان جواب دستار و زر کے بارہ میں،

خواجہ تشریفم فرستادی و مال | مالت افزون باد و خصمت پائمال
ہر بہ یاریت سالے عمر باد | تا بمانی سیصد و پنجاہ سال

جب یہ جوابات صاحب دیوان کو ملے تو انھون نے غلام کی تنبیہ کی کہ ایسا تونے کیون کیا اس نے کہا کہ آپ خروار خرا اور اشرفی شیخ کو بھیجتے تھے، وہ قبول نہین کرتے تھے، یہ اشرفیان تو علوفۂ مرغان کے لئے تھین، مین نے اپنے کو مرغ کے مقابلہ مین سمجھکر ایک سو پچاس دینار لے لیے؛ صاحب دیوان نے اپنے بھائی کو بھیجا اور ایک چک خواجہ جلال الدین ختنی کے نام دس ہزار دینار کی حوالہ کی کہ ان سے اشرفیان لیکر شیخ کی خدمت مین پیش کرین، اور معذرت کرین، حسب اتفاق ان کے شیراز پہنچنے کے چھ دن پہلے خواجہ جلال الدین

کا انتقال ہوگیا تھا شیخ کو جب یہ حال معلوم ہوگیا تو چند شعر لکھکر بھیجدیئے جب صاحب دیوان کو یہ حال معلوم ہوا تو حکم دیا کہ پچاس ہزار دینار تھیلیوں میں رکھیں اور شیخ کی خدمت میں لے جائیں اور سپارش کریں کہ ان اشرفیوں سے شیراز میں آیندہ روندہ کے لیے ایک بقعہ بنائیں، شیخ نے بہت اصرار و قسم دینے پر یہ اشرفیاں قبول کیں اور اس سے رباط قلعہ فہندر کے نیچے بنوائی۔

علامہ مرزا قزوینی نے تاریخ جہان کشا سے جوینی کو نہایت محنت و جگر کاوی و جانفشانی سے چند نسخون سے مقابلہ کرکے نہایت صحت کیساتھ چھپوایا ہے اس سے ان کی غزارت علمی، تبحر آثار تاریخی و استحضار اشعار عرب و قوانین ادب ظاہر ہیں اپنے تاریخ جہانکشا کے مقدمہ میں ان واقعات سے انکار کیا ہے۔ اس کے ساتھ اس واقعہ سے بھی انکار کیا ہے کہ اباقا خان کے سامنے صاحب دیوان نے شیخ کی حد سے زیادہ تعظیم کی اور شیخ کے ہاتھ پاؤن پر بوسے دیئے، اور ان کے اصرار پر اباقا خان سے شیخ نے ملاقات کی اور شیخ نے اس کو نصیحت کی اور اشعار نصیحت آمیز پڑھے، علامہ موصوف کے الفاظ یہ ہیں :۔

> "بعقیدہ این ضعیف آثار وضع کلاً و بعضاً بر وجنات احوال این دو حکایت لائح است و در ہر صورت خالی از مبالغہ و اغراق نیست وخصوصاً پنجاہ ہزار دینار فرستادن صاحب دیوان برائے سعدی و سوگند دادن وشفاعت نمودن برائے قبول آن و از اسپ پیادہ شدن وے و برادرش در حضور اباقا خان و سر در قدم شیخ مالیدن و بوسہ بر دست و پائے دادن تا اندازہٗ منافات دارد با لحجہ سوال و تقاضائے کہ غالباً سعدی در قصائد خود در مدح این دو برادر بکار می برد، مثلاً این بیت در خطاب علاؤالدین،
>
> تو کوہ جودی و من در میان ورطۂ فقر گر بشرط اقبالت او فتم بکران ،
>
> و این ابیات در خطاب شمس (یعنی علاؤالدین صاحب دیوان)
>
> علی الخصوص کہ سعدی مجال قرب تو یافت حقیقت است کہ ذکرش مع الزمان ماند

تو نیز غایت امکان ازو دریغ مدار | کہ آن نماند و این ذکر جاودان ماند

وابن بیت در خطاب بشمس الدین جوینی،

یقین قلبی انی انال منک غنے | ولا یزال یقینی من الهوان یقین

ونحو ذلک وہمچنین در خطاب با باقاغان پادشاہ مغول بت پرست گفتن کہ

وگرنہ راعی خلق ست زہر مارش باد | کہ ہرچہ می خورد او جزیۂ مسلمانیست

بغایت مستبعد ست واللہ اعلم بحقیقۃ الحال "

علامۂ موصوف کے تعجب وانکار کی وجہ ان کے الفاظ سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب شیخ خود طلب کرتے تھے (یعنی مدحیہ اشعار مین ان کے حسن طلب پایا جاتا ہے) تو ایسی حالت مین شیخ سے انکار و بار بار اصرار و قسم پر نذور کے قبول کی روایت غیر معقول ہے، مین کہتا ہون کہ حسنِ طلب تو ضرور پایا جاتا ہے مگر یہ حسنِ طلب معمولی شاعری پیشہ لوگون کی طرح نہین ہے، جنکا ذریعۂ معاش صرف شاعری و مدح سرائی اغنیا و ملوک ہے، بلکہ ان مین جو غیرت دار تھے وہ بادشاہ تک کی پروا نہین کرتے تھے، فردوسی کو ان کے دوستون نے کہا کہ وزیر سے ملا کرو تو انھون نے کہا

سوے در وزیر چرا ملتفت شوم | چون فارغم ز بارگہ بادشاہ نیز

پھر ایسے شعرا جنکا شمار عرفاے کاملین مین ہے، ان سے ابتذال و دریوزہ گری کیونکر ممکن ہے، لیکن بادشاہ امرا ان کی خدمت کو اپنی سعادت جانتے تھے اور اصرار کرکے اپنی نذر کو قبول کراتے تھے، یہ لوگ بھی جب شعر کہتے تو عام شعرا کی طرح ایک آدہ شعر یا دو چار اس قسم کی کہدیتے تھے، خواجہ نظامی عزلت نشینی مین مشہور ہین، خود فرماتے ہین،

ہمہ را بر درم فرستادی | من نمی خواستم تو می دادی

مگر مدحیہ اشعار اسی طرح کہتے ہین جس طرح عام شعراے وظیفہ خوار دنیادار کہتے تعریف مین آسمان

زمین کے قلابے ملاتے، اس کی سینکڑون مثالین کتب تاریخ مین موجود ہین، اس کے علاوہ یہ بھی تو دیکھنا چاہئے کہ شیخ کے اور اشعار کیسے ہین، ان کا طرز عمل کیا تھا، ان کو اغنیا و ملوک کی صحبت سے سخت نفرت تھی، ان کا بادشاہ ابوبکر جس کی مدح دونون کتابون مین موجود ہے، اور فی الحقیقہ اس وقت کے بادشاہون مین بہت اچھا تھا، اسکے ان بھی شیخ بہت کم جاتے تھے، الغرض شیخ نے اشعار حسن طلب کو صرف اوپری دل سے حسب دستور شعرائیلین کرنا چاہئے، ان کے قصائد کو بغور پڑھا جائے تو مید سے اس خیال کی تائید ہوتی ہے، علاء الدین جوینی صاحب دیوان کے شان مین جو قصیدہ ہے اس مین فرماتے ہین ؎

اگر نہ بندہ نوازی ازان طرف بودے | من از کجا و ثنا گستر بزرگستان

پھر دوسرے بھائی شمس الدین صاحب دیوان وزیر اعظم کے شان مین فرماتے ہین،

اگر نہ بندہ نوازی ازان طرف بودے | کہ زہرہ داشت کہ دریا بود بہ قسطنطین

ان شعرون سے ظاہر ہے کہ ابتداً اخلاق و تواضع کی صاحب دیوان کے طرف سے ہوئی تھی اور یہ دستور اسلاف کا تھا اور راقم السطور کے عنفوان شباب کے زمانہ تک گاہ گاہ اس کی شان مل جاتی تھی کہ جب کوئی اہل علم مین سے درجۂ امارت سلطنت پر پہنچ جاتا تھا، تو چاہتا تھا کہ اور علما و فضلا مین سے جو گردش روزگار سے مجبور ہین ان کی خدمت کیجائے اور اگر وہ قبول کرین تو سلطنت کے طرف سے ان کے لائق عہدہ دیا جائے جس سے علم کی شان بڑھے، اور سلطنت کے کام بھی نکلین، خصوصاً جو عزلت نشین ہین اور مطلق توجہ دنیا کے امور کے طرف نہین کرتے اور کسی سے کچھ لینا بھی عار سمجھتے ان کی خدمت مین یہ امرا حاضر ہو کر دست بستہ عرض کرتے اور بہت الحاح و اصرار پر نذر قبول کراتے، یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگون کا نام نیک البتہ زندہ ہے، میرا مدعا اس تحریر سے یہ ہے کہ یہی حال دونون صاحب دیوان کا تھا، یہ دونون اپنے وقت کے برمکی تھے جس طرح برامکہ کی فیاضی، علم دوستی اور جود و کرم مشہور تھا اسیطرح ان دونون کی خوبیان اس زمانہ مین مشہور تھین، الغرض ان دونون بھائیون کی قدرشناسی و عقیدت جو شیخ کے ساتھ تھی اس نے شیخ کو مجبور کیا تھا، ورنہ شیخ کو

کسی کی پروا نہین تھی، علاؤالدین صاحب دیوان کے شان مین جو قصیدہ ہے اس کے دو تین شعر لکھتا ہون جن سے شیخ کی طبیعت کا اندازہ ملے گا، فرماتے ہین،

بخاک پاے تو گفتم بہین غیر مکفـــر کزان زمان کہ بدانستم از یسار یمین را

براے حاجت دنیا طمع بخلق نبردم کہ تنگ چشم تحمل کند عذاب مہین را

تو قدر فضل شناسی کہ اہل فضل و دانش شبہ فروش چہ داند بہاے در ثمین را

پچاس[۵] ہزار اشرفیان بھیجنے کی روایت یقیناً صحیح معلوم ہوتی ہے، اس روایت کو وضعی وجعلی سمجھنے کے دو سبب ہو سکتے ہین ایک تو یہ کہ صاحب دیوان شمس الدین جوینی کو اتنا مقدور نہ ہو کہ وہ یہ زر خطیر شیخ کے پاس بھیج سکتے، یا صاحب دیوان کو بخل اتنا ہو کہ کسی کو کچھ نہ دیتے ہون، سو یہ دونون گمان غلط ہے، یہ دونون بھائی سلاطین مغول کے وزیر و مشیر تھے، مغولون کے برابر کوئی سلطنت قوت وشوکت و دولت مین نہین تھی، جاگیر و انعام وعہدہ کی بدولت یہ دونون بھی بڑے امیر و دولتمند تھے، اس کے ساتھ بڑے عالم و فاضل و شاعر تھے، ان کا دستور تھا کہ جب کوئی عالم کتاب تصنیف کرکے پیش کرتا تو ایک ہزار اشرفی انعام دیا جاتا، بہت علما نے ان کے نام کتابین لکھین، انعام ایک ہزار فی کتاب پایا، علاؤالدین عطا ملک جوینی نے ایک نہر نجف اشرف تک نکالی، جس کا مبدأ شہر انبار تھا، اس نہر کے کنارے ایک سو پچاس دیہات آباد کئے، غرض ان دونون بھائیون کی فیاضیان خوبیان اتنی ہین کہ یہ دونون اپنے وقت کے برامکہ تھے، ملک العلما علامہ نصیر الدین طوسی نے بھی کتاب انکے نام کے ساتھ معنون کی تھی، یہ دونون اسلام واہل اسلام علی الخصوص اہل علم وہنر کے لیے نعمت غیر مترقبہ تھے، شیخ نے اپنے قصائد مین جو مدح کی ہے وہ مبالغہ شاعرانہ نہین ہے، یہی وجہ ہے کہ ان دونون کے شان مین جو قصائد ہین وہ بہتر قصائد ہین، اس لیے اشرفیان بھیجنے کی روایت غلط نہین ہو سکتی، ہان اس کی تردید ممکن تھی کہ قلعہ قہندز کے پاس جو رباط بنانے کی حکایت علی بن احمد جامع کلیات شیخ نے لکھی ہے، اس کا وجود نہ ہوتا اگر اس کے وجود کا علامہ میرزا محمد قزوینی نے انکار نہین کیا، نہ کسی اور مصنف نے انکار کیا ہے، اس لیے یقین کرنا چاہئے کہ صاحب

دیوان نے پچاس ہزار اشرفیاں بھیجیں اور شیخ نے قبول کیں اور عمارت رباط بنوائی ورنہ شیخ کے پاس اتنا مال کہاں سے آتا نہ جاگیردار تھے نہ منصب دار جس کی وجہ سے وہ بنوا لیتے عمارت کے وجود کی توثیق علامہ محمد بن بطوطہ مغربی کے سفرنامہ سے بھی ہوتی ہے وہ اپنے سفرنامہ میں لکھتے ہیں،

ومن المشاهد بخارج شیراز قبر الشیخ	شیراز سے باہر جو ... ہیں ان میں شیخ سعدی کی قبر ہے
الصالح المعروف بالسعدی وکان	وہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے شاعر زبان
اشعر اهل زمانه باللسان الفارسی	فارسی کے تھے اور کبھی اپنے فارسی کلام میں عربی
وربما المع فی کلامه بالعربی و	اشعار بھی ملا دیتے تھے، ان کی خانقاہ جسکو
له زاویة کان قد عمرها بذلك	انھوں نے بنایا ہے بہت خوبصورت ہے اسکے
الموضع حسنة بداخلها بستان	اندر خوش نما باغ ہے یہ خانقاہ نہر رکن آباد
ملیح وهی بقرب رأس النهر الکبیر	کے قریب ہے، شیخ نے وہاں پر سنگ مرمر کے
المعروف برکن اباد وقد صنع الشیخ	چھوٹے چھوٹے حوض کپڑے دھونے کو بنائے
هنالك احواضا صغارا من المرمر	ہیں، لوگ شہر سے ان کی زیارت کو جاتے ہیں،
لغسل الثیاب فیخرج الناس من	اور ان کے دسترخوان سے کھانا کھاتے ہیں،
المدینة لزیارته ویاکلون من	اور نہر سے کپڑے دھوتے ہیں اور لوٹ
سماطه ویغسلون ثیابهم بذلك	آتے ہیں، اسی طرح میں نے بھی کیا، خدا ان
النهر وینصرفون وکذلك فعلت	پر رحمت کرے :
عنده رحمه الله صفحه ۱۲۹	

رحلہ ابن بطوطہ مطبوعہ مصر،

محمد بن بطوطہ شیخ کے انتقال کے چھتیس سال بعد شیراز پہنچے تھے، انھوں نے شیراز کی بہت تعریف کی ہے اس

سفرنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فی الحقیقہ شیخ سعدی نے جو شیراز کی تعریف کی ہے وہ بالکل صحیح ہے، مبالغہ شاعرانہ نہین ہے، نہر رکن آباد کی تعریف خواجہ حافظ کے پہلے شیخ سعدی نے کی تھی ابن بطوطہ اس کے بارے مین لکھتے ہین،

احدها النهر المعروف برکن اباد وهو	ایک نہر رکن آباد کے نام سے مشہور ہے اسکا
عذب الماء شدید البرودة فی	پانی میٹھا ہے، گرمی مین بہت ٹھنڈا اور
الصیف سخن فی الشتاء صفحہ ۱۲۱	جاڑون مین گرم رہتا ہے،

اس سے بڑھکر پانی کی کیا تعریف ہوسکتی ہے،

اب رہا یہ کہ صاحب دیوان نے شیخ کی تعظیم معمول سے زیادہ کی اور بادشاہ اباقا خان کے سامنے کی اس پر بھی شک کرنے کی کوئی وجہ نہین، کیونکہ مغول بادشاہ باوجود بے دین و بت پرست ہونے کے اکابر اہل اسلام کی تعظیم و تکریم کرتے تھے، ہر شخص مذہب مین آزاد تھا، ابتدا مین عام مسلمانون کی بھی بڑی قدر کرتے تھے، چنگیز خان کے قانون مین مسلمانون کا قصاص (دیت) چالیس بالشت اور ختائیون کا ایک دراز گوش تھا، اسی سے قیاس کرلینا چاہیے کہ کرورون مسلمانون کو غرقاب فنا کرنے کے بعد بھی اتنی عزت مسلمانون کی چنگیزیون کی نظر مین تھی، سیکڑون اہل علم و فن ان کی سرکار مین اعلیٰ مناصب پر فائز تھے، ان مین علاؤالدین عطا ملک صاحب دیوان والی بغداد و عراق عرب تھے، انھون نے بغداد کی ایسی رونق بڑھائی جو متاخرین خلفاے عباسیہ کے زمانہ مین بھی نہین تھی، انھون نے اپنی تاریخ جہانکشا مین چنگیز خان کا حال لکھا ہے، اسمین لکھتے ہین:-

"دران وقت کہ اوائل حالت او بود و قبائل مغول بدو منضم شد، رسوم ذمیمہ کہ معہود آن طوائف بود دست و درمیان ایشان متعارف، رفع کرد، وانچہ از راہ عقل محمود باشد از عادات پسندیدہ وضع نہاد و ازان احکام بسیار آنست کہ موافق شریعت است ۱۷ صفحہ ۱۷،

سلاطین مغول کے حالات مین لکھتے ہین:-

"و با تقلید مذاہب (یعنی اسلام و بت پرستی و نصرانیت و آبائی مذہب) بیشتر از اظہار تعصب دور باشند و ازانچہ

باسامے چنگیز خان ست کہ ہمہ طوائف را یکے شناسد و بر یکدگر فرق ننہند و دل بجو یند" صفحہ ۱۰ و ۱۹

اوکتائی خان قاآن جو چنگیز خان کا بیٹا اور اس کے بعد تخت پر بیٹھا اور بڑا بادشاہ ہوا اسکے حال مین لکھتے ہین

"و بامید رافت و رحمت او ہر صدے دل بر جان نہادہ و آنچہ از بقایاے شمشیر باقی ماندہ بودند در ربقۂ حیات و

جاہ و امان بماندہ و بہ دین محمدی تا اقصاے دیار کفر و بلاد شرک کہ بوے اسلام بدماغ ایشان نرسیدہ بود

انداختند و در معاملات معابد او ثان مشاہد جہل ساختند" صفحہ ۱۵۹ جلد اول،

اسی بادشاہ کو کسی شہزادہ نے چند چیزین تحفہ کے طور پر بھیجی تھین ان مین ایک لعل بھی تھا جو اس کو اپنے

آبا و اجداد سے پہنچا تھا اس لعل کے متعلق کتاب مذکور مین لکھتے ہین:-

"نقش محمد رسول اللہ بالا نوشتہ و نام پدران او بہ ترتیب در نشیب آن ہر کرا کان را فرمود تا نام محمدی

برقرار از جہت تبرک و تیمن بگذاشتند و نام سلاطین حک کردند و نام قاآن در آخر نام پیغامبر علیہ الصلوۃ

والسلام نقر کردند و نام رسل آن" (صفحہ ۱۶۵)

ان سب روایتون سے جو نہایت موثق ہین ظاہر ہوتا ہے کہ چنگیزی سارے ممالک اسلامیہ کو ویران کرنے

کے بعد رفتہ رفتہ اسلام کی طرف رغبت کرنے لگے، اور اسلام اور بانی اسلام کی عظمت ان لوگون کے دلون مین پہلے

سے جاگزین تھی، تو خیال کرنا چاہئے کہ جب چنگیز خان کے بیٹے اوکتائی قاآن کا یہ حال تھا تو پھر اباقا خان جو چنگیز

خان کا پڑوتا تھا اس کے وقت مین بہت سی خوبیان اسلام کی مغلون مین پھیل گئی ہون گی، اور رجحان اسلام

کی طرف روز افزون چنگیز خان ہی کے وقت سے شروع ہو گیا تھا، یہان تک کہ بعض لوگون نے چنگیز خان کے ایک

بیٹے کو مسلمان لکھا ہے، تو اگر شیخ سعدی نے اباقا خان کو مسلمان بادشاہون کی طرح مخاطب کیا تو کونسی تعجب کی بات

ہے، درحقیقت اس وقت کے مسلمانون کا بڑا کارنامہ ہے کہ جس قوم نے کروڑون مسلمانون اور سینکڑون

اسلامی شہرون کو غارت کیا، اسی قوم کو مسلمانون نے اپنی حکمت عملی اور اثر سے مسلمان بنا لیا،

قدیم ہندوستان اور شرابخوری

از

جناب سید فرید جعفری مچھلی شہری،

قدیم ہندوستان کی تاریخ پر ایسا پردہ پڑا ہوا ہے، کہ یہ تحقیقی طور پر نہیں کہا جا سکتا، کہ شراب خواری ہندوستان مین کب سے جاری ہوئی، جسقدر زمانہ ترقی کرتا جاتا ہے، تحقیق کیلئے آسانیان بہم ہوتی جاتی ہین، پردہ اٹھتا جاتا ہے، اور قدیم تحریرات کے ذریعہ سے بہت کچھ روشنی اس مسئلہ پر پڑتی جاتی ہے، کالیداس جو ۵۰۰ء کا سب سے بڑا سنسکرت کا شاعر تھا، اپنے کلام مین بجا دوستون کو آپس مین شراب تقسیم کرنے کا ذکر کرتا ہے، مسٹر دت ایک جگہ لکھتے ہین، کہ ہمین شکنتلا سے معلوم ہوتا ہے، کہ بھٹی خانے اوس وقت موجود تھے، اور اس مین نیچی ذات کے لوگ کثرت سے جاتے تھے، اور اوسی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ جماعت کے لوگ بھی شراب سے ناآشنا نہ تھے، "بھرابی" (جس کا زمانہ ۵۵۰ء ہے) نے شراب کی لطافت پر ایک قصیدہ لکھا ہے، اور کالیداس نے اکثر جگہ بعض حالات کے ضمن مین یہ بھی لکھا ہے، کہ عورتون کے منہ سے شراب کی بو آتی تھی، اور "رگھونسا" مین آجا کے ولدوز نالون کے سلسلے مین اوس کی معشوقہ کی شراب نوشی کی کیفیت بھی کھینچی ہے،

"مارکنڈے یا چاندی" مین درگا دیوی اسور سے کہتی ہے "اے احمق ذرا ٹھہر، مین اپنی شراب تو ختم کر لون"

تانترا، مین جن کو تقریباً وید کا درجہ دیا جاتا ہے، اور جو الہامی کتاب سمجھی جاتی ہے، حسب ذیل عبارت ...

"مہا دیو دیوتا نے اپنی بیوی پربتی کو اپنا راز دار بنا کر یہ کہا کہ "اے میری پیاری! برہمن کی نجات شراب ... اے دیوی بلا شراب پئے تو مذہب کو نہین سمجھ سکتی، اسلئے ایک برہمن کو شراب پینا چاہئے، شراب خواری صرف ...

کی خصوصیت نہ تھی، بلکہ اناریون مین بھی اوس کا اثر بہت کچھ پہنچ گیا تھا، اور وہ فی الواقع شرابی ہوگئے تھے، اور چونکہ ان مین تعلیم و تربیت کی کمی تھی، اور ان کی سوسائٹی ادنیٰ درجہ کی تھی اس سے اون مین جب شراب خواری جاری ہوئی، تو اوس کا ترک کرنا ان کے لئے "امر محال" ٹھہرا، اور یہی وجہ ہے کہ آج تک ان مین شراب کے استعمال کی کثرت ہے، اپنی نجات کے لئے ان کا نعرہ مستانہ یہی ہے "پیو! خوب پیو، خوب پیو! اور بار بار پیو، زمین پر گر و اور اٹھو اور پھر پیو کیونکہ تم دوبارہ پیدا نہ ہوگے"

نومبر ۱۹۲۷ء مین مسٹر چیٹرام نے آیا لنگر مین ایک لکچر عورتون کے متعلق دیا تھا، اونھون نے اس موقع پر ثابت کیا تھا، کہ "شراب خواری اور جہالت درحقیقت ہند و تمدن اور نیز قدیم تمدن کی خرابیون کا نتیجہ ہے" اونھون نے یہ خیال بھی ظاہر کیا تھا، کہ "عورتون کی حقوق تلفی کی ذمہ دار شراب ہی ہے" اونھون نے کہا کہ عورتون کے حقوق اس طرح ضائع ہوئے، کہ پوجا اون اور قربانیون کے وقت سوم اور سورا شراب پی جاتی تھی، عورتین اون کو نہین پی سکتی تھین، لہذا مذہبی مراسم وہ ادا نہ کرسکین، اسلئے مرد ادا کرنے لگے، رفتہ رفتہ اسی طرح اور مذہبی مراسم بھی مرد ہی ادا کرنے لگے، اور اس طرح عورتین چونکہ مذہبی فرائض کی ادائی کے قابل نہ ٹھہرین، لہذا وہ جائداد وغیرہ مین وراثت کے قابل بھی نہ ٹھہرائی گئین، اور اس طرح ان کے حقوق زائل ہوگئے،

الفنسٹن لکھتا ہے کہ "اٹھارہوین صدی مین مرہٹہ سلطنت کے وقت گو عام لوگ زیادہ شراب خوار نہین تھے، اور گو آخری پیشواؤن کے وقت شراب خواری کی ممانعت پر خاص طور سے عملدرآمد رہا ہے، لیکن پھر بھی مرہٹون مین بہت سی ممتاز شخصیتین شراب خواری سے بری نہ تھین، مثلاً چندر راؤ مور جو سیواجی کا رقیب تھا، وہ اپنی جوانی کے دنون مین شراب کا بڑا شایق تھا، خود سیواجی کو تخت نشینی کے وقت شراب مین تولا گیا تھا، اور یہ بھی کہا جاتا ہے، کہ سنبھاجی یعنی سیواجی کے لڑکے کی شکست کا راز شراب خواری ہی تھی،

بالاجی باجی راؤ ملقب بہ نانا صاحب پر بھی یہ الزام دیا جاتا ہے کہ وہ ہر وقت شراب مین مست رہتے تھے لیکن ساہو اسکی تردید کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اوسکو شراب سے نفرت تھی، مگر اس کے یہ معنی نہین ہین کہ شراب سے نفرت کرنے والے

لوگ موجود نہیں تھے، برہمندر سوامی جی نے جو باجی راؤ اول کے گرو تھے، جگجیون پوار کو جو اوس وقت کا ایک بڑا مرہٹہ رئیس تھا شراب خواری پر سخت تنبیہ کی تھی، نیز اس وجہ سے کہ اوس نے شراب کے نشہ میں اپنی ماں کی تذلیل کی، راگھوجی بھونسلے جو کافی مشہور ہے، اوس کا حملہ جب فرخ مقبوضات تک پہنچا، اوس وقت اُسے چند تومین شراب کی پیش کی گئین جن کو اوسکی بیوی نے اس قدر پسند کیا کہ کثیر مقدار میں طلب کیا، اور اسطرح فرنچ سے اوسکی مخالفت دور ہوگئی، اور آسان شرائط پر صلح قرار پاگئی، جس کا الزام ساہو اُسے ہمیشہ دیتا رہا،

غرض مندرجۂ بالا سطور سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شراب خواری ہندو سلطنت کے وقت ہندوستان میں اچھی طرح جاری تھی۔

تلخیص و تبصرہ

فرانسیسی شاعری اور عربی ادب کے اثرات

مجلہ ابولو مصر میں جو جدید عربی شاعری کی ترجمانی کے لئے نکلا ہے؛ فرانسیسی شاعر الفریڈ دی موسیہ کے کلام کا عربی منظوم ترجمہ شائع ہوا ہے، اسی سلسلہ میں اس کے سوانح حیات، اور پھر اسی تقریب سے فرانسیسی شاعری کی مختصر سرگذشت بیان کی گئی ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فرانسیسی شاعری پر عربی علم ادب اور شاعری کے کیا اثرات پڑے ہیں، اس لیے فرانسیسی شاعری کی اس مختصر سرگذشت کی تلخیص ذیل میں پیش کیجاتی ہے،

اندلس پر عربی اثرات سے پہلے فرانسیسی شاعری مغرب کی اور قوموں کی شاعری کی طرح بالکل بے آب ورنگ، اور صرف لاطینی قصوں تک محدود تھی جنکو چند پادری اپنے گرجوں میں یاد کر لیتے تھے، جیسے فرجیل کے اشعار کہ یہ لوگ ان کو گاتے تو تھے، لیکن اُن کے معانی نہیں سمجھتے تھے، قافیہ میں کوئی پابندی نہ تھی، صرف اخیر کے حروف میں اتحاد ہونا ضروری تھا، مثلاً FEYME اور PARTE لیکن جب فرانسیسیوں کو اہل عرب کی ہمسائگی کا شرف حاصل ہوا تو ان لوگوں نے اہل عرب کے اشعار سنے اور انکی تقلید کی، اب عربی شاعری کے تمام انواع مثلاً غزل، نسیب، مدح، ہجو، موسیقی، اور رزمیہ وغیرہ بھی اُن کی شاعری میں آگئے اور اب قافیوں میں اخیر حروف کے اتحاد کے ساتھ اُس کے پہلے کے ساکن حروف کا اتحاد بھی ضروری ہوگیا،

مثلاً AIME اور FERME،

فرانسیسی ادب میں نظم کو نثر پر تقدم حاصل ہے، اور سب سے قدیم فرانسیسی نظم (اغانی رولان)

ہے، جس کو ایک گمنام شخص نے گیارہوین صدی کے آخر مین نظم کیا تھا، رولان شارلمان کی اُس فوج کا کمانڈر تھا جس نے اندلسیون سے جنگ کی تھی، اور شارلمان وہی بادشاہ ہے جس کی کوشش سے ہارون الرشید نے عیسائی حاجیون کو بیت المقدس کی زیارت کی اجازت عطا فرمائی تھی، حالانکہ اس سے پہلے اُن کو اس کی اجازت نہ تھی، چونکہ فرانسیسیون کے نزدیک یہ اس بادشاہ کا سب سے بڑا کارنامہ تھا، اس لئے شعراء و ادبا نے اس کی شان مین قصائد اور قصے لکھے،

ان نظمون مین یہ بیان کیا گیا تھا کہ اگر رولان کا قاصد خیانت و غداری نہ کرتا تو مسلمان رولان کو مغلوب نہ کر سکتے، چند اور نظمین بھی اسی قسم کی تھین، مثلاً شارلمان کی زیارتِ بیت المقدس وغیرہ جو بارہوین صدی کی فرنچ زبان مین ترجمہ کیگئین،

سب سے پہلے اہل عرب سے جنوبی فرانس کے لوگون نے علوم سیکھے، کیونکہ سب سے پہلے اہلِ عرب نے انھی کے ملک کو فتح کیا، انھی کے ملک مین اقامت گزین ہوئے، انھی سے میل جول پیدا کیا، ان کی لڑکیون سے شادیان کین، ان کی زمینون مین کاشت کی، اُن کے شہر تعمیر کئے، اور بڑے بڑے محلون مثلاً قنطرہ، زہرا اور قصر حمرا کی تعمیر مین فرنچ قیدیون سے کام لیا، اس لیے اس اختلاط سے لازمی طور پر ایک کے زبان اور افکار و خیالات کا اثر دوسرے پر پڑا، لیکن چونکہ اس وقت مسلمان تہذیب و تمدن اور علوم و فنون مین فرانسیسیون پر تفوق رکھتے تھے، اس لئے ہر طرف سے فرانسیسی اس چشمۂ شیرین کے گرد جمع ہو کر اشبیلیہ، قرطبہ، غرناطہ، سرقسطہ، طلیطلہ اور بلنسیہ کے مدارس و جوامع مین عربی علوم و فنون کی تعلیم حاصل کر کے اپنے شہرون مین واپس گئے، اور اسلامی درسگاہون کے طرز پر طلبار کو تعلیم دینے لگے،

اشبیلیہ مین مسلمان علمار کے مشہور تلامذہ مین پوپ سلیفسٹر ثانی ۹۴۰-۱۰۰۴م ہے، جس نے پوپ ہونے سے پہلے تین برس تک وہان مستقل قیام کیا، پھر یورپ کو بہت بڑا علم دان ہو کر واپس آیا، اور وہان کے سلاطین و امرار نے اپنی اولاد کی تعلیم کے لیے اس کو ہاتھون ہاتھ لیا، اور اس کے جادو گر

بھی روز بروز ترقی ہوتی گئی، یہانتک کہ اخیر مین اس نے پوپ کا منصب حاصل کرلیا،

اسی زمانے سے فرنچ شعراء و ادبار نے لاطینی اشعار کو طاقِ نسیان مین رکھدیا اور اہل عرب کے اشعار پڑھنے کرنے لگے، یہان تک کہ فقراء اندلسی اشعار کو گا گا کر لوگون کے دروازون پر بھیک مانگتے تھے، اور یہ لوگ ان سے متأثر ہوکر ان کو خوب عطیے دیتے تھے، گو عربی زبان کی ناواقفیت کی وجہ سے ان کا مطلب نہین سمجھتے تھے،

فرانسیسیون کو اندلسی ادب سے مستفید ہونے کا ایک عمدہ موقع یہ بھی ملا کہ جو عمدہ کتابین قصر قرطبہ مین محفوظ تھین وہ بنو امیہ کی سلطنت کے خاتمہ کے بعد نہایت ارزان قیمت پر فروخت ہو کر فرنچ عربی دانون کے ہاتھ آئین اور انھون نے انکا ترجمہ کرکے اپنے مدرسون مین ان کی اشاعت کی جس سے اُن کے علمی ملکہ کو بڑی ترقی ہوئی، ابن زیدون، ابن خفاجہ اور ابوالحسن المایورقی بالاتفاق فرنچ شعراء کے استاذہ مین ہین،

لوئیس تاسع (۱۲۷۰ء) کے زمانے مین صلیبی لڑائیون مین جب مسلمان اور فرنچ امراء و سلاطین مین باہم تعارف ہوا تو اس نے بھی فرنچ شاعری کو بہت زیادہ ترقی دی، کیونکہ جب فرانسیسیون نے عرب کے شعراء، ادباء، اطباء، اور حکماء کو بچشم خود دیکھا تو ان کی نہایت قدر کی اور اُن کے اثر سے ان کے شعر و ادب نے بہت ترقی کی، یہانتک کہ انھون نے شہر طولوز مین ایک ادبی یونیورسٹی قائم کی، جو مدرسۃ المعرفۃ السارۃ۔ (COLLEGE DU GAI SEAVOIR) کے نام سے مشہور ہے، جسمین شعراء کے اشعار پر تنقید کیجاتی تھی اور ان کو چاندی اور سونے کے پھول بطور انعام کے دیے جاتے تھے، پندرھوین صدی کے اخیر مین ایک عورت نے اس یونیورسٹی پر بہت سا مال وقف کیا، اب شاعری اور زبان کی ترقی کے لئے شعراء نے اس کی طرف اور توجہ و شوق کا اظہار کیا، یہ یونیورسٹی اب تک قائم ہے، اور لعب الازہار اکاڈمی یعنی پھولون کے کھیل کی اکاڈمی کے نام سے مشہور ہے، اور وکٹر ھیگو اور اس کے معاصرین نے اس یونیورسٹی کے انعامات حاصل کئے ہین،

شعر و ادب کی یہ تدریجی ترقی لوئیس چہار دہم (۱۶۳۸ - ۱۷۱۵ء) کے زمانے مین درجۂ کمال کو پہنچ گئی

چنانچہ دار الما رکیزو (ر امبو یہ) شعراء و ادبار کا سب سے بڑا اکھاڑا بنگیا جہان وہ جمع ہوکر شعر پڑھتے تھے،
اور بحث و مناظرہ کرتے تھے، بہت سی عورتون نے بھی اُن کی تقلید کی اس لیے یہ زمانہ شعر و ادب کی ترقی
کا عہد زرین ہوگیا،

۱۶۳۵ء مین کار دنیال (ریشیلیو) نے فرنچ اکاڈمی قائم کی اس کے بعد فنون پہلے ان کو تھا اس لئے
سیاست اور ریاضت وغیرہ کی متعدد اکاڈمیان قائم ہوئین، اور سترہوین صدی مین بہ
او بار پیدا ہوگئے، مثلاً (بالزاق اور دیکارت) پھر اسکندر ہارڈی نے ایک تھیٹر قائم کیا جس مین
کے ایکٹ کئے جاتے تھے، جنکا موضوع اسپین عرب کا متروکہ ادبی سرمایہ تھا،

اس زمانے کے شعراء اور انشا پرداز حسب ذیل ہین،

(۱) بییر قورنیل (۱۶۰۶-۱۶۸۴ء) مشہور ناول ہوراس کا مصنف ہے (۲) راسین (۱۶۳۹-۱۶۹۹ء)
کلاسیکل طریقہ کا موجد اور بہت سی روایتون کا ناظم ہے) (۳) بوالو (ہجو گو اور ظریف شاعر ہے) (۴) مولیر
(مضحکات یعنی کامیڈی کا موجد ہے۔ (۵) فنلون (تلیماک کا مولف ہے) (۶) لافونتین (افسانہ نگار ہے)
(۷) مونتیسکیو (۸) بوفن (۹) والٹیر (اس نے ہر موضوع پر لکھا ہے) (۱۰) دویدرو (دائرۃ المعارف کا مولف
ہے) (۱۱) جان جاک روسو،

ان کے بعد انیسوین صدی کے بہترین شعراء وکٹر ہیگو، سینٹ بیف، الفرڈ ڈی موسیہ اور دی لامار تین
وغیرہ پیدا ہوئے، اس طریقہ سے ہر سال فرانس مین بہترین شعراء و انشا پرداز پیدا ہوتے رہے یہانتک
کہ ہمارے زمانہ یعنی بیسوین صدی مین ادمون روستان، جان ریشپین، اناتول فرانس اور بول بورجیہ
وغیرہ کا نام مشاہیر شعراء مین نظر آتا ہے،

سب سے پہلے عربی شعر و ادب سے اسپین اور اٹلی کے باشندون نے فائدہ اٹھایا، چنانچہ اسپینیون
مین سے لوب دو فیگہ، کالدیرون، اور لوقین وغیرہ نے شعر و ادب مین امتیاز پیدا کیا اور اٹلی مین دانتی

(۱۲۶۵-۱۳۲۱ م) پیدا ہوا جس کی کتاب نزہۃ الآلیہ کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیل گئی،

سسلی و نیپلز سے اسلامی سلطنت کے زوال کے بعد بھی نورمن شاہی زبان تھی، راجر ثانی شاہ صقلیہ اور اس کے بعد کے بادشاہوں کی حکومت کرنے لگے، یہی زبان رہی، راجر ثانی نے بہت سے علمائے اسلام مثلاً مشہور جغرافیہ نویس شریف ادریسی اور متأثر ہو کر ان کو (ہینکر) کو جو علم النباتات اور علم الحیوانات کے عالم تھے، اور دوسرے شعراء و انشا پردازوں کو فرانسیسی بنایا اور فرنچ زبانوں میں عربی اصطلاحات پھیل گئیں، یہاں تک کہ عربوں کی سلطنت کے محفوظ تحفے، مذہبی عربی خط یورپ کی عمارتوں اور محلوں پر کندہ کئے جاتے تھے،

"ع"

ایران کے بینک

۱۲۶۵ھ سے ایران میں بہت سے بینک مثلاً بینک استقراض روس، امپیریل بینک ایران، بینک عثمانی اور اسی طرح چند دوسرے بینک اکثر شہروں میں اپنی شاخیں کھول کر بینک کا کاروبار کر رہے ہیں، لیکن ان میں سب سے اہم بینک، امپیریل بنک ایران ہے، اور اس کے قائم کرنے کا حق ۱۲۶۵ھ میں بیرن جولیس رابرٹ نامی ایک انگریز نے شاہ ناصر الدین سے حاصل کیا اور دو سال کے بعد لندن میں اس کے حصے فروخت ہونا شروع ہوئے، اس بینک کا سرمایہ ایک ملین پونڈ قرار پایا تھا، غیر ملکیوں کا اعتبار اس بینک پر اس قدر زیادہ تھا کہ ۸ گھنٹے میں بینک کے حصوں کی خریداری کی درخواستیں پندرہ گونہ موصول ہوئیں، پہلے سال امپیریل بینک نے ایران کے اندر اور باہر چند شاخیں قائم کیں، اور وضع مصارف کے بعد اس کا منافع ۰۰ ۹۸ پونڈ ہوا اور آٹھ فیصدی حصہ داروں پر تقسیم ہوا،

پہلے دو سال میں امپیریل بینک نے اپنے سرمایہ کا بہترین حصہ لندن سے ایران میں منتقل کیا اور ۱/۲ ۳۴ قران کے نرخ پر کہ اس وقت یہی نرخ تھا (موجودہ نرخ ۹۰ قران ہے) اپنے پونڈ کو قران کی صورت میں تبدیل کیا، اگرچہ ۱۲۷۳ھ میں چاندی کی قیمت اس قدر گھٹ گئی کہ ۵۰ قران ایک پونڈ کے

برابر ہو گیا اور اس وجہ سے بینک کو ایک تہائی کا نقصان ہوا، تاہم چالیس سال کی مدت مین اس کے کاروبار
مین غیر معمولی ترقی ہوئی اور کاغذی نوٹ جو اسکی بنیاد کے ابتدائی سال مین ۲۰۰۰۰ پونڈ کے تھے اب ڈھائی
ملین تک پہنچ گئے،

موجودہ اصطلاح مین ایک قومی بینک کے قائم کرنے کا خیال ایران مین ۱۳۲۵ھ مین پیدا ہوا،
اور مجلس شوری ملی کے پہلے اجلاس مین اس پر بحث ہوئی اور ایک قرار داد کے منظور ہونے کے بعد اہل ایران
کی ایک جماعت نے عملاً اس کے قائم کرنے کا عزم کر لیا، اول اول اس کا سرمایہ ۵ ملین تومان قرار پایا جو بعد
مین ۱۰ ملین تک پہنچ گیا، ابتدا مین اس بینک کے بانیون کی تعداد صرف چند لوگون تک محدود تھی اور ان مین
ہر شخص کو ۱۰ تومان سے ۵ ہزار تومان تک سرمایہ دینا قرار پایا تھا اور ہر حصہ ۵ تومان کا مقرر ہوا تھا، اس کے
دستور العمل کی پہلی اہم دفعہ یہ تھی کہ وہ حکومت کے تمام وجوہ کا مرکز ہوگا، اور خزانچی حکومت کے حوالہ سے اسکو
لیگا، دوسرے یہ کہ امپیریل بینک کے تمام حقوق اس کی مدت کے گذر جانے کے بعد اس نئے بینک کی طرف
منتقل ہو جائینگے، اس طریقہ سے اس بینک کے کاروبار مین نہایت ترقی ہوئی، اور لوگون نے اپنا تمام سرمایہ
خوشی سے بطور حصص کے اس مین رکھدیا، چنانچہ ایک غیر ملکی روزانہ اخبار نے لکھا کہ ایرانیون نے اس بینک
کا خیر مقدم اس جوش کیساتھ کیا کہ چھوٹے چھوٹے بچون نے اپنی کتابین اور عورتون نے اپنے زیورات فروخت
کر کے اس کے حصے خریدے، اور حصون کی خریداری مین مردون سے گوے سبقت لے جانا چاہا، خود اس کے
بانیون نے یہ تہیہ کر لیا کہ کم از کم ہر شخص ۵ ہزار تومان بینک کے صندوق مین ڈالے، صوبہ طہران نے ایک
ملین تومان کی ذمہ داری اپنے سر لی، آذربائجان اور تمام صوبون نے بھی بڑے بڑے حصون کا خریدنا اپنے ذمہ
لیا، لیکن افسوس ہے کہ دوسرے اور تیسرے درجہ کے آدمیون نے تو صرف یہ ذمہ داری لی، لیکن دولتمند
اور تاجرون نے اس سے اغماض کیا، لیکن چونکہ سلطنت اس بینک کی حامی تھی اس لیے اس بینک نے
کافی ترقی کی،

یہ پہلا بینک ہے جو موجودہ طریقہ پر ایران میں قائم ہوا، اور ایرانی اس سے بہت توقعات رکھتے ہیں، اور درحقیقت اس بینک سے سلطنت کی اقتصادیات کو کافی اعانت حاصل ہوگی،

سلطنت کے تمام بینکوں کی طرح یہ ایک خاص بنیاد و اساس پر قائم ہوا ہے، اس کا سرمایہ دو ملین تومان ہے، جو بیس ہزار اور ایک سو تومان پر منقسم ہوگا، اور ۱۳۵۰۰ قطعہ اس کا نام کے ساتھ اور بقیہ بے نام کے ہوگا، سلطنت تمام حصوں کی ذمہ دار ہے، اور اس طریقہ پر اس بینک کا موجودہ سرمایہ آٹھ لاکھ تومان ہے،

بینک کے دستور العمل کی چھٹی دفعہ سے بینک کے فرائض بہ تفصیل معلوم ہوتے ہیں، اور یہ واضح ہوتا ہے کہ قومی بینک اصولاً ایک تجارتی بینک ہے، اور تجارت اور صنعت و حرفت کی ترقی کے لیے مخصوص شرائط کے ساتھ کام کریگا، لیکن زراعتی کاروبار کا مرکز زراعتی بینک ہوگا جو سنہ ۱۳۰۹ھ میں قائم ہوا ہے، بینک نوٹ کے جاری کرنے کا حق اس کو سنہ ۱۳۱۰ھ کے بعد دیا گیا، چونکہ اس بینک میں سرمایہ امانۃً رکھا جاتا ہے، اسلئے کچھ دنوں میں وہ اپنے فرائض کی وسعت کے ساتھ حکومت کے مرکزی بینک کا بھی ذمہ دار ہو جائیگا، اگرچہ ایرانی سکے کے اخیر بحران نے اس بینک کو یہ موقع نہیں دیا کہ لوگوں کے لیے زیادہ اعتبارات تجارتی مہیا کرے، دوسری طرف خارجی نرخ کی تنظیم کا کام بھی اس بینک کے سپرد ہو گیا ہے،

(مجلہ اقتصاد کابل) "ع"

سیرۃ النبی جلد چہارم

منصب نبوت کی تشریح، قبل اسلام عرب کے اخلاقی حالات، صبح سعادت کا طلوع، تبلیغ نبوی کے اصول، رسول اللہ صلعم کا پیغمبرانہ کام، "اسلام" اور اس کے عقائد پر تفصیلی اور حکیمانہ مباحث، ضخامت ۷۰۰ صفحے،

قیمت بہ اختلاف کاغذ ۶ روپے، تقطیع کلاں،

"منیجر"

اخبار علمیہ

نئی ترکی زبان

چند ماہ قبل مصطفے کمال پاشا کی تحریک سے ترکی زبان کی تحقیق کے لیے اکابر اہل زبان کی ایک مجلس قسطنطنیہ مین بیٹھی تھی جس کی سفارشون کا خلاصہ مانچسٹر گارڈین کے نامہ نگار مقیم قسطنطنیہ نے حال مین بھیجا ہے، ان سفارشون کی پہلی دفعہ یہ ہے کہ تمام ملک مین ایک وسیع تنظیم قائم کرکے وہ تمام الفاظ جو عام طور پر بولے جاتے ہین لیکن جو ابھی تک علمی زبان مین داخل نہین ہو سکے ہین اکٹھا کر لئے جائین اور پھر انکی تحقیق کیجائے، اسکا مقصد یہ ہے کہ جو زبان "عثمانی زبان" کہی جاتی ہے اسے ترکی زبان بنا دیا جائے، "عثمانی زبان" کے متعلق اس مجلس کا خیال ہے کہ یہ اصلی ترکی زبان کی ایک بگڑی ہوئی شکل ہے اور دربار اور فتوحاتِ سلطانی کے اثر سے ملک کی اصلی زبان سے علٰحدہ ایک بالکل مختلف زبان ہو کر رہ گئی ہے، امید ہے کہ چھ ماہ کے اندر یہ سب الفاظ جمع کر لئے جائینگے، اس تلاش و تحقیق کے لیے تمام اناطولیہ اور تھریس مین دس پندرہ ہزار مدرسین کی خدمات حاصل کیجائینگی، بیان کیا جاتا ہے کہ ایک ہی مہینہ مین ایک شخص نے صرف قسطنطنیہ کے مزدورون کی زبان سے ڈیڑھ ہزار سے زیادہ ایسے الفاظ دریافت کر لئے ہین جو ابتک "غیر معلوم" تھے، اسی طرح اناطولیہ کے چند مواضعات مین ایک شخص نے پچیس (۲۵) ہزار اور دوسرے نے چالیس (۴۰) ہزار ایسے الفاظ جمع کئے ہین، اور اسی طرح وسط اناطولیہ مین کچھ لوگون نے اس قسم کے پندرہ ہزار الفاظ اکٹھا کر لئے ہین، اس وقت ترکی لغت مین صرف چالیس (۴۰) ہزار الفاظ ہین، اور ان مین وہ الفاظ بھی شامل ہین جو فارسی اور عربی سے لئے گئے ہین، امید کیجاتی ہے کہ اب یہ تعداد

اسّی یا نوّے ہزار تک پہنچا دی جائیگی جو فرانسیسی لغت کی انتہائی تعداد ہے، جب یہ الفاظ جمع کر لئے جائین گے اس وقت مرکزی مجلس لسانیہ (LINGUISTIC COMMISSION) کے زیر ہدایت جامعہ قسطنطنیہ کے اساتذہ اور دوسرے ارباب علم ان سب کو چھانٹین گے اور پھر ان مین سے جو لغت کے لیے پسند کرئے جائینگے وہ اخبارات بالخصوص جرائد مین اس مجلس کی طرف سے شائع کر دیئے جائین گے قدیم الفاظ کی تلاش کے ساتھ ساتھ جدید الفاظ کی اختراع کا کام بھی ہوتا رہیگا، موجودہ ضروریات کے لیے سائنٹفک اور فنی اصطلاحات وضع کرنے کے آسان طریقے دریافت کئے جائین گے، فی الحال ترکی درسی کتابون مین سائنٹفک اور فنی کتابون کی اصطلاحات مین بہت زیادہ اختلافات ہین، "عثمانی" اور ترکی زبان کے فرق کو اور زیادہ نمایان کرنے کی غرض سے ایک ترکی عثمانی لغت تیار کیا جائے گا، یہ بھی تجویز ہے کہ ان جدید الفاظ کی ایک تعداد کو تمام قوم مین رائج کرنے کے لیے دلچسپ اور مقبول عام نظمون کے ذریعہ سے شائع کر دیا جائے، سب سے زیادہ زور جس بات پر دیا گیا وہ یہ تھی کہ ترکی زبان انڈو یورپین، سمیرین، اور سامی زبانون کی اصل ہے، ترکی علماے زبان اپنے اس دعوی کے ثبوت مین متعدد ماہرین زبان کی شہادتین پیش کرتے ہین اور ان کا خیال ہے کہ مسلمانون کے دور حکومت مین ترکی زبان اپنے زوال کی حالت مین تھی جس کی ذمہ داری سلاطین اور ان کے درباریون کے سر ہے، سلطانی فتوحات کے ساتھ ممالک مفتوحہ کی زبانین بھی کسی قدر ترکی زبان مین شامل ہوتی گئین اور اہل دربار نے ان سب زبانون کو ملا جلا کر ایک نئی زبان تیار کر لی،

نوبل پرائز

سال گذشتہ ۱۹۳۲ء مین لٹریچر کا نوبل پرائز مشہور برطانوی ڈراما نویس جان گالسوردی (J. GALSWYTHY) نے حاصل کیا ہے، ان کی تصنیفات سوئڈن مین بہت مقبول ہین ۱۹۱۸ء مین حکومت برطانیہ نے انھین نائٹ کا خطاب بھی دیا تھا لیکن اسے قبول کرنے سے انھون نے انکار کر دیا تھا، ۱۹۲۹ء مین حکومت کی طرف سے

انھین آرڈر آف میرٹ (ORDER OF MERIT) کا خطاب عطا کیا گیا، گالسوردی کے علاوہ رڈیارڈ کپلنگ اور برنرڈ شا صرف دو برطانوی مصنف اور ہین جنھین اس سے قبل لٹریچر مین نوبل پرائز ملا،

کمسٹری کا نوبل پرائز امریکہ کے مشہور سائنس دان ڈاکٹر ارونگ لینگ میور (DR. IRVING LANGMUIR) کو دیا گیا ہے جو ۱۹۰۹ء سے کیمیاوی تحقیق مین مصروف ہین،

سیّارون کی آبادی

حال مین برمنگھم کے بشپ ڈاکٹر بارنس نے ایک خطبۂ صدارت مین پیشین گوئی فرمائی ہے کہ ایک وقت آئیگا جب انسان کسی مختلف قسم کی لاسلکی کے ذریعہ سے دور دراز سیارون مین رہنے والے ذی عقل جانداروں سے بات کرسکیگا، بشپ موصوف نے نہ صرف اپنے اس یقین کا اظہار کیا کہ دوسرے سیارون مین بھی ذی روح آبادی ہے، بلکہ یہ بھی بیان کیا کہ اس امر کے قوی دلائل موجود ہین کہ سیارون کے رہنے والے قوت درکہ مین ہم سے کہین زیادہ بڑھے ہوئے ہین، ان کا خیال ہے کہ اگر سیارون کے باشندون کے حاصل کردہ علوم و فنون ہمارے سامنے پیش کر دیئے جائین تو ہماری حیرت و استعجاب کی کوئی انتہا نہ رہ جائے، ڈاکٹر بارنس کی حیرت تو اس وقت کی منتظر ہے جب ایسے علوم و فنون اُن کے سامنے پیش کئے جائین گے، مگر ہماری حیرانی کے لیے تو وہ وثوق ہی کافی ہے، جس کا اظہار موصوف اپنی پیشین گوئی مین فرما رہے ہین،

ارتقائے انسانی کی ایک کڑی

مسٹر ایچ، جی، ویلز، مشہور برطانوی اہل قلم نے اپنی تاریخ عالم مین یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جنگلون کے جن مردم خور دیوون کے قصّے روایات مین سنے جاتے ہین وہ ممکن ہے کہ ان انسانون کی نسل سے تعلق رکھتے ہون جو ہزارہا سال قبل اپنے ارتقا کی ابتدائی منزلون مین تھے، اس خیال کی تائید حال کے ایک جدید انکشاف سے

بھی کسی قدر ہوتی ہے، چند ماہ قبل جنوبی افریقہ میں ایک ایسا انسانی ڈھانچہ برآمد کیا گیا ہے جو اب بالکل مفقود ہے،

اس دریافت کے متعلق ڈاکٹر فرمی اپنے رسالہ ویکلی سائنس (WEEKLY SCIENCE) میں لکھتے ہیں:۔

"ارتقاے انسانی کے ماہرین کو اس امر میں اتفاق ہے کہ اب سے بیس یا تیس ہزار قبل دو بالکل مختلف قسم کے انسان روے زمین پر آباد تھے، ایک قسم معمولی آدمیوں کی تھی جو زمانۂ حال کے آدمیوں سے ناقابلِ امتیاز تھے، دوسری قسم ان کی تھی جو قد کے چھوٹے اور جسم کے موٹے تھے ان کے سر بڑے، اور گردنیں موٹی تھیں اور وہ موجودہ انسانوں کے مقابلہ میں صورۃً بالکل درندے معلوم ہوتے تھے، اس قسم کے لوگوں کی ہڈیاں نیز ان لوگوں کی جو آجکل کے آدمیوں سے مشابہ تھے، یورپ، فلسطین، افریقہ، اور دوسری جگہوں میں پائی گئی ہیں" جنوبی افریقہ میں جو ہڈیاں حال میں پائی گئی ہیں ان کے متعلق شروع میں یہی خیال تھا کہ وہ انھی انسان نما درندوں میں سے کسی کی ہونگی، لیکن مزید غور و مطالعہ کے بعد یہ محقق ہوا ہے کہ وہ ہڈیاں ایک بالکل مختلف قسم کے انسان کی ہیں جو نہ تو کٹر وحشی اور درندے تھے، اور نہ اس نسل سے تھے جو آج تمام دنیا میں پائی جاتی ہے،

جیب کے خطرات،

ڈاکٹر پرسی اجلو (لندن) نے حال میں یہ تجویز پیش کی ہو کہ مروجہ جیبیں انسانی لباس سے بالکل خارج کردی جائیں اور انکی جگہ ڈاکٹر موصوف کی ایجاد کردہ دوسرے قسم کی جیبیں جو روز یا ہفتہ میں ایکبار دھونے کیلئے علحدہ کیجا سکتی ہیں استعمال میں لائی جائیں، وجہ یہ ہو کہ موجودہ جیبیں عموماً کثیف ہوتی ہیں اور ان سے جراثیم پھیلتے ہیں ان میں ہر قسم کی چیزیں رکھی جاتی ہیں، مثلاً ایسے رومال جنمیں جراثیم بھرے ہوتے ہیں، سکے جو پہلے اکثر گندے اور میلے ہاتھوں میں رہ چکے ہیں، کاغذی سکے اور دوسری چیزیں جنسے جراثیم کی پرورش ہوتی ہے، یہ جیبیں شاید ہی کبھی الٹکر صاف کیجاتی ہوں یا انھیں دھوپ یا صاف ہوا لگتی ہو، جراثیم کے اس خطرہ کو دور کرنے کیلئے ڈاکٹر اجلو نے جس قسم کی جیبیں ایجاد کی ہیں وہ اگرچہ شکل میں موجودہ جیبوں سے بالکل ملتی ہوئی ہیں لیکن اسطرح کی بنی ہیں کہ ضرورت کیوقت بہت آسانی سے لباس سے علحدہ کیجا سکتی ہیں اور صاف کرکے پھر لگادی جاسکتی ہیں،

"ع ز"

ادبیات

نیرنگِ اثر

از جناب ولایت حسین خانصاحب رامپوری

نیا ہے رنج ہر لحظہ نئی ہر دم مصیبت ہے — دل ایذا طلب مجموعۂ ارباب ہمت ہے
کوئی ہے طالب حسرت کوئی مایوس حسرت ہے — نرالی ساری دنیا سے یہ دنیائے محبت ہے
خیالِ دوست ہر لحظہ شریکِ رنج و راحت ہے — خدا رکھے اسی سے زندگی کی اپنی صورت ہے
مجھے تکلیف مین آرام ہے زحمت مین راحت ہے — مرے حق مین جفائے دوست سچ یہ ہے عنایت ہے
ابھی واقف ہوا ہے لذتِ ایذا سے تو اے دل — ابھی سے خواہشِ افزایشِ دردِ محبت ہے
تعجب کیا اگر انسان اس پر جان دیتا ہے — محبت قلبِ انسان مین خدا کی اک ودیعت ہے
نہ پوچھو مجھ سے تم کیونکر بسر ہوتی ہے فرقت مین — خدا کا شکر ہے جو دم گذرتا ہے غنیمت ہے
طریقِ عشق مین فکرِ مآلِ عشق سے حاصل — دلِ ناعاقبت اندیش تیری بھی عجب مت ہے
میسر ہی ہین دل کی بدولت عشق کی دولت — نکرنا شکرِ نعمت کا آخر کفرانِ نعمت ہے

سوالِ وفا

از جناب شیخ عبد اللطیف صاحب تپش ام اے ام او ال لکچرار گورنمنٹ کالج پیشاور،

مجھ سے کہتے ہین، وہ وفا کیا ہے — نہین معلوم مدعا کیا ہے

دل مین اک داغ کے سوا کیا ہے ۔ جان دے کر ہمین ملا کیا ہے
کچھ نہین عالم خیال اگر ۔ یہ تماشا سا ہو رہا کیا ہے
غنچے مین اک لپٹ ہے خوشبو کی ۔ اس کی مٹھی مین اور دھرا کیا ہے
خاکسارون کی خاک اوڑاتے ہو ۔ یہ جزا ہے، اگر سزا کیا ہے
نہین اٹھتا ہے پردۂ ہستی ۔ نہین کھلتا کہ ماجرا کیا ہے
کر دیا ہے نیاز سجدہ مجھے ۔ اور احسان نقش پا کیا ہے
پردہ داری چشم شوق عبث ۔ جز فریب نظر دھرا کیا ہے
نہ بتایا کسی نے جیتے جی ۔ درد کیا چیز ہے، دوا کیا ہے
کیا ہو کیا جانے بتکدہ چھٹ کر ۔ کیا خبر مرضی خدا کیا ہے
ہاتھ اوٹھاتے تو ہو دعا کے ساتھ ۔ یہ بھی تو پوچھ لو دعا کیا ہے
محشرستان آرزو ہون تپش ۔ مجھکو اندیشۂ فنا کیا ہے

رباعیات اخگر

از جناب امداد حسین صاحب اخگر مرادآبادی

عالم پیری

مین بحر تھا پانی نے مجھے چھوڑ دیا ۔ موجون کی روانی نے مجھے چھوڑ دیا
بے مہری کی یارون سے شکایت کیسی ۔ خود میری جوانی نے مجھے چھوڑ دیا

عبرت

قبرون پہ گیا مین تو وہان کیا دیکھا ۔ چھائی ہوئی خاموشی کو گویا دیکھا
ٹوٹے ہوئے تختون کی چھتون کے نیچے ۔ شاہون کی بھی عظمت کا جنازہ دیکھا

باب التقریظ والانتقاد

نغمۂ دل

یعنی مجموعۂ کلام دل

(جناب حکیم ضمیر حسن خان دل شاہجہانپوری)

ضخامت مع مقدمہ ۲۵۰ صفحات قیمت علاوہ محصولڈاک ؏ ملنے کا پتہ حکیم ضمیر حسن خان دل محلہ ہاتھی تھان شاہجہان پور،

یہ ایک بڑی نازک تاریخی اور ادبی بحث ہے کہ دلی اور لکھنؤ کے جو دو مختلف شاعرانہ مذاق قائم ہوگئے تھے اُنکا جغرافیانہ اور قومی حیثیت سے کیا اثر پڑا؟ جہان تک مین پتہ لگا سکا ہون، مرادآباد، بریلی، بدایون اور شاہجہان پور وغیرہ زیادہ تر دلی کے رنگ سے متاثر ہوئے، اور کانپور، فیض آباد اور الہ آباد وغیرہ پر لکھنؤ کا اثر پڑا، اسکی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ جو مقامات دلی سے قریب تھے اونھون نے دلی کا رنگ اختیار کیا، اور جو مقامات لکھنؤ کے آس پاس تھے وہ لکھنؤ کی روش پر چلے، اس جغرافیانہ اثر کے علاوہ قومی حیثیت سے روہیلکھنڈ کے پٹھانون کی ٹھوس طبیعت جب شاعری کی طرف متوجہ ہوئی تو اوس نے سنجیدگی کے قالب مین ظہور کیا جس کے لئے اساتذۂ دلی کا رنگ کلام زیادہ موزون تھا، اسلئے زیر ریویو مجموعہ کلام مین سب سے پہلی جو خصوصیت ذوق سلیم کے سامنے آتی ہے، وہ متانت و سنجیدگی ہے قومی و جغرافیانہ حیثیت کے علاوہ ممکن ہے کہ یہ حکیم ضمیر حسن خان کی ذاتی متانت و سنجیدگی اخلاق کا بھی اثر ہو، بہرحال اون کے کلام مین کوئی غیر مہذب غیر سنجیدہ مبتذل و رکیک لفظ یا عریان مضمون نہین مل سکتا، یہان تک کہ وصل اور رقیب کا لفظ جس

سے غزل مین لطیف وخوشگوار مضامین کے ساتھ بہت سے مبتذل وسوقیانہ مضامین بھی شامل ہوگئے ہین، اون کے کلام
مین سرے سے موجود ہی نہین ہے، شاید یہ خیال ہو کہ یہ موجودہ دور کی شاعرانہ اصلاحات کا اثر ہے لیکن اونھون نے
اپنی غزلون کو خود قدیم وجدید دو حصون مین تقسیم کر دیا ہے لیکن قدیم غزلون مین بھی اس قسم کے الفاظ و مضامین نہین
ہین، اس لئے حضرت نیاز فتحپوری کے نزدیک اونکے قدیم وجدید کلام مین امتیاز پیدا کرنا سخت مشکل ہے لیکن ہمارے نزدیک
لکھنو کی صرف یہی خصوصیت نہین ہے کہ وہان کی شاعری مین متانت وسنجیدگی کم پائی جاتی ہے، بلکہ اس کی ایک
خصوصیت اس کا وہ شاعرانہ استدلال بھی ہے، جو جذبات کی آمیزش سے بالکل خالی ہوتا ہے، اس لئے
اوسکو صرف ایک خشک شاعرانہ منطق کہہ سکتے ہین، اور اسکی مثالین بعض بعض جگہ اون کی قدیم غزلون مین نظر
آجاتی ہین، مثلاً

ابروے آئینے مین نگاہین ہین بار بار ۔۔۔ برسا رہے ہین تیر وہ اپنی کمان پر

ابرو کا کمان اور نگاہون کا تیر ہونا شاعرانہ حیثیت سے مسلم ہے، اور چونکہ آئینے مین ابرو ہی پر نگاہین پڑرہی
ہین، اسلئے یہ دعویٰ ثابت ہوگیا، کہ

برسا رہے ہین تیر وہ اپنی کمان پر

یا:-

دل صد چاک مین دیکھا رخِ روشن اونکا ۔۔۔ ہم نے نظارہ کیا ڈال کے چلمن اون کا

دل صد چاک کی تشبیہ چلمن کے ساتھ بالکل مکمل ہے، اور دل مین معشوق کا جلوہ نظر آتا ہی ہے اسلئے یہ دعویٰ خود
بخود ثابت ہوگیا، کہ

ہم نے نظارہ کیا ڈال کے چلمن اونکا

بعض لفظی رعایتین بھی حدفاصل ہوسکتی ہین، مثلاً

ناتوانی راہ مین گویا پاؤن پھیلاتی رہی ۔۔۔ شوق ہاتھون ہاتھ مجھکو سوے جانان لیچلا

اسی طرح جدید شاعری کی خصوصیت صرف متانت و سنجیدگی ہی نہین ہے، بلکہ خاص قسم کی ترکیبین اور خاص قسم کے الفاظ بھی ہین، یہان تک کہ بعض جدید شعراء کے کلام مین صرف یہی ترکیبین اور الفاظ ہوتے ہین، اون کے اندر کوئی معنی نہین ہوتا، اور اس مجموعہ مین بھی اس قسم کے الفاظ کی کمی نہین ہے مثلاً :-

نظر آتی ہے مجھے حسن کی دنیا بے حس
کس کو افسانہ سناؤن شب تنہائی کا

حقیقت یہ ہے کہ حکیم ضمیر حسن کا کلام ایک بڑے تاریخی دور کا نچوڑ ہے، رامپور مین آکر دلی اور لکھنؤ کے رنگ مین آمیزش ہوئی، اس بیگانگی کے دور ہونے کے بعد کچھ دنون تک داغ، امیر اور جلال باہم حریف رہے لیکن رفتہ رفتہ زمانے نے اس بے گانگی کو بھی دور کیا، اور اب ہر ایک کے تلامذہ نے بے تعصبی کے ساتھ ان تینون استادون کے شاعرانہ کمالات کا اعتراف کیا، اور تینون کے رنگ کلام سے متاثر ہوئے اسکے بعد جدید شاعری کا غلغلہ بلند ہوا، تو اوس کا اثر بھی ان لوگون پر پڑا، اس لئے ان مجموعی اثرات نے ایک خاص رنگ پیدا کر دیا جسکی خصوصیات حسب ذیل ہین :-

۱- مبتذل اور عریان الفاظ و مضامین سے اجتناب،

۲- خارجی مضامین یعنی خال و خط کے مضامین سے احتراز،

۳- صفائی، برجستگی اور سادگی،

۴- رفعت و بلندی،

امیر کے اور مشہور تلامذہ مین بھی اگرچہ یہ خصوصیتین اقتضای زمانہ سے پیدا ہو گئی ہین لیکن ضمیر حسن خان نے اقتضای زمانہ کے علاوہ بالقصد و بالارادہ بھی یہ خصوصیتین اپنے کلام مین پیدا کی ہین، اور اون کی سنجیدہ فطرت اور ماحول کے اثر نے بھی اس مین اون کی اعانت کی ہے، اس لئے اون کا کلام امیر کے اور تلامذہ سے مختلف ہو کر شعرائے دور جدید کے کلام سے مشابہ ہو گیا ہے، تاہم یہ فرق قائم ہے کہ جدید شعرا کے کلام مین بے معنی الفاظ بے معنی ترکیبون بلکہ مہمل مضامین کا جو انبار پایا جاتا ہے، اون سے اون کا کلام پاک ہے اور لفظ و معنی دونون حیثیتون سے حدود تغزل کے اندر داخل ہے

چند مثالیں ملاحظہ ہوں:۔

جی ڈوب گیا جب یہ حقیقت ہوئی ظاہر
جس بحر میں کشتی ہے وہ ساحل نہیں رکھتا

نارسائی کا سبب کیا ہے؟ یہی جوشِ طلب
بڑھ گئے ہم اس قدر آگے کہ رہبر رہ گیا،

نکتہ سنجوں نے فنا نے رکھ لیا دل اوس کا نام
کچھ لہو جو سینۂ بسمل میں جم کر رہ گیا،

اب ہزاروں زخم ہیں ہر زخم ہے دنیائے عشق
وسعتِ دل بڑھ گئی جب دل میں نشتر رہ گیا،

ادھر گھبرا کے غمخواروں کی باہو سانہ سرگوشی
ادھر بیمار کا کچھ کہہ کے بے بس بے خبر ہونا۔

بارہا ڈوب کے ابھرا مرے دل سے نشتر
راز پھر بھی نہ کھلا عشق کی گہرائی کا کچھ

تری ٹھوکروں کو خاکم عبث آج جستجو ہے
جسے کل مٹا چکی ہیں وہی تھا مزار میرا

ہاتھ دل پر رکھ کے یہ کہنا کسی کا یاد ہے
اب اسے اپنا نہ کہنا یہ ہمارا ہو گیا،

کیا سمجھ کر پوچھنے آئے ہو میرا حالِ زار
ہاں یہ پوچھو پوچھنے والوں کی حالت کیا ہوئی

جو طالبِ جمال بڑھا آئی یہ صدا
بجلی ابھی تو کوند رہی ہے جلال کی

کہنے تو کہہ دیں عرشِ بریں کو مقامِ دوست
ہمت مگر کچھ اور ہے اپنے خیال کی۔

خاموش ہوں جو صورتِ تصویر پیشِ یار
اک شکل خاص یہ بھی ہے اظہارِ حال کی

اب تک ہیں جوشِ عشق کی ہنگامہ خیزیاں
اوٹھا غبارِ قیس تو صحرا لئے ہوئے

یہ متین و سنجیدہ رنگ صوفیانہ خیالات کے اظہار کے لئے خاص طور پر موزوں ہے اور حکیم ضمیر حسن خان کے کلام میں بھی جا بجا اوس کی چاشنی پائی جاتی ہے مثلاً

ہر حسنِ مطلق ہی جلوہ افگن بغور جس خوش ادا کو دیکھا
عجیب قدرت کے ہیں کرشمے جدھر نظر کی خدا کو دیکھا،

جو ڈوب کر پھر کبھی نہ ابھرا ہوا وہی آشنائے ساحل
بقائے دائم کا اک مرقع غریقِ بحرِ فنا کو دیکھا،

مشاہدہ ہو تو کس طرح ہو بصارتِ ظاہری ہے عاجز
گذر گیا جو خودی کی حد سے اوسی نے اوس خود نما کو دیکھا

خبر نہیں یہ انتہا کی ہم کو کیا ہو گم ہے خودی سے لے دل — قدم جو رکھا رہِ طلب میں تو دو ہی زیر ہستی کو دیکھا،

اردو غزل گوئی کا ایک بڑا نقص یہ ہے کہ اس میں ہر شعر کا مضمون الگ الگ ہوتا ہے، کوئی مسلسل خیال پوری غزل میں نہیں ادا کیا جاتا، لیکن حکیم ضمیر حسن خان نے بعض غزلوں میں ایک ہی خیال ادا کیا ہے، اور نہایت پر لطف مسلسل طریقہ سے ادا کیا ہے مثلاً:۔

شکیبِ ضبط بھی لے پیک یار لیتا جا — پلٹ چلا ہے تو دل کا قرار لیتا جا

لکھا ہے خون کے قطروں سے حالِ دردِ فراق — مرقعِ خلش و اضطرار لیتا جا

بجائے مہر ہوئی ثبت چشمِ پُر حسرت — یہ نقش ہے ہمہ تن انتظار لیتا جا

بدھے ہیں تختِ جگر تارِ اشکِ رنگیں میں — یہ دل پسند یہ خوش رنگ ہار لیتا جا

کسی کے زیرِ قدم آج ہی بچھا دینا — سکونِ جانِ محبت شعار لیتا جا

تمام عمر کا حاصل ہے جوشِ عجز و نیاز — متاعِ ہستیٔ ناپائدار لیتا جا

تجھے ہے عذرِ ادا داستانِ عشق طویل — مری زبان بھی لے غمگسار لیتا جا

وفورِ شوق جو سرمایۂ محبت ہے، — بصد نیاز پئے نذرِ یار لیتا جا

یہ چیز وہ ہے جو فائق ہے لاکھ چیزوں پر — خلوصِ عشق کا تو اعتبار لیتا جا

رہا تھا ہے جو تسکینِ دل کا سرمایہ — مرے رفیق مرے راز دار لیتا جا

انیس حضرتِ دل آہ جو تمنا تھی — ملی ہے خاک میں اوسکا غبار لیتا جا

لیکن باوجود ان تمام خوبیوں کے جا بجا لفظی و معنوی حیثیت سے خامیاں بھی پائی جاتی ہیں مثلاً:۔

قیامت زا ہوا دل سُرمگیں آنکھوں کا نظارہ — سنبھل بیٹھیں یہ بُت نالہ ہمارے دل سے نکلے گا،

سُرمگیں آنکھوں کا اثر خموشی کی صورت میں ظاہر ہونا چاہیے نہ کہ نالہ کی صورت میں،

کاوشِ پیہم کی حسرت تھی دلِ مجروح کو کیا بکارآمد ہوا چھپکر جو نشتر رہ گیا،

بیکار امد کی بجائے "کار آمد" غالباً زیادہ صحیح ہو،

ساتھ ساتھ ہو چلیگی مری بربادیٔ دل کوچۂ یار کو جانا تو بیاباں ہو جانا ہوا

شعر بہت اچھا ہے لیکن اگر تو جانا کے بجائے ہوتے جانا ہوتا تو زیادہ بامحاورہ ہوتا،

ہم ترشح صہبا کے قائل ہیں مگر واعظ بتوں میں جو جاتا ہے نظر تک نہیں ہوتا

صہبا سے جام آنکھیں ہو سکے کوئی معنی نہیں ممکن ہے کہ ساقی مراد ہو لیکن وہ یہان مذکور نہیں انکار نہیں ہوتا،

بھی صحیح نہیں انکا نہیں ہوسکتا چاہئے؛

لیکن اون کی پختہ گوئی کے مقابلے میں یہ خامیاں بالکل بے حقیقت ہیں اور میں نے انکا اظہار صرف اسلئے کر دیا ہی کہ تنقید کا یہ پہلو نظرانداز نہ ہونے پائے، ورنہ لفظی اور معنوی دونوں حیثیتوں سے اون کا کلام داغ، امیر، جلال، اور شعرائے دورِ جدید کے محاسنِ کلام کا ایک نہایت معتدل مجموعہ ہے، اور اون کے جو معائب ہیں، اون سے اوتھوں نے قطع نظر کرلی ہے، ہم کو یقین ہے کہ اس زمانے کے سنجیدہ مذاق اہلِ نظر اسکو دلچسپی سے پڑھیں گے، "ع"

فہرست عربی مخطوطات انڈیا آفس لائبریری

مرتبۂ سی، اے، اسٹوری، صفحات ۹۵ تقطیع کلان، مطبوعہ اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس قیمت ۱۰ شلنگ ۶ پنس

انڈیا آفس لائبریری میں عربی کی قلمی کتابوں کا جو ذخیرہ ہے، اُس میں سے یہ فہرست جو سلسلہ کی دوسری جلد ہے، صرف قرآنی نسخوں، وتفسیروں اور متعلقاتِ علوم قرآنی پر مشتمل ہے، اسمین (۱۶۲) نسخوں کا ذکر ہے، ان میں سے (۶۷) پورے قرآن یا مختلف سوروں کے نسخے ہیں، لیکن ان میں سے کوئی اہم نسخہ نہیں، بجز اس کے کہ ایک نسخہ جو ہندوستان کے اکبری عہد میں لکھا گیا ہی بحیثیت اسکے کہ ایک فنی عربی نسخے اس عہد کے ایک ہندو امیر کے لیے لکھا ہے،

ایک خاص ندرت رکھتا ہے، اس نسخہ کے خاتمہ مین ہے،

وقع الفراغ من کتابۃ ہذا الکتاب العزیز الذی لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ

ولا من خلفہ، بخط عبد الضعیف النحیف الحقیر الراجی الی رحمتہ ربہ الغنی لقد

. . . . بن احمد انصاری المدنی ثم سنالی (؟) . . . . . شعبان

۹۹۹ھ حق وملک رای رایان رای پتر داس . . . . . در عہد جلال الدین

اکبر بادشاہ غازی خلد اللہ،

یہ نسخہ زیج سے شکستہ اور دریدہ ہے، یہ ۱۸۵۸ء مین لکھنؤ کے غدر کی لوٹ مین جنرل فرینکس کے کسی

ای ڈی سی کے ہاتھ لگا تھا، اور وہان سے یہ انڈیا آفس کے کتبخانہ مین داخل ہوا،

اس فہرست کی اکثر کتابین، ہندوستان مین لکھی گئین اور یہین کی پیداوار ہین، اور یہین سے انگلستان

کو منتقل ہوئی ہین،

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

قرآن پاک کی متفرق سورتون کا ایک عجیب وغریب نسخہ ہندوستان کے بجائے چین کی یادگار ہے،

یہ چین کی لڑائی مین انگریز سپہ سالار کے ہاتھ آیا تھا، اسمین مختلف متفرق سورتون کے اقتباسات چینی ترجمہ

کے ساتھ ہین،

کتب تفسیر تمامتر یہی معالم التنزیل، کشاف، بیضاوی ومدارک اور اس کے حواشی ہین، تاہم ایک

شیعی تفسیر تفسیر سُلَمی خاص طور سے قابل ذکر ہے، جس کا دوسرا مشہور نام تفسیر عیاشی ہے، مصنف کا نام ابونصر

محمد بن مسعود بن محمد بن عیاش السُلَمی السمرقندی ہے، جو تھی صدی ہجری مین تھے،

الکشف والبیان جس کا مشہور نام تفسیر ثعالبی، اور جو ابواسحاق احمد بن محمد ثعالبی نیشاپوری المتوفی

۴۲۷ھ کی روایتی تفسیر ہے، اس کے متفرق اجزاء ہین،

ایک اور تفسیر کا ناتمام نسخہ قابلِ ذکر ہے، یہ اس نسخہ کے ایک ورق پر امام محمد غزالی کے بھائی امام احمد غزالی کی طرف منسوب کی گئی ہے، اس ناتمام نسخہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے شروع مین علوم تفسیر پر ایک مقدمہ ہے، مگر افسوس ہے کہ یہ نسخہ ناتمام ہے، سورۂ یوسف کی ایک تفسیر ہے جو امام غزالی کی طرف منسوب ہے، ایک رسالہ القسم الالٰہی بالاسم الربانی امام ابن عربی کا ہے جسین انھون نے ان پانچ آیتون کی تفسیر کی ہے جنمین خدا نے اپنی آپ قسم کھائی ہے،

الجامع لاحکام القرآن معروف بہ تفسیر قرطبی کے ٹکڑے بھی ہین، اس تفسیر کا بہترین نسخہ ہمارے ندوۃ العلماء کے کتبخانہ مین ہے،

بیضاوی کے حاشیون مین ایک حاشیہ علامہ عبد الحکیم سیالکوٹی کا ہے، آخر مین قرأت و تجوید کی چند کتابین ہین،

فہرست کے اڈیٹر مسٹر اسٹوری ہندوستان مین اس حیثیت سے پہلے سے روشناس ہین، کہ وہ ملیگڈھ کالج مین ایک زمانہ مین عربی کے پروفیسر رہ چکے ہین، مسٹر اسٹوری اب مدت سے انڈیا آفس کے کتبخانہ کے ناظر ہین، فہرست مین اختصار کے ساتھ انھون نے نسخہ کا حال لکھا ہے، اور مصنفین کے احوال کے لیے پہلی فہرستون کا حوالہ دیا ہے، اور کہین کہین خود بھی انھون نے کتابون کے حوالے دیدیئے ہین، "س"

مطبوعات جدیدہ

اسماء الاسرار (فارسی) مصححہ جناب سید عطا حسین صاحب ایم اے، ناظم تعمیرات حیدرآباد دکن، بجم ۱۷۳ صفحے قیمت قسم اعلیٰ للعہ، دوم ؎ (سکہ عثمانی) پتہ :- کتب خانہ تجارتی اعظم پریس چارمینار حیدرآباد دکن،

حضرت خواجہ ابو الفتح سید محمد حسینی گیسو دراز ؒ کی مشہور تالیف اسماء الاسرار اہل علم و صوفیہ کے حلقوں میں معروف ہے جناب مولوی عطا حسین صاحب ایم اے شکریہ کے مستحق ہیں، کہ انھوں نے اسکو پہلی مرتبہ طبع کرایا، موصوف نے اس نسخہ کو اس کے مختلف قلمی نسخوں اور مختلف حال المتن شرحوں سے تصحیح و مقابلہ کے بعد تحشیہ کے ساتھ شایع کیا ہے اور ابتدا میں ایک مقدمہ ثبت کیا ہے اور جابجا اسکی شرحوں سے ضروری تعلیقات بھی منسلک کردئے ہیں، کتاب اہل ذوق میں پہلے سے مقبول ہے امید ہے کہ اہل ذوق اور ارباب تصوف اس سے فائدہ اوٹھائیں گے،

نفسیات عنفوان شباب مترجمہ جناب ڈاکٹر عابد حسین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی شایع کردہ جامعہ ملیہ اسلامیہ قرولباغ دہلی حجم ۲۱۲ صفحے قیمت عہ ؍

جدید فلسفہ کے شعبۂ "نفسیات" نے اس سرعت سے ترقی کی کہ رفتہ رفتہ یہ خود ایک فن قرار پاگیا، اور نفسیات کے ساتھ مختلف اضافتوں سے اہل فکر کے لئے نئے نئے ابواب غور و فکر کے لئے نکل آئے، برلن یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر ایڈورڈ اشپرانگر نے اس سلسلہ میں "نفسیات عنفوان شباب" پر اپنے تجربوں اور تخیلات کو اسی عنوان سے اپنی ایک تالیف میں قلم بند کیا ہے اور یہ اردو کی خوش قسمتی ہے کہ پروفیسر موصوف کے ایک لائق شاگرد ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب نے اس تالیف کو مصنف کے مشورہ سے براہ راست جرمنی زبان سے اردو میں مصنف کے ہدایات کے مطابق منتقل کیا، اور مترجم

نے مقالہ مصنف نے اس اردو اڈیشن کے لئے چند کلمات ہندوستان کو مخاطب کرکے لکھے، کتاب چند ابواب "مقصد شباب" "عنفوان شباب کی مجموعی نفسی سیرت" اور "نوجوانوں کی تخیلی زندگی" وغیرہ ہیں اور پھر اسی طرح نوجوانوں کا حسن، نوجوانوں کے نفسانی خواہشات عشق اور نفسانی خواہشات، نوجوانوں کا تعلق سوسائٹی سے اور پھر نوجوانوں کی اخلاقی اور مذہبی نشو و نما، نوجوان اور سیاست، اور کسکے پیشے اور اس کا علم اور تصور کائنات وغیرہ کتاب کے مستقل ابواب ہیں، کتاب اگرچہ فلسفہ سے متعلق ہے لیکن ترجمہ کی روانی اور سلاست اور نفس موضوع کے لحاظ سے اکثر جگہ دلچسپ ہے، اور جہاں فلسفہ کے اشکال ہیں وہ مترجم کے فاضلانہ مقدمہ اور مصنف کے چند ابتدائی ابواب کو نظر تعمق کے پڑھنے کے بعد خود بخود دور ہو جاتے ہیں، کتاب کا مطالعہ ہشیار طلبہ اور اساتذہ کیلئے یکساں مفید ہے۔

خادمات خلق، مترجمہ جناب سیدہ خاتون صاحبہ مرحومہ ناشر مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی، حجم ۱۷۱ صفحے تقطیع چھوٹی،

لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت ۱عہ ۱۰ار

جناب خواجہ غلام الثقلین صاحب کی صاحبزادی جناب سیدہ خاتون مرحومہ نے یورپ اور امریکہ کی چند ممتاز تاریخی خواتین کے مختصر حالات کا ترجمہ اردو میں کیا تھا لیکن اس کی اشاعت کا وقت آنے نہ پایا تھا کہ مرحومہ کی چند روزہ زندگی کا خاتمہ ہو گیا، اب یہ رسالہ بطور ایک انکی ادبی یادگار کے مکتبہ جامعہ ملیہ سے شائع ہوا ہے، ابتدا میں جناب ڈاکٹر عابد حسین صاحب کا ایک تعارف ہے، اور پھر ایسی نو دس خواتین کے سوانح حیات ہیں جنھوں نے اپنی جانبازی سے اپنے کو فراموش کرکے خدمت خلق میں اپنی عمر گذار دی، اور زندۂ جاوید بن گئیں، رسالہ کی زبان شگفتہ ہے، رسالہ ہندوستانی خواتین کے مطالعہ کے قابل ہے،

خلفائے اربعہ، از مولانا خواجہ محمد عبد الحی صاحب فاروقی شائع کردہ مکتبہ جامعہ ملیہ قرولباغ دہلی

حجم ۱۴۴ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت ۱۰ار

خلفائے اربعہ میں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، خلفائے راشدین حضرت ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ و علیؓ کے سوانح حیات، بچوں کے لئے اوسی طریقہ پر مرتب کئے گئے ہیں، جیسے کہ رسول عربی وغیرہ مختصر رسالے جامعہ ملیہ سے شائع ہوئے ہیں، رسالہ کے مطالعہ سے ان صحابۂ کرامؓ کے پاکیزہ سوانح حیات کے ماسوا اس عہد کی مختصر تاریخ بھی بچوں کے

ذہن نشین ہو جائیگی'

کتاب التوحید:۔ تالیف شیخ محمد عبد الوہاب نجدی، مترجمہ مولینا محمد سورتی۔

قرول باغ دہلی مع متن، قیمت ۸؍

شیخ محمد عبد الوہاب نجدی کا مشہور رسالہ کتاب التوحید چند سال گذرے حکومت نجد و حجاز کی جانب سے شائع ہوا تھا، اب اوس کا اردو ترجمہ مولانا محمد سورتی نے شائع کیا ہے، ترجمہ کے ساتھ اصل متن بھی درج ہے، اس کی چنداں ضرورت نہ تھی، ایک صفحہ کو دو کالم میں تقسیم کرکے ایک کالم میں متن اور دوسرے میں ترجمہ درج کیا ہے، رسالہ کی ابتدا میں شیخ محمد بن عبد الوہاب کے سوانح حیات اور اون کے مشن کو اجمالاً پیش کیا ہے، کتاب التوحید میں جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، شیخ موصوف نے اپنے عقیدہ توحید کو شرح و بسط سے بیان کیا ہے، ترجمہ صاف اور رواں ہے،

الفتح المبین والجوہر الحسین، مترجمہ مولوی شیخ صالح باحطاب، حجم ۱۵۵ صفحے،

لکھائی چھپائی اچھی، قیمت:۔ ۶؍ عازیتہ الجوکیشنل لائبریری نظام شاہی روڈ حیدرآباد دکن،

مولینا شیخ سالم باحطاب، حیدرآباد دکن نے عربی میں درالقین فی اصول الشریعہ وفروع الدین، لکھی تھی، موصوف کے لائق خلف جناب مولوی شیخ صالح باحطاب نے اس کا اردو ترجمہ مصنف کی زندگی میں ایک ایک باب کو اونھیں دکھا کر کیا، اور اب یہی ترجمہ الفتح المبین والجوہر الحسین کے نام سے شایع ہوا ہے، رسالہ میں مصنف نے سوال و جواب قائم کرکے اولاً عقائد توحید اور اصول دین کو بیان کیا ہے، پھر فقہ شافعی کے بموجب عبادات کا بیان ہے، اس کے بعد فرائض کا تذکرہ ہے، اور خاتمہ کا باب "مبادی نصرت" کے نام سے ہے، اس اردو ترجمہ پر حیدرآباد دکن کے مختلف مشاہیر علما، کی رائیں کتاب کے آخر میں درج ہیں، اردو میں بالعموم فقہی رسالے فقہ حنفی کے بموجب ملتے ہیں، اس رسالہ سے فقہ شافعی کا سرسری مطالعہ ہو جاتا ہے،

"م"

...لد سی و یک | ماہ شوال المکرم ۱۳۵۱ھ مطابق ماہ فروری سنہ ۱۹۳۳ء | عدد ۲

مضامین

شذرات

پنجاب یونیورسٹی کی مجلس تحقیقات نے دوسرے صیغون کے ضمن مین مشرقی علوم اور اورنیٹل کالج لاہور کے مسائل پر جو کچھ غور کیا ہے، اس کے متعلق مختلف افواہین اخبارات کے صفحون مین پڑھنے مین آرہی ہین، گو آج کل کے کمیشنون کی اصطلاح مین اصلاح اور تخریب کے معنون مین بہت کم فرق ہے، تاہم ضرورت ہے کہ پنجاب کے اہل علم اس موقع سے فائدہ اٹھا کر متحدہ یکجہتی سے کام لین، اور علوم مشرقی کی تعلیم مین وہ جدید مناسب اصلاحین جاری کرائین جنسے وہ موجودہ ضروریات کا ساتھ دے سکے، طرز تعلیم، طریقۂ تعلیم، نصاب تعلیم، حقوق، یہ سب باتین بحث و اعتنا کے قابل ہین اور بجائے اشخاص اور جماعتون کے، متحدہ قوم کی طرف سے اس کا لائحہ پیش ہونا چاہیے، اور اس کے پیچھے پنجاب کے اسلامی اخبارات کی پوری طاقت ہو، ڈر ہے کہ اختلاف، جماعت داری، اور فرقہ پروری سے فائدہ کے بجاے نقصان پہنچ جائے

ہمارے پاس یونسٹاہال جرمنی سے ایک جرمن فاضل ڈاکٹر ہرلڈ فان کلوبر KLUBER کا ایک جرمن خط مع ایک گرے ہوے اردو ترجمہ کے آیا ہے، جسمین موصوف نے یہ لکھا ہے کہ وہان کے انسانی عجائب خانہ مین ہندوستان کا بنا ہوا ایک عربی کرہ (گلوب) ہے جسپر اسکے بنانے والے کا نام ضیاء الدین محمد بن قاسم محمد بن ملا عیسیٰ بن شیخ الہداد ہمایونی اصطرلابی لاہوری کا سنہ ۱۰۶۰ھ درج ہے، وہ اس پر ایک مضمون لکھنا چاہتے ہین، اور ہندوستان کے اہل علم سے اس بنانے والے کا حال دریافت کرتے ہین اور اگر اس قسم کے کرے ہندوستان مین بھی اسکے بنائے ہوئے ہون تو وہ انکا بھی حال جاننا چاہتے ہین، ہم کو اب تک اس شخص کا کچھ حال معلوم نہین ہو سکا ہے، اگر دوسرے اہل علم ہمکو اس کے متعلق کچھ مدد دے سکتے ہون، تو ممنونیت کا باعث ہوگا، اسکے بنائے ہوئے دو اصطرلابون کا علم ہمکو ہے، ایک ندوۃ العلماء لکھنؤ کے کتب خانہ مین ہے اور دوسرا مولنا ابوبکر صاحب جونپوری (ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی) کے پاس ہے، ہندوستان مین جن صاحبون کے پاس قدیم کرے یا اصطرلاب ہون براہ کرم وہ ان کے

ادیگرون کے نامون اور تاریخون سے مطلع فرمائین، جو عموماً ان کرون اور اصطرلابون پر کھدے رہتے ہین، شاید کہین سے یہ مسئلہ حل ہوسکے، ہم ابتک اسکے متعلق جو کچھ پتہ لگا سکے ہین، وہ آیندہ حاضر خدمت ہوگا،

معارف کا مجموعۂ مضامین "اہل السنة و الجماعة" رسالہ "اہل السنة و الجماعة" کے نام سے چھپ کر شائع ہوا ہے، اسکا ملیالم ترجمہ ملکم (ٹراونکور) کے اسلامیہ دارالاشاعة نے گذشتہ سال چھاپا تھا، اب سنہ ۱۹۲۳ء کے نئے سال مین حافظ محمد یوسف صاحب باقوی نے اپنے دارالاسلام مدراس کی طرف سے اسکا تامل زبان مین ترجمہ شائع کیا ہے، ہمکو یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ایک بنگالی متعلم دارالعلوم ندوہ نے بنگالی مین اُسکا ترجمہ کیا ہے،

تمام ہندوستان مین مسلمانون کی جتنی آبادی ہے، اسکی کسی قدر کم نصف تعداد بنگال مین آباد ہے، یہ حقیقت اس امر کو واضح کرتی ہے کہ مسلمانون کی نگاہ مین بنگال کی اصلاح و ترقی کا مسئلہ کسقدر اہم ہونا چاہئے، تاہم یہ کس قدر قابل افسوس بات ہے کہ بعض مسلمان اہل سیاست اسکو دوسرے صوبون کی مسلمان آبادی کی قیمت مین فروخت کرنا چاہتے ہین، اور بعضون نے تو یورپین سوداگرون کے ہاتھون مین اسکو عملاً فروخت بھی کر ڈالا ہے، اس کے یہ معنی ہین کہ ہندوستانی مسلمانون کی تقریباً نصف تعداد ہمیشہ کے لیے اپنے گھر کے اندر بیگانون کی غلام بنی رہے،

بہرحال ہم کو یہان انکی سیاسی غلامی سے زیادہ اُن کی ذہنی غلامی سے بحث ہے، ہندوستان کے تمام صوبون سے زیادہ عربی و مذہبی تعلیم جہان جاری ہے وہ بنگال ہے، پٹنہ سے لیکر بنارس، الہ آباد، کانپور تک اور وہان سے لیکر دیوبند تک ہر جگہ بنگال کے طالب العلمون کی کثرت ہے، ان کے علاوہ خاص بنگال کے چھوٹے بڑے مدرسون مین ساٹھ ہزار طالب العلم عربی کی تحصیل مین معروف ہین، باایمہمہ وہین سب سے زیادہ مذہبی و علمی جہالت کی عالمگیری ہے، اور وہین جاہل ملاؤن اور جاہل پیرون کی سب سے زیادہ کھپت ہے، انگریزی تعلیم نے اس قرب کے باوجود بہت کم اثر کیا ہے، اور سنتے ہین کہ جاہل مولوی ابتک وہان انگریزی کو کفر کے ہم

سمجھتے ہیں بلکہ روایتیں تو یہاں تک ہیں کہ خود بنگالی زبان اُن کے ہاں کافرون کی زبان سمجھی جاتی ہے، جبتک یہ صورت حال ہم ہندوستان میں مسلمانوں کے سب سے اہم صوبہ کی اصلاح کا کام خواب و خیال ہو، حالانکہ یہ تاریخی واقعہ ہے کہ بنگال کی بولی کو جنھوں نے زبان کا درجہ دیا، اور اسکو علم و ادب کے قابل بنایا، وہ بنگال کے مسلمان سلاطین ہیں،

زبان گر بہر حق خوانی چہ عبرانی چہ سریانی

ہم نے پچھلے معارف میں بنگال کے مسلمانوں کو اردو زبان کی طرف جو توجہ دلائی تھی، اُس کا منشا یہ نہ تھا کہ وہ اپنے صوبہ کی زبان کو چھوڑ کر اردو کی طرف توجہ کریں، بلکہ یہ منشا تھا کہ اپنی صوبہ وار زبان کے ساتھ ساتھ اس عمومی قومی زبان سے جو بہت کم وقت لیتی ہو بے توجہی نہ برتیں، ورنہ نتیجہ یہ ہوگا کہ اونکا حصہ ہندوستان کی اسلامی برادری سے گویا کٹ جائیگا، اور اسلامی تحریکات کے پھیلنے میں سخت رکاوٹ پیش آئیگی، ورنہ ظاہر ہو کہ ہم تو اس تجویز کے حامی ہیں کہ نہ صرف یہ کہ ان صوبوں کے مسلمانوں کو ان بانوں میں مہارت حاصل کرنی چاہئے، بلکہ ان زبانوں کو بھی اسلامی لٹریچر کی فراوانی سے مسلمان بنا ڈالنا چاہئے؛

ہمارے ملک میں افسانہ نویسی جس طرز کی جاری ہو اس کیلئے نہ علم کی ضرورت نہ مہارتِ انشا کی، ہر وہ صاحبِ قلم جو دو دو افسانوں کی باتوں کو قید تحریر میں لا سکتا ہو، وہ ہمارے ملک کا بڑا افسانہ نویس ہو، اس طرز تحریر میں نہ منطقی دلائل کی حاجت پڑتی ہے، نہ فلسفی نظریوں کی، نہ تاریخی معلومات کی، نہ ادبی نکتہ دانی کی، نہ مذہبی علوم کی، بلکہ صرف اتنا سلیقہ کافی ہو کہ وہ مبتذل خیالات بسوقیانہ فحاشی اور عریان جذبات کو نامانوس ترکیبوں، اور مضحکانہ فقروں میں ادا کر کے نوخیزوں کو بہلا اور نوجوانوں کو بہکا سکے،

مدیر نگار کے افسانوں کے بعد ابھی حال میں معاصر سچ لکھنؤ نے تفویض نام ایک افسانہ پیش کیا ہو جسمیں بے سبب صحابۂ کرام اور ائمۂ مجتہدین کی نسبت نادانی سے دلآزار الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، اور اس ہفتہ سرفراز لکھنؤ نے ایک رکن کونسل کے افسانوں کے اقتباسات نقل کئے ہیں جنمیں خدا اور رسول پر پھبتیاں کی گئی ہیں، کیا علم و دانش کے بعد اخلاق و آداب بھی اس طبقہ سے رخصت ہو چکا، ؟

مقالات

احادیثِ اسلام

ہمارے فاضل دوست ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی مولوی فاضل ایم اے، پی ایچ ڈی، پروفیسر اسلامیات کلکتہ یونیورسٹی کے جن تین خطبات حدیث کی تالیف کا ذکر معارف مین پہلے آچکا ہی، وہ تینون خطبے موصوف نے ۱۴ دسمبر ۱۹۳۲ء ۱۵ دسمبر ۱۹۳۲ء اور ۲۰ دسمبر کو آسوتوش بلڈنگ مین انگریزی مین دئے ان تینون خطبون کا انگریزی خلاصہ موصوف نے معارف مین اشاعت کے لئے بھیجا ہی جسکو ہم خوشی کے ساتھ شائع کرتے ہین، انگریزی کا اردو ترجمہ مولوی محمد عزیر صاحب ایم اے ال ال بی رفیق دار المصنفین نے کیا ہی،

"معارف"

پہلا خطبہ، ۱۴ دسمبر ۱۹۳۲ء پروفیسر موصوف نے خطبہ کے شروع مین پہلے لفظ "حدیث" کے معنی اور شعرائے جاہلیت کے کلام نیز قرآن مجید مین اس کے استعمال کو بیان کرکے یہ دکھایا کہ کیونکر یہ لفظ اسلام کے وسیع اثر کے ماتحت اپنے اصلی معنی سے علحدہ پیغمبر اسلام کے اقوال واعمال کی روایات کے لئے استعمال کیا جانے لگا، اس موضوع پر زمانۂ حال کے یورپین مستشرقین نے جو کتابین لکھی ہین، اُن کا اجمالی ذکر کرنے کے بعد انھون نے بتایا کہ ڈاکٹر اسپرانگر سابق پرنسپل کلکتہ مدرسہ، پہلے یورپین مستشرق تھے جنھون نے احادیث کا مطالعہ صحیح تنقیدی نظر کے ساتھ کیا، اور اپنی تحقیق و تفتیش کا بڑا حصہ کلکتہ مین پورا کیا،

اسپرانگر کے بعد سر ولیم میور آئے انھون نے تحقیق و تلاش سے جو مواد جمع کیا تھا، زیادہ تر اوسی کی بنا پر مسلمانون کی تدوین حدیث اور ان حدیثون کے صحیح اور مستند ہونیکی نسبت اپنی رائے کا اظہار کیا ہی،

گولڈزیہر جس نے اس موضوع کا ذاتی طور پر مطالعہ کیا تھا، احادیث اور متعلقات احادیث کے مطالعہ مین اپنی وسعت معلومات اور دقت نظر کے اعتبار سے اسپرنگر سے بھی کہین بڑھ گیا، اوس نے اپنی تحقیق کا بیشتر حصہ فن حدیث پر اپنی کتاب کی دوسری جلد مین شائع کر دیا ہے، یہ غیر معمولی کتاب اس موضوع پر ہمیشہ ایک مستند تصنیف سمجھی گئی،

اسی تصنیف پر زیادہ تر پروفیسر گیلام (Guillaume) کی کتاب "احادیث اسلام" مبنی ہے، موصوف کا شمار اُن ممتاز مستشرقین مین ہے جنھون نے احادیث کے وسیع لٹریچر کی ایک ضخیم فہرست تیار کی ہے جو مشہور و لائق ڈچ مستشرق پروفیسر جے ڈبلو ونسنک (A. J. Wensinck) کی نگرانی مین شائع کی جارہی ہے، پروفیسر ونسنک نے عربی لٹریچر کی جو مستقل اور بیش قیمت خدمات انجام دی ہین، وہ تمام دنیای اسلام کو ہمیشہ اون کا ممنون احسان رکھین گی،

احادیث سے مسلمانون کا شغف تقریباً اسلام کے ساتھ ہی ساتھ شروع ہوا، اور اس وقت تک جاری ہے، اونھون نے احادیث کے لئے طویل، مشکل اور پرخطر سفر اختیار کئے، اون کو جمع کیا، ان کے مطالعہ کے سلسلہ مین عربی لٹریچر کی بہت سے شاخون کو قائم کر کے فروغ دیا، اور پھر ان احادیث اور قرآن کو بنا قرار دیکر متعدد علوم دینیہ کو مدون کیا،

احادیث کے سلسلہ مین مسلمانون نے جس غیر معمولی سرگرمی کا ثبوت دیا ہے، دنیا کی علمی تاریخ اسکی نظیر سے خالی ہے، اُن کا نظام اسناد جسے اونھون نے احادیث کے سلسلہ مین قائم کیا، اسماء رجال پر وہ وسیع لٹریچر جو اونھون نے احادیث کے باقاعدہ اور ناقدانہ مطالعہ کی غرض سے تیار کیا، اور اون کی وہ کتابین جن مین صحیح اور موضوع حدیثون کو چھانٹنے کے لئے "موضوعات" سے بحث کی گئی ہے، یہ سب آج بھی دنیا کی علمی تاریخ مین بے مثال ہین،

اگرچہ کچھ حدیثین خود آنحضرت صلعم کی حیات مین قلم بند ہو چکی تھین، تاہم دوسری صدی کی ابتدا تک اون کو یکجا کرنیکی کوشش نہین کیگئی، اوس صدی کے شروع مین حضرت عمر ثانی نے بعض محدثین کو وہ سب حدیثین جمع کرنیکی ہدایت

فراہم ہو سکتی تھیں، چند مستند راویوں کا بیان ہے کہ انھوں نے مختلف صوبوں کے علما کے نام گشتی خطوط بھی جاری کئے کہ جتنی حدیثیں مل سکیں، جمع کر لیجائیں، بعض عربی کتابوں میں ہے، کہ حضرت عمر ثانی نے اس مجموعہ کو اپنی مملکت میں شائع بھی کر دیا تھا،

حضرت عمر ثانی کے بعد مختلف صوبوں کے متعدد محدثین نے اس عظیم الشان کام کو اوٹھا لیا جسکی ابتدا خلیفہ موصوف نے کی تھی، اور حدیثوں کے بہت سے مجموعے مرتب کئے، جن کا ذکر ابن الندیم نے کیا ہو لیکن بدقسمتی سے آج وہ مجموعے مفقود ہیں، پھر اس کے بعد خصوصاً آٹھویں اور نویں صدی عیسوی (دوسری اور تیسری صدی ہجری) میں اور بہت سے مجموعے تیار کئے گئے، یہ محفوظ ہیں اور دنیا کے مختلف حصوں میں مسلمان اون کو پڑھتے ہیں،

ان مجموعوں میں حدیثیں تین مختلف اصولوں کے ماتحت جمع کی گئی ہیں بعض میں وہ ان صحابہ کے ناموں کے تحت میں جمع کی گئی ہیں جن کا آنحضرت صلعم سے روایت کرنا بیان کیا جاتا ہو، ایسی حدیثوں کا عام نام مسند ہے بعض میں انھیں مضامین کے لحاظ سے مختلف ابواب میں ترتیب دیا گیا ہے، یہ مصنف کے نام سے مشہور ہیں، بعض مجموعے وہ ہیں جنمیں حدیثیں نہ تو صحابہ کے ناموں کے تحت میں یکجا کی گئی ہیں، اور نہ مضامین کے لحاظ سے، بلکہ حروف تہجی کی ترتیب کے ساتھ ان مستند راویوں کے ناموں کے نیچے لکھی گئی ہیں، جن سے خود جمع کرنے والے نے ان حدیثوں کو حاصل کیا ہے، ان کا عام نام معجم ہو،

یہ حدیثیں جن کو مختلف ممالک کے مسلمانوں نے بہتیری نسلوں میں مسلسل محنت و جانفشانی سے جمع کیا تھا آج تک علمائے اسلام کے زیر مطالعہ ہیں، اور اس وقت بھی تمام دنیا کے مسلمانوں کے لئے اپنے اندر ایک سرمایۂ سعادت رکھتی ہیں،

احادیث اور قرآن ہی پر مسلمانوں کے نظام اجتماعی کی بنیاد ہے، اسی بنیاد پر مختلف اسلامی علوم کی یادگار عمارتیں تعمیر کی گئیں، احادیث و قرآن ہی میں مسلمان آج اپنی فلاح و ہدایت کی راہیں تلاش کرتا ہو، انھیں پر موجودہ زمانہ کی ضروریات کے مطابق بجا طور پر اسلامی نظریہ کی از سر نو تاسیس کیجا سکتی ہو، جس طرح قرون وسطیٰ

کے بعض اسلامی فرقون کو اس وجہ سے فروغ حاصل نہ ہو سکا، کہ اونھون نے قرآن اور حدیث کی اہمیت کو نظرانداز کر دیا تھا،

اسی طرح زمانۂ حال کے بہتیرے مصلحین کی کوششون کی ناکامی کا سبب بھی قرآن و حدیث سے اونکی بے پروائی ہی ہے،

دوسرا خطبہ ۱۶ دسمبر ۱۹۲۵ء | آج کا خطبہ اصحاب رسول اللہ صلعم اور اون کی خدمات حدیث سے متعلق تھا،

لفظ اصحاب کے معنی اور صحابۂ کرام کی تعداد سے بحث کرنے کے بعد پروفیسر موصوف نے (۱۲۲) صحابہ کے نامون کی ایک فہرست سنائی اور ان حدیثون کی تعداد بتائی، جو اُن مین سے ہر ایک سے مروی ہین اونھون نے بیان کیا کہ صرف گیارہ صحابی ایسے ہین جنھون نے پانچ سو سے زیادہ حدیثین بیان کین ان مین سے سات ایسے ہین، جنھون نے ایک ہزار سے زیادہ حدیثین بیان کین، محدثین کے ہان ان صحابہ کا نام "مکثرین" ہے یعنی کثرت سے حدیثین بیان کرنے والے، ان گیارہ محدثین کے مختصر حالات بیان کرنے کے بعد پروفیسر صاحب نے فرمایا کہ صحابۂ مذکور نیز دوسرے صحابہؓ نے احادیث نبوی کو اسی جوش کے ساتھ پھیلایا جس جوش کے ساتھ انھین یاد کیا تھا، اونھون نے اپنے آقا کے صحیح اقوال کو تمام دنیائے اسلام مین پھیلانا اپنا مذہبی فرض خیال کیا، حضرت عمر فاروقؓ کا حکمی احادیث سے متعلق انتہائی سختی مشہور ہے، یہ قول بیان کیا جاتا ہے کہ جس شخص نے حدیث کو ٹھیک اوسی طرح بیان کر دیا جس طرح اوس نے اوسے سُنا تھا وہ محفوظ رہا، حضرت علیؓ خلیفۂ رابع لوگون سے فرماتے تھے، کہ مجھ سے احادیث کی نسبت دریافت کرو، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اپنے غلام عکرمہ کو قرآن اور حدیث سکھانے کی غرض سے زنجیرون مین باندھ دیتے تھے،

عموماً یہ حضرات جو حدیثین خود بیان کرتے تھے، یا جو دوسرون سے معلوم کرتے تھے، ان کی صحت کی نسبت احتیاط سے کام لیتے تھے، حضرت ابوبکرؓ خلیفۂ اول اکثر اپنے احباب سے حدیثین دریافت فرماتے تھے، لیکن کسی حدیث کو شہادت کے بغیر تسلیم نہین کرتے تھے، حضرت عمرؓ خلیفۂ ثانی نے متعدد صحابہ کو اپنی بیان کردہ حدیثون کی شہادت پیش کرنے پر مجبور کیا، اور اُن مین سے بعض کو صرف کثرت روایت کے جرم مین قید کر دیا، حضرت عثمانؓ خلیفۂ ثالث علم حدیث کے ماہر ہونیکے باوجود حدیثون کے بیان کرنے مین حد درجہ محتاط تھے، حضرت علیؓ کسی حدیث کو اُس وقت تک تسلیم ہی نہ کرتے تھے جب تک راوی قسم کھا کر اُسکا صحیح ہونا بیان نہ کرے،

بعض صحابہؓ جو لکھنا جانتے تھے، آنحضرت صلعم کے زمانۂ حیات ہی میں حدیثیں قلمبند کر لیتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے آنحضرت صلعم سے حدیثیں لکھنے کی اجازت حاصل کر لی تھی، اونھوں نے ایک ہزار حدیثیں ایک صحیفہ میں جمع کی تھیں جسے الصادقہ کہتے ہیں، اس صحیفہ کو مجاہد نے اون کے پاس دیکھا تھا، اور بعد میں یہ اون کے پر پوتے عمرو بن شعیب کے قبضہ میں آیا حضرت علیؓ داماد رسول اللہ صلعم کے پاس ایک دوسرا صحیفہ تھا جس میں بعض احکام درج تھے،

بہت سے صحیفوں کا ذکر کرنے کے بعد جو صحابہ کے پاس تھے، اور اون متعدد حدیثوں کو بتا کر جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض حدیثیں صحابہ نے آنحضرت صلعم کی حیات ہی میں لکھ لی تھیں پروفیسر صاحب نے بیان کیا کہ کچھ حدیثیں ایسی بھی ہیں جن میں قرآن کے علاوہ کسی اور چیز کے قلمبند کرنے کی ممانعت آئی ہے، لیکن اونکی تعداد اون حدیثوں سے کم ہے جن میں لکھنے کی اجازت دی گئی ہے مختلف علمائے اسلام نے مختلف طریقوں سے ان حدیثوں کے اس ظاہری تضاد کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے، خود پروفیسر صاحب کی یہ رائے ہے کہ جن حدیثوں میں لکھنے کی ممانعت ہے، وہ تاریخ اسلام کے ابتدائی دور سے تعلق رکھتی ہیں اور جن میں لکھنے کی اجازت ہے وہ بعد کی ہیں، اور پہلی حدیثوں کو منسوخ کرتی ہیں،

آنحضرت صلعم نے فن تحریر کو عربوں میں مقبول بنانے کی براہ راست اور بالواسطہ کافی کوشش فرمائی تھی، آپ نے بہت سے صحابہ کو اس فن کے سیکھنے اور دوسروں کو سکھانے کی ہدایت فرمائی تھی، آپ نے متعدد احکام اور مسلمانوں اور غیر قوموں کے درمیان متعدد صلحنامے خود لکھوائے تھے، آپ نے جنگ بدر کے بعد یہ اعلان فرما دیا تھا کہ قیدیوں میں جو ناداری کی وجہ سے اپنا فدیہ نہ ادا کر سکتے ہوں وہ دس مسلمان لڑکوں کو لکھنا سکھا کر آزادی حاصل کر سکتے ہیں، پروفیسر صاحب نے ڈاکٹر اسپرنگر اور پروفیسر گولڈزیہر کی بعض کتابیں پڑھ کر سنائیں جن سے ثابت ہوتا ہے، کہ کچھ حدیثیں خود آنحضرت صلعم کی حیات میں لکھ لی گئی تھیں اسپرنگر کے بیان کے مطابق بعض صحابہ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ و حضرت انسؓ بن مالک اور حضرت ابن عباسؓ نے دوسرے صحابہ کی بہ نسبت زیادہ حدیثیں محفوظ کی تھیں اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے جو حدیثیں مروی ہیں وہ ان کے خاندان والوں نے قلمبند کر کے محفوظ کر لی تھیں، گولڈزیہر کہتا ہے کہ اسے تسلیم نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ صحابہ اور طلبہ احادیث نبوی کو بھول جانے کے خطرہ سے لکھ کر محفوظ کر لینا چاہتے تھے پھر جن لوگوں میں معمولی آدمیوں کے حکیمانہ اقوال قلمبند کرنے

جاتے ہوں کیونکہ ممکن ہو کہ رسول اللہ صلعم کے اقوال کے تحفظ کے لئے زبانی روایات کافی سمجھ لی گئی ہوں اکثر صحابہ نے

صحیفوں کو اپنے ساتھ رکھتے تھے، اور انہی صحیفوں سے وہ اپنے طلبہ کو تعلیم دیتے تھے،

ممتاز یورپین مستشرقین کے یہ بیانات جنھوں نے حدیث اور متعلقات حدیث کا مکمل اور ناقدانہ مطالعہ کیا ہی،

نیز وہ بہتیرے واقعات جو بعض اہم ترین قدیم عربی تصانیف دیئے گئے ہیں سخت بطی الاعتقاد اشخاص کو بھی اس امر سے مطمئن کر دینے

کیلئے کافی ہیں کہ بعض صحابہ نے کچھ حدیثیں اپنے نبی کریم صلعم کے زمانہ حیات ہی میں لکھ لی تھیں،

تیسرا خطبہ ۱۲ر دسمبر ۱۹۲۳ء　تیسرے خطبہ کا موضوع "علم الحدیث" تھا، حدیث کے اساتذہ اور طلبہ کے مختلف دور کا کچھ ابتدائی ذکر کرنے کے

بعد اونھوں نے فرمایا:-

محدثین کے یہ تمام مختلف دور تلاش حدیث کی حیرت انگیز سرگرمی ظاہر کرتے ہیں، حدیث سے اون کو کمال درجہ کی

محبت تھی، اس کے لئے اُن کے جوش و حوصلہ کی کوئی انتہا نہ تھی، کوئی بھی مصیبت ایسی نہ تھی، جو اس کی خاطر وہ برداشت

نہ کر سکتے ہوں، جو اون میں دولتمند تھے، وہ اوس کے لئے اپنی دولت قربان کر دیتے تھے، اور جو غریب تھے وہ اپنی

غربت کے باوجود اپنی زندگیاں اس کے لئے وقف کر دیتے تھے،

الزہری نے حدیث کی خاطر دولت کو پانی کی طرح بہا دیا، ربیعہ نے اس کی تلاش میں اپنی تمام ملک صرف کر دی، اور

آخر میں اپنے مکان کی شہتیریں بھی فروخت کر ڈالیں اور ان سڑے ہوئے چھوہاروں پر زندگی بسر کرنے لگے جو اہل مدینہ

پھینک دیا کرتے تھے، ابن المبارک نے حدیث کی تلاش میں چالیس ہزار درہم خرچ کر دیئے، یحییٰ ابن معین نے دس

لاکھ سے زیادہ، الذہبی نے پندرہ لاکھ اور ابن رستم نے تیس لاکھ اور عبید اللہ نے ستر لاکھ درہم صرف کی،

اُن میں سے جو دولتمند گھروں میں پیدا نہ ہوئے تھے، وہ مایوس ہو کر تحصیل حدیث کو چھوڑ نہ بیٹھے، بلکہ بجد محنت

و جانفشانی کے ساتھ اوس کے حصول میں مصروف رہے، ابن ابی ذہب، ابو حاتم، اور بہت سے دوسرے محدثین

نے اپنی غربت کی وجہ سے سخت دشواریوں کا مقابلہ کیا، اور حدیث کی تعلیم کو جاری رکھا، امام شافعی اپنی طالب علمی

کے زمانہ میں اتنے غریب تھے کہ کاغذ نہیں خرید سکتے تھے، اس لئے وہ جن حدیثوں کو پڑھتے تھے، اونکو ہڈی کے ٹکڑوں

پر لکھ لیا کرتے تھے جنھین وہ ایک تھیلے مین رکھے رہتے تھے،

امام بخاری تین روز گھاس اور جڑی بوٹیون پر رہ گئے ان کے علاوہ اور مختلف محدثین کو بھی اپنی غربت کے باعث بہت کچھ مصیبتین جھیلنی پڑین،

حدیثون کے تلاش کرنے والون کی تعداد جو تاریخ حدیث کے مختلف دورمین رہی ہے نہایت کثیر ہے صحابہ مین تنہا حضرت ابوہریرہؓ کے متعلق کہا جاتا ہو کہ ادنھون نے آٹھ سو سے زیادہ طلبہ کے باشندے حدیثین بیان کین، صرف کوفہ مین جب ابن سیرینؒ اُس شہر مین گئے ہین، چار ہزار طالب علم حدیث کے موجود تھے، علی بن عاصم کے درس حدیث مین تین ہزار طلبہ شریک ہوتے تھے، اسی طرح سلیمان بن حرب کے درس مین چالیس ہزار عاصم بن علی کے درس مین ایک لاکھ سے زائد، یزید بن ہارون کے درس مین ستر ہزار اور ابو مسلم کجی کے درس مین ایک نہایت کثیر تعداد حدیث کے طلبہ کی شریک ہوتی تھی، ان مین سے جو یادداشتین لکھنے کے لئے دوات کا استعمال کرتے تھے اون کا شمار چالیس ہزار سے زیادہ تھا،

محدثین کی اتنی بڑی تعداد سب کی سب استعداد اور احتیاط کے لحاظ سے یکسان نہین ہوسکتی تھی آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد بعض صحابہؓ کو اون کے احباب نے اون کی بے احتیاطی پر سرزنش کی، اب کے دور مین مختلف جماعتون اور فرقون کے عروج کے ساتھ ساتھ حدیث کے غیر محتاط نا قابل اور غیر مخلص طلبہ اور اساتذہ کی تعداد بھی بہت بڑھ گئی، اُن مین سے بعض نے اپنے اساتذہ کے انتخاب ہی مین بے پروائی برتی، بعض اساتذہ سے اُن حدیثون کے بیان کرنے مین غلطیان ہوگئین، جو انھون نے خود لکھی تھین بعض ایسے بھی تھے جنھون نے چند حدیثون کے متن یا اسناد مین جان بوجھ کر رد و بدل کر دیا، اور بعض نے ذاتی نفع کی خاطر یا اپنی جماعت کے فائدہ کے لئے، یا لوگون کو خدا اور مذہب کے راستہ پر لگانے کی غرض سے ایک نیک مقصد کے ساتھ کچھ حدیثین وضع بھی کر لین،

اس طرح موضوع حدیثون کی ایک کثیر تعداد نکل کر مسلمانون مین پھیل گئی، ان کی اشاعت کے ذمہ دار حسب ذیل اشخاص ہین (۱) مبتدعین، (۲) جماعتون کے سردار مختلف فرقون کے مبلغ، اور وہ لوگ جو فرمانروا اون کے

لطف وکرم کے متلاشی تھے، (۳) قُصّاص (یعنی قصہ گو واعظین)، (۴) وہ نیک نیت محدثین جن سے اجتہادی غلطیان ہوگئین، یاجنھون نے مذہبی اور پاک اغراض کیلئے کچھ حدیثون کا وضع کرلینا جائز خیال کیا،

ان زندیقون اور مختلف دنیادار اور خداترس مسلمانون نے یعنی اسلام کے جانی دشمنون اور وفادار دوستون نے ہزارون حدیثین وضع کرکے تمام دنیائے اسلام مین پھیلادین، ایک ممتاز انگریز اہل قلم نے سچ کہا ہے "کہ ہر شخص اپنے منظور نظر کو مارڈالتا ہے، بہادر آدمی تلوار سے مارتا ہے، اور بزدل بوسہ سے" اسی طرح ان واضعان حدیث نے بھی فن حدیث کو فنا کردینے کی کوشش کی،

لیکن علم الحدیث کی تاریخ کے ہر دور مین ایک کثیر تعداد حق پسند، خداترس متدین اور محتاط محدثین کی بھی تھی، جو نہ تو اشخاص اور جماعتون کی پروا کرتے تھے، اور نہ قوت اور رائے عامہ سے ڈرتے تھے، اون کی زندگی کا واحد مقصد اپنے نبی کریم صلعم کی صحیح حدیثون کو حاصل کرنا، ان کی اصالت اور صحت کو محفوظ رکھنا، اور مسلمانون مین اون کی اشاعت کرنا تھا، وہ حدیثون کا مطالعہ نہ تفریح اور وقت گذاری کے لئے کرتے تھے، نہ مالی نفع اور شہرت کی غرض سے، اور نہ اس لئے کہ لوگ اون کا اثر قبول کرین، حدیث کو وہ صرف حدیث کے لئے حاصل کرتے تھے، اون کے نزدیک علم وسیلہ نہین بلکہ مقصد تھا، بقول سفیان الثوری تحصیل حدیث ان کے لئے ایک مرض ہوگئی تھی جس سے خود اونھین کوئی چارہ نہ تھا،

اکثر صحابہ حدیثون کے بیان کرنے مین حد درجہ احتیاط کرتے تھے، محدثین کے دوسرے دور مین بہت سے ایسے تھے، جو اسناد حدیث کے بارہ مین نہایت متدین، اور سخت تھے، اوسی طرح اونکے بعد جو شیخ مثلاً امام شافعیؒ و یحییٰ بن معینؒ احمد بن حنبلؒ، امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، ابوداؤد، ترمذیؒ، اور دوسرے اکثر محدثین، یہ سب رواۃ کے معاملہ مین بے حد محتاط تھے،

یہ متدین محدثین، جو علم حدیث کے حقیقی ستون ہین، تاریخ اسلام کی ابتدا ہی سے جماعتون کی کشاکش سے بالکل علٰحدہ رہے، اور صاحب اقتدار جماعت سے کسی قسم کا واسطہ نہ رکھتے تھے، اسلام کے ابتدائی دور مین عبداللہ

تام کے تینوں حضرات نے اپنے کو جماعتی جھگڑوں سے بہت بلند رکھا تھا، بہت سے دوسرے صحابہ نے بھی اپنے تئین بنو امیہ اور دوسرون کی کشمکش سے بالکل الگ رکھا تھا،

بنو عباس کے ساتھ بھی بہت سے محدثین نے بے غرضی کا برتاؤ رکھا تھا، سفیان الثوریؒ، انس بن مالکؒ احمد بن حنبلؒ، اور بہت سے دوسرے محدثین نے خلفای بنی عباس کے ہاتھون قید اور مختلف سزائین برداشت کین، واقعہ یہ ہے کہ فن حدیث پر جو اہم کتابین لکھی گئی ہین، اون کے اکثر مصنفین نہ تو خلفار کے تنخواہ دار تھے، اور نہ اون کے دربار کے مقرب، سلطان جائر (ظالم بادشاہ) کی طرف سے بے پروا رہنا اون کے اصول مین داخل تھا،

یہ انہی متدین اور محتاط محدثین کی مسلسل جانفشانیون کا نتیجہ ہے، کہ آنحضرت صلعم کی حدیثین تلف ہونے سے محفوظ رہین اور موجودہ شکل مین ہم تک پہونچین، اسلام کے بالکل ابتدائی دور مین بہ صحابہ جو احادیث نبوی کے تنہا حامل تھے، مختلف دور دراز صوبون اور شہرون مین سکونت پذیر ہوگئے تھے، یہ محدثین طویل اور دشوار گذار سفر اختیار کرکرکے ان صحابہ سے ان کی نئی قیام گاہون مین ملے، جب تک ضروری سمجھا اُن سے ملتے جلتے رہے، اور اس طرح اُس علم کو یکجا کیا جو صحابہؓ کے ذریعہ سے اسلام کی وسیع سلطنت مین پھیلا ہوا تھا،

گولڈزیہر کہتا ہے، دنیائے اسلام کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اُندلس سے وسط ایشیا تک محدثین کے یہ جفاکش اور نہ تھکنے والے متلاشی گشت کرتے اور ہر مقام سے اپنے سامعین کے لئے حدیثین جمع کرتے رہے، حدیثون کو جو مختلف صوبون مین پھیلی ہوئی تھین ایک مستند شکل مین جمع کرنے کا یہی تنہا ممکن طریقہ تھا، "الرحال یا الجوال" کا معزز لقب ان سیاحون کے لئے لفظی ہی معنون مین استعمال کیا جاتا ہے، "طواف الاقالیم" کے لقب مین ان کیلئے کوئی مبالغہ نہین ہے، جنہین سے بعض ایسے تھے جنھون نے تمام مشرق و مغرب مین چار مرتبہ سفر کیا تھا، ان تمام ملکون مین اون کے سفر کی غرض مناظر کا دیکھنا یا تجربہ کا حاصل کرنا نہ تھی، بلکہ اُن کا مقصد ان مقامات مین محدثین سے ملنا اور ہر ایک سے حدیثین سننا اور مستفید ہونا تھا، جیسے کہ بعض چڑیان درخت پر اسی لئے بیٹھتی ہین، کہ اوسکی پتیان چُنین"

موجودہ مجموعون کی شکل مین احادیث کی تدوین پہلی صدی ہجری کے آخر مین شروع ہوئی اور اوس کے

بعد تیزی کے ساتھ ہوتی رہی، یہانتک کہ تیسری صدی کے ختم سے پہلے ہی حدیث اور متعلقات حدیث پر تقریباً تمام مستند اور اہم کتابین لکھ لی گئین، تدوین حدیث کے ساتھ ساتھ محدثین تمام رواۃ کے حالات بھی دریافت کرکے ان کی حیثیات پر نقد و تبصرہ کرتے گئے، اور احادیث کی جرح و تعدیل کے لئے ان رواۃ کے حالات پر ایک وسیع لٹریچر تیار کرلیا، انھون نے فرداً فرداً ہر حدیث کا بغور مطالعہ کیا، ہر ایک کی صحت اور اصالت سے ناقدانہ بحث کی، اور موضوعات پر ایک ضخیم دفتر تیار کر دیا، انھون نے احادیث کی صوری اور معنوی دونون حیثیتون سے جرح و تعدیل کر کے گونا گون سے بہت سے فنون قائم کئے، اور ان کو فروغ دیا،

فلسفۂ فقرار

یعنے

سائنس اور تصوف

از

جناب ڈاکٹر نواب سرامین جنگ بہادر کے سی آئی ای سی، ایس، آئی ایم اے ال ال ڈی حیدرآباد دکن

جناب نواب سرامین جنگ بہادر کسی تعارف کے محتاج نہیں، وہ ابھی کبھی "نئے تعلیم یافتہ" تھے، مگر اب تو پرانے ہو چکے ہین، وہ فلسفۂ جدیدہ کے ماہر انگریزی کے ادیب اور تصوف کے ذوق چشیدہ ہین ذیل کے مقالہ مین اونھون نے گویا اپنی روحانی سیر کا سفرنامہ لکھا ہے،

یہ مقالہ انگریزی مین ۱۳ اکتوبر اور ۱۴ نومبر ۱۹۲۳ء کو اسلامک ایسوسی ایشن تھیاسوفیکل ہال حیدرآباد دکن مین پڑھا گیا تھا، اور بصورت رسالہ وہان تقسیم کیا گیا تھا، لیکن اس خیال سے کہ اس کا فائدہ عام ہو، اور ایک لائق صاحب فکر کی جستجو کا پتہ دوسرے سرگردانون کو بھی معلوم ہو، صاحب مقالہ کی اجازت سے ہم اس کو معارف مین شایع کرتے ہین،

اڈیٹر

تمہید

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا[1]

۱ تصوف سے ہر زمانہ مین ہر قوم و ملت کے افراد کو کم و بیش دلچسپی رہی ہے، اور اس کی طرف اکثر وہ بزرگوار

---

[1] سورۂ والشمس ۹۱:- ۷ ،۱۰،

مائل رہے ہین، جو اپنے زمانہ کے جنگ و جدال یا خانہ جنگیون سے بیزار ہو کر گوشہ نشین ہو گئے، اور اون کی گوشہ نشینی کے غلط معنی سمجھے گئے کہ اونھون نے اپنی دانست کے موافق دین یعنی راہ حق اختیار کرنے کیلئے دنیا ترک کر دی، لیکن کوئی فرد بشر دنیا ترک نہین کر سکتا، نہ دنیا کو چھوڑ کر کوئی دین یا راہ حق اختیار کر سکتا ہی، یہ راستہ انسان کو اپنی زندگی ہی مین اپنے ماحول یعنی دنیا ہی مین ملتا ہے، راہ حق جس کو کہتے ہین، وہ دنیا کے ماسوا یا ماورا نہین ہے، پس صوفیون کی گوشہ نشینی فی الحقیقت دنیا ترک کرنے کے واسطے نہین، بلکہ اپنے خیالات قدسیہ و قیاسیات الٰہیہ کو درست کرنیکے واسطے تھی۔

۲- اس مضمون کا نام فلسفۂ فقراء یعنے "سائنس اور تصوف" رکھ گیا ہی، مگر ہمارا روئے سخن اون فقرا کی طرف نہین ہے جن کے عادات و اطوار نے علی الخصوص ہند مین لفظ فقیر کے معنی بدل دئے ہین، اور سچے فقرا کی وقعت اور عزت گھٹا دی ہے حتیٰ کہ فقیری گداگری کے مترادف ہو گئی، ہم کو اُن فقیرون سے بحث نہین جنھون نے اپنی فقیری کو ذریعۂ معاش بنا لیا ہے، یہان صرف اون فقیرون کے خیالات، قیاسات اور عقائد کا ذکر کیا جاتا ہے (جو اپنے آپ کو پالینے) کی کوشش مین بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہین، ایسے اشخاص ہر ملک و ہر زمانہ مین اگرچہ نایاب نہین تھے، مگر کمیاب تو ضرور رہے۔ خود ہمارے اس مادی زمانہ مین بھی ہندو مسلمان دونون قومون مین اور نیز دوسری قومون مثلاً سکھ اور عیسائیون مین قابل احترام فقرا موجود ہین، مگر وہ اپنا فقر یا اپنی فقیری ظاہر نہین کرتے، بلکہ اسکو چھپا رکھنے کی کوشش کرتے ہین، ایسا فقیر جس نے اپنے آپ کو پا لیا ہے جیسا کہ آیندہ ظاہر ہو گا، وہ اپنے ملک کا بڑے سے بڑا امیر بھی ہو سکتا ہے اور چھوٹے سے چھوٹا کسان یا مزدور بھی ہو سکتا ہے، پس سچا فقیر کون ہے اور کون نہین، یہ معلوم کرنا سچے فقیر ہی کا کام ہے، جیسے چور ہی چور کو پکڑ سکتا ہے، اگر اتفاق سے کوئی ایسا فقیر کسی کو مل جائے، اور دونون مین اصولی خیالات و دلی خواہشات کا تبادلہ بلا تکلف ہو جائے، تو معلوم ہو گا کہ فقرا کا فلسفہ دلچسپی سے خالی نہین اور واقعی قابل لحاظ ہے، ایسا فلسفہ یعنی علوم و فنون مروجہ کے اصولی

۵ کثرت مین جمال پاک وحدت دیکھو	عسرت میں ہے صاف نقش عشرت دیکھو
دنیا مین رہے عالم دین پیش نظر	آئینہ ہے اس لئے کہ صورت دیکھو

باتون سے استغراق کسی کام کا نہین جس کے نتائج انسان کو ادیک روزمرہ امور زندگی کے مسائل اور دشواریون کو حل کرنے مین مدد و معاون نہ ہون، ہماری رائے مین فلسفۂ فقراء کا ایک پہلو ایسا بھی ہے، جو زندگی کو زندگی بنا سکتا ہے، اسی لئے ہم نئے تعلیم یافتہ نوجوانون کی توجہ اس قدیم فلسفہ کیطرف مائل کرتے ہین، ہم اس فلسفہ کو اوسی (PRAGMATIC) عملی نقطۂ نظر سے دیکھتے ہین، جس سے پروفیسر ولیم جمیس ہر فلسفہ پر نظر ڈالتے تھے، وہ فلسفہ کی اون تمام باتون کو لغو سمجھتے تھے، جو انسان کے عمل کیلئے فائدہ بخش نہ تھے، اور اوس کے عمل کو خطا و غلطی سے نہ بچا سکتے تھے،

۲۔ تصوف کوئی خاص مذہب نہین ہے، بلکہ ہر مذہب اسی پر مبنی ہے، تصوف کوئی فلسفہ نہین ہے، لیکن ایک خاص قسم کا فلسفہ اوس سے متعلق ہے، جس کا نام ہم نے فلسفۂ فقراء رکھا ہے، اس اجمال کی تفصیل کے قبل یہ کہدینا مناسب ہوگا کہ تصوف نفس کو وہم و تردد سے پاک کرکے قلب کو تسلی بخشتا ہے، اور اخلاق کی درستی کا باعث ہوتا ہے، تزکیۂ نفس اسی کے معنی ہین، قد افلح من زکٰیھا، اگر اس سے ایسے مفاد کی امید نہ ہوتی، تو تصوف فقیرون کا ڈھکوسلہ سمجھا جاکر اب تک ملیا میٹ ہو جاتا،

توضیح ۲

۱۔ ابتدا ہی مین لکھدیا گیا ہے، کہ ہر ملت و مذہب مین تصوف ہے، مسلمان جسکو تصوف کہتے ہین، ہندو اوسکو ویدانت اور عیسائی اوسکو امسٹی سیزم کہتے ہین، جہانتک غور کیا گیا، ویدانت اور تصوف کے اصول مین کوئی فرق نظر نہ آیا، حتی کہ بعض ویدانتیون کا ادعا ہے، کہ نوشیروان اور بزرجمہر کے زمانہ مین ویدانت ہند سے فارس گیا، اور ایران سے بشکل تصوف پھر ہند مین واپس آیا، واقعہ جو کچھ ہو، ادعا یہی بتاتا ہے، کہ بعض قابل احترام ویدانتی صوفیاے کرام کو اپنا ہم خیال اور ہم مشرب سمجھتے رہے، بلکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ اکبر بادشاہ کے عہد اور بعد کے زمانون مین بھی ویدانتی و صوفی ایک دوسرے کے مرشد و مرید رہے، بہرحال اس مضمون کے اغراض کے لئے فرض کرلیا جاتا ہے کہ ویدانت و تصوف مترادف ہین، فقراء جن کو ہنود یوگی یا بھگت

کہتے ہین اون کو مسلمان عارف یا سالک کہین گے، یوگی یا عارف بھگت یا سالک وہ شخص ہے جس نے اپنے آپ کو پالیا، اور جس کا نفس مطمئن ہوگیا، یا دوسرے الفاظ مین جسکو نفس مطمئنہ حاصل ہوگیا،

۲- انسان اپنے آپ کو کیسے پالیتا ہے، اور اوس کا نفس اپنے آپ سے کس طرح مطمئن ہوتا ہے[۱]

یہی وہ دشوار سوال ہین، جن پر اس رسالہ مین روشنی ڈالنے کی کوشش کیجائیگی، اس کوشش کا منشا محض اصل موضوع کی توضیح و تشریح ہے، کوئی عبارت آرائی نہین، اور نہ کسی کے قول و فعل پر کوئی اعتراض یا نکتہ چینی، اکثر ویدانتی اور صوفیون نے مذکورہ سوالون کے جواب اشعار میں ادا کئے ہین اور نثر مین اگر کچھ بیان بھی کئے ہین، تو اس مین ایسے اصطلاحات و استعارات لائے گئے ہین جن کے صحیح معنی سمجھنے مین مبتدیون کو تو کیا منتہیونکو بھی مشکل پیش آتی ہے، ازمنہ سابقہ مین بعض پنڈت اور اکثر ملّا ویدانتیون اور صوفیون کے ایسے مخالف تھے، کہ اون کی ذرا ذرا سی بات پر اون کو کافر، ملحد، مرتد قرار دیکر یا سیاسی اغراض کے لئے اونکا وجود خوفناک ظاہر کرکے اون کی جان لینے کے درپے ہوجاتے تھے، لہذا تعصبی حملات سے بچنے کے لئے مسائل الٰہیات کی تفہیم ویدانتی اور صوفی سینہ بسینہ اپنے مریدون کو زبانی ارشادات سے کرتے اور اپنی تحریرات مین فقط اشارات و کنایات سے کام لیتے رہے، اسی وجہ سے تصوف کا شیوع زیادہ نہ ہوسکا، اور عامۃ الناس اوس سے خاطر خواہ بہرہ یاب نہ ہوسکے، انھی وجوہ کے باعث اس روشن زمانہ مین بھی تصوف تعصب کا شکار ہوتا رہا، تصوف کی باتین اصطلاحات و استعارات ترک کرکے سہل طور سے بیان کرنا از بس دشوار ہے، کیونکہ غلط فہمی کفر و الحاد کا فتویٰ دیدیتی ہے، ویدانت یا تصوف دراصل کسی مذہب کا مخالف نہین ہے، بلکہ ہر مذہب کا ممد و معاون ہے،

---

[۱] یورپ کے ایک مشہور شاہی منجم کیپلر (KEPLER) جنھون نے سیارون کے حرکات کے تین قواعد مقرر کئے ہین جن پر اب تک ہر مہندس کا عمل ہے، اون کی بھی وہی اعلیٰ ترین خواہش رہی، جو اب بھی ہر صوفی کی اعلیٰ ترین خواہش ہے کہ وہ اپنے میں اس اللہ کو پالے جسکو ہر وقت ہر جگہ خارج مین پاتا ہے، یعنی دوسرے الفاظ مین (اپنے آپکو پالے) اس بات کو وہی سمجھ سکتا ہے جسکو اور کسی مرشد نے (پانا) کیا ہے، اچھی طرح سمجھا دیا ہے،

۳- اگر محض تشبیہاً تصور کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچانے والا مذہب جانا جاتا ہے، ایک ایسا راستہ ہے جو مسافرون کو کسی خوشنما شہر سے ایک بڑے سمندر کے کنارے پہنچاتا ہے، اس راستہ یا مذہب کے علامات ترک وکفر و مکروہات کے غار، پہاڑ، ندی نالے جو ہوتے ہین، اون مین سے ہوکر یا اون پر سے عبور کرنے والے سرنگ اور پل عقائد ہین، اور راستہ دراصل پختہ شاہراہ شریعت ہے، اور بازو کے پیدل راستے اور راہیں اگر چلنے والے گلی کوچے انسان کی نیتیں اور اعمال ہین، جن کو درست رکھنے کے واسطے فقہ ہے اور جس خوشنما شہر سے شاہراہ شریعت نکلتی ہے وہ تَصَوُّف ہے، سمندر کا کنارہ جہان مسافر پہنچ سکتے ہین، وہ قرب الٰہی ہے، اس سڑک سے پیدل تمام دنیا دار جو گذرتے ہین، وہ معمولی انسان ہین، علما و فضلا کسی قدر آرام سے گھوڑے گاڑیون پر سوار ہو جاتے ہین لیکن اہل سلوک سیک سیر موٹرون پر جلد تر مقام مقصود پر پہنچ جاتے ہین، رشی اور اولیا برق رفتار [illegible] پر منٹون مین کہان سے کہین پہنچ جاتے ہین، اس سادہ تشبیہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ تصوف و سلوک مذہب و شریعت سے الگ یا باہر نہین ہے بلکہ اس شاہراہ کا مبدأ ویدانت یعنی تصوف ہے، کرم یا سلوک سے قرب الٰہی کے سمندر کے کنارہ تک رسائی ممکن ہے کوئی ویدانتی اپنے دھرم کو ترک نہین کرسکتا، نہ کوئی صوفی اپنے مذہب و شریعت سے الگ ہوسکتا ہے،

۴- اصطلاحاً علم (SCIENCE) اور فن یا ہنر (ART) مین اسی قدر فرق ہے جسقدر کہ معمولی طور سے کسی چیز کو جانتے اور پہچانتے مین اور اوس چیز کے متعلق کوئی کام کرنے مین ہے، مثلاً پانی کے اجزا کیا ہین ہر ایک جزو اوس کا کس مقدار مین ہے، یہ پانی کا علم ہوگا، اجزا لیکر اون کو برقی قوت سے ترکیب دیکر پانی بنانا فن ہوگا، علم و فن کی اس تعریف کے موافق تصوف صوفی کا علم ہے اور سلوک اوس کا فن ہے، جو اپنے علم تصوف کے موافق کوئی کام کرتا اور اوس سے فائدہ اوٹھاتا ہے، فنون لطیفہ مین بہترین فن سلوک ہے،

۳- ویدانت اور تصوف

۱- اس قدر تمہید و توضیح کی ضرورت ویدانت اور تصوف کی کیفیت بیان کرنے کے واسطے واقع ہوئی تاکہ تعصب

دور ہو اور غلط فہمی نہ ہونے پائے، تصوف کے متعلق فلسفہ کے چند اہم مسائل کی وضاحت و تفہیم کے لئے یہ رسالہ جو لکھا جاتا ہے، اوس کے واسطے یہ بھی لازم ہے، کہ "ویدانت یا تصوف کیا چیز ہے": اس کا مختصر بیان کیا جائے تاکہ اوس کے متعلقہ مسائل فلسفہ سمجھنے مین سہولت ہو"

بیا دحالِ اہلِ درد بشنو لفظِ اندک و معنی بسیار (حافظ)

۲- اختصار کی غرض سے تصوف کی چار باتین اول سوال و جواب کی شکل مین لکھ کر بعد مین ہر اجمال کی مختصر تفصیل کیجاتی ہے،

(۱) چہ؟ تصوف کسکو کہتے ہین،؟

پراگمیاتک یعنی عملی نقطۂ نظر سے اوس کو نفس انسان کی ایک خاص اُمنگ یا ہیجان کی خاص حالت کہین گے، چنانچہ صوفی کہتے ہین تصوف "حال" ہے "قال" نہین،

(۲) چون؟ وہ خاص حالت کس طرح پیدا ہوتی ہے،؟

جب انسان اپنی ذات اور اپنے مختلف و متعدد تعلقات پر خوب غور کرکے بطور خود یا کسی مرشد کی امداد سے کسی نتیجہ پر پہنچتا ہے، اور اس نتیجہ پر اوس کو یقین کامل ہو جاتا ہے، تو اوس کے نفس مین وہ امنگ یا ہیجان پیدا ہوتا ہے جسکو تصوف یا ویدانت کہتے ہین،

(۳) چرا؟ ایسی امنگ کیون پیدا ہوتی ہے،؟ اس کا باعث کیا چیز ہوتی ہے،؟

رویا، الہام، القار، کشف وغیرہ اس امنگ کے باعث ہوتے ہین،

(۴) مفاد؟ تصوف سے کیا فائدہ ہے،؟

تصوف ہر فرد بشر کو اہل بہشت کو بنا سکتا ہے، ؎

آصف کسی مقام کی تخصیص کچھ نہین جنت وہی جگہ ہے، جہان جی بہل گیا، (آصف)

اگر تصوف عام ہو جائے تو جنس انسان کے لئے روئے زمین فردوس بریں ہو جائے، جوابات مین خط کشیدہ

الفاظ وہی ہین (یعنی خاص حالت، نتیجہ یقین کامل، رویا کشف الہام وغیرہ) جنمین تصوف کی گرہ پوشیدہ ہی، اور جن کے معنی گرو یا مرشد اپنے مرید کو سینہ بسینہ اوسکی فہم کے موافق بتاتا یا سمجھاتا ہی،

۳۔ کسی شے کی مکمل تعریف یا کسی امر کی کامل تفہیم کے لئے تین سوال چہ؟ چون؟ چرا؟ کے تشفی بخش جوابات دینا ضرورہے، اگران تین سوالون مین سے کسی ایک کا بھی جواب ادا نہ ہوسکے، توانسان اوس کو ماننے اور پہچاننے سے قاصر رہتا ہے، چنانچہ صاحب گلشن راز نے انسان سے خدا کی تعریف کے ممکن نہ ہونے کو یون بیان فرمایا ہی،

منزہ ذات او از چہ؟ چرا؟ چون؟

تعالیٰ شانہ، عمّا یقولون

اگر تصوف کی نسبت تین سوالات مذکورہ کے جوابات تشفی بخش نہ ہون اور بہت پوشیدہ گرہ یا الفاظ جن کے معنی ارشاد آپسے گرو اور مرشد کامل ہی بتا سکتے ہین، وہ اس مضمون مین اچھی طرح بیان نہ ہوسکین تو اوس کو تصوف کا کوئی نقص ہرگز نہ سمجھا جائے، بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ مضمون نگار اس کو اچھی طرح نہ سمجھا، تصوف کی جو باتین بیان کیجاتی ہین۔ وہ صوفیون یا ویدانتیون کے نزدیک متفق علیہ نہین ہین، لہذا ان کی نسبت اختلاف آرا بھی ممکن ہی،

۴۔ عربی لفظ "تصوف" کی اصل صوف ہے جس کے معنی یونانیون کے نزدیک عقل کے ہوتے ہین۔ اس کا مصدر باب تفعیل مین تصویف بن گیا جس کے لغوی معنی عقل کرانے کے ہوتے ہین، مگر اصطلاحی معنی "ذات اور صفات پر غور و خوض" کے لئے جاتے ہین، اس تصویف یعنی غور و خوض کا نتیجہ باب تفعل مین تصوف قرار پایا جسکی تعبیر اور "امنگ" یا ہیجان کی حالت" سے کیگئی ہے،

۵۔ نفس[۵] کی امنگ کی ہر حالت جسکو انگریزی مین ATTILUDE کہتے ہین اوس کے کم و بیش تین

---

۵ چونکہ تصوف کا تعلق نفس سے ہی، اس لئے یہان کسی قدر توضیح کی ضرورت ہے کہ نفس کسکو کہتے ہین؟ انسان جسکو "مین" کہتا ہی اور جسکو "تو" اور (وہ) سے الگ سمجھتا ہے، اوسکو اصطلاحاً **ایغو** کہتے ہین جسکو ہر شخص عام زبان مین "میرا نفس" "میرا ذہن" "میرا دل" کہتا ہی (۱) کسی چیز کو اپنے لئے حاصل کرنے کی کوشش مثلاً کوئی غذا اپنے لئے کسی نہ کسی ترکیب سے پیدا کرنے کی سعی) میرے ایغو کا خاصہ ہی دیکھو صفحہ ۱۰۲

پہلو FUNCTIONS تین وظیفے[۱] لازما ہوتے ہین ایک وجدہ COGNITION / KNOWING دوسرے جذبہ EMOTION / FEELING تیسرے ہیجہ CONATION / STRIVING پھر تینون پہلو ہم آہنگ مین رہنا لازم ہے لیکن ایک ہی وضع پر یکسان رہنا شرط نہین، کیونکہ انسانی طبائع مختلف ہین، ہر ایک کی طبیعت کے مطابق اوسکی صوفیانہ آہنگ ہوگی، کسی کے تصوف مین جذبہ اس قدر زیادہ ہوتا ہے، کہ وجدہ و ہیجہ کو دبا رکھتا ہے، اور کسی کے تصوف مین ہیجہ، ہیجان، اس شدت سے ہوتا ہے، کہ اوس کے مقابل نسبتہً وجدہ و جذبہ قلیل ہوتا ہے، ہم فی الوقت فاضل صوفیون کے وجدہٗ الہیہ سے اور مجذوب صوفیون کے جذبۂ قدسیہ سے قطع نظر کرکے فقط سالک صوفیون کے ہیجۂ محترمہ کو پیش نظر رکھتے ہین۔

۱۰ - غرض تصوف نفس انسان کی ایک آہنگ و تہیج کی حالت کا نام ہے، جو تصویف کا نتیجہ یا حاصل ہے اور تصویف، یہی ہے کہ کوئی شخص جو اپنے آپ کو لفظ مین INDIVIDUAL سے موسوم کرلیتا ہے، اور دیگر اشخاص[۲] و اشیار کو میرے کہکر اپنی طرف منسوب کرلیتا ہے، خوب سوچے کہ

(الف) مین کیا اور کون ہون، ؟ چہ ؟

(ب) مین کیون یہان آیا ہون، ؟ چون ؟

(ج) مین کس لئے یہان ہون، ؟ چرا ؟

اگر ان تینون سوالون کے جوابات اوسکی تشفی و تسلی کے موافق اوسکو مل جائین، اور اوسکو اس پر یقین ہوجائے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰۱) جسکو اصطلاحاً ہیجہ کہتے ہین، (۲) کیا چیز کیسے (ر مجھے) مل سکتی ہے، اوس کا جاننا اور جینا نشاً سب کیا ہے، اور کیون مل سکتا ہے، اوسکا علم میرے الیغو کا لوازمہ ہے جسکو اصطلاحاً وجدہ کہتے ہین، (۳) کسی چیز کے احساس رنیز جسم کے اندرونی حالات مین تبدیلی واقع ہونا مثلاً خوشنما سیب کو دیکھنے سے منہ مین پانی آنا جو ایک قسم کا جذبہ ہے، وہ میرے الیغو کی قوت ہے جسکو اصطلاحاً بھی جذبہ کہتے ہین، پس حسی علم جذبہ یا اصطلاحاً ہیجہ، وجدہ، جذبہ، الیغو کے تین پہلو ہین، جو میری خواہش یا شغف مین جمع رہتے ہین،

[۱] پہلو معمولی لفظ ہے اصطلاحی لفظ وظیفہ ہے از مضمون مین جو حافظ نے بیان فرمایا ہے،

حافظ (وظیفہ) تو دعا گفتن ست و بس در بند آن مباش کہ نشنید یا شنید،

[۲] ہاتھی کو ہم "شخص" نہین کہہ سکتے کیونکہ ہم کو معلوم نہین، آیا وہ اپنے کو "مین" کہتا ہے یا کیا۔

تو وہ صوفی یا ویدانتی ہوجاتا ہے، اوس وقت اوس کے نفس مین جو خاص ہیجان یا تہیج پیدا ہوتا ہے وہی اوس کے غور کا نتیجہ یا ماحصل یعنے تصوف ہے اس تصوف کا اثر جو اوس کے اطوار و اقوال و افعال پر پڑے گا، وہی اوس کا سلوک ہوگا، اگرچہ ہر شخص کی تصویر ایک ہی وضع کی ہوتی ہے، لیکن کہا نہین جا سکتا کہ اس کا لازمی نتیجہ ایک ہی ہوگا کیونکہ ہر ایک سبب سے مسبب متعدد و مختلف ہوتے ہین، جیسے سورج کی گرمی سے موم پگھل جاتا ہے، کچھ سخت ہوجاتی ہے، پانی بخارین کر اڑ جاتا ہے، اسی طرح ہر شخص کی طبیعت یا خصلت جدا گانہ ہونے سے طبیعت کے آدمی کا تصوف نوعیت اور مقدار کے لحاظ سے QUALITATIVELY AND QUANTITATIVELY جدا گانہ ہوتا ہے، جس علم سے جو عمل ظہور مین آئے جس تصوف کا اثر جو سلوک ہے وہی اوسکی نیکی یا بدی کا پیمانہ ہے کسی صوفی کا سلوک غیظ و غضب برپا کرنے والا جلالی ہے، اور کسی کا سلوک امن و امان پیدا کرنے والا جمالی، لیکن علی العموم ویدانتی گرو اور صوفی شیوخ اپنے مریدون مین ایسا تصوف اور ایسا سلوک پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہین جس سے یہی عالم جسکو ہم دنیا کہتے ہین، مرید کے حق مین بہشت ہوجاتا ہے اور وہ مرید اپنے ماحول کو فردوس بنانے کی کوشش بلیغ کرتا ہے، (یاد رہے ہمارا روئے سخن معمولی گندم نما جو فروش صوفیون اور ویدانتیون کی طرف نہین ہے، بلکہ اون محترم اور مبارک ہستیون کی طرف ہے جو دراصل صوفی ہین اور صوفیون کے مرشد اور گرو ہوتے ہین)

جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے، ہر امر کی کامل تعریف یا تفہیم کے لئے اوس کا متعلق چہ چون چرا کی صراحت کرنی لازم ہے، لیکن دنیا مین بعض ایسے امور ہین جن کی نسبت اگرچہ چہ اور چون کے جوابات دیئے جا سکتے ہین، اگرچہ اون کی ماہیت و کیفیت بیان کیجا سکتی ہے، لیکن اون کی وجہ چرا؟ بیان نہین کیجا سکتی[۱] انہین امور مین ایک تصوف بھی ہے، جس کے متعلق چرا یا وجہ کی تشریح الفاظ یا ارشادات سے بھی ممکن نہین، فقط الہام و القا، کشف و کرامات ہی سے اسکی تفسیر ہوسکتی ہے، مگر یہ ہمارے امکان سے خارج ہے اگر آپ کسی اہل سنک

---

(۱) امجد: کیون گرم ہے آفتاب معلوم نہین کیون ہے یہ انقلاب معلوم نہین
جی بھر کے سوال کر لو جتنے چاہو سب کا ہے یہی جواب معلوم نہین

سے پوچھین کہ پانی کیا چیز ہے؟ اور کس طرح بنتا ہے؟ وہ پانی کے گلاس کی طرف اشارہ کر کے بتائیگا کہ وہ پانی ہے، اور کہیگا کہ ہیڈروجن اور اکسیجن کی مقدار مقررہ کو برقی قوت سے ترکیب دینے سے بنتا ہے لیکن آپ اگر اوس سے یہ بھی پوچھین کہ کیون اون عنصرون کی اوس مقدار کی ترکیب سے فقط پانی بنتا ہے شراب یا اور کوئی چیز کیون نہین بنتی تو وُہ آپ کو گھور، دیکھکر خاموش ہوجائے گا، ایسا ہی اگر آپ کسی پنڈت یا شیخ سے پوچھین کہ وہ کیون ویدانتی یا صوفی ہے، کوئی چور یا بدمعاش کیون نہ ہوا؟ تو وہ بھی آپ کو ویسا ہی نیچے اوپر دیکھ کر خاموش ہوجائے گا، اوس کے اس دیکھنے اور چپ ہوجانے کے یہ معنی نہین ہین کہ وہ سائل کو دیوانہ سمجھتا ہے یا اوس کو آپ کے بیجا سوال پر غصہ آیا، نہین بلکہ صوفی یہی سمجھیگا کہ آپ بندا کے اوس الہام القا، یا کشف سے محروم ہین۔ جو اوس نے بڑی ریاضت یعنی نفسی جد وجہد کے بعد پائی یا جو شیخ کی مہربانی سے اوس کو حاصل ہوئی، چنانچہ اکثر مغربی مراکش وغیرہ کے صوفیون کا مقولہ ہے من لا شیخ لہ، فشیخہ الشیطان جس کا کوئی مرشد نہین اوس کا مرشد شیطان ہے لیکن یہان الہام القا، کشف وغیرہ کی ماہیت یا کیفیت کی بحث نہین ہوسکتی جو تصوّف کے خاص تہیج سے تعلق رکھتی ہین، کیونکہ فی الحال ہمارا مطلب خود تصوّف کی تفسیر و تصریح نہین ہے، بلکہ فقط تصوّف کے فلسفہ کی تاویل ہے جسکی صوفیون کو ضرورت ہوتی ہے تاکہ تصوّف کی اُمنگ سہل طور سے پیدا ہوسکے، سہ

تلقین درس اہل نظر یک اشارتست   کردم اشارتے و مکرّر نمی کنم (حافظ)

۸۔ تصوّف سے کیا فائدہ؟ کیا اوس سے ہر متنفس کی روزمرہ خوشی کی مقدار مین کوئی اضافہ ہوسکتا ہے؟ کیا اوس سے نوع انسان کی بہبودی من حیث المجموع زیادہ ہوسکتی ہے؟ اس قسم کے سوالات کسی صوفی سے کیے جائین، تو وہ ہنسکر جواب دیگا کہ "تم خود صوفی بن کر دیکھو"[1] تصوّف حال ہے قال نہین، تم صوفی بنجاؤ تو معلوم ہوگا، تصوّف کی حالت اگر بار بار کسی کے نفس پر طاری ہوتی رہے، تو اوس کے جذبہ مین کچھ ایسی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے

[1] امجد:— ساری دنیا سے ہاتھ دھو کر دیکھو، جو کچھ بھی رہا سہا ہے کھو کر دیکھو،
کیا عرض کرون کہ اس مین کیا لذت ہے، اک مرتبہ تم کسی کے ہو کر دیکھو،

کہ وہ اوسی مین رہنے کے واسطے بلا تامل اپنا من تن دھن وقف کر دیتا ہے وہ اپنے نفس مطمئنہ ہی کو اپنے حق مین ہزار بہشت کی ایک بہشت سمجھتا ہے، ؎

خرم دل آن کہ ہمچو حافظ جامے ز مئے است گیرد (حافظ)

وہ اپنے کو ہر شخص و ہر شئے مین دیکھتا ہے، گویا وہ شخص خود آپ ہے، یا وہ شے یا اوسکی صفت خود آپ مین ہے، اوس کے نزدیک کوئی غیریت نہو گی، ہر مین کہنے والے کو وہ خود آپ ہے سمجھیگا، ہر چیز کے حسن و قبح کو خود آپ مین پائے گا، دوسرون کے اغراض اپنے اغراض تصور کرے گا، جب کسی فرقہ یا گروہ کے افراد مین سے اس طرح غیریت اوٹھ جائے اور ہر ایک اپنے اغراض کو دوسرون کے مخالف تو کیا یکسان بلکہ ایک ہونا تصور کرے گا، تو اوس گروہ مین صلح و امن کی ایسی لہر پیدا ہو جائے گی، کہ جسکے دیکھنے والے یہی کہین گے، ؎

اگر فردوس بر روئے زمین است

ہمین است وہمین است وہمین است

۹۔ فقرہ بالا مین جس بہشت و فردوس کا ذکر ہے وہ محض نفس کا ایک وجدان Ideal ہے، جو صوفیون کے مدنظر رہا کرتا ہے۔ ساتھ ہی اس کے صوفیون کو بخوبی اس کا علم و احساس بھی رہتا ہے، کہ اپنے موجودہ زمانہ مین وجدانات Sentiments کا کامل وجود امکان سے باہر ہے۔ مگر اون کا خاصہ یہ ہے کہ اون کے مقاصد کے حصول کے لئے جس قدر زیادہ کوشش کیجاتی رہے اور اس کوشش مین جسقدر کامیابی جس حد تک حاصل ہوتی رہے اوسی قدر زیادہ خوشی انفراداً، زیادہ بہبودی اجماعاً ہوتی ہے،

۱۰۔ ویدانت یا تصوف کے فلسفہ کی کوئی توضیح تشفی بخش نہین ہو سکتی، جب تک اوس کے ایک مفروضہ[۵] Hypothesis کا سرسری ذکر نہ کیا جائے، جو تمام ویدانتی و صوفی تحریرات مین مسلمہ ہے، جس کا نام عام زبان

---

[۵] اصطلاحاً، قیاس[۱]، مفروضہ[۲]، نظریہ[۳] مین ویسا ہی فرق ہے، جیسا (۱) ایک بات سے دوسری بات نکالنا، (۲) چار پانچ باتون سے ایک بات نکالنا (۳) بہت سی باتون سے ایک عام بات نکالنا،

یہ دبے ثباتی عالم ہے؟ وہ سادہ الفاظ میں اسی قدر ہے کہ ہمارے محسوسات وادراکات میں ہم کو کوئی ہستی درحقیقت قائم نظر نہیں آتی، بلکہ ہر ہستی اپنی ہیئت وحالت ظاہرو باطن کو ہر لحظہ و ہر آن بدلتی ہوئی پائی جاتی ہے، کسی ہستی کو یہاں کوئی ثبات نہیں اگر ثبات ہے تو صرف تبدیلی کو ٹلاکثر ویدانتی اور صوفی بے ثباتی عالم کے ثبوت کی ضرورت ہی نہیں سمجھتا بلا تامل مان لیتے ہیں کہ ہمارے فہم وادراک میں کوئی ایسی چیز نہیں آسکتی جو ہر وقت اور ہر جگہ بالکل یکسان اور ایک حالت میں ہو، زمین اپنے محور پر اس طرح سہولت سے پھرتی ہے، کہ ہم کو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ ہم بھی اوس کے ساتھ رات دن پھرتے اور سال بھر سورج کے اطراف چکر لگاتے ہیں، البتہ اگر کوئی زلزلہ آجائے تو کسی قدر احساس ہوتا ہے کہ ہماری زمین متحرک ہے، اگر کوئی شے اس عالم میں ایکسان اور ایک ہی حالت میں رہنے والی قائم ودائم ہے تو ہم انسانون کے فہم وادراک سے خارج ہے، ہر ہستی یا چیز خواہ انسان ہو یا حیوان، خواہ درخت ہو یا پتھر، ہر جگہ ہر وقت اپنی ہیئت وحالت اور اپنے اوضاع وتعلقات کو ہمیشہ ہر طرح سے بدلتا رہتا ہے، ہم جس کو فلان چیز کہتے ہیں وہ ایک ساعت تو کیا ایک آن میں دوسری چیز ہو جاتی ہے، میں جو اس وقت ہون منٹ دو منٹ میں بالکل دوسرا میں ہو جاتا ہون، مثلاً ندی جو بہتی چلی جاتی ہے، اگر دور سے دیکھی جائے تو استادہ پانی کا چشمہ نظر آئے گی، اگر قریب جاکر دیکھی جائے تو بہتا ہوا پانی نظر آئے گا، جو بہاؤ کی سرعت کی وجہ سے دور سے بہ نسبت ندی کے کنارون کے استادہ پایا گیا، اگر اور بھی قریب جاکر خوب غور سے پانی پر نظر ڈالی جائے تو اوس کا قطرہ قطرہ ایک مقام سے دوسرے تیسرے چوتھے مقام پر جاتا ہوا پایا جائے گا، پانی کا ایک ایک قطرہ بھی اگر کلان بین سے دیکھا جائے تو اوس کا ذرہ ذرہ اپنی ماہیت وحالت بدلتا ہوا نظر آئے گا، یہی حالت اس عالم کی ہر ہستی یا ہر شئی کی ہے، جو اگرچہ بادی النظر میں ایک طور سے قائم پائی جاتی ہے، لیکن دراصل جلد سے جلد تر بدلتی رہتی ہے، کسی کو کوئی ثبات یا دوام نہیں، ہر ہستی نہ بود ہے نہ نابود ہے، بلکہ بود و نابود دونون کے مابین ہے، اسی کو حالت ارتقا کہتے ہین، دنیا بقول جامی، ؎

بحریست نہ کاہندہ نہ افزایندہ — امواج بر او رونده و آینده

عالم چو عبارت از ہمین امواج است — نبود دو زمان بلکہ دو آن پاینده

۱۱۔ غرض اس طرح ہر جگہ اور ہر وقت اپنے صفات، حالات، اپنے حرکات وسکنات اپنے باہمی تعلقات، اپنی ہیئت وحالت کو بدلتے ہوئے اشیا، یا ہستیون کو فلاسفر اصطلاحًا انگریزی مین (واحد) فنامنن (Phenomenon) (جمع) فنامنا، اور عربی مین (واحد) ظاہرہ (جمع) ظاہرات یا ظواہر کہتے رہے، مگر حال مین پروفیسر آئین سٹین نے اپنے مشہور نظریۂ تناسبیہ کے واسطے ان کا نام (واقعاتِ مکان وزمان) رکھا ہے، مگر صوفی اپنے فلسفۂ تناسبہ مین جملہ ظواہر کو (حادثاتِ جسم وجان) یا (حوادثِ روح وجسم) کہتے ہین، جن کا بیان متعاقب آئے گا۔

۴-ارتقار

۱۔ راقم گذشتہ تیس سال مین کسی ایسے صوفی یا ویدانتی سے نہین ملا، جو مذکورہ معنون مین ظواہر یا حادثات جسم وجان کے ارتقا کا قائل نہ تھا، لفظ ارتقا، ونیز انگریزی لفظ یولیوشن (Evolution) کے لغوی معنی خود بخود کھلتے اور پھیلتے جانا ہوتے ہین، اوس کے اصطلاحی مفہوم مین ترقی وتنزل، عروج ونزول، دونون شریک ہین، مثلاً بعض یکسان اجزا، یا قوتون کے اجتماع (Integration) سے ایک جدید شئے یا جدید قوت بن جانا اور، اوس جدید شئے یا جدید قوت کے اجزا مین افتراق (Differentiation) پیدا ہونے پر بھی باہم اجزا، مین ایک طرف اور نیز اجزا اور کل مین دوسری طرف اعتدال (Equilibrium) باقی رہنا یہ سب امور مجموعًا ارتقاءِ عروج کے معنون مین شامل ہین اور اوس جدید شئے کے یا جدید قوت کے اجزا یا قوتون مین پھر افتراق ہونے سے اجتماع باقی نہ رہ کر باہمی اعتدال کا زوال ہوجانا، یہ سب امور بھی مجموعًا ارتقارِ نزول کے معنون مین شامل ہین، لیکن نظریۂ ارتقار کے تین طریقے اجتماع وافتراق واعتدال کی کیفیت بیان کرنا تو کہان اوس نظریہ کی تعریف بھی مختصر طور سے کرنیکی یہان گنجایش نہین ہے، فقط سرسری طور پر ارتقار کے معنی بتا کر یہ کہدینا مقصود ہے، کہ ویدانتی اور صوفی اس ارتقا کے ہمیشہ قائل رہے ہین، اگرچہ اون کے تصانیف وتالیفات مین اشیا یا قوتون کے ارتقار کا کوئی ایسا ثبوت نہین ہے، جیسا کہ انیسوین صدی کے مغربی محققین نے پیش کیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اگلے

زمانہ کے صوفی محققین اپنے اختبارات (Experiments) و آزمائشات (Observations) و تحقیقات (Investigations) کا نقطۂ نتیجہ بیان کردیتے تھے، طریقۂ اختبار، ترکیب آزمایش اور آئین تحقیقات کی توضیح و تصریح غیر ضروری سمجھتے تھے، غرض صوفی بے تکلف مانتے ہین کہ ظواہر، واقعات زمان و مکان، حادثات جسم و جان مین (۱) طبعیات کے اعتبار سے فعل و ضد فعل کا (۲) حیاتیات کے اعتبار سے ولادت اور موت کا (۳) اقتصادیات کے اعتبار سے تدریجی ترقی اور تدریجی تنزل کا دور دورہ، دور دائرہ (Cycle) ہر وقت اور ہر جگہ رہا ہے، اور ہمیشہ رہے گا، مزید بران یعنی ارتقاء کے عمل کو ماننے کے علاوہ صوفی اور ویدانتی ارتقا مین مدارج بھی تسلیم کرتے ہین، چنانچہ مولینا رومی کی مثنوی کے ابیاتٰ مین ارتقا کے مدارج بتائے گئے ہین ویدانتی وشنو کے اوتارون کے استعارات مین بھی دیگر انسان و ملائکہ تک کے مدارج ارتقا بیان کرتے ہین بلکہ ارتقا کا نظریہ ان حضرات کے نزدیک ثباتی عام ہے کیونکہ کل کی خوبی یا خوبیت

۲- صوفیون اور فیلسوفون نے ظواہر کے یعنی حادثات جسم و جان کے دور دورہ کو ہستی تصور کیا ہے لیکن سوال یہ ہے، کہ "وہ کیا چیز ہے" "وہ قوت کیا ہے جس کے دورۂ دائری یا دور دورہ Cycle کو ہم ہستی کہتے ہین"؟ دوسرے الفاظ مین سوال یون کیا جا سکتا ہے، کہ "وہ کیا ہے جس کا عروج و نزول ارتقا مین ہوتا ہے"؟ ہربرٹ اسپنسر ہکسلی اسٹیفن جیسے فیلسوف (فلاسفۂ لاادری) Agnostics کہتے ہین، کہ "وہ کیا ہے، ہم نہین جانتے اور جان سکتے ہین اُس کا علم ہم کو کچھ بھی نہین ہو سکتا حتی کہ وہ ہے، یا نہین، یہ بھی ہم نہین کہہ سکتے"، چند دوسرے فیلسوف (فلاسفۂ الٰہی) Theists کہتے ہین، کہ "وہ ذات ہے جو ظواہر مین، واقعات زمان و مکان مین، حادثات جسم و جان مین مستتر ہے، جس کا اجمالی علم یا احساس ہم کو کسی نہ کسی طور سے ہوتا رہتا ہے"، لیکن سوال مذکور کا جواب صوفیون اور ویدانتیون کے پاس یہ ہے کہ وہ ذات بحت یا ذات مطلق خدا ہے، جسکی نسبت چہ چون و چرا کچھ بھی ہم نہین کہہ سکتے لیکن اس کے وجود کا محض احساس ایک طور سے کبھی نہ کبھی تصوف کی خاص حالت یا امنگ مین ہونا ممکن ہے اسی لئے وہ انسان کا اکثر تصوف کی حالت مین رہنا پسند کرتے ہین،

سلہ من جمادی بودم و نامی شدم، الی آخرہ،

۵- ذرائع سلوک

۱- "صوفیون یا ویدانتیون کے مختلف فرقے ہین" ایسا کہنا غلط ہے کیونکہ (سب کو ایک سمجھنے) والون مین تفرقہ نہین ہوسکتا۔ ان مین کوئی فرقہ بندی ممکن نہین۔ البتہ بعض صوفیون نے اپنی اپنی سمجھ کی تائید کے لئے کوئی ایک اصولی طریقہ سوچ لیا ہے، بعض نے غیر اصولی طریقہ اختیار کر لیا ہے، چند اور صوفیون نے ایک تیسرا طریقہ ایجاد کر لیا ہے۔ اوپر بیان کر دیا گیا ہی کہ علم و فن مین جو فرق ہی وہی فرق تصوف و سلوک مین ہے، اور ایک تشبیہ سے سمجھایا گیا، کہ شاہراہ شریعت پر سے گذر کر قرب الٰہی حاصل کرنے کے ذرائع (تیز رفتار سواریان) ہوتے ہین جسطرح سواریان اقسام کی ہوتی ہین، اوسی طرح سلوک کے ذرائع بھی قسم قسم کے ہوسکتے ہین۔ ایسے ہر ذریعہ سلوک کا نام صوفیون نے طریقہ قرار دے لیا ہی۔

۲- شریعت کی شاہراہ سے جلد عبور کرنے کے ذریعے (طریقہ) کے نام سے موسوم ہین، سلوک کے طریقے در اصل دو ہین اور دیگر تمام طریقے ان دونون طریقون کے متعدد امور کے شمول و خروج، جمع و تفریق سے نکالے گئے ہین ایک اصولی طریقہ اون صوفیون اور ادویتا ویدانتیون کا ہے جو ھوالکل کہتے ہین، اور دوسرا اصولی طریقہ اون صوفیون اور دویتا ویدانتیون کا ہے، جو ھوالباری کہتے ہین دونون اگرچہ پکے موحد ہین لیکن توحید کو پانے کا "طریقہ" جس کو ہم "ذریعہ" کہین گے، ہر ایک نے الگ الگ اختیار کیا ہی، ہر طریقہ یعنی ذریعہ کے متعلق مختلف مباحث طول وطویل ہین جن کا تذکرہ اس مضمون کے اغراض کیلئے غیر ضروری ہی،

۳- یہان فقط اشارۃً وکنایۃً دونون کا فرق حسب ذیل بتایا جاتا ہی۔

(الف) ھُوالکُل	(ب) ھُوالباری
۱- نظریہ- ہمہ اوست یا اندر ہمہ اوست،	۱- نظریہ- ہمہ ازوست[۱]،
۲- ارتقا، خود بخود ہوتا ہی Emergent	۲- ارتقا- پیدا کیا جاتا ہی، Creative

[۱] گر بگوئی بگو (ہمہ زوست)۔ ور بدانی بدان (ہمہ اوست)

۲۔ تصوف، ہیجہ، سکون کی طرف مائل Peace	۲۔ تصوف، ہیجہ، جوش کی طرف مائل Ecstacy
۳۔ جذبہ، وہ اور مین جدا نہین (وہ دریا تو مین قطرہ ہون)	۳۔ جذبہ، اوس کے ساتھ مین اور میرے ساتھ وہ ہے،
۔ وجد: وصل	۳۔ وجد، "عشق"
۴۔ حقیقت، حق، حق، حق	۴۔ حقیقت، حُسن ازلی، محبوب کل"
۵۔ اعتقاد، مین کون ہون؟ انا الحق (عارف)	۵۔ اعتقاد، مین کون؟ "انا عبدہ" (عاشق)

۴۔ فلسفہ مین یعنی علوم وفنون کے اصول سے استقرآت مین تین اصل الاصول ہین، جو مسائل کے طور پر یون بیان کئے جا سکتے ہین:۔ پہلا مسئلہ Psychological روح یا نفس کیا ہے؟ دوسرا مسئلہ Cosmological ماحول النفس کچھ ہے کہ نہین اگر ہے تو کیا ہے؟ تیسرا مسئلہ Ontological نفس و ماحول النفس کے ماسوا یا ماوری کچھ ہے بھی؟ یہی اصولی مسائل ہین، جنسے متعلق بقیہ تمام مسائل ہین جن کے بیان و تاویل و ثبوت وغیرہ مین فلسفی سرگرم رہتے ہین، مگر صوفیون اور ویدانتیون کے پاس ان تینون سوالون کا ایک ہی جواب صرف ھُوَ ہے، یہ جواب دیدینا بہت سہل ہے، لیکن اوس کی صحت کا کسی فرد بشر کو یقین دلانا کچھ سہل نہین ہے، اس کے واسطے بو علی سینا، امام غزالی جیسے صوفیون کو شنکرا چاری، مادھوا چاری جیسے ویدانتیون کو فلسفہ کی ضرورت ہوئی،

۵۔ اوپر اصطلاحی الفاظ، ہیجہ، جذبہ، وجدہ کی تعریف کردی گئی ہے، اور بیان ہو چکا ہے کہ ہوالکل اور مولناری کہنے والے صوفیون کی مذکورہ پانچ مختلف باتون کے شمول وخروج یا جمع و تفریق سے، دوسرے تمام طریقے یعنی ذرائع سلوک قائم ہوئے ہین، گویا معدودے چند دھاتون کے آلات اور مختلف وضع کے کل پرزون سے جدا جدا سواریان (ٹمٹم، بگھی، موٹر، ایروپین) ہر وضع وقطع کے ذرائع سیر کے واسطے بنا لیے گئے ہین، تمام سواریان (طریقے) اگرچہ ایک ہی وضع وقطع کی نہین ہین، لیکن سب ایک ہی سڑک شریعت (دھرم) پر چلنے والے اور سب ایک ہی منزل مقصود کو پہچانے والے ہین۔

مین نور کا ہون شیدا، وہ نار پر فدا ہے	منزل تو ایک ہی ہے، رستہ جدا جدا ہے، (امجد)

اسی لئے یہان ہر طریقہ کے مباحث کی سراحت کی کوئی ضرورت نہین، صرف اون کو اشارۃً بیان کر دینا کافی ہے۔ ان مسائل و مباحث کی مرشدون کو اس لئے ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ (جیسا اوپر بیان ہوا ہے) اپنے مریدین کے دلون مین یقین کامل پیدا کرین، جو تصوف کی امنگ کیلئے لازم و لابد ہے، علی العموم کہا جاسکتا ہے، کہ صوفیون کو ایک خاص قسم کے فلسفہ کی (جس کا نام ہم نے فلسفۂ فقراء رکھا ہے) ضرورت اس لیے ہوئی کہ وس سے طالب کے دل مین یقین کامل پیدا کرنے مین سہولت ہو سکے (دیکھو فصل ۲۰ کے دفعات متعلقہ صوف تصوف و تصوف) (باقی)

فیہ ما فیہ

یعنی ملفوظات مولانا روم جو ایک نایاب کتاب تھی، مولانا عبد الماجد بی اے دریابادی نے مختلف نسخون سے مقابلہ کرکے اوسکو مرتب کیا اور معارف پریس اعظم گڈھ مین چھپی ہے، ضخامت ۲۷۰ صفحے لکھائی چھپائی نہایت عمدہ ہے اور مختلف فلسفیانہ و صوفیانہ مباحث پر مشتمل ہے، قیمت :- ۱۲؍

تصوف اسلام

خالص اسلامی تصوف اور قدما صوفیہ کے حالات و تصنیفات کا مفصل بیان ضخامت ۲۴۴ صفحے قیمت ۱۲؍

نٹشے

مشہور جرمن فلاسفر فریڈرک نٹشے کی سوانح عمری اور اوس کے افکار و خیالات اور تصانیف پر بحث و تبصرہ ہے

پروفیسر مظفر الدین ندوی ایم اے حجم ۱۱۰ صفحے قیمت عمر

"منیجر"

حضرت شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی

از

مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی، سابق مدرس عربی و فارسی مہاودیالے احمد آباد (گجرات)

گجرات مین سینکڑون علما اور اتقیا پیدا ہوے اور چل بسے، لیکن گجرات کے آسمان پر دو ایسے آفتاب و ماہتاب چمکے جن کے علمی کارنامون کی شعاعین ابھی تک پرتوفگن ہین، ان مین سے ایک محدث بے بدل علامہ شیخ محمد طاہر پٹنی (گجراتی) ہین، اور دوسری مقدس ہستی جناب حضرت شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی کی ہے، ان سے پہلے نہروالہ پٹن (انہل واڑا) اور احمد آباد مین متعدد مدارس موجود تھے، اور مختلف علمی مرکزون سے لوگ فیضیاب ہوتے تھے، لیکن جب سے ان دونون بزرگون کا وجود ظہور پذیر ہوا، علمی دنیا مین نیا انقلاب پیدا ہوا، اور تشنگان علم کی جس کثرت تعداد نے ان سے سیرابی حاصل کی، گجرات مین شاید ہی کوئی دوسری ذات بابرکات ان کے مدمقابل نکلے، ان مین سے خصوصیت سے جناب شاہ وجیہ الدین کا فیضان مدرسہ اور تلامذہ کی شکل مین صدیون رہا، اور گجرات ان کے دم قدم سے مدت تک منور رہا، لیکن افسوس ہے کہ گجرات کے باہر کے لوگ ان سے اور انکی تصنیفات سے بہت کم واقف ہین، اس لئے ضرورت ہے کہ ان کے حالات لکھے جائین،

نام و نسب شاہ صاحب کا اصلی نام سید احمد ہے، مگر دنیا ان کو وجیہ الدین کے نام سے جانتی ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے، وجیہ الدین احمد بن قاضی سید نصر اللہ بن قاضی سید عماد الدین بن قاضی سید عطاء الدین بن قاضی سید معین الدین، بن سید بہاؤ الدین بن سید کبیر الدین، اسی طرح سلسلہ سیدنا امام محمد تقی تک پہنچتا ہے[1]، سید کبیر الدین صاحب کا اصل وطن یمن تھا، لیکن مکہ معظمہ مین آکر مقیم ہوگئے تھے، اور اسی لحاظ سے بعض لوگون نے ان کو مکی بھی تحریر کیا ہے، کہتے ہین کہ سید بہاؤ الدین ایک دن

---

[1] مرأۃ احمدی مین ہو کہ آپکے خاندانی لوگ سلسلہ نسب محمد عریض بن محمد الجواد تک لیجاتے ہین، اس سے معلوم ہوا کہ آپ علوی کیساتھ عریضی بھی ہین،

خانۂ کعبہ مین معتکف تھے کہ ان کو بذریعہ کشف ایسا معلوم ہوا کہ سرور کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلعم نے ارشاد فرمایا کہ ہند کے صوبۂ گجرات مین جاکر خلق کی ہدایت کرو، چنانچہ آٹھوین صدی کے آخر یا نوین صدی کی ابتدا مین بعہد مظفر شاہ اول گجرات تشریف لائے، اور مقام پاٹری ضلع جھالاواڑ مین توطن اختیار فرمایا اور ہدایت خلق مین مشغول ہو گئے، قرینہ وقیاس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خشکی سے دہلی یا اُچھ ہوتے ہوئے تشریف فرما ہوے، ورنہ بحری راستہ سے کنبھائت یا بھروچ اتر کر کہین مقام ہونا چاہئے تھا، یا ممکن ہے کہ بحری راہ سے تشریف لائے ہون، اور خصوصیت سے جھالاواڑ جیسے کوہستان کو ارشاد وہدایت کے لیے انتخاب فرمایا ہو،

ان کے بعد سید معین الدین ان کے لڑکے جانشین ہوے اور حکام وقت کی طرف سے محکمۂ قضا ان کے سپرد ہوا اور پھر ان کے لڑکے قاضی سید عطاء الدین اور پوتے قاضی سید عماد الدین بھی اس محکمہ سے منسلک رہے اور مختلف ضلعون مین بحیثیت قاضی کام انجام دیتے رہے، جناب شاہ وجیہ الدین صاحب کے والد ماجد قاضی نصراللہ محمود بیگڑہ کے آخر عہد مین بمقام چانپانیر قاضی کے عہدہ پر مامور تھے اور ان کی خصوصیت یہ تھی کہ مشتبہ امور سے بہت احتراز فرماتے تھے، سلطان مظفر حلیم ان سے بہت خوش تھا، اسی لیے احمد آباد اپنے ساتھ لاکر اپنے محل کے پاس امامت کے لیے جگہ دی، یہ وہی مقام ہے جس کو آج خانقاہ (یادگاہ) شاہ وجیہ الدین کے نام سے لوگ موسوم کرتے ہین،

ولادت جناب شاہ صاحب کی ولادت ۲۲ر محرم ۹۱۰ھ کو بمقام چانپانیر ہوئی، لفظ "شیخ" سے ان کی ولادت کی تاریخ نکلتی ہے، تقریباً سات آٹھ برس تک چانپانیر مین مقیم رہے، کیونکہ ۹۱۷ھ مین سلطان محمود بیگڑہ کے انتقال پر سلطان مظفر حلیم تخت نشین ہوا، جس نے قاضی نصراللہ کو اپنے ساتھ لاکر احمد آباد مین مقیم کیا،

تعلیم سات آٹھ برس تک آپ اپنے والدین کے کنارِ عافیت مین پرورش پاتے رہے، قدرت نے بھی اپنے عطیات مین کسی قسم کا بخل نہین کیا تھا، ذہانت، ذکاوت، یادداشت کا مادہ، ابتدا سے موجود تھا، چنانچہ سات سال کی عمر میں انھون نے قرآن مجید حفظ کرلیا، اور آٹھوین سال تجوید کے ساتھ قرآن پاک علماء کے سامنے سنایا، اس کے بعد علوم متداولہ مین مشغول ہوے، اور اپنے چچا سید شمس الدین صاحب سے ابتدائی کتابین پڑھین، پھر اپنے ماموں سید

ابو القاسم صاحب سے حدیث کا درس لیا، ۱۴۔ ۱۵ سال کی عمر مین علامہ محمد بن محمد ملکی سے حدیث کا اختتام فرمایا، اور سب سے آخر مین محدث ابو البرکات بنبانی عباسی کو حدیثین سنائین،

علوم عقلیہ محقق جلال الدین دوانی کے شاگرد مولنا عماد الدین طارمی، اور ابو الفضل مظہر الدین محمد گازرونی جیسے علامۂ عصر کی ہیں، مولنا طارمی حنفی واسطے سے علامہ سید شریف جرجانی متوفی ۸۱۶ھ سے بھی تلمذ کی نسبت رکھتے تھے، اس وقت مولانا موصوف کی تصانیف مین سے ضابطہ تہذیب کی شرح قلمی، اور علامہ گازرونی کی یادگار حاشیہ بر بیضاوی قلمی کتب خانہ حضرت پیر محمد شاہ احمد آباد مین موجود ہے، ۲۴ سال کی عمر مین شاہ صاحب نے علوم ظاہری کی تکمیل فرمائی، اور "وجیہ" مادۂ تاریخ ہے،

بیعت طریقت ابتدا اپنے والد ہی سے چشتیہ اور مغربیہ طریقون کو سیکھتے رہے، لیکن کچھ دنون حضرت شاہ قاضن چشتی قدس سرہٗ کی صحبت سے بھی مستفیض ہوئے، اُن کے انتقال کے بعد میان بدر الدین ابو القاسم سہروردی کی طرف متوجہ ہوئے، اور حضرت نجم الدینؒ کی صحبت مین بھی رہتے، بسا اوقات جب جذب کا شوق غالب آتا تو حضرت سید کبیر الدین مجذوب سے ملاقات فرماتے، اور درد دل کی شکایت فرماکر علاج کے طالب ہوتے، پھر کچھ دنون کے بعد حضرت سید محمد غوث گوالیاریؒ تشریف لائے، جناب شاہ صاحب ان سے ملے، اور اس درجہ ان سے متأثر ہوئے کہ فوراً ان سے بیعت کرلی، اور اُن کی صحبت جلوت اور خلوت سے مستفیض ہوئے، اور کامل ہوکر سند اور خرقۂ خلافت حاصل کیا،

مدرسہ کی بنیاد ۹۳۲ھ مین تکمیل تعلیم کے بعد درس و تدریس کی طرف توجہ کی، اس وقت ان کی عمر چوبیس یا پچیس سال کی تھی، ابتدائے درس کا تاریخی مادہ "شیخ وجیہ" ہے، یہ سلطان بہادر شاہ گجراتی کا ابتدائی عہد تھا، یعنی اس کی تخت نشینی کو صرف دو تین سال گذرے تھے، عہد قدیم مین دستور تھا کہ صاحب علم و فضل جہان بیٹھ جاتا، کچھ دنون کے بعد وہی مقام اپنے وقت کا بہترین کالج ہو جاتا، اور آہستہ آہستہ امرا اور سلاطین کی توجہ سے طلبہ کے لیے تمام سہولتین بہم پہنچائی جاتین، جناب شاہ صاحب نے جب ۹۳۵ھ مین باقاعدہ ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی تو بہت جلد اس کی مقبولیت ہوگئی، طلبہ کے رہنے کے لیے حجرے بھی تعمیر ہوگئے اور وظائف کا بھی انتظام ہوگیا، شاہی مطبخ سے روزینہ پینتیس ۳۵ ہاتہ

بھی ملنے لگا، طلبہ کے علاج کے لیے ایک طبیب ۔۔ ماہانہ پر تھا، آپ نے اس مدرسہ میں ۴۰ سال تک تعلیم دی، اور مشہور ہے کہ اس مدت میں کبھی آپ نے قصداً مدرسہ بند نہیں فرمایا، اور نہ اسباق کا ناغہ ہونے دیا، ہر علم و فن کی تعلیم یہاں ہوتی تھی، ابتدا میں غالباً وہ تنہا مدرس تھے، لیکن رفتہ رفتہ اساتذہ کی تعداد بڑھتی رہی، اور طلبہ کے انتہائی ترقی پر ہم دیکھتے ہیں، کہ ایسے تلامذہ بھی اپنا وقت تدریس میں صرف کرتے ہیں جو خود ابھی فارغ نہیں ہوئے ہیں، مندرجۂ ذیل علوم و فنون کی تعلیم یہاں ہوتی تھی، ابتدائی تعلیم کے علاوہ تفسیر مع اصول، حدیث مع اصول، فقہ مع اصول، معانی و بلاغت، منطق، فلسفہ، ہیئت، مناظرہ، ادب وغیرہ علوم ظاہری کی تکمیل کر لینے پر جن تلامذہ کو تصوف کے طرف رجحان ہوتا، تو اس کی بھی تعلیم دیتے، ان کے علاوہ ایسے اشخاص جو باہر سے آکر اس چشمۂ فیض سے سیراب ہوتے ان لوگوں کی تعداد بھی کچھ کم نہیں ہے، فتویٰ نویسی کا بھی باقاعدہ انتظام تھا، اور خاص اس کام پر ذمہ دار اشخاص کا تقرر فرماتے تھے، عام فتووں کو چھوڑ کر جب کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا تو خود اس پر غور فرماتے، اور تحقیقی جواب تحریر فرما کر اپنے دستخط سے اسکو مزین فرماتے،

خود سلطنت بھی کسی امر مہم میں بغیر آپکے دستخط کے احکام نافذ نہیں کرتی، اور ایسے امر کو مشتبہ سمجھتی جس میں آپ کے دستخط نہ ہوں، چنانچہ جناب سید محمد غوث گوالیاری کے متعلق جب علماے وقت نے جن کے سرگردہ شیخ علی متقی تھے، انکے اور قتل کا فتویٰ لکھ کر بطور محضر نامہ کے سلطان محمود ثالث کے سامنے پیش کیا تو سب سے پہلے سلطان موصوف نے یہی سوال کیا کہ اس پر جناب شاہ وجیہ الدین کے دستخط کیوں نہیں ہیں، غرض سلطان کو وزرار کے جواب سے تشفی نہیں ہوئی، اور خود حاضر خدمت ہو کر شرف قدمبوسی حاصل کیا، اور جوابات شافیہ سے متاثر ہو کر محضر نامہ کو رد کر دیا اور سید موصوف کو بری قرار دیا،

تلامذہ تلامذہ کا دائرہ بہت وسیع تھا، اسی (۸۰) کی تعداد صرف ان لوگوں کی ہے جنھوں نے اطراف ملک میں

لہ باٹ لگر گجراتی میں یہ دونوں رقمیں تحریر ہیں، اس عہد کی ارزانی کو دیکھتے ہوئے یہ رقم قلیل نہیں معلوم ہوتی، (دیکھو حاشیہ ابن بطوطہ اردو جلد دوم عہد فیروز شاہ تغلق) مرآۃ احمدی میں یہ رقم ۔۔ ماہوار ہے،

منتشر ہوکر مدرسے قائم کئے اور خود صاحبِ درس ہوئے، جناب شاہ صاحب کی کمال خوش نصیبی یہ ہے کہ اپنی زندگی ہی مین شاگردون کے شاگرد کو مسندِ علم پر رونق افروز ہوکر درس و وعظ کے ذریعہ خلق کو ہدایت کرتے دیکھا، گویا انکی زندگی کا اصل منشا آپ کے سامنے ہی پورا ہوگیا،

شاہ صاحب کے والد کی وفات ۲۰ محرم ۹۳۵ھ مین آپ کے والد ماجد کا انتقال ہوگیا، اس وقت آپ کی عمر ۴۴ سال کی تھی اور تعلیم و تعلّم کے سلسلہ کو بھی ۲۴ سال ہو چکے تھے، ان کے والد ماجد قاضی نصراللہ صاحب نے بھی عمر طویل پائی وہ سلطان محمود اول بیگڑہ کے عہد وسط مین پیدا ہوئے، اور سلطان محمود ثالث کے عہد مین وفات پائی، عمر بھر خوشحال رہے، اور اکابر شہر مین معزز، اور معاصرین مین ممتاز، آپ کی وفات کا مادۂ تاریخ ہے "لہٗ جنات الفردوس نزلًا"

شاہ صاحب کی وفات شاہ وجیہ الدین صاحب ۲۹ محرم ۹۹۸ھ بروز یکشنبہ صبح صادق کے وقت اس دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کو رخصت ہوئے، اس وقت ان کی عمر (۸۸) برس کی تھی، ان کا مزار مدرسہ کے وسطِ صحن مین بنایا گیا، جو اس وقت تک زیارت گاہِ عام و خاص ہے امرائے اکبری مین سے ان کے معتقد "صادق خان" نے روضہ کی عمارت تیار کی، اور امرائے جہانگیری مین سے فرید خان المخاطب مرتضیٰ خان بخاری نے اپنے عہد صوبہ داری گجرات (۱۰۱۹ھ) مین مرقد کے اوپر چھتری تیار کی، جسپر سیپ کا کام نہایت اعلیٰ درجہ کا ہے، اور مندرجۂ ذیل اشعار کندہ ہین،

مرتضیٰ خان فرید دریا دل ... فیض دانی و رحمتِ شامل

عرشِ برطرح کرد از ہمت ... بر سرِ قبرِ مرشدِ کامل

محوِ دیدارِ حق وجیہ الدین ... آن بموت و حیاتِ خود واصل

دربرِ شاہدِ ازل خفتہ ... از شرابِ وصال لایعقل

ہست عین حضور آگاہی ... غفلت اورا نمی کند غافل

کعبۂ از درون چنان روشن ... کہ جدارش نمی شود حائل

قبلۂ حاجت و مقام مراد | مبدأ فیضِ عارف و کامل
سالِ تاریخِ او ز غیب رسید | عرشِ اسلام قبلۂ مقبل
تا فلک باد، باد بانیِ این | تا جہان باد، باد این منزل

"عرش اسلام قبلۂ مقبل" سے تاریخ نکلتی ہے، جو ۱۰۰۱ھ ہوتی ہے، میرے خیال میں کوئی حرف چھوٹ گیا ہے، جس کے سبب سے دس عدد کم ہوتے ہیں، کیونکہ فرید خان کا عہد ۱۰۱۴ھ سے ۱۰۲۵ھ تک ہے، اس لئے اس کی بنا ۱۰۱۱ھ غالباً ہوگی، ایک شبہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ ۱۰۰۱ھ ہی میں تیار کرایا ہو لیکن اشعار سے خود اس کی تردید ہوتی ہے، ۱۰۰۱ھ عہدِ اکبری میں، اس وقت فرید خان کو امرائے اکبری میں کوئی امتیاز خاص نہ تھا، اور نہ اس وقت تک اس کو مرتضیٰ خان کا خطاب عطا ہوا تھا، ۱۰۱۴ھ میں جب اکبر نے وفات پائی اور جہانگیر تخت نشین ہوا، تو اس کو جہانگیر نے اس خطاب سے سرفراز کیا، اور گجرات کا گورنر بنا کر بھیجا، اور یہ اس وفاداری اور کارگذاری کا صلہ تھا، کہ جب جہانگیر اپنے باپ اکبر اعظم سے باغی ہو کر ادھر ادھر پھر رہا تھا، تو پھر امرائے دربار کے خوف سے اسی فرید خان کے گھر روپوش ہو گیا تھا، اسلئے فرید خان ۱۰۰۱ھ میں نہ گورنر تھا، نہ "مرتضیٰ خان"[1]،،

جنابِ شاہ وجیہ الدین صاحب کی وفات کی تاریخ "لہم جنات الفردوس نزلا"، ایک شخص نے تحریر کی ہے، جس سے ۹۹۸ھ کی تاریخ نکلتی ہے، اس تاریخ میں دلچسپ بات یہ ہے کہ یہی تاریخ خفیف تغیر سے جناب شاہ صاحب کے والد کی وفات کی بھی ہے، یعنی "لہ" اور "لہم" کے فرق سے دونوں کی الگ الگ تاریخیں نکلتی ہیں[2]، اس سے بھی زیادہ دلچسپ تاریخ آپ کے تلمیذ رشید مولانا عبد العزیز نے تحریر کی ہے:

---

[1] و شیخ بخطاب مرتضیٰ خانی سربلند یافت (آغاز جلوس اول ۱۰۱۴ھ اقبال نامہ جہانگیری ص ۱۰ م کلکتہ)، و همدرین سال مرتضیٰ خان بہ صاحب صوبگی گجرات سرفرازی یافت، (کتاب مذکور ص ۱۹)

[2] رسالہ حسن فراہمی قلمی کتب خانہ پیر محمد شاہ،

جو ان کی ذہانت اور فطانت کی بین شہادت ہے، چنانچہ آپ کی رحلت کی تاریخ "شیخ وجیہ دین" (سنہ ۹۹۸ھ) نکالی ہے، پھر شیخ (۹۱۰ھ) سے سال ولادت اور "وجیہ" (۲۴) سے مدت تکمیل علوم وفنون، اور "شیخ وجیہ" (سنہ ۹۳۴ھ) سے آغاز تعلیم و تعلم اور لفظ "دین" (۶۴) سے کل مدت تدریس و ہدایت اور "وجیہ دین" (۸۸) سے کل مدت عمر نکلتی ہے[1]، اس کے علاوہ دوسرے لوگوں نے بھی مختلف تاریخیں لکھی ہیں مثلاً علوی صاحب جمال بہشت، بہ بہشت مسکن وجیہ الدین، آخر الاولیا وجیہ الدین، وغیرہ وغیرہ، وفات کے بعد لوگوں نے ان پر بہت مرثیے کہے جو اردو، فارسی، عربی ہر زبان میں موجود ہیں، مولانا ابراہیم دکنی کا عربی مرثیہ بہت پر درد اور پر اثر ہے، اس کے بعض اشعار یہ ہیں،

الی احمد اباد احن تشوقا — یحب الذی اھواہ قلبی تفاخرا

فذاک وجیہ الدین ذوالجاہ والعُلیٰ — عواہ لطلاب الھدایۃ مقصد

وھادٍ الی نحو الرشاد مرشد[2]

مشہور شاعر والی گجراتی نے بھی متعدد قصیدے ان کی شان میں تحریر کئے ہیں جن میں سے ایک بند مندرجہ ذیل ہے،

اے تو ہے آفتاب عالم تاب — فیض تیرے سے جگ ہے مقصد یاب

دل ترا کان علم و بحر عمل — ہر معانی ہے اس میں در خوش آب

روئے انور کی تیرے دیکھ ضیا — رشک سے آفتاب ہے بے تاب

متفق ہو کے عاشقاں نے کہا — دل کو تیرے جگت میں لب لباب

فکر تیری ہے آب دانش و ہوش — ہر گل عقل تجھ سے ہے سیراب

اے تو مجموعۂ فراست تام — دل ترا مطلب ہزار کتاب

تا قیامت گریز پا نہ رہے — تجھ محبت کی آگ سے سیماب

مانگتے ہیں مدد سے تجھ شہ کی — روز و شب چند رستم و دارب

۱؎ خلاصۃ الوجیہ قلمی ص۲ ۲؎ رشاد شرح ارشاد آپ کی تصنیف ہے، بطور تلمیح اس کا ذکر ہے،

اس زمانے مین بے گمان بے شک تجھ مین ہے سب طریقۂ اصحاب

اے امام جمیع اہل یقین

قبلۂ راستان وجیہ الدین

سیاسی امور جناب شاہ صاحب کی ۸۸ برس کی عمر مین وفات ہوئی، اور اس عمر مین دس گیارہ بادشاہون کا عہد پایا، ساٹھ برس کی عمر تھی جب سلطان محمود بیگڑے نے وفات پائی، زمانہ کی ۲۲ بہارین جب آپ نے دیکھین تو سلطان مظفر دوم چل بسا، اور اسی سال سکندر گجراتی مقتول، اور محمود دوم معزول ہوا، ۳۰ سال کی عمر مین سلطان بہادر گجراتی کو سمندر مین ڈوبتے ہوئے دیکھا، دہلی کے ہمایون بادشاہ اور سلطان محمد فاروقی (خاندیس) کی چند روزہ بہار بھی آپ کی نظرون سے گذری، ۱۸ سال کے دور مین سلطان محمود ثالث کو زہر کیکر میٹھی نیند سوتے ہوئے دیکھا، جب آپ نے عمر کی ۸۵ منزلین طے کین تو سلطان احمد ثانی کو سابرمتی کے کنارے مردہ پڑا پایا، دنیائے فانی کی خزان ستر موسم گذر نے پر سلطان مظفر سوم ایک قیدی کی حیثیت سے اکبر کے دربار مین کھڑا نظر آیا، اور اس صدی کے اختتام پر اکبر کے جاہ وجلال کا بھی نظارہ کیا، آپ نے اس علم وفضل اور کثیر مقلدین ومریدین کے باوجود کبھی کسی سیاسی کام مین دخل نہین دیا، اور نہ حکام اور عمال سے ملنے کی کوشش کی، آپ کے آخری عمر مین اسقدر جلد جلد سیاسی انقلابات برپا ہوئے اور انسانی خون کو جس طرح بیدریغ بہتے ہوئے ملاحظہ فرمایا، قدرتی طور پر آپ اس سے بے حد متأثر ہوئے ہونگے، اور دنیا کی اس بے ثباتی نے تصوف مین جو رنگ آمیزی کی ہوگی اس کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جو اس بادۂ عرفان کا جرعہ کش ہو، تاہم ظاہر بینون کے لیے شرح کلید مخازن، اور شرح جام جہان نما ایک ایسا مصفا آئینہ ہے جس مین اسکی جھلک بآسانی دیکھی جا سکتی ہے،

اخلاق وعادات اخلاق کے لحاظ سے بھی آپ کی ذات اپنے ہمعصرون سے بہت ارفع تھی، تقوی آپ کا خاص شعار تھا، ورشتبہ امور سے پرہیز کرنا گویا آپ کی فطرت تھی آپ احتیاط کے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہین دیتے تھے چاہے کسی قدر بھی تکلیف اٹھانی پڑے،

تقوی | اسی سبب سے آپ اپنی غذا خود محنت سے حاصل کرتے، اور اپنے والد ماجد کے یہان کھانے سے احتیاط رکھتے تھے، عرصہ کے بعد آپ کے والدین کو اس معاملہ کی خبر ہوئی، اور والد کے استفسار پر آپ نے عرض کیا کہ آپ قاضی مین، اور بہت ممکن ہے کہ ملازمین آپ کے لین دین مین مشتبہ امور کا خیال نہ کرتے ہون، قاضی صاحب نے کہا کہ مین ہمیشہ تقوی کیساتھ زندگی بسر کرتا ہون، اور ہر معاملہ مین کمال احتیاط رکھتا ہون، اور غالبًا اسی کا صلہ ہے کہ تمھارا جیسا نور عین خدا نے مجھے عنایت فرمایا، جو میرے ہی طرح کمال محتاط ہے،

حق گوئی | آپ مین حقگوئی کا مادہ بھی بہت تھا، اور کبھی کبھی اس کے سبب سے بڑے بڑے خطرہ مین مبتلا ہوجانا پڑتا تھا، اکثر اوقات لوگ اپنی امانتین آپ کے پاس رکھ جاتے اور بوقت ضرورت لیجاتے، اس طرح آپ کے مکان مین قیمتی امانتون کا خزانہ جمع ہوگیا تھا، ۹۴۱ھ مین ایک عجیب واقعہ ظہور پذیر ہوا، اس محلہ مین ایک مفلس مغل رہتا تھا جس کی ملاقات اسی خانوادہ کی کسی خادمہ سے تھی، ایک دن اس خادمہ نے اس راز سے آگاہ کردیا، اس مغل نے کوتوال شہر کو اس شرط پر بتانے کا وعدہ کیا کہ اس مین سے کوئی حصہ اس کا بھی مقرر کیا جائے، کوتوال شہر نے اپنے وزیر ونائب میر علاء الدین کو تحقیقات کے لیے بھیجا جس نے مکان سے قیمتی موتی، بہترین جواہرات، مرصع زیورات اور بے شمار سونے کے سکے برآمد کئے، واپسی کے وقت جناب شاہ صاحب کو اپنے گھوڑے کے آگے پیدل دیوان تک لایا، اور گھوڑے کے تیز چلنے سے آپ کو بھی بہ تکلف تیزی سے قدم بڑھانے پڑتے، عوام اور خواص نے آپ کی اس تکلیف کو محسوس کیا، دیوان مین بڑے بڑے امرار موجود تھے، جن کو مطلق اس واقعہ کی اطلاع نہ تھی، چنانچہ جب مجلس کے کنارے جناب شاہ صاحب پہونچے تو سید میران بخاری، میرزا مقیم، سید جیو عبدالرحمن، اور شاہ ابو تراب شیرازی وغیرہ تعظیمًا سب کھڑے ہوگئے اور ان کو دیکھکر تمام امرائے مغل نے بھی تقلید کی، سید میران بخاری نے جو شاہ صاحب کو اس حال مین دیکھا، تو غیرت سے عرق عرق ہوگئے، پھر جو اصل حقیقت معلوم ہوئی تو غصہ سے شیر کی طرح بپھر پڑے، غصہ سے چہرہ کا رنگ اس قدر متغیر تھا کہ لوگون نے محسوس کیا، جب جناب شاہ صاحب سے حاکم نے سوالات کرنے کا ارادہ کیا تو سید مذکور آپ کے بغل مین آکر بیٹھ رہے، تاکہ بوقت ضرورت ہر طرح کی مدد کرسکین، ان حالات کو دیکھکر

حاکم نے بھی صرف ایک سوال پر اکتفا کیا کہ منادی نے شہر بھر میں جو ڈھنڈورا پیٹا، کیا اس کی خبر آپ کو نہیں ملی" مطلب یہ تھا کہ سرکار کی طرف سے عام طور پر مشتہر کر دیا گیا تھا کہ کوئی باغی کو پناہ نہ دے اور نہ اس کی مدد کرے، اور نہ اس کا مال و اسباب اپنے پاس رکھے، بلکہ اس قسم کا تمام مال سرکاری خزانہ میں داخل کرے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ "اول تو مجھکو اس کا علم نہیں ہے، اس کے علاوہ شریعت میں یہ جائز نہیں ہے کہ امانت کو ظاہر کر کے ضائع کیا جائے"

حاکم نے اس جواب کے بعد آپ کو رخصت کر دیا، سید حامد بخاری اپنی خاص سواری پر آپکے ساتھ مسجد تک تشریف لائے اور کچھ دیر بیٹھ کر آپ کو تسلی و تشفی دیتے رہے، اور پھر رخصت ہو کر واپس گئے، جناب شاہ صاحب کا قلب اس ناگوار واقعہ سے کئی دن تک مضطرب رہا، اور درس ملتوی کر دیا[1]، حالانکہ تدریس کا کام عمر بھر میں کبھی ناغہ نہیں ہوا تھا

مصنف ظفر الوالہ اس واقعہ کے بعد لکھتا ہے کہ ایک نیک بخت آدمی سے کسی نے کہا کہ تمہارا لڑکا گر گیا، یہ سُن کر اس نے بڑا واویلا مچایا، لوگوں نے اس کی تسلی کیلئے کہا کہ وہ بہت اونچے سے نہیں گرا ہے، تب اس نے کہا کہ اگر وہ بہت اونچے سے بھی گرتا تو مجھے اتنی پرواہ نہیں ہے، میں تو سمجھا کہ کسی اہل اللہ کی نظر سے گر گیا، یہی حال اس واقعہ میں ہوا کہ وزیر میر علاء الدین کچھ ہی دنوں کے بعد اسی حاکم کے ہاتھ سے رسی سے بندھوا کر مارا گیا، اور وارثوں کی فریاد پر خود حاکم قصاص میں قتل ہوا، اور مرزا عزیز کوکلتاش ملقب بہ خان اعظم جو اس صوبہ کا حاکم اعلیٰ تھا معتوب سلطانی ہو کر ایک باغ میں گوشہ نشین ہوا،

اسی طرح جب ۹۸۰ھ میں چنگیز خان (جو عماد الملک کا لڑکا تھا، اور عماد الملک امرائے محمودی میں سے تھا) نے محرم کی رسم بخلاف سلاطین ماضیہ کے سرکاری طور پر منائی، اور ہر قسم کی بدعتیں جاری کیں، اور سیاہ ماتمی لباس زیب تن کر کے سر و پا برہنہ تعزیہ کے ساتھ بازاروں میں گشت لگایا، تو باوجود اس کے کہ تمام سادات، علماء اور امراء نے اس کو سخت ناپسند کیا، اور عوام نے اس کو بہت ہی برا سمجھا، مگر کسی کی ہمت نہ پڑی کہ اس کے خلاف زبان کھولے، جناب شاہ صاحب ہی وہ شخص تھے جنھوں نے عوام و خواص کی ترجمانی کر کے صدائے احتجاج بلند کی، اور چونکہ

[1] ظفر الوالہ بمظفر و آلہ ج ۲ ص ۶۰۵ م لندن،

اس وقت احمد آباد میں سوائے الغ خان کے کوئی امیر با اثر نہ تھا، اس لیے الغ خان کے پاس آدمی بھیجکر اس کی شکایت کی، چنانچہ دوسرے ہی مہینہ چنگیز خان کا کام تمام کر دیا گیا[1]

رحم | جناب شاہ صاحب بڑے رحم دل تھے، جب کبھی ایسا واقعہ پیش آتا جہاں آپ کچھ کر سکتے تو ہرگز دریغ نہ فرماتے، ایک دفعہ اتفاقاً ایک جگہ سے گذرے، دیکھا ایک قیدی کو قتل کے لیے لیجارہے ہیں، اس نے آپ سے رہائی کے لئے التجا کی اور اسکی حالت کو ملاحظہ کرکے آپ نے لوگوں سے تحقیقات کرائی معلوم ہوا کہ واقعی یہ شخص بے گناہ ہے، اور در اصل مجرم کوئی دوسرا ہے، چنانچہ آپ نے فوراً بادشاہ وقت سے سفارش کی اور بادشاہ نے یہ کہکر فوراً رہائی کا حکم صادر فرمایا کہ یہ شخص تو بے گناہ ہے، اس کو تو رہا ہونا ہی چاہئے لیکن اگر آپ مجرم کی سفارش فرماتے، تو بھی میں رہا کر دیتا،

مظلوم کی دادرسی | چونکہ آپ فطرۃً رحمدل واقع ہوئے تھے، اس لیے جب کوئی مظلوم نظر سے گذرتا اور آپ اسکی مدد فرما سکتے ہوں تو کبھی دریغ نہ فرماتے، اور حتی الامکان اس کے ساتھ سلوک کرنے اور اسکی حاجت روائی میں سعی بلیغ فرماتے، ایک مرتبہ کچھ غریب عورتیں آپ کے پاس حاضر ہوئیں اور فریاد کی کہ میرے کچے مکانات حکام گرا دینا چاہتے ہیں، ہم غریب پکے عالیشان مکانات کیونکر تعمیر کریں، آپ نے تمام حالات سنکر ایک خط بادشاہ وقت کو لکھا، جس کو دیکھ کر بادشاہ نے ان مکانات کو شاہی خرچ سے پختہ تعمیر کرا دیا، اسی طرح جب چنگیز خان نے طوائف الملوکی سے فائدہ اٹھا کر ۹۷۶ھ میں احمد آباد پر قبضہ کر لیا اور دولت و سلطنت سے مخمور ہو کر حرم سلطانی پر دست درازی کرنی چاہی، اور بیگمات نے حضرت شاہ صاحب سے فریاد کی تو چونکہ اس وقت کوئی کسی کی سنتا نہ تھا، اور ہر امیر کوس لمن الملک بجا رہا تھا، اس لئے دفع ظلم کے واسطے بادشاہ حقیقی سے دعا فرمائی جو فوراً مستجاب ہوئی، چنگیز خان چندہی دنوں کے بعد مارا گیا، اور مظلوموں نے نجات پائی،

سلاطین کی عقیدت | اس خانوادہ سے سلاطین اور امرا کو ہمیشہ سے عقیدت رہی، سلطان محمود بیگڑہ نے آپکے والد ماجد کو چاپانیر کا قاضی بنایا، اور اس کے لڑکے سلطان مظفر حلیم نے محض فرطِ عقیدت کے باعث چاپانیر سے

[1] ظفر الوالہ بمظفر والہ جلد ۲ صفحہ ۵۱۲ م لندن،

ساتھ لاکر اپنے محل شاہی کے پاس ہی قیام کرنے کو جگہ عنایت کی، اس کی وفات کے وقت آپ کی عمر ۲۲ سال کی تھی اور طلب علم مین مصروف تھے، بہادر شاہ گجراتی نے بھی بارہا دعاے خیر کی التجا کی،

سلطان محمود ثالث متعدد مرتبہ حاضر خدمت ہو کر شرف قدمبوسی حاصل کر چکا تھا اسکے حسن عقیدت کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ جناب شاہ صاحب نے چند مظلومہ کی فریادرسی کے بابت ایک خط سلطان محمود ثالث کو لکھا، اس نے تعمیل ارشاد کے بعد حکم دیا کہ اس خط کو محفوظ رکھو اور بوقت تدفین میرے سینے پر رکھا جائے، شاید یہی نجات کا باعث ہو،[1]

سلطان مظفر سوم جو گجرات کا آخری بادشاہ ہے متعدد بار حضرت شاہ صاحب کی خدمت مین حاضر ہوتا رہا، بلکہ بعض لوگون نے تو یہان تک لکھا ہے کہ تخت نشینی کے وقت اس کی کمر مین تلوار آپ ہی نے باندھی تھی،[2]

اکبر بادشاہ جب گجرات آیا ہے تو باوجود اس کے کہ حاسدون نے آپ کی طرف سے بادشاہ موصوف کو بدظن کرنے مین کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تھا، پھر بھی آپ سے ملنے کے بعد آپ کا بیحد احترام کیا، اور خصوصاً چند مذہبی سوالات کرنے پر جو شافی جواب اس کو دیا گیا، اس سے تو بہت ہی خوش ہوا، اکبر کے بعد جب جہانگیر تخت نشین ہوا، اور بغرض تفریح احمد آباد آیا، تو خصوصیت سے تین جگہ بغرض فاتحہ خوانی گیا، شاہ عالم صاحب کے مقبرہ پر، سرکھیج شیخ احمد کھٹو کے مزار پر، اور جناب سید شاہ وجیہ الدین صاحب کی درگاہ پر،

امراء دولت بھی ہمیشہ آپکے عقیدتمند رہے، الغ خان جو آخری تاجدار گجرات سلطان مظفر سوم کے امراء مین سے تھا، آپ سے بڑی عقیدت رکھتا تھا، چنگیز خان کی ماں بھی آپ کی ارادتمند تھی، اکثر اوقات بیش قیمت چیزین آپ کے یہان امانت رکھوا دیتی تھی، اور وہ برسون آپ کے پاس رہتی تھین، اسی طرح شیر خان بن اعتماد خان گجراتی وزیر

---

[1] شاہ عباس صفوی ایران مین بڑے دبدبہ کا بادشاہ گذرا ہے، اس کے عہد مین ایران کے مجتہد اعظم جو بڑے متقی اور دربار سرکار سے الگ رہنے والے تھے، انھون نے بھی ایک دفعہ اسی طرح کسی مظلومہ کی فریادرسی کے لیے ایک خط تحریر فرمایا تھا تعمیل ارشاد کے بعد شاہ موصوف نے بھی یہی حکم دے رکھا تھا، اور فخریہ طور پر شاہ سبکو خط کا عنوان دکھلاتا کہ مجھکو برادرم لکھا ہے، [2] مگر کسی تاریخ مین یہ واقعہ میری نظر سے نہین گذرا، بلکہ یہ کام سید مبارک ظاہری نے کیا ہوگا،

سلطان مظفر سوم کا بھی آپ پر بڑا اعتماد تھا، اور بارہا اس نے بھی بیش قیمت امانت آپ کے پاس رکھوائی، عہد اکبری میں خان اعظم اور خانخانان مرزا عبدالرحیم آپ کا ادب کرتے تھے، بلکہ کہا جاتا ہے کہ خانخانان نے کچھ کتابیں بھی آپ سے پڑھیں، اور آپ سے ترقیِ مراتب عالیہ کی لئے استدعا کی، چنانچہ آپ نے اس کے لیے دعا فرمائی، آپکی رحلت کے بعد امرا اکبری میں سے صادق خان نے جس کو آپ سے بڑی عقیدت تھی آپ کے مقبرہ کی عمارت بنوائی، عہد جہانگیری کا مشہور امیر شیخ فرید خان المخاطب بہ مرتضیٰ خان نے قبر کے اوپر کی چھتری تیار کرائی،

مسلۂ تکفیر | علما کا دلپسند اور قدیم شغل تکفیر ہے، جناب شاہ صاحب کے عہد میں بھی اس شغل کا شوق پیدا ہوا، چنانچہ بعض لوگوں نے جناب سید محمد غوث گوالیاری کے متعلق بھی کفر کا فتوی شائع کیا، اور ایک خاص محضرنامہ آپ کے قتل کے لیے تیار کرکے بادشاہ کے سامنے پیش کیا، لیکن جناب شاہ صاحب نے نہ صرف یہ کہ اس پر دستخط نہیں کئے بلکہ اس قسم کی تکفیر کی سخت مخالفت کی، اور اس مسئلہ پر مفصل ایک رسالہ تحریر فرمایا، چھوٹی تقطیع پر بیس صفحے کا قلمی رسالہ ہے، جس میں ابتداءً فقہی کتابوں سے مسئلۂ تکفیر پر روشنی ڈالی ہے، پھر احادیث سے سنداً اسکو مشرح بیان کیا ہے، آخر میں صوفیاے کرام کے احوال سے بحث کی ہے کہ حالتِ سکر میں جو کہہ جاتے ہیں وہ قابل مواخذہ نہیں ہوتا، اور اس کی متعدد مثالیں دی ہیں، پھر سید محمد غوث گوالیاری کی کتاب "اوراد غوثیہ" پر لوگوں نے جو اعتراضات کئے تھے ان کا جواب دیا ہے، اس کے علاوہ ہزاروں فتوے آپکے قلم سے نکلے مگر کسی فتوی میں آپ نے اس طرف اشارہ نہیں کیا، آپ کا ارشاد یہ تھا کہ کسی شخص میں ننّو باتوں میں سے ایک بات بھی اسلام کی ہو تو اس کو مسلم سمجھو اور کسی کلمہ گو اہل قبلہ کو کافر نہ کہو،

خوشامد | یہ بھی نظام طبعی کا ایک جزو ہے کہ جب کوئی شخص علو ہمتی سے بلند مرتبہ پر پہنچتا ہے تو کچھ لوگ اس کے مخالف اور کچھ خوشامد کرنے والے پیدا ہو جاتے ہیں، جناب شاہ صاحب کے عہد میں بھی یہ دونوں فرقے موجود تھے، مخالفوں نے تو آپ کو اکبر اعظم کے دربار تک بہ حیثیت ایک مجرم کے بلوایا، اور خوشامد کرنے والوں کی آنکھوں نے

لہ ظفر الوالہ ج ۲ ص ۶۰۵ م لندن،

آپ کی ذات میں خداوند تعالیٰ کا جلوہ دیکھا، چنانچہ ایک صاحب تشریف لائے اور آپ سے مل کر برجستہ یہ شعر پڑھا

نمی دانم کہ این ذات وجیہ الحق والدین است کہ یا ذات خداوند تعالیٰ صورت این است

جناب شاہ صاحب نے اس سے فرمایا کہ "حال بدست آرد واین قال را بگذارد" کاش آج کل کے صوفیا و مرشدین بھی اپنے مریدین کو اسی قسم کی تعلیم دیا کریں تو بے اعتدالی سے مسلمان اکثر واقعات محفوظ رہیں

شاعری بہت کم لوگ ہونگے جن کو اس کی واقفیت ہوگی کہ جناب شاہ صاحب شاعر بھی تھے، "وجیہی" تخلص کرتے اور فارسی میں کہتے تھے، رنگ وہی صوفیانہ والہانہ ہے، کوئی دیوان تو اس وقت تک دستیاب نہیں ہوا ہے لیکن متفرق بیاضوں میں منتشر کلام ملتے ہیں چند شعر نمونہ کے لئے درج ذیل ہیں۔

کے بگرد ما رسد ہر صعوہ شاہ باز عرش پروازیم ما
سر وحدت راز بان دیگر است با مسیح و خضر ہمرازیم ما

سر دہم در گریہ چشم اشکبار خویش را بر کنم از سختی دل ہر دم کنار خویش را
دل اگر بیگانہ شد از بیوفا برما چہ جرم آدمی نشناسد ار پروردگار خویش را
تا رساند بر سر کوے تو گرد من نسیم در رہ باد صبا ریزم غبار خویش را

اردو کلام آپ کی بیشتر تصانیف تو عربی زبان میں ہیں اور کمتر فارسی میں، عدالت اور شاہ وقت کی زبان فارسی ہونے کے باعث علما اور شرفا بھی فارسی ہی میں باتیں کرتے تھے، چنانچہ شاہ صاحب کے اہل خاندان بھی اسی زبان کے پابند تھے، لیکن بوقت ضرورت ملکی زبان بھی استعمال کرتے تھے، جناب شاہ صاحب کے اس قسم کے کلمات بکثرت ملتے ہیں، ایک موقعہ پر آپ نے فرمایا "کیا ہوا جو بھوکوں موا، بھوکے موے سے کیا خدا کو امر یا (پایا) خدا کے امر نے کی استعداد اور ہی ہے" ایک دفعہ ارشاد ہوا "میں کدھاں دکھاں (ریاضت کیتی)" کسی نے کہا کہ دنیادار کے مکان پر نہ جانا چاہیے تو آپ نے فرمایا "کاہے دنیادار بھی آپس ہیں" ایک مرتبہ فرمایا "طالب کشف نہ ہو،

اپنے کو کیا کشف ہو یا نہ ہو، یہ اس کا کام ہے، ہمارا کام تو مشغول رہنا ہے نہ کہ منتظر کشف"۔ ایک بار فرمایا "اس سے
اور کیا خوب ہے کہ اس دنیا میں یہ دل خدا سے مشغول ہو" کسی نے سوال کیا عارف کسے کہتے ہیں، جواب دیا جو
خدا سے بھریا، حق تعالیٰ کیطرف سے فرماتے ہیں" کہ ہون رمین حکیم ہون، عادل ہون، میرے علم میں یہی آیا
کہ تم عاصی ہوگے کیا میرا علم سابق پھرے" ریاضت کے متعلق ایک شخص کے جواب میں کہتے ہیں کہ "تمھاری بلا
ریاضت کرے تم کو اتنا کافی ہے کہ نیم شب بیدار رہو" ایک شخص کشف کا طالب ہے اس کو ارشاد ہوتا ہے کہ
" یا نفس کے مزہ کی خاطر کشف و کرامات چاہیے، واہ واہ خوب خدا کے طالب ہو" (باقی)

سیر الصحابہ

جلد ششم

اس میں امیر معاویہؓ، حضرت امام حسنؓ امام حسینؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کے حالات سوانح اخلاق وفضائل اور ان کے سیاسی مجاہدات وکارناموں اور اختلافات کی پوری تاریخ ہے،

ضخامت ۳۰۲ صفحے، قیمت :۔ ہے

مہاجرین جلد اوّل

ابتدا میں ایک مقدمہ ہے جسمیں قریش اور مہاجرین کے دوسرے قبائل کی زمانہ قدیم سے لیکر فتح مکہ تک اجمالی تاریخ ہے، اور خلفاے راشدین کے علاوہ بقیہ حضرات عشرہ مبشرہ اور ۳۸ اکابر مہاجرین صحابہ کے حالات سوانح اور اخلاق وفضائل ہیں، ضخامت ۴۲۹ صفحات قیمت :۔ للعہ

"منیجر"

سعدی کا "سرائے اغلمش"

از

سید سلیمان، ندوی

ایک مدت سے کاوش تھی کہ شیخ سعدی نے گلستان کے پہلے ہی باب میں جس اغلمش کا ذکر کیا ہے، اس سے کون سا بادشاہ مراد ہے، اور وہ کہاں فرمانروا تھا، اور آیا یہ کوئی فرضی ہستی ہے یا کوئی تاریخی شخصیت ہے، اتفاق سے ہمارے مخلص کرمفرما اور فاضل صاحبِ قلم مولوی اعجاز حسن خانصاحب نے ان دنون شیخ سعدی پر جو دو مضمون معارف مین لکھے، تو اس نیک فال نے مدت کی کاوش و کاہش کو دل سے نکل جانے کا موقع دیا، اور "سرائے اغلمش" کا سراغ پالیا،

شیخ سعدی نے گلستان کے پہلے باب مین ایک حکایت لکھی ہے،

"سرہنگ زادہ را دیدم بر درِ سرائے اغلمش کہ عقل و کیاست و فہم و فراست زائد الوصف داشت، ہم از عہدِ خردی آثارِ بزرگی در ناصیہ او پیدا،

بالائے سرش ز ہوشمندی   می تافت ستارۂ بلندی،

فی الجملہ منظورِ نظرِ سلطان آمد کہ جمالِ صورت و حسنِ معنی داشت، خردمندان گفتہ اند، توانگری بہ دل است نہ بمال، بزرگی بہ عقل است نہ بسال، ابنائے جنس بر منصبِ او حسد بردند و بخیانتی متہم کردند، و در کشتن او سعی بیفائدہ نمودند ع، دشمن چہ کند چو مہربان باشد دوست، ملک پرسید کہ موجبِ خصمی ایشان

ندہ حق تو جیست، گفت در سایہ دولت خداوندی دام ملکہ ہمگنان را راضی کردم مگر حسود ان کہ راضی نمی

شوند الا بزوال نعمت من و بہ دولت خداوند کہ باقی باد، الخ

مشہور شاہی خاندان کے ناموں کی فہرست میں اغلمش کوئی نام نظر نہیں آتا، اس لیے بعض صاحبوں نے فرضی نام قرار دیا، بعض خوش فہم انگریز فاضلوں نے اس کو التمش (سلطان دہلی) کے نام کی تحریف سمجھکر شیخ کے شمالی ہندوستان میں آنے کی داستان گڑھی گری ہے،

مولانا حالی حیات سعدی میں لکھتے ہیں:-

"صاحب موصوف (سرگور اوسلی) یہ بھی لکھتے ہیں کہ شیخ کو چار دفعہ ہندوستان آنے کا اتفاق ہوا ہے، از انجملہ ایک دفعہ پٹھان اغلمش کے وقت میں، اور دو دفعہ خاص امیر خسرو سے ملنے کو دہلی میں آیا ہے ہمارے نزدیک (یعنی مولانا حالی کے نزدیک) یہ مضمون بالکل بے سروپا ہے، اغلمش کوئی بادشاہ ہندوستان میں نہیں ہوا، شاید سلطان التمش کے دھوکے میں اغلمش لکھا گیا، بیشک شیخ نے اغلمش کا ذکر گلستان میں ایک جگہ کیا ہے جہاں یہ لکھا ہے کہ "سرہنگ زادۂ را بر در سرائے اغلمش دیدم" مگر ہندوستان میں کوئی اغلمش یا سرائے نہیں سنی گئی، سعدی اور امیر خسرو کی ملاقات بھی ثابت نہیں ہوتی۔"

(صفحہ ۲۹ مفید عام آگرہ)

ساتویں صدی کے آغاز میں سلجوقی سلطنت کا شیرازہ درہم برہم ہو چکا تھا، ملک کے اکثر حصوں پر گو خوارزم شاہیوں کا قبضہ تھا، مگر ایران اور ملحقات ایران سے لیکر بغداد تک مختلف امیروں اور بادشاہوں کی سرداریاں یا بادشاہیاں تھیں، جو اکثر اتابک کہلاتے تھے، جو پہلے سلجوقی امراء کا خطاب تھا، اور در اصل یہ سب ترکی غلام تھے جو تربیت پاکر اس منصب کو پہنچے تھے، ان اتابکوں میں اتابکان شیراز زیادہ مشہور ہیں جنکے ناموں کو سعدی کی نسبت نے زندۂ جاوید بنا دیا ہے،

ہمدان و اصفہان وری پر اینغمس نام ترکی غلام فرمانروا تھا، آذربائیجان پر ابوبکر بن پہلوان حکمران تھا، ملکی

نام ایک ترک غلام نے سنہ ۶۰۸ھ میں ایتغمس کے خلاف کامیاب بغاوت کی، ایتغمس بھاگ کر بغداد چلا گیا خلیفہ نے سنہ ۶۰۸ھ میں اسکو ہمدان کی حکومت پر نامزد کیا، ایتغمس نے ہمدان کا رخ کیا، راستہ میں اس کو منگلی کے دوستون نے قتل کر ڈالا، خلیفہ کو اسکی یہ گستاخی سخت ناگوار ہوئی، اس نے آذربیجان کے بادشاہ اوزبک بن پہلوان، اور جلال الدین اسماعیلی حاکم الموت کو لکھا کہ خلیفہ کے لشکر کے ساتھ مل کر وہ منگلی کا خاتمہ کر دیں، اور اس کا ملک تینوں فاتحوں پر تقسیم کر دیا جائے، منگلی نے شکست کھائی، اور اس کا ملک تقسیم ہو گیا، یہ واقعہ سنہ ۶۱۲ھ میں پیش آیا،

اوزبک بن پہلوان شاہ آذربائجان کے بھائی کا ایک لائق غلام **اغلمش** نام تھا، جو سلطان علاء الدین محمد خوارزم شاہ کے پاس گیا تھا، وہ اسی وقت وہاں سے واپس آیا تھا، اور اس لڑائی میں اس نے دلیرانہ حصہ لیا تھا، اس لیے اوزبک بن پہلوان نے اپنے اور خلیفہ کے مفتوحہ حصۂ مملکت پر اس کو حکمران بنا دیا،

اغلمش سنہ ۶۱۲ھ میں بادشاہ بنا، اسکی مملکت کے مقامات ہمدان و اصفہان و ری وغیرہ بلاد جبل تھے، اغلمش نے سلطنت پا کر سلطان علاء الدین محمد بن تکش خوارزم شاہ کے نام کا خطبہ پڑھا، اور صرف دو برس حکومت کی، سنہ ۶۱۴ھ میں باطنیہ کے ہاتھ سے مارا گیا، سلطان نے خود براہ راست اس ملک پر قبضہ کرنا چاہا، اور ادھر سے شیخ سعدی کے بادشاہ اتابک سعد بن زنگی شاہ شیراز اسکو اپنے قبضہ میں کرنے کے لیے چلا، اور اسی کشمکش میں اتابک سعد اور سلطان خوارزم شاہ کی فوجوں میں لڑائی ہوئی اور اتابک نے گرفتار ہو کر رہائی پائی،

اس تفصیل کے بعد یہ واضح ہو گیا کہ اغلمش اصفہان و ہمدان و ری کا بادشاہ تھا، اور دو برس حکومت کی اس کا پایہ تخت غالباً ہمدان تھا، شیخ نے سنہ ۶۱۰ھ اور سنہ ۶۱۲ھ کے بیچ میں اثنائے سیاحت میں اغلمش کے قتل کے بعد اس پر ہنگ زادہ کو دیکھا تھا، اور یہ بھی معلوم ہے کہ سرائے اغلمش کسی کاروانسرای یا مسافرخانہ کا نام تھا جیسا کہ مولنا حالی مرحوم کو شبہہ گذرا ہے

"یا سرائے اغلمش نہیں سمجھی گئی"۔ (حیات سعدی ص۱۲۴)

بلکہ اغلمش بادشاہ اصفہان و ہمدان و ری کا خاص محل مراد ہے،

واقعات محولہ کے لیے کامل ابن اثیر میں سنین ۶۰۸ھ و ۶۱۰ھ و ۶۱۱ھ و ۶۱۴ھ ملاحظہ کیجیے،

تلخیص و تبصرہ

ہندوستان کا ایک نقش

ذیل کا مضمون علیا حضرت سلطانہ دُرِّشہوار بیگم شہزادہ ولی عہد بہادر مملکت آصفیہ نے گذشتہ سفر یورپ کے زمانہ مین بزبان انگریزی تحریر فرمایا اور سوئٹسان (سوئزرلینڈ) کے مشہور جریدہ داوسر ریویو مین چھپا تھا، علیا حضرت کی اجازت سے اس کا اردو ترجمہ رسالۂ معارف کے واسطے حاصل کیا گیا ہے، کہ ہندوستان کے تعلیم یافتہ مسلمانون کو اس جلیل القدر ترک شاہزادی کے پاکیزہ مذاق اور افکار عالیہ سے آگہی کا موقع ملے، اور وہ یہ بھی اندازہ کر لین کہ اس عالی دماغ وعالی نژاد سلطانہ کو اپنے نئے وطن (ہندوستان) سے کس درجہ محبت اور دلچسپی پیدا ہو گئی ہو،

"سرزمین ہندوستان ہر شخص کی خیال آفرینی کو تحریک مین لے آتی ہو، اپنی اصلیت کے سوا وہ ہر حیثیت سے مشہور ہے، وہ مجسم داستان پریون کی کہانی یا خواب ہے، جسے انسانی دماغ فرصت کے وقت بہتر سے بہتر بناتا رہتا ہو، وہ ایک ملک ہو، جسے مغربی تصور نے حیرت انگیز اور بے جان طلسم کی صورت بخشی ہے، اسکا وجود تو ہے مگر زندگی نہین، لفظ ہندوستان مین آہنگ ہے مگر معنویت نہین، سرسبزی ہے مگر گہرائی نہین، اوسے چند خصوصیتین ضرور حاصل ہین، وہان گاندھی نے جنم لیا، وہان سانپ رہتے ہین، شیرون کا شکار ہوتا ہے، اور زیور پہنے ہوئے راجاؤن کو ہاتھی لئے لیے پھرتے ہین،

لیکن حقیقت یہ نہین ہے، ہندوستان کے بارے مین اس طلسم کو توڑنے سے میرا مطلب یہ نہین ہو، کہ اوسکی خوبیان نظر انداز ہو جائین مین چاہتی ہون کہ ان افسانون سے الگ کرکے اوسکی اصل تصویر دکھادون،

ہندوستان محض نام نہیں بلکہ زندگی بھی رکھتا ہو، اسمین رنگینی ہے شاعری ہے اور شاندار پر بہار لاتحلیل ماضی ہو جو صرف مشرقی ممالک ہی اپنا اندر رکھ سکتے ہیں، یہان گذشتہ زمانے کی نشانیان نہیں مٹتین، نہ ان میں تبدیلی ہوتی ہو، یورپ میں قدیم عمارت ایک خاص عہد کی بنائی ہوئی ہوتی ہین لیکن مشرق میں اس قسم کے نمونے گویا بنانے والون کی زندگی کا جزو لاینفک ہوجاتے ہین اور اون میں اس آدمی کا کردار، عزم، قوت زندگی سلیقہ نفاست پسندی اور بطون تک نظر آجاتا ہو جس نے انکو بنایا ہے، مذہبی عمارتون خصوصًا مندرون کو چھوڑکر جن کی قدر وقیمت بلحاظ فن معماری کچھ کم نہیں، وہ نہ صرف ایک عہد کو بتاتی ہین، بلکہ اپنے بنانے والے کی یاد کو بھی قایم رکھتی ہین، مشہور ومعروف تاج محل کو دیکھنے سے عام مسافر کو ایک بڑے آدمی کی محبت اور عالی رتبگی کا اندازہ ہوتا ہو، لیکن ایک صاحب نظر کے آگے بنانے والے کے اندرونی خیالات تک افشا ہوجاتے ہین، روضے کا ناقابل بیان سکون اور عظمت کی شان سلاطین گذشتہ کی فانی زندگی کو ایک غمناک شعور لافانی بنادیتی ہے، ایک دن ایک دوست نے مجھ سے کہا کہ روضہ اونکی نظرمین نہین جچا اور انھین شکایت تھی کہ اسمین جذبات زیادہ بھرے ہین لیکن ایسی چیزمین جذبات کی انتہا کیونکر ہوسکتی ہو، جو ایک محبت صادق کی یادگار ہو؟

قلعۂ دہلی اور اسی طرح قلعۂ آگرہ بھی معماری کا نفیس ترین نمونہ ہین اور اون کی نسبت کہا جاسکتا ہو، کہ وہ فن تعمیر کے عجائبات سے ہین، یہ وہ نیم ربانی آثار ہین، کہ نگاہ سے بڑھ کر دلون کو اپنی طرف کھینچتے ہین اون مین کوئی پرامن پسندیدہ اور ناقابل بیان چیز ہے، جو ہر دیکھنے والے مین اختلاف ذوق کے باوجود وجد پیدا کردیتی ہے، دیوان خاص کی مشرقی وضع کی کمانون سے خاموش فوارون اور لمبے دالان سے جس کے دریچے مین پھول بکھرے ہوئے ہیں، اگرچہ ان کا رنگ اڑگیا ہے، ایک عظمت کی شان پیدا ہو اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم سب سے بڑے تاجدار شاہجہان کے حضور مین باریاب ہین، اور اوس کا عہد حکومت خاموشی کے ساتھ ہماری آنکھون کے سامنے گذر رہا ہو،

یورپ کے آثار قدیمہ کے برخلاف ایشیائی عمارتین آرایش وتجمل کے مٹ جانیکے بعد بھی ایسی ویران وسوگوار نہیں ہوجاتین، جیسا کہ مثالًا قصروارسٹی ہے، کہ اوسے دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہون کا یہ باعظمت ووقار محل بہت پیشتر اپنے عروج کی منزل طے کرچکا، اور اگرچہ فوارے اب بھی اپنا راگ الاپ رہے ہیں اور گذشتہ زمانے کا منہ

چڑا رہے ہین لیکن وہ زمانہ نسیاً منسیا ہو چکا ہین نے مشرق مین ایسی حالت نہین دیکھی، گو عمارتین خاموش کھڑی ہین،
لیکن یہ خاموشی یک بیتیان بے موت نہین ہے، جب مین قلعۂ دہلی مین داخل ہوئی، تو مجھے محسوس ہوا کہ مین بالکل ایک
دوسری دنیا مین آگئی ہون، باغ بہت عمدہ حالت مین رکھا گیا ہی جس طرح سابق مین ہوگا، اور دیوان خاص مین (جس کا
ذکر ابھی کیا ہے) سے پہلے ایک چھوٹی مسجد ملتی ہے، جسے موتی مسجد کہتے ہین، یہ مسجد اردگرد کی رونیدگی مین فی الواقع ایک
گوہر درخشان ہی اور وس سے ندا اس مذہب کی پاکیزگی اور امن کا جلوہ نظر آتا ہی جس سے اس کا تعلق ہی،

یہ اور اسی قسم کی کئی عمارتین ایسی ہین کہ ہر ایک کے لئے یک مستقل مضمون کی ضرورت ہی، الورہ اور اجنٹہ کے غار
جو حیدرآباد سے قریب ہین، نہ صرف معماری بلکہ نقاشی کے لحاظ سے قدیم زمانے کی نایاب یادگار ہین جنکو دیکھکر عقل دنگ
رہ جاتی ہی، اسی طرح گولکنڈہ کے شاہی گنبد، بیجاپور کی جامع مسجد اور ابراہیم روضہ، سہسرام مین شیرشاہ کا مقبرہ، دہلی
کی جامع مسجد، لکھنؤ کا بڑا امام باڑہ، گوالیار مین محمد غوث کا مقبرہ، فتح پور سیکری مین اکبر اور عیسیٰ خان کے مقبرے، ارچھا، میسور
جے پور کے شاہی محل، اجمیر کی مسجد، حیدرآباد کی جامع مسجد، سری رنگا پٹم کی علا مسجد، لاہور مین جہانگیر کا مقبرہ، رامیشورم
اور مدورہ کے بڑے مندر، سری رنگم مین جمبوکیشورہ کا دیول، قلعہ گوالیار اور چتوڑ گڑھ کا سربلند مینار، کوہ آبو کا نیم ناتھ
مندر، پٹنہ مین جینیون کا مندر، سکھون کا سنہری گردوارہ وغیرہ وغیرہ نایاب عمارتین ہین، گویا صرف جواہرات یاقوت
الماس، موتی ہی ہندوستان کی دولت نہین، بلکہ فن معماری سے متعلق اشکال خیال کے اور خطوط کے بے بہا خزانے بھی
یہان بکھرے پڑے ہین،

ہندوستان کی ایک اور حیرت انگیز زندہ یادگار اس کا رنگ ہی، ہندوستان کی بیٹیان اس فن مین فطری
دستگاہ رکھتی ہین، بازار مین، گاؤن مین یا دلی پردہ مختلف رنگون مین نظر آتی ہین، اون کے سرخی مائل سیاہ یا شربتی نارنگی
یا ہلکا گلابی یا گہرے سرخ رنگ کا جوڑا ہوتا ہے، کسی قدر دور کیون نہ ہون وہ پہچانی جاتی ہین، پہلے اس طرح کیلے
رنگ پر نگاہ پڑتی ہے، اور پھر مین ٹھٹھک کے رہجاتی ہے، لپٹے ہوئے کپڑے مین سے جو اکثر پھٹا اور پیوند لگا ہوا ہوتا ہے
دو کاسے کے رنگ مین پاؤن دکھائی دیتے ہین، اون کی ہر حرکت مین ایک فطری موسیقی پوشیدہ ہے، مر حسن کے

پیچھے سیاہ بالون کا جوڑا بندھا ہوتا ہے، پانی کا برتن رہتا ہے اسکو وہ ایک ہاتھ سے تھامتی ہے اور دوسرا ہاتھ برابر وقفے
سے حرکت کرتا ہے. اس عورت مین جو باوجود غیر تعلیم یافتہ ہونیکے رنگ شناسی کے فن مین خداداد مہارت رکھتی ہے
سب سے حیرت انگیز چیز اسکی چال ہے، وہ ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کی کیون نہ ہو اسکی رفتار شاہانہ ہوتی ہے، اس کی یہ باقاعدہ
رفتار اوس کی دوسری اقوام کی بہنون کو متحیر کرتی ہے، اسمین ناقابل بیان خوبصورتی اور بے پایان توازن اور غرور
نظر آتا ہے.

اس غرور کا تجزیہ نہین کیا جا سکتا، اور چونکہ اس مین تصنع کا شائبہ نہین اس لئے یہ نہین معلوم ہو سکتا کہ
اسکی بنا کیا ہے البتہ خوبصورتی اور توازن کی وجہ ان کی موسیقی سے محبت ہے. یہ محبت آوازون کی فریفتگی سے نہین،
جو صرف کانون کو بھلی معلوم ہوتی ہے، بلکہ یہ اس قوم کی ذاتی اور امتیازی صفت ہے جو یہان کے جاہل سے جاہل
مین بھی بدرجۂ اتم موجود ہے، اس مین اور یورپ کی موسیقی مین کوئی مناسبت نہین، جن کے کان یورپ کی موسیقی سے
آشنا ہون اون کے سامنے اسکی تعریف یون کیجا سکتی ہے، کہ وہ ایک طویل راگ ہے، یہ راگ پہلے پہل تو ایک ہی
طرز کا معلوم ہوتا ہے جو اجنبی سامع کو ناگوار گذرتا ہے، لیکن کچھ مدت کے بعد وہ اپنے سحر سے تسخیر کرتا اور سننے والے کو
کو مست بنا دیتا ہے، اور پھر وہ سمجھنے لگتا ہے کہ یہ راگ پوشیدہ اور مخفی طور پر قوم کی تصویر کھینچ رہا ہے، اسکی یکسان سنا
ٹونی ایشیائی سرزمین کو ظاہر کرتی ہے جس سے مغربی اقوام نابلد ہین، ماضی وحال کے بہترین لکھنے والون کی
شاعری کا سرمایہ پاٹ دار برمانے والی آواز اور بعض اوقات بول، یہ تمام چیزین ان لوگون کی حالت بیان کرتی
ہین جو اگرچہ مذہب، فرقے، اور رسم و رواج کے لحاظ سے مختلف ہین لیکن یہی موسیقی اور وہ زمین جو اون کا مرزبوم
ہے انھین آپس مین متحد کئے ہوئے ہین، یہ موسیقی گو سمجھ مین نہ آئے، اپنا اثر کئے بغیر نہین رہ سکتی، الفاظ مین ہر شاعر کا
فلسفہ اور طریقۂ بیان الگ ہے لیکن سب کے سب ابہام مین گہرا تصوف مضمر ہے، جو وضاحت سے بالاتر ہے،

یہ مبالغہ نہ ہوگا اگر مین کہون کہ ملک ہندوستان قدیم و جدید حقیقت اور افسانہ، عظمت رفتہ اور جدید
ترقی کا سنگم ہے. میرے اس مختصر بیان سے ناظرین کے ذہن مین صرف جگمگاہٹ، رنگ، حیرت انگیز عمارات اور

شاندار ماضی کا (جس کی دلکشی ہنوز باقی ہے) تصور قایم ہوگا، لیکن اس مین شک نہین کہ ایک چیز اس ملک اور اوراس کے مذکورۂ بالا تصور سے الگ بھی ہے، اور وہ جدید ترقی ہے بغیر دیکھے یہ سمجھ مین نہین آتا کہ کس قدر نئی ایجادات واختراعات سے اس ملک نے استفادہ کیا، اور کس حد تک اس ملک کے باشندون نے انھین قبول کرلیا ہے، بڑے شہرون مین بہترین جدید سڑکین، عمارتین، مکانات، دوکانین، آئین وعادات نظر آئین گے، اور اون کے ساتھ ساتھ رنگ، بھڑک، اور نظر فریبی بھی جو ایک مشرقی ملک کا حصہ ہے، مدارس، دواخانے اور دارالیتامی بھی موجود ہین حیدرآباد کا محبوبیہ گرلز اسکول اپنی قسم کا بہترین مدرسہ ہے، جسے دیکھ کر تعجب ہوتا ہے، کہ ملک مین اس قدر سختی سے پردہ ہونے کے باوجود یہ کس طرح قایم ہے، ہندوستان کا ایک بڑا دارالیتامی بھی حیدرآباد مین ہے، جو نہایت خوش اسلوبی اور انتظام کے ساتھ چلایا جارہا ہے،

اسی طرح اور بہت سے امور ہین لیکن مین یہان صرف اس قدر اضافہ کرکے اپنے مضمون کو ختم کرتی ہون کہ مجھے اپنے ملک پر ناز ہے، جو یقیناً تنوع کے وصف سے مالا مال ہے، اگر زمانے کی تیز رفتار ترقی سے طبیعت گھبرا جائے تو دماغ کو آرام دینے کے لئے عہد رفتہ کے آثار موجود ہین، مین نے ابھی تو اس طلسمات مین قدم رکھا ہے اور یہ کہا نہین جاسکتا کہ اوس کے اسرار کو حل کرنے کے لئے مجھے کتنی عمر صرف کرنی ہوگی،

"اسکول اوف عربک اسٹڈیز میڈرڈ"

معارف بابت دسمبر کے شذرات مین ہسپانیہ کی جدید جمہوری حکومت اور اسلامی معاملات کے بارے مین اوسکی ہمدردانہ توجہ کا ذکر کرتے ہوئے اسلامی علوم وفنون کی جس درسگاہ کے قیام کی تجویز کا تذکرہ آیا ہے اس کے متعلق ناظرین معارف کے لئے یہ معلوم ہونا باعث دلچسپی ہوگا کہ وہ اکتوبر گذشتہ سے جاری ہوچکی ہے،

پروفیسر بلنسیہ (Palencia) کے ایک تازہ مکتوب سے معلوم ہوا کہ میڈرڈ مین ایک اسکول اوف عربک اسٹڈیز (Escuela de Estudios Arabes) قائم ہوا ہے جس کے

نگران اور مدیر اعلیٰ وہان کے مشہور پروفیسر آسین (Asin) مقرر ہوئے ہین، درس و مطالعہ کا کام فی الحال حسب ذیل چھ شعبون مین تقسیم ہوا ہے، ہر شعبہ ایک مخصوص عالم کی نگرانی مین دیا گیا ہے، کام اکتوبر ۱۹۳۲ء سے شروع ہو چکا ہے،

شعبۂ اول	(1st Section)
فلسفہ، مذہب، اور دیگر علوم کی تاریخ، زیر نگرانی پروفیسر آسین،	History of Ideas and sciences, under the direction of Prof. Asin
شعبۂ دوم	(2nd Section)
سیاسی تاریخ، پروفیسر الارکون۔	Political History Prof. Alarcon
شعبۂ سوم	(3rd Section)
اسلامی قانون اور نظامات (پروفیسر لنارس)	Islamic Law and Institutions, Prof. Linares
شعبۂ چہارم	(4th Section)
علم اللسان اور ادبیات۔ (پروفیسر بلنسیہ)	Philology and Literature Prof. Palencia
شعبۂ پنجم	(5th Section)
علم الآثار العربیہ (پروفیسر پرائیٹو داویس)	Arabic Archaeology (Prof. Rieto Vives)
شعبۂ ششم	(6th Section)
مراکش کی زبانون، اور دیگر معاملات کی تحقیق، (روئز اور ساٹی)	Moroccan Studies of Dialectology Ruiz Orsatti

سکول کے نام اور کام سے ظاہر ہے، کہ پیرس، برلن، اور لندن کے مشرقی سکولون کے برعکس

... کا اسکول محض اسلامی عربی علوم و فنون کے مطالعہ کے لئے مخصوص ہوگا، ہمین اس لحاظ سے مسرت ہی کہ شاید اس طریق سے بھی مرحوم اندلس کے کچھ آثار ہماری دیدہ افروزی کے لئے زندہ ہو سکین،

اسکول کا پتہ یہ ہے :۔

Escula de Studios Arabes
Calle de S. Vicente, no 60
Madrid (Spain)

عنایت اللہ

گورنمنٹ کالج جھنگ (پنجاب)

اخبار علمیہ

کلام پاک چینی زبان مین

معاصر مسلم ورلڈ" جنوری ۱۹۳۳ء چین کے رسالہ فرنڈس آف مسلمس (Friends of Moslems, China)

کا ایک مضمون نقل کرتا ہے، جس سے چینی زبان مین قرآن مجید کے ترجمہ کی نسبت کچھ اطلاعات حاصل ہوتی ہین،

مضمون نگار کا بیان ہے کہ اگرچہ بارہ صدیون سے بھی کچھ زائد مدت سے چین مین مسلمان آباد ہین، تاہم چند سال

قبل تک ان کے ہان کلام پاک کا کوئی مکمل ترجمہ شائع نہ ہوا، اس کتاب مقدس سے کئی انتخابات مختلف چھوٹی چھوٹی کتابون

مین ملتے ہین لیکن وہ بھی ترجمہ کے اعتبار سے ناقص ہین، اب سے دو صدی قبل چین کے مشہور مسلمان اہل قلم لیوچیائی لین

(Liu Chai Lien) نے دوسری عربی کتابون کا ترجمہ کیا تھا لیکن اوس نے بھی باوجود

ارادہ قرآن مجید کا ترجمہ نہ کیا، البتہ دوسرے مشہور مصنف مافوچو (Ma Fu Chu) نے بیس

پارون کا ترجمہ کر ڈالا تھا لیکن اون مین سے پانچ پارون کے علاوہ اور سب جل کر تلف ہوگئے اور جو بچ رہے وہ بھی

طبع نہ ہوسکے، اس کے بعد ایک مکمل ترجمہ کے لئے چار مختلف تجویزین علحدہ علحدہ قرار پائین (۱) پکنگ مین ایک ہفتہ وار

رسالہ "محمڈن وائس" (Mohammadan Voice) کے سلسلہ مین (۲) ایک جاپانی مسلمان مسٹر

سکوما (Sakuma) عربی سے نابلد ہونے کی وجہ سے انگریزی نسخون سے ترجمہ کرنا چاہتے

تھے، (۳) انجمن احمدیہ جس نے مولوی محمد علی کے انگریزی ترجمہ کا طویل مقدمہ چینی زبان مین شایع کر دیا تھا، اور

جو ایک مکمل ترجمہ شایع کرنے کا قصد رکھتی تھی، (۴) چائنا مسلم لٹریری سوسائٹی شنگھائی نے اپنے رسالہ مین سلسلہ وار

ترجمہ شروع بھی کر دیا، لیکن ان میں سے کوئی ترجمہ بھی اس وقت تک مکمل نہ ہو سکا، بہر حال گذشتہ چند سالوں میں دو مکمل ترجمے شائع ہو گئے ہیں، ان میں سے پہلا ۱۹۲۷ء میں شائع ہوا ہے جو ایک جلد میں ۴۶۲ صفحات پر مشتمل ہے، مترجم ایک غیر مسلم ہے جس نے متعدد مقامات پر غلط سمجھنے کے سبب سے غلطیاں کی ہیں، زبان نسبۃً آسان ہے لیکن کہیں کہیں مطلب صاف نہیں ہوتا، دوسرا مکمل ترجمہ ۱۹۳۱ء میں نکلا، یہ ایک مشہور بودھ فاضل مسٹر چی پیوہ می (Chi Chioh Mi) اور متعدد مسلمان اہل قلم کی متفقہ کوشش سے تین سال سے کچھ زائد میں پورا ہوا ہے، یہ آٹھ جلدوں میں ہے اور بہت عمدہ چھپا ہے، اس میں مختلف دیباچے اور مقدمے شامل ہیں جنمیں متعدد غلطیاں رہ گئی ہیں مثلاً یہ کہ اسلام کو چین میں داخل ہوئے تقریباً دو ہزار سال ہو گئے، یا یہ کہ مولوی محمد علی یورپ کے رہنے والے ہیں، اس ترجمہ میں بہت کچھ سیل، راڈول اور مولوی محمد علی کے انگریزی ترجموں نیز مشنیریز کے چینی اور جاپانی ترجموں سے مدد لی گئی ہے، بعض مقامات پر ترجمہ غلط کر دیا ہے، اور کہیں کہیں اصل متن میں اضافہ بھی ہو گیا ہے،

جنوبی افریقہ میں مسلمانوں کی کانفرنس

"مسلم ورلڈ" کی اطلاع ہے کہ جنوبی افریقہ میں مسلمانوں کی ایک کانفرنس ۲۵ مارچ کو کیپ ٹاؤن میں منعقد ہونے والی ہے جسمیں اون کے معاشرتی، تعلیمی اور مذہبی مفاد و ترقی سے متعلق بعض تجویزیں پیش کیجائیں گی، اس مجوزہ کانفرنس کی طرف سے جو گشتی خط شائع کیا گیا ہے اس میں سیاسی اور فرقہ وارانہ مسائل سے یکسر علٰحدگی کا اعلان کیا گیا ہے، اور جو تجویزیں زیر بحث آنے والی ہیں، اُن میں سے بعض بیان بھی کر دی گئی ہیں، وہ حسب ذیل ہیں،

(۱) جنوبی افریقہ میں مسلم اتحاد،

(۲) مسلمانوں کے لئے ایک مناسب نظامِ تعلیم کا قیام،

(۳) ایک مسلم کالج کی ضرورت جسمیں تعلیم عربی، اردو، انگریزی اور افریقی زبانوں میں دی جائے،

(۴) ٹرانسوال میں جن زمینوں پر مسجدیں تعمیر کی جائیں، ان پر مالکانہ قبضہ کا حق،

(۵) نکاح شرعی از روئے قانون جائز ہونا،

(۶) جنوبی افریقہ کے مسلمانون کی ایک مذہبی انجمن کی ضرورت،

(۷) جنوبی افریقہ کے حاجیون کی مدد کے لئے مکہ معظمہ مین جنوبی افریقہ کے ایک مسلمان قونسل کا تقرر،

(۸) ایک مسلمان قونسل کی ضرورت جو جنوبی افریقہ مین قیام کرے،

(۹) آل انڈیا مسلم کانفرنس سے اس کانفرنس کا الحاق،

(۱۰) جنوبی افریقہ کے ایک مسلم مشن کا افتتاح۔

سرعتِ رفتار کا کمال

۱۹ دسمبر ۱۹۳۲ء کو جرمنی مین ایک نئی ریوے ٹرین کا افتتاح ہوا جس نے سرعت رفتار مین دنیا کی تمام ریلوے ٹرینون کو شکست دیدی، اس حیرت انگیز ٹرین نے برلن اور ہیمبرگ کے درمیان (۱۸۰) میل کی مسافت صرف دو گھنٹے بیس منٹ مین طے کی نصف مسافت تک اوسکی رفتار (۹۲) میل فی گھنٹہ تھی، لیکن بعد مین قصداً کچھ کم کردی گئی، اور اوسط رفتار (۹۱) میل فی گھنٹہ قائم رہی، اس سے قبل جرمنی مین جو ٹرین سب سے زیادہ تیز رفتار تھی، اوسکی رفتار (۸۰) میل فی گھنٹہ تھی، اور اس وقت تک دنیا کی سب سے زیادہ تیز رفتار ٹرین وہ تھی جو لنڈن اور سوئیڈن کے درمیان (۷۶) میل فی گھنٹہ کے اوسط سے چلتی تھی، اس جدید ٹرین مین صرف دو گاڑیان ہین جن کا مجموعی طول (۱۳۷) فٹ ہے، اور اسمین ایک سو مسافرون کی جگہ ہے، بلاشبہہ یہ ٹرین اپنی رفتار کے اعتبار سے دنیا کی پہلی ٹرین ہے، لیکن اس سے قبل ہی خود جرمنی مین اور برلن اور ہیمبرگ ہی کے درمیان ایک ایسی ٹرین کا مظاہرہ بھی ہوچکا ہے، جسکی رفتار (۱۴۲) میل فی گھنٹہ تھی، اور جس نے ۲۱ جون ۱۹۳۱ء کو (۱۸۰) میل کی یہ مسافت ایک گھنٹہ ۳۷ سنتیس منٹ سے بھی کچھ کم ہی مین طے کردی تھی، لیکن بعض نامعلوم اسباب کی بنا پر یہ جاری نہ رہ سکی،

الٹا نتیجہ

ضبطِ ولادت کی تحریک یورپ اور امریکہ مین جس سرگرمی کے ساتھ پھیلائی جارہی ہے، اور اب تقلید جامد کے طور پر ہمارے ہندوستان مین بھی جس گرمجوشی کے ساتھ قبول کیجارہی ہے، اوس سے اکثر اخبار بین حضرات واقف ہون گے، لیکن اس تحریک کے جو اثرات تہذیب و معاشرت اور ہر ملک کی آبادی پر پڑرہے ہین، ان کا حال کم لوگون کو معلوم ہے، چند ماہ قبل ان صفحات مین اعداد و شمار کے ساتھ یہ خبر آچکی ہے کہ جب سے یہ وبا یورپ اور امریکہ مین داخل ہوئی، وہان کی آبادیون مین تشویشناک حد تک کمی واقع ہونے لگی ہے اور بعض ارباب نظر نے اس تحریک کے اخلاقی پہلو سے قطع نظر کرکے محض ملک کی آبادی کے نقطۂ نگاہ سے اوسکے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنی شروع کردی ہے، لیکن حال مین پروفیسر ریمنڈ پرل (امریکہ) (Raymond Pearl) نے اس تحریک کے بارہ مین یہ رائے ظاہر کی ہے کہ "یہ جرم سے بھی بڑھ کر ہے، یہ ایک زبردست غلطی ہے" پروفیسر موصوف نے ضبط ولادت پر عمل کرنے والی ۳۰۰ ۳۰ عورتون سے استفسار کرکے جو معلومات حاصل کی ہین، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ اس تحریک کا اثر تمام عورتون پر یکسان نہین ہے، اونچے طبقہ کی عورتون مین تو اوسط پیدائش تقریباً پانچ فی صدی کم ہوگیا ہے، لیکن مزدور پیشہ اور نیچے طبقہ کی عورتون مین اور خصوصاً حبشی عورتون مین اوسط پیدائش ضبط ولادت کے طریقون سے اور زیادہ ہوگیا ہے، یعنی آبادی گھٹانے کے لئے جو وسائل اختیار کئے گئے تھے، وہ حقیقۃً اوسے بڑھا رہے ہین، ظاہر ہے کہ مزدور پیشہ اور غریب طبقہ پر اس الٹے نتیجہ کا کیا اثر پڑیگا، اور یہ صورت حال بیچارون کے لئے کس درجہ تردد خیز ہوگی،

زلزلہ کا اثر سمندر پر

بعض لوگون کا خیال ہے کہ سمندر اور اوس کی گہرائی زلزلون کے اثر سے محفوظ رہتے ہین، لیکن گذشتہ ستمبر مین جاپان کے سواحل پر بحرالکاہل مین سخت زلزلہ آیا، اور اوس نے اوسکی اندرونی سطح کی شکل مین تغیر پیدا کر دیا، اور اوسمین بڑی بڑی سوراخ ہوگئے، امریکہ کے محکمۂ طبعیات نے ایک علمی وفد اس غرض سے روانہ کیا ہے کہ وہ سرے سے اس موقع پر سمندر کی گہرائی کی پیمایش کرے اور ان تغیرات کا پتہ لگائے جو اس موقع پر زلزلہ نے پیدا کردئے ہین،

ع ز "

ادبیات

معراج المومنین

از حکیم الشعراء امجد حیدرآبادی

معارف کا شیوہ نہین کہ شاعرون کو خطابات بانٹے، لیکن حضرت امجد کی [illegible] حکمت آموز شاعری نے اس کو اعتراف فضل پر مجبور کیا ہے اور لفظ "حکیم الشعراء" سے واقعہ کا اظہار کیا ہے۔

ذیل کی نظم رمضان کی سحری ہے یا نالۂ سحری لفظ و معنی دونون کی لذت اسی سحری مین موجود ہو:

("اڈیٹر")

یاحسرۃً علی العباد

پایا نہ حیات کا ثمر اک دن بھی ہم کو نہ ہوا خدا کا ڈر اک دن بھی

کیا حق ہے زمین پہ پاؤن رکھنے کا ہمین رکھا نہیں جب سجدے مین سر اک دن بھی

خطرات فی الصلوٰۃ

فطرت ہر چیز کی طرف مڑتی ہے ٹوٹی ہوئی شاخ ازسرِنو جڑتی ہے

ہوتا ہے نماز مین ہجومِ خطرات گھر جھاڑتے وقت خاک بھی اڑتی ہے

دلبر کے لیے ادائے ناز اچھی ہے عاشق کے لیے رسمِ نیاز اچھی ہے

موقع ہے یہی تو اک قدم لینے کا ہر ایک عبادت سے نماز اچھی ہے
تخلیق کا راز، عبدیت مین ڈھونڈو ناز اپنا نیاز کی صفت مین ڈھونڈو
اسرارِ عبودیت کا مظہر ہے نماز آئینۂ اسلام کا جوہر ہے نماز
اسلام، ہے گر لفظ تو معنی ہے نماز ہان قربتِ مولا کا وسیلہ ہے نماز

پیراہنِ کبر چاک ہو جاتا ہے نفسِ سرکش ہلاک ہو جاتا ہے
مسلم کے لیے عجب نعمت ہے نماز سر خاک مین رکھ کے پاک ہو جاتا ہے
اس بندۂ مسلم کا بھی کیا پایہ ہے دیکھو تو کہ کس کے سامنے آیا ہے
فتنون سے جہان کے جان چھڑا کر آیا بندہ دنیا سے ہاتھ اٹھا کر آیا
ہان قرۂ عینِ دلِ بینا ہے نماز اسلام ہے گر لفظ، تو معنی ہے نماز
سر نہادن ۱۲

قیام

بندے کا قیام ہے خدا کے آگے فانی کو جگہ ملی بقا کے آگے
اس وقت، نظر آتی ہے شانِ قیوم ملتا ہے قیام مین نشانِ قیوم
اللہ کا الف قیام کی صورت ہے ارکان مین، یہ امام کی صورت ہے

رکوع

بندے نے رکوع مین بڑی جرأت کی سر قدمون پہ رکھنے کی اجازت لے لی
مسلم، سر خم کیے ہوے حاضر ہے یہ وہ مہِ نو ہے، جس کا رب ناظر ہے

دل کو رخِ جانان پہ فدا رہنے دے ان قدمون مین آنکھون کو گڑا رہنے دے

جھک کر مرے کان مین یہ کہتا ہو رکوع
امجد! سرِ تسلیم جھکا رہنے دے

سجدہ

ہے عرش سے بھی بلند بام سجدہ
قدمون مین کسی کے ہو مقام سجدہ

سجدہ ہے، عروسِ عبدیت کا گہنا
سنتا ہے اسی جگہ، وہ میرا کہنا

سجدے مین چھپے ہوئے ہین اسرارِ نماز
یہ سجدہ ہے شاہنشہِ دربارِ نماز

زنجیرِ درِ عرش ہلاتا ہون مین
اللہ غنی! کیسے ہلاتا ہون مین

سجدے کے بہانے، دل کی بیتابی سے
قدمون پہ کسی کے لوٹ جاتا ہون مین

اِس سرزمین شاخ کا پھل اعلیٰ ہے
عامل معمولی ہے، عمل اعلیٰ ہے

پوچھو نہین سجدہ کرنے والون کے دماغ
سر خاک مین لب پہ ربی الاعلیٰ ہے

مسلم کی کمال آرزو، سجدہ ہے
اللہ، قیام اور کا سجدہ ہے

جان ڈوب کے لذتون مین کھو جاتی ہے
فانی ہستی کی نفی ہو جاتی ہے

شب ہجر کی، شام وصل سے ملتی ہے
جب جھکتی ہے شاخ، اصل سے ملتی ہے

کب، راہ یہ زور و زر سے طے ہوتی ہے
ہان منزلِ عشق، سر سے طے ہوتی ہے

سراب تو اٹھاتی نہین پُر خون آنکھین
کس طرح نکال کر مین رکھ دون آنکھین

ٹھنڈک ہے عجب سجدے مین، سبحان اللہ
تلوون سے کسی کے مل رہا ہون آنکھین

قعود

بیٹھا ہے ادب سے عبد پیش معبود
فی مَقعَدِ صِدقٍ کا ہے مصداق قعود

فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر

جناب نظر حسین صاحب شمیم نے شیخ جمال الدین افغانی کے ساتھ مرزا داغ دہلوی مرحوم کے ایک غزل سنانے کا واقعہ قلمبند کیا ہے، اسی طرح مختلف یورپین فسانہ نگارون شکسپیر اور ٹامسون کے مختصر افسانون کے ترجمے نظر آتے ہین، اور شعرا مین سے حضرت شاد عظیم آبادی جناب رضا علی وحشت جناب جوش ملیح آبادی، اور جناب آغا حشر کاشمیری وغیرہ کی نظمین اور غزلین ہین اور نیز بنگال و بہار کے نوجوان اہل قلم اور شعراء کی نثر و نظم درج ہے، توقع ہو کہ رسالہ بنگال و بہار کے نوجوانون کو اردو لکھنے لکھانے کی مشق بہم پہنچانے مین کامیاب ہوگا، لیکن رسالہ کے افتتاحیہ اور شذرات کو سیاسیات کا اکھاڑا بنانے سے اجتناب کرنے کی ضرورت ہے کہ کارکنان رسالہ کے پاس ان مباحث کیلئے ایک مستقل روزنامہ کا میدان موجود ہے،

آئینہ دہلی (ماہانہ) اڈیٹر جناب سید ابن الحسن صاحب فکر، ایم، اے حجم ۳۲ صفحے

قیمت سالانہ عہ پتہ: منیجر رسالہ آئینہ، دہلی،

پیش نظر رسالہ کے اجرا کا اصل مقصد ارزان قیمت مین اعلیٰ مضامین کے مجموعہ کا رسالہ پیش کرنا ہے، اس کا پہلا نمبر زیر نظر ہے، اسمین شبہہ نہین کہ یہ اپنے مضامین اور ظاہری شکل و صورت کے لحاظ سے ارزان قیمت ہے، مضامین کا معیار بھی خاصہ ہے، اکثر مضامین سائنٹفک اور علوم جدیدہ سے متعلق ہین، نیز بعض افسانے بھی ہین، مضامین کے چند عنوان یہ ہین، "ریڈیو اور آیندہ جنگ" "معانی الفاظ" "کوہ نور کی سرگذشت" "پانی کی دنیا اور اوس کے عجائبات" "سلاطین آستانہ" "فقرا پر" "تخلیق اور ارتقا"، رسالہ کی ترتیب محتاج اصلاح ہے، اولاً مضامین کی فہرست منسلک نہین، علاوہ ازین اکثر مضامین اسطرح ناتمام چھاپے گئے ہین، کہ "دیکھو صفحہ فلان" ایک ماہانہ رسالہ کیلئے یہ طریقہ مستحسن نہین،

گلچین لاہور (ماہانہ) اڈیٹر جناب سید ابو محمد صاحب ثاقب حجم ۲۷ صفحے قیمت سالانہ ؎ پتہ دفتر گلچین چراغ دین روڈ، مزنگ، لاہور،

یہ رسالہ ماہ اگست ۱۹۳۲ء سے نکلا ہے، اس کا مقصد لاہور سے ایک صحیح زبان کا رسالہ نکالنا اور زبان

کی صحیح خدمت اور اس کی تحقیق، صلاح کرنا ہے، اسکا پہلا پرچہ زیر نظر ہے جس میں مختلف شعراء کی نظمون اور غزلون کے علاوہ بعض مضامین بھی اچھے خاصے ہیں جنمین سے جناب مرزا محمد سعید صاحب بی اے کا مضمون "ہندی بھاشا کا قدیم ادب" لائق ذکر ہے، لیکن رسالہ کے اسی پہلے نمبر مین اردو کے پرانے پرچون سے مشہور ادیبون کے مضامین بلا حوالہ درج کرنے کی ابتدا کچھ مناسب نہین ہے، جناب سلطان حیدر صاحب جوش مرحوم کا مضمون "بو" چند سال گذرے شائع ہو چکا ہے، اور اردو خوانون مین دلچسپی سے پڑھا جا چکا ہے،

یادگار (لاہور) (ماہانہ) مدیر جناب نیر بی اے، معاون جناب محمد لطیف جعفری بی اے وغیرہ، حجم ۵۶ صفحے

قیمت سالانہ ہے، پتہ:- دفتر رسالہ یادگار اندرون بھاٹی دروازہ لاہور،

رسالہ یادگار چند ماہ سے نکل رہا ہے، نومبر کا پرچہ پیش نظر ہے، جو مختلف قسم کے ادبی و تنقیدی مضامین پر مشتمل ہے، نثر مین پروفیسر تبسم کا مضمون، اور شعراء مین حضرت ریاض خیرابادی اور جناب محوی صدیقی کے کلام پڑھنے کے لائق ہین،

سنیاسی گجرات (ماہانہ) اڈیٹر جناب حکیم عارف حجم ۴۰ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی معمولی قیمت سالانہ عہ

پتہ:- دفتر سنیاسی گجرات (پنجاب)

سنیاسی گجرات (پنجاب) سے نکلا ہے، یہ ایک مفید رسالہ ہے اور اوسکو سیاسی اور طبی رسالہ کہہ سکتے ہین اسکے پیش نظر ہندوستان کی مختلف قومون اور ملتون مین اتحاد و یگانگی پیدا کرنا، ہندوستانیون کے فرقہ وارانہ جھگڑون کو روکنا، دیگر مذاہب کے بزرگون پر الزام تراشی اور تحقیر سے باز رکھنا ہے، اوسکے مضمون نگارون مین ہندو اور مسلمان دونون اہل قلم ہین، رسالہ کے مرتب جناب حکیم عارف ہین، مگر پورا رسالہ پڑھنے کے باوجود یہ معلوم کرنا دشوار ہے، کہ عارف کسی ہندو شاعر کا تخلص ہے یا مسلمان شاعر کا، جناب حکیم عارف نے اپنے لئے ایک مستقل عنوان "تاریخ ہند کا ایک ورق" خاص کر لیا ہے، اسمین تاریخ کی مستند کتابون اور مستند حوالون سے ایسے واقعات اخذ کرکے پیش کرتے ہین جن سے ہندو مسلمان اور سکھون کی باہمی رواداری اور باہم حسن سلوک اور ایک دوسرے کے مذہب کی عزت کرنیکے نتائج پیدا

ہوتے ہین، رسالہ کا یہ باب نہایت کار آمد ہے، رسالہ کے بعض مضامین علمی بھی ہین،

پاسبان گورداس پور (ماہانہ) ادارۂ تحریر جناب لطیف انور، جناب اصغر حسین خانصاحب نظیر، لودھیانوی، حجم ۴۸ صفحے، لکھائی چھپائی معمولی، قیمت سالانہ ۲ر، پتہ:۔ دفتر رسالہ پاسبان گورداسپور (پنجاب)

رسالہ پاسبان، پنجاب کے ایک دوسرے شہر گورداسپور سے نکلا ہے، اس کے پیش نظر ادبی خدمت انجام دینا اور صوبہ پنجاب کے محکمۂ تعلیم کی منظور شدہ کتابون پر نقد و تبصرہ کرنا ہے، رسالہ چند عنوانون "روح تغزل" "معیار علم و ادب" "تعلیمات" اور "نسائیات" مین تقسیم ہے، دوسرے نمبر سے حصۂ نسائیات کی ادارت جناب رضیہ سلطانہ گورداسپوری کو تفویض ہوئی ہے، رسالہ کے بعض مضامین سنجیدہ اور تنقیدی بھی ہین،

دبستان وزیر آباد، مدیر جناب سید برکت علی صاحب گوشہ نشین، وزیر آباد، حجم ۴۸ صفحے، قیمت سالانہ ۲ر، پتہ:۔ دفتر دبستان مثمن برج وزیر آباد (پنجاب)

دبستان، پنجاب کے ایک تیسرے شہر وزیر آباد سے نکلا ہے، جناب سید برکت علی صاحب گوشہ نشین مدت سے اپنے گوشۂ عزلت مین بیٹھکر دوسرے شعراء و ادباء پر رسالون کی شکل مین تیر اندازی کرتے تھے، اب خود میدان مین نکل آئے ہین، اور دار الاشاعت قائم کر کے رسالہ دبستان جاری کیا ہے، رسالہ کے تقریباً تمام مضامین مختصر افسانون پر مشتمل ہین، کوئی خاص تنقیدی مضمون پہلے نمبر مین موجود نہین، بعض مضامین "تاریخی معلومات" کے عنوان سے ہین، شعراء کے کلام، اہل قلم کے مضامین کے پہلو بہ پہلو بکثرت ہین، جنمین زیادہ تعداد جناب گوشہ نشین کے کلامون کی ہے،

مسلمہ جالندھر (ماہانہ) اڈیٹر جناب حمیرا، حجم ۲۴ صفحے، قیمت سالانہ صرف ایک روپیہ، پتہ:۔ دفتر رسالہ مسلمہ مدرسۃ البنات، جالندھر (پنجاب)

مدرسۃ البنات کچھ دنون سے چند مخلص مسلمانون کی کوششون سے جالندھر مین قائم ہوا ہے، اس مدرسہ کی جانب سے ایک ماہانہ رسالہ مسلمہ، جناب حمیرا کی ادارت مین ماہ جولائی ۱۹۳۲ء سے نکلنے لگا ہے، رسالہ کی سرپرستی جناب مفخر نسوان

بیگم صاحبہ نواب لیاقت حیات خان بہادر وزیر اعظم ریاست پٹیالہ نے قبول کی سب رسالہ کا دوسرا نمبر پیش نظر ہے مضامین میں خصوصیت سے اسلامی تعلیمات کی روح نظر آتی ہے، جو مختصر افسانے ہیں وہ بھی شریف بہو بیٹیوں کے پڑھنے کے لائق اور سبق آموز ہیں، رسالہ کا خیر مقدم مولانا ظفر علی خان صاحب نے اپنی ایک فارسی نظم سے کیا ہے جس کا اردو ترجمہ جناب تمیز کے قلم سے ہے،

مشیر باغبانی

لاہور (ماہانہ) اڈیٹر پروفیسر جی، ایم، ملک ایم ایس سی (اگریکلچر) امریکہ حجم ۳۰ صفحے، قیمت سالانہ ؏
پتہ:- امرکن سیڈ اینڈ نرسری کمپنی نمبر ۴۸ میکلوڈ روڈ لاہور،

مشیر باغبانی، ایک زراعتی رسالہ ہے جسمیں فن زراعت اور باغبانی سے متعلق مفید مضامین ہوتے ہیں، باغبانی کلب" "ترکاریان" "باغبانی معلومات" "استفسارات وجوابات" (متعلق زراعت و باغبانی) اور "عملی باغبانی" وغیرہ اس کے مستقل عنوان ہیں، رسالہ سے زراعت پیشہ اور باغبانی کے شوقین فائدہ اوٹھا سکتے ہیں،

کامیاب

دہلی، (ماہانہ) اڈیٹر جناب ظفر نیازی وسب اڈیٹر جناب نعیم احمد بی اے حجم ۴۰ صفحے، قیمت سالانہ عہ پتہ، منیجر رسالہ کامیاب پوسٹ بکس نمبر ۲۰۴، دہلی،

رسالہ کامیاب چند ماہ سے جاری ہے، دسمبر کا نمبر پیش نظر ہے، اسمین متعدد چھوٹے چھوٹے ادبی واصلاحی مضامین مختلف اہل قلم جناب خواجہ حسن نظامی صاحب، جناب مولوی سید ظہور احمد صاحب وحشی جناب ایم اسلم اور جناب اکبر حیدری صاحب وغیرہ کے ہین، رسالہ کے مضامین کار آمد اور دلچسپ ہین،

شاعر آگرہ

(ماہانہ) اڈیٹر جناب نظر اکبر آبادی حجم ۴۸ صفحے، تقطیع ۲۲×۱۸/۸، قیمت سالانہ عہ پتہ:- دفتر قصر الادب آگرہ،

اکبر آباد مین ہمیشہ سے شعر وشاعری کا چرچا رہا ہے، دور حاضر مین بھی یہ شہر شعر وشاعری کے چرچے اور مشاعرون کی چہل پہل سے اوسی طرح پر رونق ہے، اور ادبی چھیڑ چھاڑ اور شاعرانہ لن ترانیون کی صدائین یہین سے کبھی کبھی سنائی دیتی ہین، اور شعر وشاعری کی خدمت کے لئے یہان سے مختلف پرچے نکلتے رہتے ہین، زیر تبصرہ رسالہ، اوسی سرزمین سے

سرا پا شاعر بنکر سامنے آیا ہے، جناب بیتاب اکبرآبادی اس کے نگران اصول اور جناب نظر اکبرآبادی اس کے مدیر ہین، اگست ۱۹۲۷ء کا پرچہ زیر نظر ہے، ہمین شبہ نہین کہ کارکنان رسالہ شعروشاعری اور اردو کی خدمت انجام دینا چاہتے ہین، رسالہ کے آغاز مین شعروادب کے متعلق استفسار و جواب ہین، پھر چند صفحون مین "شاعر" کے چند مختصر نوٹ اور مضامین ہین پھر دوسرے اہل قلم کے مضامین درج کئے گئے ہین، جن مین سے "مرزا داغ اور نفسیات محبوب" اور "شعرا کی ذہنی تصاویر" دلچسپ مضامین ہین، آخر مین ایک باب "اصلاح سخن" کا بھی ہے،

مؤرخ فیض آباد (مہینہ مین دوبار) اڈیٹر مولوی سید علی اظہر صاحب عابدی، ۲۸ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت سالانہ ۸؏

پتہ:- دفتر مورخ امام باڑہ جواہر علی خان فیض آباد،

رسالہ مورخ مین جیسا کہ اوس کے نام سے ظاہر ہے، خالص تاریخی مضامین ہوتے ہین لیکن وسعت دامان کے لئے اس کے ضوابط مین اعلان ہے کہ "علمی، ادبی، تمدنی واخلاقی مضامین جن کا تعلق تاریخ سے ہوگا، وہ صفحات مورخ پر نظر آئین گے"، اس کا پہلا پرچہ بابت ماہ اپریل ۱۹۲۷ء ہمین موصول ہوا ہے، بعض مضامین ہم نے دیکھے، وہ تاریخی استناد پر مبنی نہین ہین، لیکن بہرصورت رسالون کے عام سطحی افسانون کے پڑھنے سے ان تاریخی افسانون کا پڑھنا زیادہ بہتر ہوگا،

اقتصاد کابل (فارسی ماہانہ) اڈیٹر جناب محمد زمان ترہ کی، حجم ۲۴ صفحے، کاغذ عمدہ، چھپائی خوبصورت ٹائپ مین، قیمت سالانہ ۸ شلنگ، پتہ:- دفتر اقتصاد، وزارت تجارت گلستان سرائے کابل (افغانستان)

سال ڈیڑھ سال مین کابل سے متعدد بلند پایہ رسالے جاری ہوئے ہین جن کا تذکرہ ان صفحات مین آتا رہا ہے، اب یہ ایک نیا رسالہ اقتصاد نکلا ہے، جیسا کہ اوس کے نام سے ظاہر ہے، یہ ایک اقتصادی وتجارتی رسالہ ہے، اس کے مضامین مختلف عنوانون "فلاحت وزراعت" "معادن"، اور "تجارت" وغیرہ مین منقسم ہین، اس کے بعض مضامین کا اقتباس انھی صفحات مین اس سے پہلے گذر چکا ہے، تجارتی حلقون کے لئے یہ خصوصیت سے ایک کارآمد رسالہ ہے۔

فانوس لاہور، ماہانہ، اڈیٹر جناب سردار علی صاحب افسر، حجم ۶۴ صفحے کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ قیمت سالانہ ہر

پتہ:- دفتر رسالہ فانوس نمبر ۹ کشمیر بلڈنگ میکلوڈ روڈ لاہور،

فانوس ایک علمی و ادبی رسالہ ہے، جو ماہ نومبر ۱۹۳۲ء سے نکلا ہے اکثر مضامین ادبی اور بعض علوم جدیدہ سے متعلق ہیں بعض مضامین پڑھنے کے لائق ہیں، مثلاً مرزا غالب کی ایک نایاب فارسی نظم،

پندرہ روزہ پرچے | ذیل کے دو پرچے پندرہ روزہ ہیں، نیر اسلام اور حسن کار حیدرآباد،

نیر اسلام لاہور (مہینہ میں دوبار) اڈیٹر جناب غلام نبی صاحب انصاری جہلمی حجم ۲۰ صفحے تقطیع ۲۰×۲۶/۴

قیمت سالانہ عہ پتہ، دفتر اخبار نیر اسلام امیر علی بلڈنگ ریلوے روڈ لاہور،

جناب غلام نبی صاحب انصاری کو سیاسیات سے دلچسپی ہے، اور موصوف کافی مدت تک جیل میں رہ چکے ہیں، اب موصوف نے رہا ہو کر ایک اخبار نیر اسلام اپنے ذوق سے نکالا ہے، اور اس طرح قوم و ملک کی خدمت کا شوق پورا کیا ہے، اس کا ۲۸ واں نمبر مورخہ ۱۵ دسمبر ۱۹۳۲ء ہمیں موصول ہوا ہے، اس کے سرورق پر مجلس مرکزیہ احرار اسلام کے ایک اجلاس کی وہ کارروائیاں ہیں جنکی تفصیلات صیغہ راز میں ہیں، پھر مقالۂ افتتاحیہ میں مولانا ابوالکلام آزاد کی ترجمان القرآن پر اظہار خیال ہے اور کہا گیا ہے اسکو نیر اسلام میں مسلسل پیش کیا جائے گا، اور اس کے بعد الہلال کلکتہ کے پرانے فائیلوں اور اوس کے جدید فائلوں سے چند مضامین اور افسانے نقل کئے گئے ہیں، اور آخر میں خبروں کے صفحات ہیں، اور اس طرح تقریباً پورا اخبار دوسرے پرانے اخبارات کے فائل، شائع شدہ کتابوں اور شائع شدہ خبروں سے منقول ہے،

حسن کار حیدرآباد دکن (پندرہ روزہ) اڈیٹر جناب سید محمد اکبر وفا قانی بی اے حجم ۲۶ صفحے،

قیمت سالانہ سے پتہ، دفتر حسن کار محلہ معظم شاہی گوشہ محل حیدرآباد دکن،

حسن کار فنون جمیلہ مصوری نقشہ کشی تعمیر اور موسیقی وغیرہ کی خدمت کے لئے ماہ نومبر ۱۹۳۲ء سے نکلا ہے، اسکا چوتھا اور پانچواں پرچہ پیش نظر ہے اکثر مضامین اپنے موضوع سے متعلق مختلف تاریخی عمارتوں فن تعمیر مصوری

اور موسیقی وغیرہ پر ہین لیکن افسوس ہے کہ حسن کار کی ظاہری شکل وصورت حسن کارانہ نہین ہے ع

اللہ کرے حسن رقم اور زیادہ

ہفتہ وار اخبار **المجاہد**، ڈیرہ اسمٰعیل خان (ہفتہ وار) مدیر جناب شاہزادہ فضل داد خان صاحب حجم ۸ صفحے تقطیع ۲۶×۲۰/۲، قیمت سالانہ صہ، کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ، پتہ دفتر مجاہد حافظ جمال اسٹریٹ ڈیرہ اسمٰعیل خان،

مجاہد ۹ دسمبر ۱۹۳۳ء سے جاری ہوا ہے، اس کا پہلا نمبر سامنے ہے، اوس نے اپنے حسب ذیل مقاصد بتائے ہین، شمالی ہند خصوصًا صوبۂ سرحد اور بلوچستان کے مسلمانون کی ترجمانی، بہاسبھائی فتنہ کا انسداد، اسلامی تاریخ اور نامورانِ اسلاف کے مجاہدانہ کارنامون کی اشاعت اور زبان اردو کی خدمت وغیرہ، مجاہد کا لب ولہجہ حکومت کے ساتھ تعاون پسندی کا ہے، اور ہندوؤن کی جانب سے مسلمانون کے "حقوق" کے "غصب" کے شکوے اور افغانستان کی موجودہ حکومت کی حمایت وغیرہ، اوسکی کھلی ہوئی پالیسی ہے،

البت کلکتہ (مصور ہفتہ وار) اڈیٹر جناب میر ابراہیم اے افضالی حجم ۲۰ صفحے تقطیع ۲۲×۲۰/۸ قیمت سالانہ عہ، دفتر البت نمبر ۱۸، ڈمزن لین کلکتہ،

اخبار البت (۹) کا نوان نمبر مورخہ ۵ ۲ ستمبر ۱۹۳۲ء ہمیں ریویو کے لئے موصول ہوا ہے، اخبار کا سرورق آرٹ پیپر کا خوبصورت ہے، لکھائی چھپائی اور کاغذ بھی کچھ خراب نہین، تصویرین بھی چند صفحون پر ہین، ہفتہ وار خبرون کا کوئی التزام نہین ہے، مقالۂ افتتاحیہ اور شذرات کے لحاظ سے یہ پرچہ سیاسی اور دیگر مضامین کی نوعیت سے ایک ادبی و تعلیمی رسالہ ہے، سیاسی حیثیت سے اوسکی پالیسی مین اسلامی حقوق کی حمایت اور کانگریس کو مسلمانون کا مخالف بناکر اوسکی مخالفت کرنا ہے، زیر نظر پرچہ کے مقالۂ افتتاحیہ مین گاندھی جی کو مسلمانون کا تمام ہندو رہبرون مین، سب سے زیادہ دشمن قرار دیا گیا ہے، اخبار کا لب ولہجہ بھی پر وقار نہین، شاید جیسا کہ نام سے شبہہ ہوتا ہے یہ کوئی مزاحیہ اخبار ہے،

منقار جبل پور (ہفتہ وار) اڈیٹر جناب محمد عبد اللطیف صاحب بی اے حجم ۱۴ صفحے قیمت سالانہ:۔ ۵ روپیہ

پتہ، دفتر منقار، ابراہیم منزل نمبر ۲ گلگلا جبل پور (سی، پی)

یہ ایک ہفتہ وار مزاحیہ اخبار ہے، جو ۲۳ جنوری ۱۹۳۵ء سے جبل پور (صوبہ متوسط) سے نکلا ہے، اسمین مزاحیہ مختصر ڈرامے مزاحیہ نظمین اور مختصر مزاحیہ نوٹ ہوتے ہین۔

انہات بھوپال (ہفتہ وار) اڈیٹر جناب قمر النسا بیگم حجم ۱۶ صفحے تقطیع $\frac{۱۸ × ۲۲}{۴}$ کاغذ، لکھائی چھپائی عمدہ

قیمت سالانہ ۳ روپیہ، پتہ :۔ دفتر اخبار انہات بھوپال

انہات جناب قمر النسا بیگم کی ادارت، اور جناب محمود الحسن صاحب صدیقی بی اے علیگ کے اہتمام سے غالباً سال ظل السلطان بھوپال کے دفتر سے نکلا ہے، اس کے چند نمبر ہمین موصول ہوئے ہین اس کے اجرا کا مقصد خواتین ہند کی قومی، ملکی، سیاسی، معاشرتی اور تعلیمی تحریکات کی علمبرداری ہے۔

روزانہ اخبارات | اس مدت مین دو نئے روزانہ اخبار بھی نکلے ہین ہند جدید کلکتہ اور مدینہ بجنور،

ہند جدید اڈیٹر مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی حجم ۸ صفحے تقطیع $\frac{۲۰ × ۳۰}{۲}$ کاغذ سفید چکنا لکھائی چھپائی عمدہ

قیمت سالانہ للعہ ہر پرچہ ۳ ر پتہ :۔ دفتر ہند جدید ۲/۸ اے چترنجن ایونیو، کلکتہ،

کلکتہ سے چند مہینون سے یہ روزانہ اخبار نکل رہا ہے، یہ سیاسی آزادی کا علمبردار مذہبی بدعات کا دشمن ہندو مسلم اتحاد کا پرزور حامی اور مسلمانون مین حرکت و عمل پیدا کرنے کا داعی ہے، اپنے مخالفون کے لئے ہمیشہ شمشیر برہنہ رہتا ہے، پرچہ مین روزانہ خبرون کے علاوہ مختلف موضوع پر دلچسپ، کارآمد اور پڑھنے کے لائق علمی و ادبی مضامین اور افسانے اور اسلامی ممالک کے اخبار و رسائل کے مفید و دلچسپ اقتباسات درج ہوتے ہین لیکن باین ہمہ یہ کہے بغیر رہا نہین جاتا،۔

گرمی سہی کلام مین لیکن نہ اسقدر کی جس سے بات اوس نے شکایت ضرور کی

روزانہ مدینہ بجنور، اڈیٹر جناب نصر اللہ خانصاحب عزیز، بی، اے حجم ۸ صفحے قیمت سالانہ ۱۵ عہ

پتہ :- مدینہ بجنور، یوپی،

ہمارے صوبہ مین ایک کارآمد روزانہ اخبار کی سخت ضرورت تھی، اور سب کو اس ضرورت کا احساس تھا، مگر اس کے لئے پیش قدمی سب سے پہلے مدینہ بجنور کے کارکنون نے کی، سہ روزہ مدینہ جس خوبی، کامیابی اور حسن مقاصد کے ساتھ اب تک نکلتا رہا ہے، اس سے پوری اُمید ہے کہ روزانہ مدینہ بھی ملک و ملت کا مفید ارگن ثابت ہوگا، اب تک اوس کے ۲۸ نمبر نظر سے گذرے ہین، ان مین ہر ایک باسلیقہ ترتیب عمدہ معلومات اور دلچسپ مضامین کا حامل ہے، وہ سیاسی آزادی، ملکی ترقی، ہندو مسلم اتحاد کی دعوت کے ساتھ سنجیدگی و متانت کا دامن ہاتھ سے نہین چھوڑتا، امید ہے کہ لوگ اس نئے روزانہ اخبار کا پرجوش خیر مقدم کرین گے،

رسائل کے خاص نمبر چند رسالون کے حسب ذیل خاص نمبر ہمین موصول ہوئے،

سالنامہ نیرنگ خیال:- حجم تقریباً سوا دو سو صفحے، تقطیع کلان، قیمت خاص نمبر عہ،

پتہ :- دفتر نیرنگ خیال شاہی محلہ، لاہور،

یہ خاص نمبرون کے متبدع (مخترع نہین ؟) نیرنگ خیال لاہور کا سالنامہ ۱۹۳۳ء ہے، مضمون نگارون اور شعراء کی فہرست مین حسب دستور اچھے اچھے اور ممتاز اہل قلم شامل ہین، مضامین مختلف نوعیتون کے ہین، ادبی مقالات مین لیلیٰ کے خطوط پڑھنے کے لائق ہین، افسانون مین "لاش" اور "خزان اور سامن" کو دیکھنے کا موقع ملا، وہ دلچسپ ہین، مزاحیہ تحریرون مین "ریل گاڑی" زیادہ پسند آئی، حصہ نظم مین اساتذہ کے کلام کے علاوہ اختر شیرانی کی بعض نظمین خوب ہین، رسالہ مین مختلف مناظر، عمارتون مجسمون اور بعض اہل قلم کی تصویرین شایع ہوئی ہین، دارالمصنفین کے ساکنین کا ایک مرقع بھی اوسکو کہین سے ہاتھ آیا ہے، اور اوس نے بھی اسمین جگہ پائی ہے،

نیرنگ خیال کا اقبال نمبر:- ۲۰۴ صفحے، تقطیع ۲۰×۲۶/۸، قیمت عہ، پتہ :- دفتر نیرنگ خیال شاہی محلہ لاہور،

نیرنگ خیال کا ایک دوسرا خاص نمبر ڈاکٹر سر اقبال کے نام پر اقبال نمبر زود حجم کی تقطیع پر شائع ہوا ہے،

جسمین اقبال کی شاعری فلسفہ، سوانح حیات اور اون کی تصنیفات پر مختلف اہل قلم کے مضامین ہین! اور مختلف شعراء نے اقبال کی خدمت مین اپنی اپنی عقیدت کا ہدیہ پیش کیا ہے، اگرچہ ہماری نگاہین اقبال نمبر مین "سیاسی اقبال" کے بجائے، صرف شاعر، متکلم، وہمی وادیب و فلسفی اقبال پر صرف مضامین ہی دیکھنا چاہتی تھین تاہم جو کچھ بھی اس نمبر مین جمع کیا گیا ہے وہ اقبال کی تصویر کو ہر پہلو سے مکمل کرتی ہین، رسالہ مین اقبال کی پرانی اور نئی تصویرین، اور اس پرچہ کے بعض مضمون نگارون جامعہ کے بعض استادون اور اقبال کے کلام کی بعض تخیلی تصویرین بھی شائع ہوئی ہین،

پیشوا کا رسول نمبر

حجم ۱۰۰ صفحے قیمت خاص پرچہ ۸ر پتہ :- دفتر رسالہ پیشوا، کوچہ چیلان دہلی،

رسالہ پیشوا، دہلی سے جناب سید عزیز حسن صاحب بقائی کی ادارت مین نکل رہا ہے اس رسالہ کا رسول نمبر ہر سال اہتمام سے ماہ ربیع الاول مین شایع ہوتا ہے! اور ملک کے ممتاز اہل قلم بارگاہ نبوت مین اپنی اپنی عقیدت کا نذرانہ پیش کرتے ہین جنمین سیرت رسول کے مختلف پہلوؤن پر روشنی ڈالی جاتی ہے، جناب سید عزیز حسن صاحب نے زیر تبصرہ رسالہ بھی اسی اہتمام سے شایع کیا ہے، اور یہ خاص نمبر رسالہ پیشوا کے مستقل خریدارون کو کسی مہینہ کا پرچہ ناغہ کئے بغیر ڈاک خرچ کے اوسی معیاد سے سالانہ چندہ ہی مین ہدیۃً پیش کیا جاتا ہی،

پیشوا کا قرآن نمبر

:- ۱۲۰ صفحے قیمت خاص نمبر ۶ر پتہ دفتر رسالہ پیشوا کوچہ چیلان دہلی،

رسالہ پیشوا، کا ایک دوسرا خاص نمبر ماہ جنوری ۱۹۲۳ء مین "قرآن نمبر" کے نام سے نکلا ہے، اوس کے تمام مضامین قرآن و علوم قرآن سے متعلق ہین اور اون مین سے اکثر مضامین حیدر آباد کے ادارہ معارف قرآنیہ کے بعض ارکان نے لکھے ہین، اور نیز ایسے مختلف مضامین بھی یکجا کئے گئے ہین جو بعض رسالون مین قرآن مجید کے مباحث پر وقتاً فوقتاً شایع ہوتے رہے ہین، رسالہ مین بعض مسجدون کی تصویرین بھی شایع ہوئی ہین،

دین و دنیا کا مجاہدین اسلام نمبر

حجم ۸۰ صفحے قیمت خاص نمبر ۱۲ر پتہ :- خواجہ بک ڈپو دارالاشاعت دہلی

رسالہ دین و دنیا کا جو جناب شوکت علی صاحب فہمی کی ادارت مین شایع ہوتا ہے مجاہدین اسلام نمبر" ستمبر و اکتوبر ۱۹۲۲ء

سکے پرچون پر مشتمل ہے، اس رسالہ مین ۲۱ مضامین نظم و نثر مجاہدین اسلام اور اون کے کارنامون سے متعلق ہین اور بقیہ مضامین دوسرے موضوع پر ہین، رسالہ مین چند تصویرین بھی ہین،

ضیاء القریش کا عثمان نمبر

حجم ۱۱۲ صفحے، قیمت خاص نمبر ۸ روپیہ۔ دفتر ضیاء القریش حلقہ نمبر ۱۱ امرتسر

رسالہ ضیاء القریش امرتسر انجمن قریشیان ہند کی سرپرستی مین نکلتا ہے، اوس نے حضور نظام آصفجاہ سابع کے اسم گرامی پر عثمان نمبر شائع کیا ہے، مملکت آصفیہ کی مختصر تاریخ اور عہد حاضر مین حیدرآباد کی مختلف تمدنی و تعلیمی ترقیون پر مختلف اہل قلم کے مضامین ہین، اور اسی نوع کی مختلف نظمین درج ہین، رسالہ مین سلطنت آصفیہ کے مختلف فرمانروا‍ؤن کی تصویرین بھی دیگئی ہین مملکت آصفیہ کی مختصر سرگذشت مین ٹیپو سلطان کا جس لب و لہجہ مین تذکرہ کیا گیا ہے وہ لائق افسوس ہے۔

یادگار کا سالگرہ نمبر

۲۰۲ صفحے قیمت خاص نمبر ۱۲ روپیہ۔ دفتر رسالہ یادگار بھاٹی دروازہ لاہور

لاہور کے رسالہ یادگار کا سالگرہ نمبر جنوری ۱۹۳۳ء مین شائع ہوا ہے، مضامین زیادہ تر افسانے ہین جنمین سے اکثر محض سطحی ہین، اور بعض تاریخی اور ادبی مضامین بھی ہین، رسالہ مین چند تصویرین بھی ہین انگلستان کے مشہور شاعر بائرن کی تصویر، مختصر حالات، اور اوسکی چند نظمون کے ترجمے بھی شائع ہوئے ہین، در تیمور لنگ کے خط کا ایک عکس شائع ہوا ہے،

ہمایون کا سالگرہ نمبر

(مصور) ۵۰۲ صفحے قیمت خاص نمبر ۱۲ روپیہ۔ دفتر رسالہ ہمایون لاہور

پنجاب کے سنجیدہ ادبی رسالہ ہمایون کا سالگرہ نمبر بھی ہر سال ماہ جنوری مین نکلتا ہے، امسال مضامین مین زیادہ تر افسانے ہین تاہم مجموعی حیثیت سے یہ اوسط درجہ کا ایک ادبی گلدستہ تیار ہوگیا ہے،

عالمگیر کا خاص نمبر

اڈیٹر جناب حافظ محمد عالم صاحب ۳۰۰ صفحے قیمت خاص نمبر ۳ روپیہ دفتر رسالہ عالمگیر بازار سید مٹھا لاہور

عالمگیر کا خاص نمبر بھی ہر سال پابندی سے ماہ جنوری مین نکلتا ہے، مضامین مختلف قسم اور مختلف معیار کے ادبی و تاریخی ہین، افسانے بھی خاصی تعداد مین درج ہین، مختلف مصورون کے موے قلم کی تصویرون سے رسالہ کی زینت مین اضافہ کیا گیا ہے۔

سالنامہ کاروان

مرتبہ جناب پروفیسر اشتر ایم اے حجم ۲۰۰ صفحے قیمت ۱۲ پتہ رسالہ کاروان چابک سواران لاہور

...ناموں کے سالناموں کی تدریجی ترقیاں آخر اپنی انتہا کو پہنچیں، اور یہ سالنامہ واقعی معنوں میں سالنامہ بنکر نکلا یعنی
رسالہ سالنامہ کاروان، سال بھر میں ایک ہی مرتبہ نکلیگا، رسائل کے تبصرہ کی آخری کاپی پریس میں جا چکی ہے کہ اسکا پہلا نمبر ہمیں موصول ہوا
وہ اپنے صوری محاسن اور ظاہری خوشنمائیوں سے جاذب نظر معلوم ہوا، اور پھر معنوی حیثیت سے بھی اچھا خاصہ ادبی رسالہ نکلا، اس
رسالہ کے اجرا کا مقصد ایک بلند پایہ ادبی رسالہ کی اشاعت ہے جو علم ادب کی خدمت کر سکے، اور اردو دان طبقہ میں فن تصویر کا صحیح مذاق
پیدا کرے، "جاوید نامہ" "قصہ چہار درویش" اور "جدید ترکی ادبیات" پڑھنے کے لائق مضامین ہیں، رسالہ میں بعض مصوروں کے شاہکار
اور ایرانی خطاطوں کی وصلیوں کے مرقعے درج ہیں نیز مصوروں پر مضامین کی اشاعت کا خیال بھی ہے، اسکی پہلی کڑی استاد
کمال الدین بہزاد ہے، ہم نہایت خوشی کے ساتھ اس نو وارد مہمان کا خیر مقدم کرتے ہیں،

دو نئے رسالے | ان رسائل پر لکھنے کے بعد دو نئے رسالے ہمیں موصول ہوئے، "مساوات" پھلواری پٹنہ اور "بچوں کی دنیا" الٰہ آباد ہیں،

مساوات پھلواری (پٹنہ) (ہفتہ روزہ) حجم ۲۰ صفحے، مقام اشاعت پھلواری شریف ضلع پٹنہ، قیمت سالانہ عہ

مساوات ایک مفید مقصد یعنی ہندوستان کے تمام کمزور اور غریب مسلم اقوام کی ترجمانی کیلئے نکلا ہے، بعض پرچے دیکھنے میں
آئے، مرتب کے نوٹوں میں ہندوستان کے عام سیاسی مسائل پر رائے زنی کیجاتی ہے، اور مضامین میں ایسی ملتوں کو ابھرنے اور اصلاح
و ترقی کی دعوت دینے کی کوشش کی گئی ہے، جو معاشرتی حیثیت سے کہیں کہیں ابھی تک فرو تر سمجھی جاتی ہیں، رسالہ کے نگران جناب
خانصاحب سردار محمد اسلام صاحب بی اے رئیس گمتیا گیا ہیں، بہار کی سرزمین اردو صحافت کیلئے شور ہے، خدا اسے عمر عطا کرے،

بچوں کی دنیا الٰہ آباد (ماہانہ) اڈیٹر جناب یوی دت سکل، پتہ انڈین پریس الٰہ آباد، حجم ۴۴ صفحے، قیمت سالانہ عہ

یہ بچوں کا ایک دلفریب خوشنما اور اچھے کاغذ پر اچھی لکھائی چھپائی کا ایک خوبصورت رسالہ ہے، جو کچھ دنوں سے جاری ہے،
مضامین بچوں کی استعداد کے مطابق اور معلومات بڑھانے والے ہیں، اور کہانیاں بھی بچوں کے دلپسند اور سبق آموز ہیں، لیکن
افسوس ہے کہ جنوری نمبر کے بعض مضامین ہمیں پسند نہیں آئے، مثلاً پہلا ہی مضمون جسمیں رانا چتور اور اکبر کی جنگ آزمائی
اور اوسکی تصویر دکھائی گئی ہے، یہ حب الوطنی (جس پر اسی رسالہ میں متعدد نظمیں ہیں) کی کوئی بہتر خدمت نہیں، بچوں کے
معصوم دماغوں کو جہانتک ممکن ہو مسموم ہواؤں کے خفیف سے خفیف جھونکوں سے بھی بچایا جائے، "م"

مطبوعات جدیدہ

الانجم الطوالع:- مرتبہ مولوی ابو الطیب محمد یعقوب بخش صاحب راغب بدایونی ۱۴۸ صفحہ تقطیع چھوٹی قیمت باعتبار کاغذ و جلد عمہ، عہ، مرتب سے محلہ سوتھہ کوٹی بدایون کے پتہ سے طلب کرین،

الانجم الطوالع قدیم علم ہیئت مین ایک رسالہ ہے جسمین یونانی ہیئت دان اقلیدس کے مشہور و نایاب قیمتی رسالہ کتاب المطالع کا عکس شائع کیا گیا ہے، کتاب المطالع کے اس نسخہ کو علامہ قطب الدین شیرازی نے ۶۶۱ھ مین محقق طوسی کے ۶۵۲ھ کے مسودہ سے نقل کیا تھا، مرتب نے اس قلمی نسخہ کو چھاپ کر اسلامی علم ہیئت کی ایک مفید خدمت انجام دی ہے، رسالہ کی ابتدا مین ۳۴ صفحون کا ایک قیمتی مقدمہ اردو مین ہے جسمین اسلامی علم ہیئت کی مختصر سرگذشت، مسلمان علمائے ہیئت کا سرسری تعارف اور اون کے علمی کارنامے اور محقق طوسی کے مختصر حالات اور اون کے علم ہیئت کے خدمات کو جامعیت سے بیان کیا گیا ہے، رسالہ کے آخر مین کتاب المطالع کے عکس کا صاف فارسی خط مین عربی متن اور کتاب المطالع کا اردو ترجمہ بھی منسلک ہے، مرتب کے پاس محقق طوسی کے چند دیگر قلمی رسائل بھی محفوظ ہین جنھین وہ شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہین،

السہم المصیب فی الرد علی الخطیب (عربی) تالیف سلطان ابوبکر بن ایوب ۱۲۶ صفحہ ناشر کتب خانہ اعزازیہ دیوبند سہارنپور،

خطیب بغدادی نے اپنی مشہور کتاب تاریخ بغداد مین حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کے حالات بھی لکھے ہین جنمین اونکی مدح اور جرح دونون کے حصے ہین، کچھ دن گذرے کہ کسی صاحب نے تاریخ بغداد کے حصہ جرح کو مع اردو ترجمہ کے شائع کیا تھا، ہمین جب وہ کتاب موصول ہوئی تھی، تو ہم نے اوسی وقت خدمت علم کے اس نازیبا طریقہ سے اختلاف کیا تھا،

اور اس نظرہ کو پیش کیا تھا کہ اس کے جواب مین عربی کی قدیم قلمی کتابون کے اور دوسرے اوراق بھی شائع ہو سکتے ہین عجب اتفاق کہ یہ شبہہ صحیح نکلا، چنانچہ زیر تبصرہ رسالہ اوسی اردو ترجمہ کی اشاعت کے باعث شائع کیا گیا ہے، اس رسالہ کو سلطان ابوبکر بن ایوب نے اوسی حصۂ جرح کے جواب مین ۶۰۴؁ھ مین تالیف کیا تھا اس کا قلمی نسخہ مکہ معظمہ کے کتب خانہ مین محفوظ تھا، جن لوگون نے خطیب بغدادی والے رسالہ کو دیکھا ہے وہ اسکو بھی طلب کرکے پڑھ سکتے ہین طرز جواب اگرچہ الجھا ہوا ہے تاہم مفید ہے،

تاریخ ادبیات ایران مترجمہ جناب سید سجاد حسین صاحب ایم اے، مددگار پروفیسر اردو جامعۂ عثمانیہ، حجم ۵۶۴ صفحے چھپائی ٹائپ مین قیمت مجلد للعہ غیر مجلد للعہ ریتہ - انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن،

پروفیسر براؤن کی مشہور تصنیف "تاریخ ادبیات ایران" اردو دان طبقہ مین مدت سے روشناس ہے، اوس کے اردو ترجمہ کا بیڑا ایک زمانہ گذرا، انجمن ترقی اردو نے اوٹھایا تھا، مسرت ہے کہ کارکنان انجمن کا ارادہ عملی صورت مین اب تکمیل کو پہنچا، اور اوسکی پہلی جلد مطبع سے نکل آئی ہے، ابتدا مین پروفیسر براؤن کے وہ خطوط جو اس کے اردو ترجمہ سے متعلق ہین، منسلک ہین،

دین و دولت، از جناب مولوی سید محمود علی صاحب پروفیسر اندھیر کالج کپور تھلہ، ناشر انجمن حمایت اسلام لاہور، ۲۰۷ صفحے، قیمت عار

"دین و دولت" متکلمانہ رنگ کی ایک تالیف ہے، جسمین تاریخ کے واقعات و شواہد سے دکھایا گیا ہے، کہ مسلمانون کے عروج و زوال کے اسباب کیا رہے، اور کیا ہین اور اسلامی تعلیم پر عمل پیرا ہونے سے فلاح و سعادت کی کیسی راہین اون پر کھل چکی ہین، اور ایسے کون سے وسائل ہین جن سے مسلمان اب بھی فوز و فلاح پا سکتے ہین، کتاب غور و فکر سے لکھی گئی ہے لیکن یا تو دقت مباحث کے باعث اور یا اسلوب بیان مین مباحث و مقصود و مدعا کے جابجا بکھیرنے سے کتاب کو دقت نظر سے پڑھنے کی ضرورت ہوگی،

معجزات اسلام: مصنفہ جناب قاضی ظہور الحسن صاحب سیوہاروی، ۱۰۰ صفحے قیمت ۸ مصنف سے بتوسط

مولوی فیض الدین صاحب ایڈووکیٹ محلہ عابد شاپ حیدرآباد دکن کے پتہ سے مل سکتی ہے،

معجزات اسلام میں اسلام اور پیغمبر اسلام (صلعم) کے متعلق ایسی پیشینگوئیاں درج کی گئی ہیں، جو مصنف کی تحقیق کے مطابق مختلف مذاہب یہودی، عیسائیت، بدھ مت، زرتشت اور ہندو دھرم کی مذہبی کتابوں میں پائی جاتی ہیں اور نیز ان مذاہب کی ان کتابوں پر بھی تنقیدی نظر ڈالی گئی ہے کتاب محنت سے لکھی گئی ہے اور مطالعہ کے قابل ہے اگرچہ لکھائی چھپائی اور کاغذ نہایت ناقص ہے،

رسول کریم:۔ از مولوی محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی ناشر مجلس علمی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، سورت، ۲۰۰ صفحے،

"رسول کریم" مدارس کے متوسط استعداد کے طلبہ کے لئے عربی کی درسی کتابوں دروس التاریخ محی الدین خیاط، اور نور الیقین، خضری وبعض دیگر کتب سیرت سے مرتب ہوئی ہے کتاب کی ترتیب وتبویب اچھی طرز بیان صاف اور سلجھا ہوا، اور زبان سادہ اور سلیس ہے اور مدرسوں کے درجوں میں پڑھائے جانے کے لائق ہے،

مومن و غالب:۔ از جناب حکیم سید اعجاز احمد صاحب معجز سہسوانی ناشر دائرہ ادبیہ فیض آباد حجم چھوٹی تقطیع کے ۴۹ صفحے لکھائی چھپائی ناقص قیمت ۸/

"مومن و غالب" میں اردو کے ان دونوں شعرا کا ایک دوسرے سے موازنہ کرکے غالب پر مومن کو ترجیح دی گئی ہے، اور ناقد نے بتایا ہے کہ مرزا غالب کا اصل سرمایۂ ناز اون کی فارسی شاعری ہے، اور اسی لحاظ سے وہ صاحب کمال سمجھے جاتے تھے، ابتدا میں جناب شاکر حسین صاحب نکہت کا مختصر مقدمہ ہے جس میں مرزا غالب پر سخت لب ولہجہ میں تنقید ہے،

محنت:۔ از جناب محمد عبد الغفار صاحب مدہولی ناشر مکتبہ جامعہ ملیہ، دہلی حجم چھوٹی تقطیع کے ۴۸ صفحے، قیمت ۴/

یہ ایک سبق آموز ڈرامہ ہے، جو بچوں کے لئے لکھا گیا ہے، اور دکھایا گیا ہے، کہ انسان محنت ہی سے روٹی کما سکتا ہے،

"م"

جلد ۳۱ | ماہ ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۳۳ء | عدد ۳

مضامین

شذرات

آج دنیا مین ہرطرف ترقی ترقی کی پکار ہے، مسلمان بھی ہر ملک مین اسی کی رٹ لگا رہے ہین، جہانتک لفظ کا تعلق ہو کسی کو اس سے اختلاف نہین لیکن جب اس کے معنی کی توضیح چاہی جاتی ہو تو دفعۃً ہرطرف سے ذہنی بغاوتون کا مظاہرہ شروع ہو جاتا ہو، کوئی صاحب اس سے یورپین طرز تمدن وطرز معاشرت مراد لیتے ہین، کوئی فرقہ اس سے دولت وتمول کا مفہوم سمجھتا ہو، کوئی نئی تعلیم اور ڈگریون کی کثرت کو اسکا مرادف جانتا ہو، کوئی سیاسی سرگرمیون کو تنہا ترقی کہکر پکارتا ہے، کوئی اس سے صنعت وحرفت وتجارت کی طرف اشارہ کرتا ہے، کوئی "پرانے خیال کا آدمی" اس سے قرونِ اولیٰ جیسی اخلاقی وروحانی حالت و کیفیت کی تعبیر کرنا چاہتا ہے، اور بہت سے نوجوانون کے نزدیک مستورات کی عریانی، اور ڈنر کے بعد محفل رقص وسرود کا نشاط اور یورپین تہذیب کے دیگر معائب کے مجموعہ کا نام ترقی ہے، غرض،

شد پریشان خواب من از کثرتِ تعبیرہا

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ترقی صرف اُس رُوح کا نام ہے جو قومون کو زندہ کرکے اُن کے ہر رگ وریشہ مین جدوجہد اور سعی وعمل کی تڑپ پیدا کردیتی ہے، وہ تمام قوم مین کسی متفقہ غرض کے حصول کی خاطر ہر قسم کی تکلیف ومشقت کی برداشت کی قوت پیدا کرتی ہے، ترقی کسی خاص مادی مظہر کا نام نہین، بلکہ یہ وہ بجلی ہے کہ جب کسی قوم کے افراد مین کوندجاتی ہے، تو ہر ایک کے دست وبازو مین اپنے فرائض کے بجالانے کی استعداد پیدا کردیتی ہے، اور قوم کے تمام قویٰ کو اپنے نشو ونما اور تکمیل کے لیے بیدار بنا دیتی ہے، اور پوری قوم اپنے افراد کی مختلف استعدادون اور قوتون کی مجموعی کوششون سے زندگی اور عمل کے نئے قالب مین ڈھل جاتی ہے،

کسی کارخانہ مین ہم کوئی عظیم الشان انجن دیکھتے ہین، جسکا ہر پرزہ اپنی اپنی جگہ مختلف ضروری کام انجام دیرہا ہو، دفعۃً وہ انجن بگڑ جاتا ہو، اب اناڑیون کا ایک گروہ اسکی مرمت اور اصلاح کے درپے ہے، کسی نے ایک پرزہ کو کھینچا، کسی نے

دوسرے پرزہ کو صاف کیا، کوئی کسی کا تسمہ پکڑ کر کھینچتا ہے، کوئی کسی اور پرزہ کو بے قاعدہ حرکت دیدینا چاہتا ہے، اور ہر ایک اپنے کام کو اپنی اصطلاح مین اصلاح و مرمت کہتا ہے، مگر کیا یہ بگڑا ہوا انجن اپنی اصلی قوت اور طاقت کے خزانہ کے بغیر صرف ظاہری چمک دمک، اور کھینچ کھانچ سے چل سکتا ہو؟

ہماری قومی ترقی کا بھی یہی حال ہے، دنیا مین یہودیون نے اور ہندوستان مین پارسیون نے یورپین تہذیب و تمدن کے ہر اچھے برے نمونہ کا پرہ اتارا، اور آج جو کچھ ہمارے نوجوان چاہتے ہین، وہ سب کچھ انکے مردون اور عورتون نے انجام دیا، مگر کیا ترقی کے بلند آشیانہ ہما کو وہ ان تدبیرون سے اپنے جال مین پھنسا سکے؟ وہ اب بھی وہی ہین جو پہلے تھے، دستو! مظاہر کا نام ترقی نہین، ان مظاہر کے اصل روح و مصدر کا نام ترقی ہے، اب بتایئے کہ مسلمان قوم کی روح و مصدر کونسی قوت بن سکتی ہے؟ اسی کے جواب سے یہ لاینحل معما حل ہو سکتا ہے،

ہر قوم کی تخلیق خاص قسم کے "معنویات" سے ہوئی ہے، غور کرنا چاہئے کہ مسلمان قوم کے معنویات کیا ہین، کیا بھارت ماتا کی محبت، کیا گائے کی تقدیس، کیا دولت کی چاہ، کیا جمشید و افریدون، اور رام و کرشن کی عقیدت، کیا گنگا اور جمنا اور نیل و فرات کی پرستش، نہین ان مین سے کوئی چیز نہین، بلکہ ان سے مافوق ایک واحد اعلیٰ برتر مقدس قادر علی الاطلاق ہستی کی عقیدت، اور ایک عالمگیر انسانی برادری کی مساوات، اور اس تعلیم کے تمام معلمین اور خصوصاً آخری معلم علیہم الصلوٰۃ کی محبت، اور انکی تعلیم پر عمل کا جذبہ اسلامی قوم کے معنویات ہین، اور انھین کا جوش و خروش ہمارے انجن کی اصلی طاقت اور قوت ہو، اب اگر ہم انکو چھوڑ کر کسی اور طاقت سے زندگی پیدا کرنے کی کوشش کرنا چاہتے ہین، تو ضرور ہے کہ پہلے ان معنویات کو مٹا کر کوئی اور مقصدِ حیات اس کے سامنے رکھین، اور اس کو کسی اور قوم کے قالب مین بدل دین،

ہم نے حیرت کیساتھ سنا کہ مسلمان لڑکیون کے واحد کالج (علی گڈہ) مین "قاضی جونپور" کا ڈراما کھیلا گیا، شکایت اسکی نہین ہے کہ ڈراما کیون کھیلا گیا، یہ تو ایک جزئی بات ہو، اصل شکایت جسکی ہے وہ یہ ہے کہ ہم مسلمان لڑکیون کے سامنے کس زندگی کو نمونہ بنا کر پیش کرتے ہین، اور کیا بننے کی ان کو ترغیب دے رہے ہین، اگر ہماری لڑکیاں بہترین ایکٹرس، بہترین نے نواز اور بہترین موسیقی دان بنجائین تو آیا ہم نے تمدن کے محاسن کی نقالی کی، یا اس کے معائب کی، عیش و نشاط اور سرور و شادمانی

ترقی کی علامت نہیں، انحطاط کی ہو، آئیے اسلامی ہی تاریخ کی مثال دین، ہندوستان کے اسلامی دورِ ترقی مین تغلق و خلجی اور بابر و ہمایون کے عہد مین یہ منظر آپ کو نظر آتا ہو، یا محمد شاہ رنگیلے اور واجد علیشاہ جانعالم اور عبداللہ تاناشاہ کے دربارون مین یہ تماشے دکھائی دیتے ہین، پھر آپ کیا بننا چاہتے ہین، اور کیا بنانا چاہتے ہین، جو ہاتھ ابھی تیغ و تبر اور تیر و تفنگ کے عادی نہیں ہوئے انکو رباب و بربط، اور ستار اور پیانو کا عادی بنانا، قوم کو موت و ہلاکت کا زہر ہلاہل پلانا ہے، کسی دشوار گذار سفر کے طے کئے بغیر بستر راحت پر آرام کی کوشش کرنا گناہ بے لذت کا ارتکاب ہے،

آئندہ معارف مین ایک نہایت اہم، دلچسپ اور مفید مضمون استاذ العلما رشائع ہوگا، اور جو ملک کے نامور ادیب و مصنف و صاحب قلم نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمن خان شروانی کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے، کہنے کو تو یہ اس صدی کے ایک فاضل و نامور عالم (مولانا مفتی لطف اللہ صاحب مرحوم) کے سوانح حیات ہین جنکی زندگی سے نصف صدی تک ہندوستان مین علم و فن کی گرم بازاری رہی، لیکن درحقیقت یہ ہماری پچھلی علمی و تعلیمی زندگی کا ایک صاف و شفاف آئینہ ہو جسمین ہماری گذشتہ علمی تہذیب و تعلیمی کیفیت کی ہر تصویر پوری صفائی کیساتھ نظر آئیگی، اور معلوم ہوگا کہ ہمارے عہد گذشتہ مین کیونکر ایک واحد شخصیت پوری یونیورسٹی کا کام دیتی تھی،

ہمارے صوبہ مین بلکہ پورے ہندوستان مین ریاست رامپور کا شاہی کتب خانہ اپنے نوادر کی کثرت اور قلمی کتابون کی فراوانی کے لحاظ سے بہت بڑی تاریخی دولت ہو، پچھلے سال اسکے لائق و امین ناظم حافظ احمد علی خانصاحب شوق کے پنشن لے لینے سے باہر کے لوگون کو کتبخانہ کے لائق نگران کار کی علحدگی کا افسوس تھا، مگر اب یہ دیکھکر بے انتہا مسرت ہوتی ہو کہ خود حضور نواب صاحب رامپور کو اپنے تاج ریاست کے اس قیمتی ہیرے کا بیحد خیال ہے، بعض لائق نگرانون کا انتخاب ہوا ہے، کتبخانہ کی جگہ تنگ تھی، اب سرکار عالی نے اس کے لیے ایک نہایت عالیشان محل عطا فرمایا ہے، اور حکم دیا ہے کہ کتبخانہ کے شایان شان فرنیچر، الماریان اور سامان فراہم کیئے جائین، مولوی سید ابو محمد صاحب ریونیو منسٹر جو خود صاحب علم ہین، وہ کتبخانہ کے افسر اعلیٰ منتخب ہوئے ہین، اور سنا ہو کہ موصوف کتبخانہ کی ترقی مین پوری دلچسپی لیتے ہین، چنانچہ کتبخانہ کی عربی کتابون کی ایک دستی فہرست (ہینڈ لسٹ) تیار کرنے کا حکم انھون نے دیا ہے، واقعی اس کتبخانہ کے لیے اب تک یہ بڑی کمی ہے کہ اس کا جدید طریق کا کیٹلاگ اب تک مرتب نہین کیا جاسکا ہے، امید ہے کہ ادھر بھی توجہ مبذول ہوگی،

مقالات

ترجمان القرآن

اور

"نجات و سعادت کی راہ"

از

سید ریاست علی ندوی

آج سے ربع صدی پیشتر مولانا شبلی مرحوم نے جدید علم کلام کی تدوین کی ضرورت محسوس فرمائی، اور متکلمانہ مسائل کو جدید علوم اور ذہن انسانی کے نئے افکار سے مطابقت دیکر دو جلدوں میں پیش کیا، لیکن زمانہ روز بروز ترقی کرتا جاتا ہے، مباحث نو بدلتے جاتے ہیں، اور اسی لحاظ سے مسلمانوں کے افکار و خیالات بھی نئے قالب اختیار کرتے جاتے ہیں،

جس زمانہ میں مولانا شبلی نے الکلام لکھی اوس عہد میں متکلمانہ مسائل پر جو شکوک و شبہات پیدا کئے جاتے تھے، وہ مسلمانوں کے حلقے کے بجائے غیر مسلموں کے دائرہ سے اوٹھتے تھے، مسلمانوں کے درمیان جو مسائل و مباحث دائر تھے، وہ فقہ کے مختلف مسائل رفع یدین، قرأۃ خلف الامام، اور ما اہل لغیر اللہ بہ کی تفسیر و تحقیق تھے، اور اگر متکلمانہ مسائل تھے، تو وہ بھی اسلامی علم کلام ہی سے پیدا شدہ مسائل: رویت باری تعالی، امکان کذب باری تعالی، اور علم غیب باری تعالی وغیرہ پر مباحث ہوتے تھے لیکن رفتہ رفتہ ربع صدی میں جدید تعلیم اور روشنی سے ان مسائل کی جگہ دوسرے مسائل نے لے لی، مثلاً اب یہ مسائل پیدا ہوگئے ہیں کیا ایک فاسق و فاجر مسلم سے ایک نیکو کار غیر مسلم بہتر نہیں، کیا نجات کے لئے عمل شرط ہے، کیا نجات منحصر ہے صرف دین اسلام کے متبعین کے لئے، احادیث نبوی اور منہیات شرعیہ کے ثبوت میں دلیل ہیں؟ قرآن میں نمازوں کا بیان کسطرح ہے؟ کیا روزوں کا مہینہ بھر رکھنا ضروری ہے، وغیرہ

موجودہ دور کے بہی مسائل ہین جنہین سے بعض افکار کی جھلک ایک مخلص سائل کو مولانا ابوالکلام آزاد کی "ترجمان القرآن" مین بھی نظر آئی، اور اونھون نے مستفسرانہ حیثیت سے اپنے اعتراضات قلمبند کر کے ہمارے پاس بھیجے، جو جنوری ۱۹۳۳ء کے معارف مین پیش کئے جا چکے ہین، لیکن جیسا کہ وہین اشارہ کر دیا گیا تھا کہ سائل کے شکوک کسی قدر غلط فہمیون پر بھی مبنی ہین، تاہم یہ بھی حقیقت ہو کہ ترجمان القرآن مین بعض مقامات پر مباحث کی تشنگی باقی رہ گئی ہے، اور یا تو مصنف کو جو کچھ کہنا منظور تھا، اوسکو اجمال و تلمیحات کے پردہ مین اسقدر چھپایا کہ حقیقت مستور ہو گئی، یا محض اسلوب بیان کے اجمال سے شکوک و شبہات کی گنجایش باقی رہ گئی، لیکن یہ مسائل ایسے نہین جو نظرانداز کر دئے جائین، اسلئے مناسب ہے کہ ان پر صفائی سے گفتگو کر لیجائے، کہ ابھی ترجمان القرآن کی دوسری جلد زیر ترتیب ہی مصنف کو ان مسائل پر دوبارہ غور کرنے یا اجمال کو تفصیل اور ابہام کو تصریح سے بدلدینے کا موقع مل جائے،

سائل نے اپنے مقالہ مین دو مشکلین پیش کی ہین،

۱- یہ کہ مصنف نے خدا کی ہستی کے اعتقاد کو فطرت انسانی کا ایک وجدانی احساس، اور انبیائے کرام کی تعلیمات کو نوع انسانی کے تدریجی سلسلۂ ارتقار کی کڑیان بتایا ہو، کہ جیسے جیسے ذہن انسانی ترقی کرتا گیا، الوہیت کے تصور مین بھی بتدریج ترقی ہوتی گئی،

۲- دوسری یہ کہ مصنف کے نزدیک تمام مذاہب اپنے اپنے طریقے پر سچے ہین، اور اصل دین "خدا پرستی" اور "نیک عملی" کی تلقین ہے اور شرائع و منہاج کے اختلاف پر جو گروہ بندیان ہو گئی ہین، وہ اس تعلیم کے منافی ہین، اسلام نام ہے محض اوس عقیدہ کو قبول کر لینے کا،

موخرالذکر مسئلہ سے دو مسئلے اور پیدا ہوئے جو نتیجۃً ایک ہی ہین،

الف - اوس "اسلام" پر ایمان لانا ضروری نہین، جسے عرف عام مین "دین محمدی" کہتے ہین، یعنی کہ اصل دین مین رسالت محمدی کا اقرار ضروری نہین،

ب - جو بھی "خدا پرست" اور "نیک عمل" ہے، وہ ہر طرح نجات پائے گا، خواہ وہ رسالت محمدی کا اقرار کرے یا نہ کرے اور عام ازین کہ وہ اسلامی عبادات و مباحات و منہیات شرعیہ کا پابند ہو یا نہ ہو،

(۱)

ہمارے خیال میں ترجمان القرآن میں انبیار کی تعلیم میں جو تدریجی ترقی بتائی گئی ہے، وہ توحید ربانی کی تعلیم میں نہیں بلکہ وحدتِ الٰہی کی تعلیم کے بعد صفاتِ الٰہی کی تعلیم میں ہے، سائل نے اس موقع پر جو تین آتیں لقد بعثنا فی کل امۃ رسولاً الآیۃ، وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ، الآیۃ اور انا اوحینا الیک کما اوحینا، الآیۃ اپنے شبہہ کی تائید میں پیش کی ہیں، اون میں سے آخری آیت کا تعلق نہ توحید الٰہی سے ہے اور نہ صفاتِ الٰہیہ سے، بلکہ اوس کا تعلق محض وحی ونبوت کے ثبوت سے ہے، اور باقی پہلی دونوں میں توحیدِ الٰہی کی تعلیم ہے، اور یہی کہا گیا ہے کہ تمام رسولوں اور نبیوں اور آنحضرت صلعم کی طرف بھی یہی پیغام ربانی آیا کیا کہ پرستش کے قابل ایک ہی ذات واحد ہے جس کا نام اللہ ہے،

لیکن توحیدِ الٰہی اور چیز ہے، اور اوس ذات واحد یعنی اللہ کا تصور دوسری چیز ہے مسلمان اپنے متکلمانہ عقائد کے لحاظ سے بہ کثرت فرقوں میں تقسیم ہیں، ان تمام فرقوں میں توحیدِ الٰہی سب کا بنیادی عقیدہ ہے، مگر ذاتِ باری کے تصور اور صفاتِ الٰہیہ میں اون کے مختلف نظریے پیدا ہوئے، اس لئے اگر توحیدِ الٰہی کا ثبوت وعدم، صفاتِ الٰہیہ پر رکھا جائے تو اسلام کے مختلف فرقوں نے صفاتِ الٰہیہ کی تعبیر میں جو مختلف راہیں اختیار کی ہیں اونھیں کیا کہا جائے گا، "خدا پرستی" اور توحید بالکل ایک چیز نہیں ہیں، ہر "موحد" کا خدا پرست ہونا ضرور ہے لیکن ہر خدا پرست کا "موحد" ہونا لازم نہیں،

اسی لئے فطرتِ انسانی میں ذاتِ خدا کے تصور کے وجدانی احساس کے باوجود مذہب کی ضرورت باقی رہجاتی ہے کہ انسانی فطرت مافوق الفطرت ہستی کو از خود تسلیم کرتی آئی ہے لیکن مذہب کا کام یہ رہا ہے، کہ اوس مافوق الفطرت ہستی کو یگانہ بے ہمتا بتانے اور بہت سی ہستیوں کا اعتقاد رکھنے کے بجائے صرف ایک ہی ہستی کی ضرورت جتلائے ترجمان القرآن کی ذیل کی عبارتیں وہ ہیں جن سے اس مفہوم کی تصدیق ہوتی ہے، مثلاً یہ ہیں:-

قرآن سے پہلے فکر انسانی کی استعداد اس درجہ بلند نہیں ہوئی تھی، کہ توحید فی الصفات کی نزاکتوں اور بلند شیوں کی متحمل ہو سکتی اسلئے مذاہب نے تمام تر زور توحید فی الذات ہی پر دیا، توحید فی الصفات اپنی ابتدائی اور سادہ حالت میں چھوڑ دی،

اسی طرح ایک موقع پر ہے:-

پچھلے دور میں نوع انسانی کی ذہنی استعداد اس درجہ شایستہ نہیں ہوئی تھی، کہ تمثیلوں کے بغیر حقیقت کا تصور پیدا کر سکتی، لامحالہ پیرایۂ تعلیم بھی تمام تر تشبیہہ مجاز پر مبنی ہوتا تھا، لیکن جب تعلیم اپنے درجۂ کمال تک پہنچ گئی، تو تمثیلوں کی ضرورت باقی نہ رہی، ضروری ہوگیا کہ اب حقیقت براہِ راست اپنا جلوہ دکھادے،" (صفحہ ۱۱۳)

(۲)

دوسرا مسئلہ یقیناً نہایت اہم ہے، اور اسمین ایک حد تک مصنف پر بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، مصنف نے "خداپرستی" اور "نیک عملی" پر ایک طویل بحث کی ہے، اور بار بار یہی دکھایا ہے کہ اسلام نے تحزب وتشیع اور گروہ بندی سے روکا، انبیاء ورسل مین بعض کو ماننے اور بعض کا انکار کرنے سے باز رکھا، اور بلا تفریق قوم وملک سب کو ایک ہی عقیدہ کے قبول کرنے کی دعوت دی یہی وہ عقیدہ ہے، جو ازل سے انسانون کے سامنے پیش ہوتا رہا، اور اسی کی تعلیم تمام مذاہب مین دیگئی،

بلاشبہہ اسلام یعنی دین محمدی کی اصل حقیقت اور نبوت محمدی کی اصل دعوت، اس کے سوا کچھ نہین، اور یہی اوسکا منشا رہا کہ خداپرستی سارے عالم مین پھیل جائے اور ساری انسانی آبادی نیک عملیون سے معمور ہوجائے اور دنیا کے تمام رسولون اور پیغمبرون کو سچا اور راست باز تسلیم کیا جائے،

لیکن اسلام کی اس تعلیم کو بظاہر دو مختلف نقطہ ہائے نظر سے پیش کیا جاسکتا ہے،

اولاً یہ کہ اسلام یہود ونصاریٰ سے خطاب کرنے کے علاوہ کہ تحزب وتشیع سے کنارہ کش ہوکر دین فطرت یعنی دین حنیف وملت ابراہیمؑ کے سامنے آکر جھک جاؤ، اپنے متبعین کو بھی یہ گوش گذار کردیتا ہے کہ اس راہ مین نسل وقومیت اور فلان ابن فلان کی شنوائی نہین، ایمان وعمل کا ذخیرہ ساتھ لاؤ، نجات وسعادت کے دروازے کھلے پاؤگے،

دوسرا نقطۂ نظر اس روش سے جداگانہ ہے، اور وہ محض مذاہب کے خلاف پھیلائے ہوئے غلط پروپگنڈے سے دامن بچانے کیلئے ہے، یعنی کہ اسلام کو گروہ بندیون سے کوئی علاقہ نہین، وہ تمام مذاہب کی سچائیون کا ماننے والا ہے، (اور ان سچائیون سے اصل مقصود تو وہ ہون جنھین موجودہ مذاہب نے کھودیا ہے، مگر ان کا اطلاق مذاہب کی موجودہ گمراہیون پر بھی ہونے دیا جائے اور اس غلط اطلاق کی جانب سے چشم پوشی کرلیجائے،) اور ہر صحیح العقیدہ انسان پر فلاح وسعادت کا دروازہ کھولنے والا ہے، خواہ

انسان جس طریق اور جس مذہب کا پابند ہو جس طور پر عبادت کرتا ہو جن مباحات سے بے پروا اور جن منہیات سے ملوث ہو یہ محض سُبُل و طُرق کا اختلاف ہے، نجات کے لئے یہ محض بس ہے کہ وہ خدائے واحد کا عقیدہ رکھتا ہے، اور انسانی آبادیوں میں ایک رواداراور اخلاقی محاسن سے ایک متصف انسان ہے،

یہ اتفاقی بات ہے کہ سائل کی ترجمان القرآن کے مطالعہ سے اسی دوسرے مفہوم کی طرف رہنمائی ہوئی لیکن ہم نے ترجمان القرآن دیکھی ہمیں بظاہر اس میں وہی پہلا نقطۂ نظر زیادہ نمایاں نظر آیا، تاہم ہم سائل کو بھی اس دوسرے مفہوم کے سمجھنے میں مورد الزام نہیں قرار دے سکتے کہ اوسکی کچھ نہ کچھ ذمہ داری مصنف کے طرز بیان پر بھی عاید ہوتی ہے، بہرحال پہلے ہمیں ترجمان القرآن کی عبارتوں سے یہی دیکھنا ہے، کہ مصنف کا اصل مقصود بظاہر کیا نظر آتا ہے،

اس سلسلۂ بحث میں سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ جب مصنف نے نجات وسعادت کو خداپرستی اور نیک عملی پر موقوف کیا ہے تو اس کے نزدیک نفس "خداپرستی" اور "نیک عملی" کیا ہے چنانچہ ترجمان القرآن میں ایک موقع پر خداپرستی اور نیک عملی کو قرآن مجید کی ذیل کی ایک آیت سے باین طور سمجھایا گیا ہے،:-

"پھر اسی سورہ میں آگے چل کر صاف صاف لفظوں میں واضح کر دیا ہے، کہ اصل دین کیا ہے اور کن باتوں سے ایک انسان دین کی سعادت و فلاح حاصل کر سکتا ہے، وہ کہتا ہے دین محض اس طرح کی باتوں میں نہیں دھرا ہے، کہ ایک شخص نے عبادت کے وقت پچھم کی طرف منہ کر لیا یا پورب کی طرف، اصل دین تو یہ ہے کہ دیکھا جائے خداپرستی اور نیک عملی کے لحاظ سے ایک انسان کا کیا حال ہے، پھر تفصیل سے بتلایا ہے، کہ خداپرستی اور نیک عملی کی اصلی باتیں کیا کیا ہیں"

لیس البران تولوا وجوھکم قبل المشرق	اور (دیکھو) نیکی یہ نہیں کہ تم نے (عبادت کے وقت) اپنا
والمغرب. ولکن البر من آمن باللہ	منہ پورب کی طرف اور پچھم کی طرف کر لیا (یا اسی طرح
والیوم الآخر والملئکۃ والکتب	کی کوئی دوسری بات ظاہری رسم اور ڈھنگ کی کر لی)
والنبین. واتی المال علیٰ حبہ ذوی القربیٰ	نیکی کی راہ تو اسکی راہ ہے، جو اللہ پر آخرت کے دن پر

والیتمیٰ والمسٰکین وابن السبیل والسائلین	ملائکہ پر اللہ کی تمام کتابوں اور نبیوں پر ایمان لاتا اور
وفی الرقاب۔ واقام الصلوٰۃ واتی	اپنا مال محبوب رشتہ داروں یتیموں مسکینوں مسافروں اور
الزکوٰۃ۔ والموفون بعہدھم اذا	سائلوں کی راہ میں اور غلاموں کے آزاد کرنے میں خرچ
عاھدوا والصٰبرین فی الباساء	کرتا ہے، نماز قائم کرتا ہے زکوٰۃ ادا کرتا ہے قول و قرار
وحین الباس اولئک الذین صدقوا	کا پکا ہوتا ہے تنگی اور مصیبت کی گھڑی ہو یا خوف و ہراس کا
واولئک ھم المتقون (۲: ۱۷۲)	وقت ہر حال میں صابر اور ثابت قدم رہتا ہے، (سو یاد رکھو)
	ایسے ہی لوگ ہیں جو اپنی دینداری میں سچے ہیں اور یہی
	ہیں جو برائیوں سے بچنے والے انسان ہیں،

"جس کتاب پر تیرہ سو برس سے یہ آیت موجود ہے اگر دنیا اوسکی دعوت کا مقصد اصلی نہیں سمجھ سکتی، تو پھر کونسی بات ہے جسے دنیا سمجھ سکتی ہے۔" (صفحہ ۱۳۵، ۱۳۶)

اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے، کہ مصنف کے نزدیک دین کی اصل حقیقت کیا ہے یعنی خدا پرستی و نیک عملی میں اللہ آخرت ملائکہ کتب اور انبیاء پر ایمان لانا نماز پڑھنا زکوٰۃ دینا اور دوسرے نیک کام کرنا ضروری ہیں اس لئے سائل کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ مصنف ترجمان القرآن کے نزدیک نجات کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ

"ایمان کو کسی خاص شرط سے مقید کیا جائے یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملائکہ، کتب الٰہی انبیائے کرام اور آخرت پر بھی اسی شکل میں ایمان لایا جائے جس شکل میں قرآن نے پیش کیا ہے اور نبی اکرم نے کر کے دکھایا"

اس لئے ہمارے خیال میں ترجمان القرآن میں تحزب، تشیع، اور گروہ بندی کے خلاف اس لئے آواز اوٹھائی گئی ہے کہ اون لوگوں کو چونکایا جائے جو عمل کی پاداش سے بے خوف ہو کر محض گروہ بندی اور ایک مذہب میں محض داخل ہو جانے پر تکیہ کر کے نڈر ہو گئے ہیں، یہ حقیقت کتاب مذکور کی ذیل کی عبارت سے واضح ہوتی ہے:۔

یعنی دین سے مقصود تو خدا پرستی اور نیک عملی کی راہ تھی (جسکی تفصیل اوپر گذر چکی) وہ کسی خاص حلقہ بندی کا نام نہ تھا کوئی

انسان ہو کسی نسل و قوم سے ہو، کسی نام سے پکارا جاتا ہو، لیکن اگر خدا پرست اور نیک عمل ہے تو دین الٰہی پر چلنے والا ہے، اور وہ اس کے لئے نجات ہے، لیکن یہودیوں اور عیسائیوں نے ایک خاص طرح کی نسلی اور جماعتی گروہ بندی کا قانون بنا دیا ..... جو اسمیں داخل ہے صرف وہی سچائی پر ہے، اور صرف اسی کے لئے نجات ہے، جو اس سے باہر ہے، اس کا سچائی میں کوئی حصہ نہیں اور نجات سے قطعاً محروم ہے، باقی رہا عمل تو اس کا قانون یک قلم غیر مؤثر ہو گیا ہے، ایک شخص کتنا ہی خدا پرست اور نیک عمل ہو لیکن اگر یہودیت کی نسلی گروہ بندی یا مسیحیت کی جماعتی گروہ بندی میں داخل نہیں تو اسے کوئی یہودی اور عیسائی ہدایت یافتہ انسان تسلیم نہیں کر سکتا لیکن ایک سخت سے سخت بدعمل انسان بھی نجات یافتہ سمجھ لیا جائے گا اگر ان گروہ بندیوں میں داخل ہوگا ....، (ص ۱۷۱)

اور اسی طرح اس بحث کے خاتمہ میں ہے :-

اسی طرح وہ سورۂ بقرہ میں بار بار کہتا ہے، دین الٰہی عمل کا قانون ہے اور ہر انسان کے لئے وہی ہوتا ہے جو اسکے عمل کی کمائی ہو، یہ بات کہ ایک گروہ میں بہت سے نبی اور برگزیدہ انسان ہو چکے ہیں، یا نیک انسانوں کی نسل میں سے ہو یا کسی پچھلی قوم سے رشتہ قدامت رکھتا ہے، نجات وسعادت کے لئے کچھ سودمند نہیں،

تلک امۃ قد خلت لھا ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون (۲ : ۱۲۸)	(البقرہ)	یہ ایک امت تھی، جو گذر چکی، اسکے لئے وہ تھا جو اس نے اپنے عمل سے کمایا، اور تمہارے لئے وہ ہے جو تم اپنے عمل سے کماؤ، ان کے کاموں کے لئے تم سے بازپرس نہ ہوگی

اس اقتباس اور نیز ترجمان القرآن کے سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں جو مباحث پھیلے ہوئے ہیں، انھیں بغور معان دیکھ لینے کے بعد اصولاً یہ سوال پیدا نہ ہونا چاہئے، کہ مصنف کے نزدیک کسی انسان کا اس اسلام پر بھی ایمان لانا ضروری ہے، کہ نہیں، جسے عرف عام میں "دین محمدی" کہتے ہیں، کیونکہ ترجمان القرآن کی عبارتوں اور اسمیں پیش کی ہوئی آیتوں سے واضح طور پر یہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے، لیکن پھر اس کے باوجود اس سوال کے چھیڑنے کی ضرورت اس لئے پڑ جاتی ہے، کہ باوجودیکہ یہ اس قدر واضح حقیقت تھی، لیکن ساری تفسیر میں کہیں پر بھی اس کو تصریح کے ساتھ واضح الفاظ میں ظاہر نہیں کیا گیا، اور تفسیر کا جو اسلوب بیان ہے اور ایک آدھ

جگہ طرز ادا میں جو عموم ہے اس سے اشتباہ ہو جاتا ہے، کہ مصنف کے ذہنی رجحانات شاید اسی طرف مائل ہوں کہ ایک خدا ترس دیانتدار انسان کے لئے رسالت محمدی کا اقرار اور دین محمدی کا قبول کرنا کوئی امر ضروری نہیں اسلئے مناسب ہے کہ پہلے ہم اس مسئلہ پر ترجمان القرآن ہی کے بیانات کی روشنی میں نظر ڈالیں،

ترجمان القرآن میں تفریق بین الرسل کو اکثر جگہ موجب کفر قرار دیا گیا ہے، اور ص ۱۵۰، ۱۵۱ وغیرہ میں متعدد ایسی آیتیں پیش کی ہیں جن میں تفریق بین الرسل سے روکا گیا ہے، اس لئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایک مسلمان کسی رسول کی تکذیب کرتا یا کر سکتا ہے، اس لئے موجودہ دور میں اس بیان کے مخاطب وہی لوگ ہو سکتے ہیں، جو محمد صلعم کی رسالت کا انکار کرتے ہیں، چنانچہ ص ۱۵۲ میں ہے:۔

"چنانچہ اوس نے جا بجا تفریق بین الرسل کی راہ کو انکار کی راہ قرار دیا ہے، اور "ایمان" کی راہ یہ بتلائی ہے، کہ بلا تفریق سب کی تصدیق کیجائے! وہ کہتا ہے، یہاں راہیں صرف دو ہی ہیں تیسری نہیں ہو سکتی "ایمان" کی راہ یہ ہے کہ سب کو مانو "انکار" کی راہ یہ ہے کہ سب کا یا کسی ایک کا انکار کرو، یہاں کسی ایک کا انکار بھی وہی حکم رکھتا ہے، جو سب کے انکار کا ہے،

ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ ویریدون	جو لوگ اللہ اور اوس کے پیغمبروں سے برگشتہ ہیں اور چاہتے ہیں
ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ ویقولون	اللہ اور اوس کے رسولوں میں تفرقہ کریں (یعنی کسی کو خدا
نؤمن ببعض ونکفر ببعض ویریدون	کا رسول مانیں کسی کو نہ مانیں)، اور کہتے ہیں ان میں سے بعض کو
ان یتخذوا بین ذالک سبیلا، اولئک	ہم مانتے ہیں، اور بعض کا انکار کرتے ہیں، اور پھر اس طرح چاہتے
ھم الکافرون حقا، واعتدنا	ہیں، کہ کفر اور ایمان کے درمیان کوئی تیسرا راستہ اختیار کریں
للکافرین عذابا مھینا والذین	تو یقین کرلو یہی لوگ ہیں کہ اون کے کفر میں کوئی شک نہیں
آمنوا باللہ ورسلہ ولم یفرقوا	اور جن لوگوں کی راہ کفر کی راہ ہے تو اون کے لئے رسوا کن
بین احد منھم اولئک	عذاب تیار ہے لیکن جو لوگ اللہ اور اوس کے تمام پیغمبروں

سوف یؤتیھم اجورھم وکان اللہ غفوراً رحیما۔

پر ایمان لائے، اور کسی ایک پیغمبر کو بھی دوسروں سے جدا نہیں کیا، (یعنی کسی ایک کی سچائی سے بھی انکار نہیں کیا)، تو بلا شبہ یہی لوگ ہیں جنھیں عنقریب اللہ ان کے اجر عطا فرمائیگا، اور وہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

کیا "الرسل" تمام پیغمبروں میں محمد رسول اللہ (صلعم) داخل نہیں اور کیا ان کا انکار تفریق بین الرسل نہ ہوگا، اور معلوم ہو چکا کہ تفریق بین الرسل "انکار یعنی کفر" کی راہ ہے، جو ایمان کے مقابل و مخالف ہے، اس لئے ایسا شخص ان آیات کے رو سے بھی گمراہ غیر مومن ہوگا، کہ "کسی ایک کا انکار بھی وہی حکم رکھتا ہے جو سب کے انکار کا ہے"۔

اس میں شبہ نہیں کہ قرآن بار بار اس حقیقت کو دہراتا ہے، کہ اسلام کوئی نئی چیز نہیں یہ محض ملت ابراہیم کا احیا ہے اور ملت ابراہیمی کے بعد جسقدر فرقے اور مذاہب پیدا ہو گئے ہیں، ان کی ضرورت نہیں اب کوئی یہودی رہا، نہ نصرانی، کوئی موسوی رہا نہ عیسائی، اسی طرح کسی کو "محمدی" ہو کر رہنے کا بھی حق نہیں، اسلام نام ہے ملت ابراہیم کا، محمد رسول اللہ صلعم جنکی بشارت اپنے اپنے زمانوں میں تمام انبیاء دیتے آئے اب مبعوث ہو چکے، وہ ملت ابراہیمی کا احیاء کرتے ہیں، اب یہی دین ہے جو ہمیشہ سے انبیاء کا دین رہا اور اسی کی تبلیغ کی جاتی رہی لیکن اس حقیقت کو اہل مذاہب فراموش کرتے رہے، اور اب قرآن کے ذریعہ وہی دائمی حقیقت پھر دنیا میں نازل کی گئی، اور حق اسی میں منحصر ہے، اس میں بھی شبہ نہیں کہ مشترک سچائیاں تمام مذاہب یہود و نصاریٰ وغیرہ میں موجود تھیں لیکن زمانہ کی امتداد سے وہ سچائیاں گم ہو چکی ہیں، اس لئے اب کوئی بھی دوسرا دین قائم نہیں جتنی سچائیاں تھیں وہ سمٹ کر اسلام میں اکٹھی کر دی گئیں، اب اسی کی پیروی میں نجات اور سعادت کی راہ ہے، اسی مفہوم کو ترجمان القرآن میں ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے

"سوال یہ ہے کہ جب دین کی راہ ایک ہونے کی جگہ بے شمار جتھوں اور ٹولیوں میں تقسیم ہو گئی، اور ہر جتھا ایک ہی طریقہ پر اپنی سچائی کا مدعی ہے اور ایک ہی طریقہ پر دوسروں کو جھٹلاتا ہے، تو اب اس بات کا فیصلہ کیونکر ہو، کہ فی الحقیقت سچائی کہاں ہے؟ قرآن کہتا ہے، سچائی اصلاً سب کے پاس ہے، مگر عملاً سب نے کھو دی ہے، سب کو ایک ہی دین کی تعلیم دی گئی تھی، اور سب کے لئے ایک ہی عالمگیر قانون ہدایت تھا، لیکن سب نے اصل حقیقت ضائع کر دی"۔ (ص ۱۴۲)

اور پھر دوسری جگہ اسی کو ان الفاظ میں واضح کیا ہو:-

"یہ جو قرآن جابجا اس بات پر زور دیتا ہے، کہ وہ پچھلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہو جھٹلانے والا نہیں ہے، اور اہل کتاب سے بار بار کہتا ہے وامنوا بما انزلت مصدقا لما معکم (۲: ۴۱) کہ کتاب پر ایمان لاؤ جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرتی ہوئی نمایاں ہوئی ہے تو اس سے مقصود بھی اسی حقیقت پر زور دینا ہے یعنی جب میری تعلیم تمہارے مقدس نوشتوں کے خلاف کوئی نئی بات پیش نہیں کرتی، اور نہ اوسے تمھیں منحرف کرانا چاہتی ہو، بلکہ سرتاسر اونکی مصدق اور مؤید ہے، تو پھر تم میں اور مجھ میں نزاع کیوں ہے کیوں تم میرے خلاف اعلان جنگ کردو" (ص ۱۵۵)

اب چونکہ دوسرے مذاہب کی تمام گمشدہ سچائیاں اسی قرآن میں مل سکتی ہیں، اس لئے اس پر ایمان لانا ضروری قرار پایا، ورنہ گمشدہ سچائیاں کہیں ہاتھ نہ آئیں گی، اور انسان اس کے بغیر گم گشتہ راہ رہیگا چنانچہ مصنف نے "الاسلام" کی تفسیر کا خاتمہ اس آیت پر کیا ہے،

وان هذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولاتتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ ذلکم وصٰکم بہ لعلکم تتقون۔	اور دیکھو یہ میری راہ ہو، بالکل سیدھی راہ پس اسی ایک راہ پر چلو اور طرح طرح کی راہوں کے پیچھے نہ پڑجاؤ، وہ تمھیں خدا کی راہ سے ہٹا کر جدا جدا کردینگے یہی بات ہے جس کا خدا تمھیں حکم دیتا ہے تاکہ تم (نافرمانی) بچو، (ص ۱۵۹)
(۶: ۱۵۵)	

یہین سے اشکارا ہو جاتا ہے، کہ دین محمدی ہی کا وہ راستہ ہے جس نے تمام راستوں کو سمیٹ کر ایک شاہراہ عام تیار کردی اب تمام راستے (السبل) بند ہو چکے ہیں، اب "حق پرست" کا فرض ہے کہ اسی شاہراہ عام پر گامزن ہو، (فاتبعوہ) اور تمام چھوٹے چھوٹے راستے مسدود ہو جائیں، اور ان پر چلنا موقوف ہو جائے (ولاتتبعوا السبل) ورنہ الاسلام تک پہنچانے والا طریقہ تم سے چھوٹ جائیگا اور خدا پرستی کا جذبہ تمھارے دلوں میں پیدا نہ ہو سکیگا، کہ اس صراط محمدی (صراطی) کے بجز تمام راستے تمھیں راہ خدا سے بھٹکا دینگے،

(فتفرق بکم عن سبیلہ)

چنانچہ پوری بحث کے خاتمہ پر اس آیت کو پیش کرکے ذیل کی تفسیر لکھی ہے:

"چنانچہ یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے جب "صراط مستقیم" کی اس تفسیر پر نظر ڈالی جائے، جو پیغمبر اسلام (صلے اللہ علیہ وسلم) نے فرمائی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پہلے انگلی سے ایک لکیر کھینچی اور فرمایا، یوں سمجھو کہ یہ لکیر اللہ کا ٹھہرایا ہوا راستہ ہے، بالکل سیدھا، اس کے بعد اس لکیر کے دونوں طرف بہت سی ترچھی لکیریں کھینچ دیں اور فرمایا یہ طرح طرح کے راستے ہیں جو بنا لئے گئے ہیں، اور ان میں سے کوئی راستہ نہیں جسکی طرف بلانے کے لئے ایک شیطان موجود نہ ہو، پھر یہ آیت پڑھی، وان ھذا صراطی مستقیما (الی آخرہ)،

اس سے معلوم ہوا، تمام ادھر ادھر کے ٹیڑھے ترچھے راستے "سبل متفرقہ" ہیں، جو جمعیت بشری کو متحد کرنے کی جگہ متفرق کر دیتے ہیں، اور درمیان کی ایک سیدھی راہ "صراط مستقیم" ہے، یہ متفرق کرنے کی جگہ تمام رہروان منزل کو ایک ہی شاہراہ عام پر جمع کر دیتی ہے۔"

یہ سبل متفرقہ کیا ہیں، اوسی گمراہی کا نتیجہ ہیں، جسے قرآن نے "تشیع و تحزب" کی گمراہی سے تعبیر کیا ہے، اور تشریع اوسکی اوپر گذر چکی، اور رسالت کے اقرار کو آغاز بحث میں ان کھلے الفاظ میں ظاہر کیا جا چکا:-

"پیغمبر اسلام نے اپنی تعلیم کا بنیادی کلمہ جو قرار دیا ہے، سب کو معلوم ہے، اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمداً عبدہ و رسولہ .... اس اقرار میں جس طرح خدا کی توحید کا اعتراف کیا گیا ہے، ٹھیک اوسی طرح پیغمبر اسلام کی بندگی اور درجۂ رسالت کا بھی اعتراف ہے ..... کوئی شخص دائرۂ اسلام میں داخل ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ وہ خدا کی توحید کی طرح پیغمبر اسلام کی بندگی کا بھی اقرار نہ کرلے (صلا ۱۱۹)"

ان اقتباسات سے واضح ہو جاتا ہے، کہ مصنف کے نزدیک بھی پیغمبر اسلام کی رسالت کا اقرار ضروری ہے، اب یہی ایک سیدھا راستہ منجانب اللہ انسانوں کے لئے باقی رہ جاتا ہے، جسے صراط محمدی (صراطی) کہتے ہیں، اسلئے اس کہنے کے معنی

کہ ہر گروہ اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر سچائی سے کاربند ہوجائے، یہی ہیں کہ اسلام کا بتایا ہوا راستہ اختیار کرلیا جائے، کہ بقول مصنف جتنے مذاہب تھے، وہ سب اپنی سچائیوں کو عملاً گم کرچکے ہیں، اسلئے درحقیقت ان دونوں بیانوں میں کوئی تضاد نہیں ہے جو کچھ فرق ہے، وہ نظری و عملی کا ہے، نظری طور پر تو یہی صحیح ہے کہ ہر گروہ اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر کاربند ہوجائے، لیکن مذاہب کی تعلیمات اس قدر مسخ ہوچکی ہیں کہ عملی طور پر کسی مذہب میں اوسکی تمام سچائیاں اور حقیقی تعلیمات کا ملنا محال ہے، اور اسی لئے خدا نے نزول قرآن کے وقت تمام مذاہب کی سچائیاں اسی میں نئے سرے سے جمع کردیں، اور بتا دیا کہ تمام راستوں کو ترک کرکے سراط مستقیم کا اتباع کرلو،

اسی لئے قرآن مجید میں جابجا مختلف اہل مذاہب کو نام بنام مخاطب کرکے اون کو قرآن مجید پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے، سورۂ آل عمران میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب کو نبوت محمدی کے قبول کرنے کی ان الفاظ میں دعوت دی

وقل للذین اوتوا الکتاب والامیین ءاسلمتم	اور اے پیغمبر ان کو جن کو کتاب دی گئی، اور عرب کے جاہلوں
فان اسلموا فقد اھتدوا	کو کہہ کیا وہ اسلام لائے، اگر اسلام لائے تو انہوں نے
(آل عمران ۲)	سیدھی راہ پائی،

سورۂ بقرہ میں اس سے زیادہ تفصیل سے یوں ہے:-

قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل	(اے مسلمانو!) کہو کہ ہم اللہ پر اور جو ہم پر اوترا اور جو ابراہیم
الی ابراھیم و اسمعیل و	پر اور اسمعیل پر اور اسحاق پر اور یعقوب پر اور اون کی
واسحاق و یعقوب والاسباط	اولاد پر اوترا، اور جو موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور سب پیغمبروں
وما اوتی موسے و عیسے وما	کو ان کے پروردگار کی طرف سے دیا گیا سب پر ایمان
اوتی النبیون من ربھم لا	لائے ہم اون میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم
نفرق بین احد منھم ونحن لہ	اسی خدا کے مسلم یعنی فرمانبردار ہیں، تو اگر وہ (اہل کتاب)
مسلمون فان امنوا بمثل ما امنتم	بھی اسی طرح ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے تو

بہ فقد اھتدوا وان تولوا — اونھون نے سیدھی راہ پائی، اور اگر وہ اس سے باز رہیں تو
فانما ھم فی شقاق — وہ محض ضد میں ہیں،

ان آیتوں سے واضح ہوگیا کہ یہود و نصاریٰ کے لئے بھی ہدایت کا راستہ "اسلام" ہے کوئی اور نہیں،

سورۂ نساء میں وعید کے ساتھ ایمان کی یون دعوت دی گئی،

یا ایھا الذین اوتوا الکتاب آمنوا بما نزلنا مصدقا — اے وہ لوگ جنھیں کتاب دی گئی، ایمان لے آؤ (قرآن)
لما معکم من قبل ان نطمس وجوھا — پر کہ ہم نے نازل کیا، جو تصدیق کرتا ہے اوسکی جو
فنردھا علی ادبارھا او نلعنھم کما لعنا — تمھارے پاس ہے قبل اس کے کہ ہم مٹا ڈالیں مونھ
اصحاب السبت (نساء ۷) — کو پھر پھیر دیں اون کو پیٹھ کی طرف، یا اون کو لعنت کریں

اس کے بعد ذیل کی وہ آیت ہے جسمین لازمی طور پر تمام روئے زمین کے انسانون کو رسالت محمدی کا اقرار کرنے اور اس پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی:۔

قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا — کہدے اے پیغمبر کہ اے انسانو! مین تم سب کی طرف
الذی لہ ملک السموات والارض لا — اوس خدا کا رسول بنکر آیا ہون جس کی آسمانون اور
الہ الا ھو یحیی ویمیت فامنوا باللہ و — زمین کی شہنشاہی ہے، اس کے سوا کوئی خدا نہیں، وہی
رسولہ النبی الامی الذی یومن باللہ — جلاتا اور وہی مارتا ہے، سو اللہ اور اس کے اس امی
وکلمتہ واتبعوہ لعلکم تھتدون — پیغام رسان رسول پر ایمان لاؤ، جو اللہ پر اور اسکی
(اعراف ۱۹) — باتون پر ایمان رکھتا ہے، اور اس رسول کی پیروی کرو

لیکن اگر ایک شخص رسالت محمدی اور قرآن کے کتاب برحق ہونے کا بھی عقیدۃً قائل ہو مگر اوس "شرع و منہاج" پر جسکو قرآن نے قائم کیا ہے، یا جسکو محمد رسول اللہ صلعم کے انتساب سے "شریعت محمدی" کہا جاتا ہے، عقیدۃً عمل پیرا ہونا ضروری نہین سمجھتا ہو، گویا سادہ الفاظ مین یون کہا جائے کہ وہ اسلام کو بھی ایک دین حق سمجھتا ہو اور اپنے طور پر کسی دوسرے طریق پر ہو تو

کیا قرآن کی تعلیمات اوس سے اسکا مطالبہ نہیں کرتیں۔

یہی وہ سوال ہے جس کا سراغ ہمیں ترجمان القرآن کی عبارتوں میں اشارۃً کنایۃً بھی نہیں ملتا، بلکہ مصنف کے قلم کے پوشیدہ رجحانات کچھ اور غمازی کرتے ہیں، اور معلوم ہوتا ہے، کہ وہ آنحضرت صلعم کی رسالت کے اقرار میں فرق کرتے ہیں، وہ اپنے خدا پرست فیلسوف انسان کے لئے یہ تو ضروری سمجھتے ہیں کہ وہ دینِ اسلام کو بھی ایک دینِ حق تسلیم کرے، اور ان معنوں میں وہ رسالتِ محمدی کا قائل ہو لیکن یہ ضروری نہیں سمجھتے کہ رسالتِ محمدی کا اقرار کرکے شریعتِ محمدی کا بھی وہ اتباع کرے، یہی وجہ ہے کہ ایسے موقعوں پر اصل مسلک کے اظہار کے بجائے "عالمگیر اخوت" "عمومی رواداری" اور "وسعت نظر" وغیرہ جیسے الفاظ اون کے قلم سے ٹپک پڑے ہیں،

لیکن پھر "وسعت نظر" پیدا کرانے اور رواداری کی تلقین کرنے کیلئے قرآن مجید کی جن آیتوں سے استشہاد کیا گیا ہے، وہ مصنف کے مقصد پر حاوی نہیں ہوتیں اوس کی ایک واضح مثال ذیل کے اقتباس میں نظر آتی ہے، جس میں دکھایا جارہا ہے کہ اختلافِ فکر و عمل طبیعتِ انسانی کا قدرتی خاصہ ہے اس لئے شرعۃ و منہاج میں اختلاف ہونا ضروری ہے، فرماتے ہیں:-

"چنانچہ ایک موقع پر خود پیغمبرِ اسلام (صلے اللہ علیہ وسلم) کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہتا ہے، تم جوشِ دعوت میں چاہتے ہو تمام لوگوں کو راہِ حق دکھلا دو لیکن تمھیں یہ بات نہیں بھولنی چاہئے، کہ اختلافِ فکر و عمل طبیعتِ انسانی کا قدرتی خاصہ ہے، تم بجبر کسی کے اندر ایک بات نہیں اوتار دے سکتے"۔

ولو شاء ربك لآمن من في الأرض كلهم جميعاً أفأنت تكره الناس حتى يكونوا مومنين	اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو زمین میں جتنے بھی انسان ہیں سب ایمان لے آتے (لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ اوسکی حکمت کا فیصلہ یہی ہوا کہ ہر انسان اپنی اپنی سمجھ اور اپنی اپنی راہ رکھے) پھر کیا تم چاہتے ہو کہ لوگوں کو مجبور کردو کہ مومن ہو جائیں،
(۱۰ : ۹۹)	

وہ کہتا ہے انسان کی طبیعت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ ہر جماعت کو اپنا ہی طور طریقہ اچھا دکھائی دیتا ہے، وہ اپنی باتوں کو دوسروں کی مخالفانہ نگاہ سے نہیں دیکھ سکتی جس طرح تمہاری نظر میں سب سے بہتر راہ تمہاری راہ ہے ٹھیک اسی طرح دوسر

نظر میں سب سے بہتر راہ اُنکی ہو، پس اس کے سوا چارہ نہیں کہ اس بارہ میں رواداری اور وسعت نظر پیدا کرو،

ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ	اور (دیکھو) جو لوگ خدا کو چھوڑ کر دوسرے معبودوں کو
فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم کذلک	پکارتے ہیں، تو تم انھیں برا نہ کہو، کیونکہ نتیجہ یہ نکلے گا
زینا لکل امۃ عملھم ثم الی ربھم	کہ وہ لوگ بھی ازراہ جہل ونادانی خدا کو برا بھلا کہنے
مرجعھم فینبئھم بما کانوا یعملون	لگیں گے (یا د رکھو) ہم نے انسان کی طبیعت ہی ایسی
(۶: ۱۰۸)	بنائی ہے، کہ ہر گروہ کو اپنا ہی عمل اچھا دکھائی دیتا
	ہے، پھر بالآخر سب کو اپنے پروردگار کی طرف
	لوٹنا ہے، اور وہیں ہر گروہ پر اوس کے اعمال کی حقیقت

لیکن اب ان دونوں آیتوں کو اپنے سیاق وسباق کے ساتھ دیکھیں سورۂ یونس کی پوری آیت یوں ہے:-

ولو شاء ربک لآمن من فی الارض کلھم	اور اگر تیرا پروردگار چاہتا تو جتنے لوگ روئے زمین پر ہیں
جمیعا افانت تکرہ الناس حتی یکونوا	سب کے سب ایمان لے آتے، تو کیا تم لوگوں کو مجبور کرسکتے
مومنین وما کان لنفس ان تومن الا باذن	ہو کہ وہ ایمان لے آویں، کسی نفس کے لئے نہیں کہ وہ
اللہ ویجعل الرجس علی الذین لا یعقلون	ایمان لاوے، بغیر اللہ کے حکم کے، اور خدا وانا ہے

مصنف نے اس آیت کا جو ترجمہ کیا ہے، اور ترجمہ کے اندر قوسین میں جو یہ عبارت بڑھائی ہے:-

"لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ اوس کی حکمت کا فیصلہ یہی ہوا کہ ہر انسان اپنی اپنی سمجھ اور اپنی اپنی راہ رکھے"

اس کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی طرف سے ہر انسان کو اپنی اپنی راہ اور اپنی اپنی سمجھ یعنی اپنی اپنی شرعۃ ومنہاج کے رکھنے کا اختیار دیا جارہا ہے، اور آنحضرت صلعم کو بتایا جارہا ہے کہ اختلاف فکر وعمل طبیعت انسانی کا قدرتی خاصہ ہے"، لیکن پوری

---

[1] آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے" اور لوگ خدا کو چھوڑ کر جن دوسرے معبودوں کو پوجتے ہیں، اون کو برا نہ کہو، امام طبری وغیرہ تمام اہل تفسیر نے متفقاً یہی کہا ہے اور یہی اس آیت پاک کا واحد منشا ہے (سید ریاست علی)

آیت کے بعض لفظی ترجمہ پر با معان نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ قوسین میں اس فقرہ کا اضافہ برمحل نہیں ہے، بلکہ اوس کے برخلاف جیسا کہ مفسرین کا عام اتفاق ہے آنحضرت صلعم کے ملول ہونے پر اوٗنھیں طمانیت وسکون رکھنے کی ہدایت فرمائی جارہی ہے، اور آخر میں کہا جارہا ہے کہ ویجعل الرجس علی الذین لا یعقلون اگر اس آیت میں اپنی اپنی راہ رکھنے کی اجازت دیجاتی، یا اوس سے چشم پوشی کرنے کی ہدایت ہوتی، تو اس "رجس" کی لعنت اور عذاب کی وعید کیوں نازل ہوتی، کہ اختلاف فکر و عمل تو طبیعت انسانی کا قدرتی خاصہ ہے، پھر اس "قدرتی خاصہ" کی پاداش میں عذاب کیوں ہو،

اس سے زیادہ تعجب انگیز دوسری آیت سے استشہاد ہے، یہ آیت بھی اپنے سیاق و سباق کے ساتھ درج ذیل ہے،

قد جاءکم بصائر من ربکم فمن ابصر	تم کو پہنچ چکیں سوجھ کی باتیں تمھارے رب کی طرف سے
فلنفسہ ومن عمی فعلیھا وما انا	تو جس نے (اون کو) دیکھا سو اپنے واسطے اور جو اندھا رہا
علیکم بحفیظ، وکذلک نصرف	تو اوس کا وبال اوسی کے اوپر ہے، اور (کہو) میں
الآیٰت ولیقولوا درست ولنبینہ	تمھارا کوئی نگہبان نہیں، اور اسی طرح ہم آیتیں پھیر پھیر کر
لقوم یعلمون، اتبع ما اوحی الیک	سمجھاتے ہیں تاکہ وہ قائل ہوں کہ تو نے اون کو (قرآن)
من ربک لا الہ الا ھو واعرض	پڑھایا اور ہم واضح کرتے ہیں اسکو سمجھ والوں کے لئے
عن المشرکین ولو شاء اللہ ما اشرکوا	تو چل اوس پر جو وحی آئے تجھکو تیرے پروردگار کی طرف
وما جعلنٰک علیھم حفیظا وما	سے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، اور مشرکوں سے کنارہ‌کش
انت علیھم بوکیل، ولا تسبوا الذین	رہ، اور اگر خدا چاہتا تو یہ شرک نہ کرتے، اور تجھکو ہم نے اونکا
یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ	نگہبان نہیں بنایا اور نہ تو اون پر وکیل ہے، اور تم لوگ
عدوا بغیر علم کذلک زینا لکل	برا نہ کہو اون کو جنکو وہ پکارتے ہیں، اللہ کے سوا کہ وہ
امۃ عملھم ثم الی ربھم مرجعھم	اللہ کو بے ادبی بے سمجھی سے برا کہنے لگیں، اسی طرح ہم نے
فینبئھم بما کانوا یعملون (انعام ع ۱۳)	ہر فرقہ کو اونکا کام بھلا دکھایا ہے، پھر اون کو اپنے رب کے

اس موقع پر یہود و نصاریٰ کا بھی ذکر نہیں، بلکہ مشرکین عرب سے خطاب ہے، اور صاف صاف کہا جا رہا ہے، کہ تمھارے پاس دین محمدی (بصائر) آچکا، جو اس کا اتباع کرے گا، وہ خود فلاح و سعادت پائے گا، اور جو روگردانی کرے گا، وہ روشنیوں اور بصیرتوں کے دیکھنے سے اندھا رہے گا، اس لئے اب آنحضرت صلعم کا کام یہ ہے کہ پیغام رسانی کے بعد اب وہ مشرکین سے کنارہ کش ہو جائیں یہاں تک کہ ان کے اینٹ پتھر اور مٹی کے بتوں کو بھی برا بھلا نہ کہیں، ورنہ وہ جاہل ہیں ہی، خدا پر سب و شتم کرنے لگیں گے، اس کے بعد فرمایا بہر حال وہ بصائر کے دیکھنے سے اندھے رہیں، اور اعمال شر میں گرفتار رہیں، تو رہنے دو، ہر گروہ اپنا اپنا کام کر رہا ہے، تم خدا پرستی کرو، انھیں بت پرستی کرنے دو، انھیں کبھی نہ کبھی تو ہمارے پاس لوٹ کر آنا ہے، آئیں گے اور اپنی بداعمالیوں کے نتائج دیکھ لیں گے،

نہیں معلوم جب اعرض عن المشرکین سے بعملون تک کا بیان بطور ذم و فہمائش کے ہے، تو اس سے یہ نتیجہ کیونکر نکالا جا سکتا ہے کہ

"پس اس کے سوا چارہ نہیں کہ اس بارہ میں رواداری اور وسعت نظر پیدا کرو"،

"رواداری" اور "وسعت نظر" کا تخیل اوس وقت زیب دیتا جب اونھیں ان بداعمالیوں کے نتائج بھگتنے کی فہمائش نہ کیجاتی، پوری آیت کا سیاق بتا رہا ہے، کہ یہ اعراض اور کنارہ کشی "رواداری اور وسعت نظر کے سبب" نہیں، بلکہ لاتقاء شرہ یعنی اون کے جہل اور شر سے محفوظ رہنے کیلئے اور اونکے ہدایت یاب ہونے سے مایوس ہوجانیکے باعث ہے اور اونکو راہ راست پر لانیکی کوشش کرنے کو روک کر اونکے شریعت محمدی کے اتباع کر لینے اور ہدایت یاب ہوجانیکی ذمہ داری خود انھی پر عائد کیجا رہی ہے کہ وہ اپنے کئے کے خود ذمہ دار ہوں گے،

مصنف نے انھی دونوں آیتوں سے اپنے مسلک پر استشہاد کیا ہے، تعجب ہے، کہ ان حالات میں ان دونوں آیتوں پر موجودہ زمانہ میں شرعۃ و منہاج کے جدا جدا قائم رکھنے اور اس سے دین میں کوئی رخنہ نہ پڑنے کا نظریہ قائم کرکے اتنی وسیع عمارت کیونکر قائم کیجا سکتی ہے،

حقیقت یہ ہے کہ قرآن نے شرعۃ و منہاج کو نظر انداز کرنے کے لیے یہود و نصاریٰ سے اسوقت کہا جب اونھوں نے شریعت محمدی پر یہ اعتراض کیا تھا، کہ اوس نے عبادت کے طریقہ، قبلہ کی سمت اور اعمال شر کے انسداد کے وہ طریقے اختیار نہیں کئے جن کو وہ تسلیم کرتے تھے، یا اون سے کہیں کہیں مختلف ہیں، اسی موقع پر قرآن نے اونھیں بتایا کہ تم ان فروع پر کیوں جھگڑتے ہو، یہ تو

جزئیات ہیں اصل دین اللہ، ملائکہ، کتب الٰہی، رسل و انبیا، اور یوم آخرت پر ایمان لانا اور اعمال صالحہ کو بجالانا ہے، اس لئے شریعت و منہاج سے یہاں مقصود جزئیات شریعت ہیں نہ کہ کلیات دین، اور آج بھی ہم یہود کو اس بات پر ملزم نہیں گردانتے، کہ وہ کعبہ کی طرف منہ کیوں نہیں کرتے ہیں، اور اونٹ کا گوشت کیوں نہیں کھاتے، بلکہ اس بات کا ملزم قرار دیتے ہیں کہ وہ نبیوں کا انکار اور ان کے لائے ہوئے پیغاموں کی تکذیب کیوں کرتے ہیں، ورنہ نصاریٰ پر اسکا الزام قائم کرتے ہیں، کہ وہ کھانے کی احتیاط کیوں نہیں کرتے، بلکہ یہ الزام دیتے ہیں کہ وہ ایک کو تین کیوں بناتے ہیں، اور دنیا کے آخری رسول اور اوس کے سچے پیغام کو کیوں نہیں مانتے، لیکن جب کوئی اس آخری پیغمبر اسلام کو اور اوس کے سچے پیغام کو مانے گا، جو تمام تر "الاسلام" اور "الدین" ہے تو ظاہر ہے کہ جزئیات احکام میں بھی اوسی کی پیروی کریگا، ورنہ اس ماننے کے کوئی معنی نہیں ہیں جس میں ذاتی اہوا کو بھی دخل ہے،

اصل یہ ہے کہ قرآن سے پہلے جس قدر شریعتیں تھیں وہ نزول قرآن کے وقت تک مسخ ہو چکی تھیں اور جب کبھی کسی صاحب شریعت نبی کے بعد کوئی دوسرا شارع آیا تو اوسی وقت آیا جب پہلے صاحب شریعت کا صحیفۂ وحی انسانی دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکا، چنانچہ صحیفۂ ابراہیم کی گم شدگی کے بعد صحیفۂ موسیٰ نازل ہوا، اوس کے اختلافات کو دور کرنے کے لئے زبور آیا، اور اوسکی تکمیل انجیل نے کی، اور جب انجیل بھی انسانی تصرفات سے محفوظ نہ رہ سکی، تو قرآن کے نازل فرمانے کی ضرورت پیش آئی، اور چونکہ یہ دنیا کے سب سے آخری صحیفۂ ربانی تھا، اس لئے ازل ہی سے اوس کی حفاظت کا اہتمام ہوا، "وانا لہ لحافظون" کہہ کر اوس کی دائمی حفاظت کی خوشخبری سنائی گئی،

اس لئے یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے، کہ اسلام کی شریعۃ و منہاج کے اتباع سے کوئی انسان بری الذمہ کیا جا سکتا ہے جبکہ آخری طور پر اسی شریعت کی منجانب اللہ تصدیق ہوتی ہے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جب اسلام میں کعبہ کو قبلہ بنانے اور خانۂ کعبہ کے حج کرنے کا حکم آیا، اور یہود نے اس پر اعتراض کیا، تو لوگوں سے یہی کہا گیا کہ یہ شرعۃ و منہاج و نسک اصل نہیں، فرع ہیں، یہ مقصود نہیں ذرائع ہیں،

ولکل وجھۃ ھو مولیھا فاستبقوا	اور ہر ایک کے لئے ایک سمت ہے، جدھر وہ رخ کرتا ہے
الخیرات۔ (بقرہ ۱۸)	سو تم نیکیوں کی طرف سبقت کرو،

اور نیکیوں کے متعلق بتایا،

لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق	نیکی یہ نہیں ہے کہ تم پورب یا پچھم کی طرف رخ کرو،
والمغرب ولکن البر من اٰمن باللّٰہ الاٰیہ (بقرہ ۲۲)	بلکہ نیکی یہ ہے کہ ایمان لائے (اور دوسرے نیک کام کرے)

اس لئے ان کا یہ سمجھنا کہ نیکی کا انحصار اسی میں ہے کہ بیت المقدس کیطرف رخ کیا جائے صحیح نہیں، اس لئے ان جزئیات کے باعث اسلام کی مخالفت کرنا مناسب نہیں، ان جزئیات کے ادھیڑبن سے نکلو اور اس کی مخالفت کرنے کے بجائے اصل دین کو قبول کرلو، لیکن اس آخری پیغام کے قبول کرنے والوں سے یہی کہا گیا کہ

وحیث خرجت فول وجھک شطر المسجد الحرام	اور جہاں بھی تو جائے اپنا رخ مسجد حرام کی طرف پھیر

اسی طرح حج کے متعلق فرمایا:-

لکل امۃ جعلنا منسکا ھم ناسکوہ	ہر قوم کے لئے ہم نے عبادت کا ایک طریقہ بنایا کہ
فلا ینازعنک فی الامر وادع الی ربک	اوس قوم کے لوگ اسطرح بندگی ادا کرتے رہیں، تو اس
انک لعلی ھدی مستقیم وان جادلوک	بات میں وہ تجھ سے جھگڑا نہ کریں، تو اپنے رب کی طرف
فقل اللّٰہ اعلم بما تعملون۔	بلائے جا، تو بیشک سوجھ کی سیدھی راہ پر ہے اور
(حج ۱۴)	اگر وہ تجھ سے جھگڑتے ہی رہیں تو کہدے کہ اللہ بہتر

اس آیت میں اسلامی شریعت و منہاج و منسک کی تمام و کمال تائید کی گئی ہے، اور بتایا گیا ہے، کہ ہر قوم کے لئے ہم نے عبادت کا ایک طریقہ بنایا ہے، یعنی جس طرح پچھلی تعلیموں میں پچھلی امتوں کے لئے عبادت کا ایک طریقہ تھا، اسی طرح اس جدید تعلیم کے نزول کے بعد اس امت کے لئے بھی ایک عبادت کا ایک طریقہ ہے، پھر اہل کتاب کا ذکر کرکے کہا جاتا ہے کہ اس امر میں تجھ سے جھگڑا نہ کریں (فلا ینازعنک فی الامر) تو اپنی اسی شرعۃ و منہاج و منسک کو قائم رکھ کر ادعیٰن الی الخیر دئے جا، تو راہ حق پر ہے، تیرے اصل دین کی حقیقت تیرا منسک، اور تیری شریعت و منہاج ہدی مستقیم یعنی سیدھی اور سوجھ بوجھ کی راہ پر ہے، لیکن اس کے باوجود اگر وہ محض تیرے منسک و منہاج و شرعۃ یعنی کعبہ کو قبلہ بنانے

اور کعبہ کا حج کرنے وغیرہ کے باعث تجھ سے تنازع کرتے ہین، تو کہہ دے، اللہ بہتر جانتا ہے! اور جو تم ان فروع کو آڑ بنا کر اصل دعوت سے گریز کر رہے ہو اس حقیقت سے آگاہ ہے،

اہل کتاب کا تو عہد نبوی مین یہ حال تھا، کہ ایک طرف وہ اسلام سے روگردانی کرکے شرائع ومناسک وقوانین مین قرآن کے احکام کی پروا نہ کرتے تھے، دوسری طرف وہ جن کتابون پر اپنا ایمان لانا بتاتے تھے، خود اون کی مقرر کی ہوئی شریعتون اور قانونون کی خلاف ورزی کرتے تھے، چنانچہ اون سے بر سبیل تنزل یہانتک کہا گیا کہ اگر وہ قرآن پر ایمان نہین لاتے تو کم از کم انجیل ہی کے بموجب اپنے معاملات مین فیصلے صادر کرین. ولیحکم اھل الانجیل بما انزل اللہ فیہ اور چاہئے کہ انجیل والے اوس کا حکم دین جو اللہ نے اوس مین اوتارا تھا، لیکن وہ اس پر بھی کب عمل پیرا ہونے کیلئے تیار تھے، اور وہ جو تحریفات انجیل مین کر چکے تھے، اور اپنے ہوا وہوس سے اپنی شریعت ومنہاج مین جو تبدیلیان کر چکے تھے، اور جو معنی پہنائے تھے، اونھین اوس اصل کے مطابق کب لانے والے تھے، جو صحیح طور پر اللہ نے پہلے اوسمین اوتارا تھا (بما انزل اللہ فیہ) اس لئے آنحضرت صلعم کو مخاطب کرکے مختتم طور پر یہ فیصلہ سنا دیا گیا،

وانزلنا الیک الکتاب بالحق مصدقًا لما بین یدیہ من الکتاب ومھیمنا علیہ فاحکم بینھم بما انزل اللہ ولا تتبع اھواءھم عما جاءک من الحق:

اور ہم نے تیری طرف یہ کتاب سچائی کے ساتھ اوتاری جو اپنے پہلے کی کتاب کی تصدیق کرتی ہے، اور امانت کے ساتھ اوس پر شامل ہے، سو تو ان کا (یعنی اہل کتاب کے) درمیان اوس کے مطابق فیصلہ کر جو خدا نے اوتارا ہے (تجھ پر یعنی قرآن) اور تیرے پاس جو سچائی آئی ہے

قرآن مجید کی یہی وہ آیت ہے، جو اس باب مین قول مختتم ہے، اسمین صاف صاف کہدیا گیا کہ قرآن جس شریعت اور جس قانون کو نافذ کر رہا ہے، جو منسک اور جو منہاج بتا رہا ہے، آخری طور پر اسی کا نفاذ رہیگا کہ قرآن توراۃ وانجیل کا مصدق ہو اور نہ صرف ان کتب الٰہی کی تعلیمات مین سے اصل دین کا حامل ہے، بلکہ شرعۃ ومنہاج ومنسک کو بھی اوس نے امانت کے ساتھ لے کر اپنے اندر شامل کر چکا ہے، اس لئے ضرور ہے کہ شرائع وقوانین کا بھی نسخ ہو جائے، اس لئے اب یہی شریعت اور یہی

قانون نافذ العمل رہیگا، ان لوگوں نے اپنی اپنی شریعتوں اور اپنے بنائے قانونوں میں اپنے ہوا و ہوس (اھوائہم) اور اپنی باطل آرزوؤں (امانیہم) کی آمیزش کرلی ہے، اب انکا اتباع نہ کر، اب قابل اتباع شریعت نہ صرف تیرے لئے بلکہ سب کیلئے "ما انزل الیہم" وہی ہے جو قرآن میں تیرے پاس سچائی کے ساتھ اتاری جارہی ہے، فویل للذین یکتبون الکتب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ۔

اس لئے مصنف کی وہ تفسیر جو آیت یا ایہا الذین آمنوا کلوا من طیبت کے ضمن میں کیگئی ہے، محل نظر ہے، وہ فرماتے ہیں:-

"دین حق کی اس اصل عظیم کا اعلان کہ سعادت و نجات کی راہ یہ نہیں ہے کہ عبادت کی کوئی خاص شکل یا کھانے پینے کی کوئی خاص پابندی یا اسی طرح کی کوئی دوسری بات اختیار کر لیجائے، بلکہ وہ سچی خدا پرستی اور نیک عملی کی زندگی سے حاصل ہوتی ہے اور اصل شئی دل کی پاکی اور عمل کی نیکی ہے، شریعت کے ظاہری احکام و رسوم بھی اسی لئے ہیں تاکہ یہ مقصود حاصل ہو۔۔۔ پس جہانتک دین کا تعلق ہے، ساری طلب مقاصد کی ہونی چاہئے نہ کہ وسائل کی (ص ۲۲۹)

یہیں سے یہ نہیں جیسا کہ مصنف کا اسی ضمن میں بیان ہے، کہ

"نزول قرآن کے وقت دنیا کی عالمگیر مذہبی گمراہی یہ تھی، کہ لوگ سمجھتے تھے، دین سے مقصود محض ظاہری شریعت کے ظواہر و رسوم ہیں اور انھی کے کرنے نہ کرنے پر انسان کی نجات و سعادت موقوف ہے، لیکن قرآن کہتا ہے، کہ اصل دین خدا پرستی اور نیک عملی ہے، اور شریعت کے ظاہری رسوم و اعمال بھی اسی لئے ہیں کہ یہ مقصود حاصل ہو"

لیکن مصنف نے قرآن کے اوس بیان سے جو نتیجہ نکالا ہے اور جو تلقین کی ہے وہ صحیح نہیں ہے کہ

"ساری طلب مقاصد کی ہونی چاہئے، نہ کہ وسائل کی"

کیونکہ جب دوسرے مذاہب کے پیرو قرآن کی اوس دعوت کو قبول کرلیں، جو اوس نے دین کو سمجھاتے ہوئے دی ہے، تو اونھوں نے اپنے اوس عقیدہ کو ترک کردیا، جو وہ اپنے مذہب کے رو سے دین کو سمجھتے تھے، اور پھر اونھوں نے اسطرح قرآن کی حقانیت تسلیم کرلی، تو پھر یہ بھی تسلیم کریں گے، کہ اصل مقصود کے حصول کے لئے شریعت کے ظاہری احکام و رسوم بھی جو اصلی مقاصد کے ذرائع ہیں، ضروری ہیں، کیونکہ کہا جاچکا ہے، کہ "شریعت کے یہ ظاہری احکام و رسوم بھی اسی لئے ہیں کہ اصل مقصود حاصل ہوجائے" اس لئے جب طریق طلب یہی "وسائل" ہیں تو طلب مقاصد کیلئے ان "وسائل" کا اختیار کرنا بھی ضروری ہے،

صرف اتنی بات صحیح ہے، کہ وسائل کو مقاصد سمجھکر صرف وسائل کے کرلینے کو نجات وسعادت کیلئے کافی نہ سمجھ لیا جائے بلکہ ان وسائل کے ذریعہ اصل مقاصد کو پانے کی کوشش کیجائے،

اس سلسلۂ بحث مین سورۂ اعراف کی حسب ذیل آیت کو دیکھنا چاہئے ،:-

ورحمتی وسعت کل شیء فساکتبها
للذین یتقون ویؤتون الزکوٰۃ و
الذین هم بآیاتنا یؤمنون، الذین
یتبعون الرسول النبی الامی الذی
یجدونه مکتوبا عندهم فی
التوراۃ والانجیل، یامرهم بالمعروف
وینهاهم عن المنکر ویحل
لهم الطیبات ویحرم علیهم الخبائث و
یضع عنهم اصرهم والاغلال التی کانت
علیهم فالذین آمنوا به وعزروه ونصروه واتبعوا النور
الذی انزل معه اولئک هم المفلحون قل
یا ایها الناس انی رسول الله الیکم جمیعا الذی
له ملک السموات والارض لا اله الا هو یحیی و
یمیت فآمنوا بالله ورسوله النبی الامی
الذی یؤمن بالله وکلمته واتبعوه لعلکم
تهتدون (اعراف ۱۹)

اور میری رحمت ہر چیز کو سمائے ہے، پھر اس رحمت کو اون
کے لئے لکھ دون گا، جو پرہیزگار ہین، اور زکوٰۃ دیتے ہین،
اور جو ہمارے حکمون کو مانتے ہین، جو اس ان پڑھ (وہ) نبی
پیغمبر کی پیروی کرتے ہین، جسکو وہ اپنے ہان توراۃ و
انجیل مین لکھا پاتے ہین، جو اون کو نیکی کا حکم دیتا ہے،
اور برائی سے باز رکھتا ہے اور اچھی چیزون کو اون کیلئے
حلال کرتا ہے، اور بری چیزون کو حرام کرتا ہے اور ان
کے بندھن اور اون زنجیرون کو جو اون پر پڑی تھین
اوتارتا ہے، تو جنھون نے اس پیغمبر کو مانا، اور اوسکی
تائید کی، اور اس کی مدد کی، اور اوس روشنی کے پیچھے چلے
جو اوس کے ساتھ اوتری، وہی کامیاب ہین (کہدے اے
پیغمبر) کہ اے انسانو! مین تم سب کی طرف اس خدا کا
رسول ہون، جسکی آسمانون اور زمین کی شہنشاہی ہے اوسکے
سوا کوئی خدا نہین وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے، سو
اللہ اور اوس کے اوس ان پڑھ پیغام رسان پر ایمان
لاؤ، جو اللہ پر اور اوسکی باتون پر ایمان رکھتا ہے اور ۲

ہمیں اس رکوع میں یکے تمام انسانوں کو خطاب کرکے کہا جاتا ہے میں تم تمام انسانوں کی طرف رسول بنکر آیا ہوں یعنی وہی نبی امی جسکا تذکرہ تورات و انجیل میں آیا ہے جو اوامر و منہیات بتاتا ہے، جو کھانے پینے کی چیزوں میں پاک چیزوں کو حلال اور پلید چیزوں کو حرام بتاتا ہے، اور پچھلی شریعتوں میں حلال و حرام میں جو جو سختیاں ہوگئی تھیں، اون کی نیدشین دور کرتا ہے، پس اسی رسول کی پیروی کرو اور انہی چیزوں کو حلال سمجھو جنکو وہ حلال بتاتا ہے، انہی چیزوں کو حرام سمجھو جن کو وہ حرام کہتا ہے، مناسک و عبادات و اخلاق میں، انہی چیزوں کو کرو جن کے کرنے کا حکم دیتا ہے، اور اعمال شر میں انہی چیزوں سے بچو جن سے وہ روکتا ہے، کیا منسک و منہاج و شریعت کی حقیقت ان امور سے کچھ جدا گانہ ہے، ؟

"الاسلام" کے معنی سمجھنے میں ہم سے اصولی غلطی یہ ہوتی ہے، کہ ہم اسلام کے اس اصول پر کہ تمام ادیان و مذاہب سچے ہیں، یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اسلام موجودہ یہودیت اور نصرانیت کی تصدیق کر رہا ہے، حالانکہ اسلام نے "یہودیت" اور "نصرانیت" کی تصدیق کے بجائے "دین موسیٰ" اور "دین عیسیٰ" کی تصدیق کی ہے، اسی لئے وہ ہمیشہ کہتا رہا، مصدقا لما بین یدیہ"

ورنہ اسلام نے موجودہ مذاہب کے تمام پیرو دن کو شدید گمراہیوں میں مبتلا پایا اور انھیں کھول کھول کر بیان کیا، یہودیوں کو اوس نے کہا کہ وہ رسولوں اور نبیوں کی تکذیب کرتے آئے ہیں، او نھیں قتل کرتے رہے ہیں حسب ضرورت دین میں آسانیاں پیدا کرتے رہے ہیں، نصاری کو اوس نے کہا کہ خدا کی پرستش کے بجائے حضرت عیسیٰ حضرت مریمؑ اور اپنے ولیوں اور شہیدوں اور اون کی یادگاروں کی پرستش میں مبتلا ہوگئے، اس لئے "الاسلام" کا مصداق اور اسلام کا مصدق یہودیت و نصرانیت نہیں جو اپنی گمراہیوں اور ضلالتوں میں لپٹی رہی اور ہے، بلکہ حضرت موسیٰؑ کا اصل دین اور حضرت عیسیٰ کی اصل تعلیم ہے، ورنہ یہودیت و نصرانیت تو بموجب اسلام، الدین اور الاسلام سے بمراحل دور ہے، اب اگر رواداری برتنی اور وسعت نظر پیدا کرنی ہے، تو دین موسیٰ اور دین عیسیٰ اور اصل توراۃ اور اصل انجیل کی تعلیمات کو صحیح باور کرنے کے متعلق، نہ کہ نبیوں کے قاتل اور رسولوں کے مکذب یہود، اور توحید کو چھوڑ کر تثلیث کے پوجنے والے اور خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کرنے والے نصاریٰ کے ساتھ،

اگر یہود و نصاریٰ کے ساتھ یہی وسعت نظر اور مذہبی رواداری اسلام کی تعلیم ہوتی، تو قرآن پاک میں جا بجا انکو

قبول اسلام تصدیق قرآن اور ایمان رسول کی دعوت کیوں دیجاتی، اور یہ کیوں کہا جاتا کہ

"اگر وہ ایمان لے آئے تو انھوں نے ہدایت تامہ (صراط مستقیم) حاصل کرلی" (فان اسلموا فقد اھتدوا، آل عمران ۲۰، فان آمنوا بمثل ما آمنتم بہ فقد اھتدوا بقرہ ۱۶)

اور اسی کو سورۂ بقرہ میں یوں فرمایا گیا ہے:۔

والذین یومنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک وبالآخرۃ ھم یوقنون اولئک علی ھدی من ربھم واولئک ھم المفلحون (بقرہ ۱)

جو اوسکو جو تیری طرف (اے پیغمبر) اترا اور تجھ سے پہلے اترا، دونوں کو مانتے ہیں، اور پچھلی زندگی پر یقین رکھتے ہیں، وہی اپنے پروردگار کی ہدایت پر ہیں، اور وہی فلاح پانے والے ہیں

اور اسی طرح سورۂ اعراف میں کہا گیا واتبعوہ لعلکم تھتدون، "اور اوس رسول کی پیروی کرو، کہ سیدھی راہ پاؤ"

پھر ذیل کی دو آیتوں میں بیان فرمایا:۔

ان الدین عند اللہ الاسلام وما اختلف الذین اوتوا الکتٰب الا من بعد ما جاءھم العلم بغیا بینھم ومن یکفر بآیٰت اللہ فان اللہ سریع الحساب فان حاجوک فقل اسلمت وجھی للہ ومن اتبعن (آل عمران ۲)

بیشک دین خدا کے نزدیک اسلام ہے، اور جن کو کتاب دیگئی، اونھوں نے علم آنے کے بعد آپس کی ضد کی وجہ سے اختلاف کیا، اور جو اللہ کی آیتوں کا انکار کریگا تو اللہ جلد حساب لینے والا ہے، تو اگر (اے پیغمبر) یہ تجھ سے پھر کج بحثی کریں، تو کہدے کہ میں نے اور میرے پیروؤں نے تو اپنے کو خدا کا تابع فرمان (مسلم) کر دیا،

"الاسلام" کے عقائد میں یہ دو چیزیں داخل ہیں، خدا کی توحید اور رسولوں کی تصدیق، یہود دوسری دفعہ میں اور نصاریٰ پہلی اور دوسری دونوں میں ناکام ہیں، اس لئے ہدایت سے محروم اور نجات وسعادت کی راہ سے کوسوں دور ہیں، قرآن کہتا ہے

افغیر دین اللہ یبغون ولہ اسلم من فی السمٰوٰت والارض طوعا وکرھا والیہ یرجعون

کیا وہ دین الٰہی کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہیں، حالانکہ جو بھی آسمانوں میں اور زمین میں ہے وہ خوشی سے یا مجبوراً

خدا کا مسلم یا فرمانبردار ہے،

قل آمنا وما انزل علینا. وما انزل علی ابراهیم واسمعیل واسحق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ والنبیون من ربهم لا نفرق بین احد منهم ونحن له مسلمون. ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه وهو فی الآخرة من الخاسرین.

(آل عمران ع ۹)

اے پیغمبر کہہ کہ ہم اللہ پر اور جو اوس نے ہم پر اوتارا اور جو ابراہیم پر اسمٰعیل پر اور اسحاق پر اور یعقوب اور اون کی اولاد پر اوترا، اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ اور سب پیغمبروں کو اون کے رب کی طرف سے ملا ہم سب کی صداقت کو تسلیم کرتے ہیں، اون میں سے کسی میں کوئی فرق نہیں کرتے، اور ہم اوسی خدا کے مسلم یعنی فرمانبردار ہیں اور اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہیگا تو وہ اوس سے قبول نہ ہوگا، اور آخرت میں وہ نقصان اٹھانے

یہ آیت صاف بتا رہی ہے کہ الاسلام کی حقیقت کیا ہے اور یہ بھی اعلان کر دیا کہ جو دین اسلام کے سوا کوئی دوسرا دین قبول کریگا، وہ مقبول نہ ہوگا، اور آخرت میں وہ نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا، اور خاص اہل کتاب کو خطاب کرکے یہ بھی تصریح فرمائی

فآمنوا بالله ورسوله الامی.

تو اللہ اور اوس کے اس ان پڑھ پیغام رسان رسول پر ایمان لاؤ،

فان آمنوا بمثل ما آمنتم به فقد اهتدوا.

اگر وہ ایمان لے آئے اوسی طرح جس طرح تم ایمان لائے تو اونھوں نے ہدایت پائی

سورۂ حدید ع ۴ میں رسولوں کے مبعوث کرنے کے عمومی ذکر کے بعد حضرت نوح و ابراہیم اور اون کے خاندانوں کے انبیا کا تذکرہ کرکے حضرت عیسیٰ کی نبوت کا ذکر آتا ہے، اور پھر اون کے متبعین کی نیکیاں اور گمراہیاں بتا کر رسالت محمدی اور اوس کے اتباع کا یوں ذکر آیا ہے:

وقفینا بعیسی ابن مریم وآتیناه الانجیل وجعلنا فی قلوب الذین اتبعوه رافة ورحمة ورهبانیة ابتدعوها ما کتبناها علیهم الا ابتغاء رضوان الله فما رعوها حق رعایتها فآتینا الذین آمنوا منهم اجرهم

اور ان کے پیچھے ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو بھیجا اور اوس کو انجیل دی، اور جو لوگ اوس کے پیرو ہوئے اون کے دلوں میں نرمی اور رحم ڈال دیا، اور ایک دنیا چھوڑنا اونھوں نے نیا نکالا ہم نے نہیں لکھا تھا یہ اون پر مگر اللہ کی رضامندی چاہنی، پھر نہ نباہا اوس کو جیسا چاہیے تھا نباہنا، پھر دیا ہم نے اون کو جو ان میں ایمان لائے تھے

وکثیر منھم فاسقون، یاایھا الذین آمنوا	اونکا اجر، اور ان میں سے اکثر نافرمان ہو گئے ایمان والو اللہ
اتقوا اللہ وامنوا برسولہ یوتکم کفلین من رحمتہ	سے ڈرتے رہو اور ایمان لاؤ اوس کے رسول پر کہ تم کو اپنی
ویجعل لکم نورا تمشون بہ ویغفر لکم و	رحمت سے دوگنا دے اور رکھ دے تم میں ایسی روشنی جس میں تم چلو
اللہ غفور رحیم لئلا یعلم اھل الکتاب الا	اور تم کو معاف کرے اور اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے، تاکہ اہل
یقدرون علی شئ من فضل اللہ وان الفضل بید اللہ	کتاب یہ سمجھیں کہ تم پر اللہ کا فضل نہیں اور فضل تو اللہ کے ہاتھ
یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم	میں ہے، دیتا ہے جسکو چاہتا ہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ نصاریٰ اپنے ابتدائی عہد میں اعمال خیر انجام دیتے رہے، پھر بے راہروی اختیار کی اور اس دین کو قائم نہ رکھ سکے جسکی اونھیں تلقین کی گئی تھی، اور فسق و فجور میں مبتلا ہو گئے، اون کے اس فسق و فجور کی تشریح سورۂ مائدہ ع ۱۶ میں اس طرح تفصیل سے آئی ہے، واذ قال اللہ یعیسی ابن مریم ءانت قلت للناس اتخذونی وامی الٰھین من دون اللہ.... قال ... ما قلت لھم الا ما امرتنی بہ ان اعبدوا اللہ ربی وربکم وکنت علیھم شھیدا ما دمت فیھم الآیۃ" اور پوچھے گا اللہ اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تونے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو خدا کو چھوڑ کر اپنا معبود بنالو.... عیسیٰ کہیں گے .... میں نے اون سے کچھ نہیں کہا، بجز اسکے جو تونے مجھے حکم دیا کہ میرے اور اپنے پروردگار اللہ کی عبادت کرو، اور جبتک میں اون کے درمیان رہا، اوس وقت تک کا میں گواہ ہوں، (کہ وہ یہی کہتے رہے)۔"

ان نصاریٰ کا یہی فسق و فجور ہے، جس کو حضرت عیسیٰ کے بعد اونھوں نے اختیار کر لیا ہے، اسلئے آیت ان الذین ھادوا والصابئون النصٰری سے دور حاضر کے نصاریٰ کیونکر مراد ہو سکتے ہیں، کہ اونھیں سورۂ حدید کی ان آیات میں اپنے فسق و فجور کو ترک کر کے رسالت محمدیؐ کے اقرار اور دین محمدی کے اتباع کی تلقین کیگئی، اور یہ بتایا گیا کہ نجات کا یہی ذریعہ ہے اور اسی لیے اس سلسلۂ بیان کی آخری آیت میں اہل کتاب کے اس تخیل کا ابطال کیا گیا کہ لئلا یعلم اھل الکتاب الآیۃ" اہل کتاب یہ سمجھیں کہ دین محمدی کے متبعین پر اللہ کا فضل نہ ہوگا، بلکہ یہ فضل جو ذریعۂ نجات و سعادت ہے، خدا کے ہاتھ میں ہے وہ جسکو چاہتا ہے اسکے لئے چن لیتا ہے، اور وہ اسلام کے انھی متبعین کو اپنے فضل کے لئے منتخب فرماتا ہے جس سے وہ فائز المرام ہوں گے۔

نجات وسعادت کی راہ کو عام کر دینے میں سب سے زیادہ استشہاد سورۂ مائدہ کی اس آیت سے کیا گیا ہے،

ان الذین آمنوا والذین ھادوا والصابئون والنصاریٰ من آمن باللہ والیوم الآخر وعمل صالحا فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون.

البتہ جو مسلمان ہیں، اور جو یہود ہیں، اور صابئین اور نصاریٰ جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور پچھلے دن پر اور عمل کرے نیک

اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نجات کے لئے محض "ایمان باللہ" "ایمان بالآخرۃ" اور "عمل صالح" شرط ہے خواہ وہ مسلمان ہو کہ یہودی، صابی ہو کہ نصرانی،

لیکن اس آیت کی اس تفسیر میں اصولی غلطی یہ سرزد ہوتی ہے کہ اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس سے یہودیت نصرانیت اور صابئیت کی تصویب اور تصدیق کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ یہودی مذہب پر ہو نصرانی مذہب پر ہو، یا صابی مذہب پر ہو اگر خدا پر ایمان آخرت پر ایمان اور ایمان اور عمل صالح ہو، تو نجات کے لئے کافی ہے لیکن یہ غور نہیں کیا جاتا کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ قرآن کی زبان سے یہودیت یعنی رسولوں کے انکار اور حیلہ جوئی، اور ظاہری رسوم پرستی، اور نصرانیت یعنی تثلیث وصلیب پرستی اور صابئیت یعنی ستارہ پرستی کی سچائی کا اعتراف کرایا جارہا ہے اور اس کے علاوہ کیا تثلیث پرستی اور ستارہ پرستی کے ساتھ ایمان باللہ کا اجتماع تضاد نہیں،

واقعہ یہ ہے کہ اس آیت میں ان لوگوں کے نام مذہب کی حیثیت سے نہیں، بلکہ قومیت کی حیثیت سے ہیں، یعنی خواہ یہودی قوم سے ہو یا نصرانی قوم سے ہو یا صابئی قوم سے ہو، جو بھی ہو اگر وہ ایمان اور عمل صالح سے متصف ہے تو اس کے لئے نجات کا دروازہ کھلا ہوا ہے، جو لوگ اس آیت کے سیاق وسباق کو چھوڑ کر صرف اسی پر نظر ڈال لیتے ہیں، وہ حقیقت میں وانتم سکاریٰ کو چھوڑ کر صرف لا تقربوا الصلاۃ کی تفسیر کرتے ہیں. اسلئے ضرور ہے کہ اس آیت کو اسکے سیاق وسباق کیساتھ دیکھا جائے

یہ پوری سورۂ مائدہ اہل کتاب کے ذکر میں ہے، اہل کتاب کا مسلسل تذکرہ ہونے کے بعد اون سے اولاً ایمان کا مطالبہ ان لفظوں میں کیا جاتا ہے ولو ان اھل الکتاب آمنوا، الایۃ "اور اگر اہل کتاب (قرآن پر) ایمان لے آتے.... تو...." اس کے بعد آنحضرت صلعم کو مخاطب فرما کر کہا جاتا ہے، یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک الایۃ "اے پیغمبر اون (اہل کتاب) تک جو پیغام تیرے پاس تیرے رب کی جانب سے آیا ہے وہ پہنچا" اس کے بعد پھر اہل کتاب سے یوں خطاب ہے قل یا

الکتٰب لستم علیٰ شیء حتیٰ تقیموا التوراۃ والانجیل وما انزل الیکم من ربکم الایۃ" اے اہل کتاب تم کسی چیز پر نہیں ہو، جب تک کہ توراۃ وانجیل اور اوس چیز کو جو تمہارے پاس تمہارے رب کے پاس سے بھیجی گئی ہے قائم نہ کرو"، اس موقع پر انزل الیکم من ربکم سے مراد توراۃ وانجیل سے ماورا پیغام الٰہی ہے اور یہی قرآن ہے جسکی تشریح ان الفاظ میں سلسل بیان میں اسی کے ساتھ یوں ہے، ولیزیدن کثیرا منھم ما انزل الیک من ربک طغیانا وکفرا فلا تاس علی القوم الکفرین "جو کچھ تجھ پر اتارا گیا (یعنی قرآن) وہ بہتیروں کی سرکشی اور نافرمانی کے زیادہ ہونے کا ضرور باعث ہوگا ان نافرمان لوگوں پر کچھ غم نہ کھا۔ اس کے بعد وہی آیت مذکورہ بالا ہے، ان الذین آمنوا والذین ھادوا الایۃ دیکھو کہ اوپر کی آیت میں تنزیل محمدی کے نہ ماننے والوں کو "کافرین" کی فہرست میں داخل کیا گیا ہے،

اب غور طلب ہے کہ جب یہود ونصاریٰ کو اس آیت سے پہلے کی آیت میں قرآن اور اوس کے رسول پر ایمان کا مطالبہ کیا گیا تو اس مطالبۂ ایمان کے ساتھ اس آیت (الذین ھادوا والصابئون والنصاریٰ) کا اس تفسیر کے ساتھ کیا جوڑ ہو سکتا ہے، جو نجات وسعادت کی راہ میں عموم دکھانے کے لئے بیان کیجاتی ہے۔ اور مزید براں اس آیت کے بعد لقد اخذنا میثاق بنی اسرائیل وارسلنا الیھم رسلا" ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور اون کے پاس رسول بھیجے" کہکر ارسال رسل کا تذکرہ کیا گیا ہے، اور اوس کے بعد بنی اسرائیل کے عادات تکذیب وقتل انبیاء کا ذکر کرکے کہا گیا، وحسبوا الا تکون فتنۃ فعموا وصموا ثم تاب اللہ علیھم ثم عموا وصموا کثیر منھم واللہ بصیر بما یعملون، "اور وہ سمجھے کہ کوئی فتنہ نہ ہوگا، پس اندھے اور بہرے ہو گئے، پھر خدا نے اون کی توبہ قبول کرلی، پھر بہت سے اندھے اور بہرے ہو گئے اور یہ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ اوس کو دیکھ رہا ہے"، اسمیں پہلی مرتبہ "فعموا وصموا" پس اندھے اور بہرے ہو گئے سے مراد اون کے دین نصرانیت سے انکار کرنے کے ہیں، پھر ثم تاب اللہ علیھم "پھر اللہ نے اون کی توبہ قبول کی" سے مراد رسالت محمدی کا اقرار کرکے ان کے گناہوں کے دھونے کی خبر ہے، مگر پھر ثم عموا وصموا کثیر منھم کہکر بتا دیا گیا کہ ان میں سے اکثر نے رسالت محمدی کے قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور نور کے دیکھنے اور حق کو سننے سے انکار کر دیا، اور پھر واللہ بصیر بما تعملون کہکر بتا دیا گیا کہ اون کے رسالت محمدی کو قبول نہ کرنے میں جو کرتوت ہو رہے ہیں، اللہ انہیں دیکھ

رہا ہے، اور ایک دن وہ آنے والا ہے، جب اونکی پاداش اونھین ملے گی،

پھر یہود کے اس ذکر کے بعد اس کے آگے انفرادی طور پر نصاریٰ کا ذکر آتا ہے اور اون کے مشرکانہ عقائد لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم۔ ان اللہ ثالث ثلثۃ "یقیناً کفر کیا ان لوگون نے جنھون نے کہا اللہ وہی مسیح ابن مریم ہے ..... اللہ انھی تین مین کا تیسرا ہے ....." اور اس انفرادی ذکر کے بعد پھر یہود و نصاریٰ کے کفر و شرک کا یکجا بیان ہے اور اسکے بعد کہا گیا ولوکانوا یومنون باللہ والنبی وما انزل الیہ ما اتخذوھم اولیاء "اگر وہ اللہ پر اور اوس نبی پر، اور اوس چیز پر جو اوس پر اوتاری گئی، ایمان لاتے تو وہ مشرکین کو دوست نہ بناتے" اور اوسکے بعد اون اہل کتاب کا ذکر آیا جنھون نے رسالت محمدی قبول کر لی، واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تری اعینھم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق یقولون آمنا فاکتبنا مع الشاھدین وما لنا لا نومن باللہ وما جاءنا من الحق ونطمع ان یدخلنا ربنا مع القوم الصالحین "اور جب وہ اوس چیز کو سنتے ہین، جو اس رسول پر اوتاری گئی تو تو دیکھتا ہے کہ اون کی آنکھون سے آنسو جاری ہو جاتے ہین کیونکہ اونھون نے حق کو پہچان لیا ہے، اور کہتے ہین کہ ہم ایمان لائے اور تصدیق کرنے والون مین ہم کو بھی لکھ لے، کیا ہو ہمارے لئے کہ ہم نہ ایمان لائین اللہ پر اور جو چیز ہمارے پاس حق کے ساتھ آئی، اور طمع نہ کرین کہ اسے اللہ ہمکو داخل کرے پاکباز لوگون کے گروہ مین (مائدہ ۱۱ تا ۹ - ۶)

اسلئے نجات وسعادت کی راہ مین بظاہر وہ عموم دکھانے والی آیت دراصل اون یہود کے جواب مین ہے جو مسلمانون سے کہا کرتے تھے، کہ نجات صرف یہود کے لئے مخصوص ہو چکی ہے، اور اگر اون آیات کی وہ مذکورہ بالا تشریحات صحیح نہین تو پھر ان تمام مسلسل آیات مین ربط باہمی کیا ہو سکتا ہے، اور سلسلہ بیان کو "مطالبۂ ایمان" سے شروع کرکے "ایمان لے آنے" پر ختم کرنے کے کیا معنی ہو سکتے ہین،

اس کے علاوہ قرآن مجید مین ایک سے زیادہ موقعون پر اسکی شہادت موجود ہے کہ ایمان باللہ کی اصطلاح مین ایمان بالرسول بھی ضمناً داخل ہے، سورۂ تغابن مین فرمایا:-

فآمنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا	پس ایمان لاؤ اللہ پر اوس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے اوتارا ہے
واللہ بما تعملون خبیر یوم یجمعکم	اور اللہ کو تمھارے کام کی خبر ہے، جب تم کو اکٹھا کریگا جمع ہونیکے
لیوم الجمع ذالک یوم التغابن ومن	دن، وہ دن ہے ہار جیت کا، اور جو کوئی ایمان لائے اللہ پر نیک کام

یومن باللہ ویعمل صالحاً یکفر عنہ سیاتہ ویدخلہ جنت تجری من تحتہا الانہٰر خلدین فیہا ابدا ذالک الفوز العظیم (تغابن ۱۶)

کرے، اوس سے اوس کی برائی دور کریگی، اور اوسکو ایسے باغوں میں داخل کریگا کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور اسمیں ہمیشہ رہیں گے۔

یہاں "یمن باللہ" "بالرسل" اور "بالنور" کی دعوت دیگئی "نور" سے مراد قرآن ہے، اور اس کے بعد یوم حشر کا ذکر کرکے صرف "ایمان باللہ" اور حسن عمل کا ذکر ہے، تو اگر ایمان باللہ کے اندر ایمان بالرسول کا تصور نہ ہو، تو اس آیت کے اول و آخر میں صریح تضاد ثابت ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ ایمان باللہ میں ایمان "بالرسل" اور "بالنور" بھی داخل ہے، اور یہی "نور عظیم" ہے،

سورۂ حشر میں یہود کی جلاوطنی کے ذکر میں کہا گیا، :-

ذالک بانہم شاقوا اللہ ورسولہ ومن یشاق اللہ فان اللہ شدید العقاب (حشر ۱۴)

اور یہ اسلئے کہ اونھوں نے اللہ اور اوس کے رسول کی مخالفت کی اور جو کوئی اللہ کی مخالفت کرے تو اللہ سخت عذاب دیگا۔

اسمیں "شاقوا اللہ ورسولہ" اللہ اور اوس کے رسول کی مخالفت کی" کہکر بعد کو صرف "من یشاق اللہ" اور جو اللہ کی مخالفت کرے کہا جاتا ہے جس سے مراد اللہ اور رسول دونوں کی مخالفت ہوتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی مخالفت میں رسول کی مخالفت بھی داخل ہے

اسی طرح سورۂ مجادلہ رکوع ۳ میں ہے، :-

لاتجد قوما یومنون باللہ والیوم الاخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ ولو کانوا اباءھم او ابناءھم او اخوانہم او عشیرتہم اولئک کتب فی قلوبہم الایمان وایدھم بروح منہ ویدخلہم جنت تجری من تحتہا الانہار خالدین فیہا رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ اولئک حزب اللہ الا ان حزب اللہ ہم المفلحون

تو نہ پائیگا کوئی ایسی قوم جو ایمان رکھتے ہوں اللہ پر اور پچھلے دن پر پھر دوستی کریں ایسوں سے جو مخالف ہوئے اللہ کے اور اوسکے رسول کے گو وہ ان کے باپ ہوں، ان کے بیٹے یا اونکے خاندان ہی کے کیوں ہوں یہی ہیں جنکے دلوں کے اندر خدا نے ایمان لکھ دیا ہے، اور اونکی مدد کی ہے اپنے فیضان غیبی سے اور داخل کریگا اونکو باغوں میں جنکے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ہمیشہ اونھی میں رہیں گے، اللہ اون سے راضی ہوا، اور وہ اوس سے راضی ہوئے، یہی ہیں اللہ کی جماعت

یہ آیتیں اس حقیقت کو واضح طور پر بتا رہی ہیں کہ جو "ایمان باللہ" اور "ایمان بالآخرۃ" رکھتا ہو، وہی ہے جو اس رسالت

محمدی کو بھی تسلیم کرے کہ اس آیت مین رسولہٗ سے مراد محمد رسول اللہ صلعم کی ذات مبارک ہی ہے کیونکہ جن مشرکین عرب عداوت رکھتے تھے اور جب محمد رسول اللہ صلعم کے دشمنون کے دوست و احباب تک "ایمان باللہ" و "ایمان بالآخر" سے متصف نہین ہوسکتے تو پھر یہود و نصاری جنکی دشمنیان آنحضرت صلعم کے ساتھ مسلم ہین، وہ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ سے کیونکر موصوف کئے جا سکتے ہین اس آیت مین پوری تصریح ہے کہ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ کے ساتھ رسالت محمدی کا انکار جمع نہین ہوسکتا، اسی لئے پھر آگے چلکر ایمان کو انھی لوگون کے دون مین محصور کردیا گیا، جو دین محمدی کا اتباع کرین جو حقیقت مین الاسلام اور الدین ہے، اور پھر اسی گروہ کو رضوان الہی کی بشارت ملی، اسکو حزب الہی سے موسوم کیا گیا، اور پھر اللہ کے اسی گروہ کو فلاح وسعادت اور نجات کی خوشخبری سنائی گئی۔ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ.

ہمارے نزدیک ان تمام غلط فہمیون کا منشا صرف تین باتین ہین،

۱۔ اسلام (وہ دین جو محمد رسول اللہ صلعم کے ذریعہ آیا) اور الاسلام یقیناً دونون ایک ہین لیکن الاسلام کی حقیقت مین یہ داخل ہے کہ خدا کی توحید اور تمام رسولون کی صداقت تسلیم کیجائے پس جو ان دونون مین سے کسی ایک مین بھی متشکک یا منکر ہو وہ الاسلام سے دور ہے،

۲۔ قرآن پاک دین موسی اور دین عیسی علیہما السلام اور اون کے اصل صحیفون کو تسلیم کرتا ہے، یہودیت اور نصرانیت اور اون کی بنائی ہوئی کتابون کو نہین، دین موسی اور یہودیت اور دین عیسی اور نصرانیت یہ دونون ایک نہین دو چیزین ہین،

۳۔ قرآن پاک نے اہل کتاب کو سب سے پہلے اس عالمگیر صداقت کے دین کو جو الاسلام کا مرادف ہے اور جسکو اسلام کہتے ہین، ماننے کی دعوت دی ہے، تاکہ وہ کامل ہدایت پائین، لیکن اگر وہ اوس کو نہ مانین تو دوسری دعوت اصل مقصد سے اوتر کر بسبیل تنزل یہ دی ہے کہ وہ اپنے ہی مذہب پر پوری طرح عمل کرین، کہ اوس سے بھی اسلام پورا نہین تو اسلام کا قرب تو حاصل ہوگا، لیکن قرآن کے اس کہنے سے یہ نتیجہ نہین نکالا جاسکتا کہ قرآن نے یہودیت اور نصرانیت اور اون کی تحریف شدہ کتابون کی صداقت کو تمام تر تسلیم کرلیا ہے، پس نتیجہ بحث یہ ہے:-

وما ارسلناك الا كافة للناس بشيرا و نذيرا ولكن اكثر الناس لا يعلمون (السبا ع ۳)

اور اے پیغمبر ہم نے تمکو تمام لوگون کیلئے خوشخبری سنانیوالا اور ہشیار کرنیوالا بناکر بھیجا لیکن بہت سے لوگ بے خبر ہین۔

حکیم سنائی کے سنین عمر

از

سید سلیمان ندوی،

شیخ ابوالمجد مجدود بن آدم سنائی کے متعلق اتنا بالاتفاق ثابت ہے کہ انھون نے سلطان بہرامشاہ غزنوی (۵۱۲ھ سے ۵۴۷ھ[1]) اور سلطان سنجر سلجوقی (۵۱۱ھ سے ۵۵۲ھ) کا زمانہ پایا ہے، لیکن انکی عمر کے سنین مین بیحد اختلافات ہین،

نظامی عروضی جس نے تقریباً ۵۵۰ھ مین اپنی کتاب چہار مقالہ لکھی ہے، اُسنے سنائی کا نام غزنوی سلاطین (آل ناصر) کے شعرا مین سب آخر مین لیا ہے، (ص۲۸ گب) عوفی نے لباب الالباب (۶۱۶ھ) مین حسب دستور کوئی تاریخ و سنہ درج نہین کیا ہے، حمداللہ قزوینی نے گزیدہ مین جو ۷۳۰ھ مین لکھی گئی ہے، دو جگہ ان کا ذکر کیا ہے، ایک مشائخ کے سلسلہ مین اور دوسرے شعرار کے ضمن مین، پہلے موقع پر لکھا ہے:-

"معاصر شیخ ابوسعید ابوالخیر بود" (ص۷۹۹، گب)

شیخ ابوسعید ابوالخیر کی وفات ۴۴۰ھ مین ہوئی ہے، اس بنا پر سنائی کی تاریخ زندگی بھی اسی کے پس و پیش ہونی چاہئے، لیکن دوسری جگہ اس مین لکھا ہے:-

"تا زمان سلطان بہرامشاہ (غزنوی) درحیات بود" (ص۸۲۱، گب)

بہرامشاہ غزنوی کی سلطنت کا زمانہ ۵۱۲ھ سے ۵۴۷ھ تک ہے، اس لحاظ سے ان کی تاریخ وفات اسی عہد

[1] بہرامشاہ کی وفات کا سال گزیدہ مین ۵۴۴ھ ہے، طبقات ناصری مین ۵۵۲ھ ہے، بدایونی مین ۵۴۷ھ ہے، برٹش میوزیم لائبریری کی فہرست مخطوطات (ص۵۴۹ ج ۲) مین ۵۴۸ھ ہے، مگر زیادہ تر مورخین ۵۴۷ھ ہی لکھتے ہین،

کے درمیان ہونی چاہئے،

مولنا جامی نے نفحات میں نقل کیا ہے کہ سنائی نے سلطان محمود کی مدح میں قصیدہ لکھا تھا، سلطان محمود نے ۴۲۱ھ میں وفات پائی ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سنائی کی ولادت چوتھی صدی کے اواخر میں ہوئی ہوگی، ورپانچوین صدی کے شروع میں اس قابل ہونگے کہ سلاطین کے لیے مدحیہ قصیدے کہہ سکیں، مگر خود اسی نفحات میں مولنا نے ان کا ایک ہی سال وفات (گو بقول بعض، لکھ کر نقل کیا ہے) اور وہ ۵۲۵ھ ہے، اور یہ دونوں باتیں صحیح نہیں ہوسکتیں، ورنہ ان کی عمر شاید سوا سو برس سے زیادہ کی ماننی پڑیگی،

حکیم موصوف کے سال وفات میں بھی اختلافات ہیں، جنکی تفصیل آگے آئیگی، ان مشکلات کے حل کی صورت یہ ہے کہ پہلے سنائی کی مشہور مثنوی حدیقہ کی تصنیف کی تاریخ متعین کیجائے،

حدیقہ کا سالِ تصنیف

حکیم سنائی نے اپنی مثنوی حدیقہ کے آخر میں اپنی اس کتاب کی تصنیف کا سال لکھا ہے، مگر عجیب تر یہ ہے کہ اس کے قلمی اور مطبوعہ دونوں قسم کے نسخوں میں یہ تاریخی شعر کئی طرح پر ہے، اکثر نسخوں میں تو یہ ہے:-

پانصد وبست وچار رفتہ ز عام | پانصد وبست و پنج گشتہ تمام

اس سے تصنیف کی تاریخ ۵۲۴ھ سے ۵۲۵ھ تک معلوم ہوتی ہے، لیکن یہی شعر لکھنؤ کے شاہی کتبخانہ کے ایک نسخہ میں (دیکھو اسپرنگر کی فہرست) اور نیز شرح حدیقہ کے قلمی نسخہ (انڈیا آفس لائبریری) میں اور بعض دوسرے قلمی نسخوں میں اس طرح ہے:

پانصد وسی وچار رفتہ ز عام | پانصد وسی وپنج گشت تمام

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ۵۳۴ھ میں شروع اور ۵۳۵ھ میں تمام ہوئی،

لیکن نولکشور لکھنؤ کے مطبوعہ نسخہ میں اور ایک دو قلمی نسخوں میں (دیکھو فہرست میونک یونیورسٹی لائبریری) یون ہے:

پانصد وبست وچار رفتہ ز عام | پانصد وسی و پنج گشت تمام

یہ شعر بتاتا ہے کہ حدیقہ ۵۲۴ھ میں شروع اور ۵۳۵ھ میں تمام ہوئی، یعنی دس برس میں،

میونک یونیورسٹی کے ایک نسخہ میں اس آخری قرأت کی ایک اور تصحیف ہے،

ماہ بست و چہار رفتہ ز عام   پانصد و بست و پنج گشتہ تمام

بوڈلین کے ایک نسخہ مین حسب معمول پانصد و بست و چار اور پانصد و بست و پنج ہے، لیکن دوسرے مین (۵۳۴ھ) تک اور تغیر ہے،

پانصد و بست و چار رفتہ ز عام   پانصد و سی و چار گشتہ تمام

اس مین ۵۲۴ھ مین آغاز اور ۵۳۴ھ مین انجام بیان ہوا ہے،

بہرحال ان مین سے کوئی سا نسخہ بھی اختیار کیا جائے، اتنا تو بے شبہہ ثابت ہو کہ حکیم موصوف کا زمانہ پانچوین صدی کے اواخر سے لیکر چھٹی صدی کے اواسط تک ہے، اور اسکے خلاف کی سب روایتین قطعاً غلط ہین،

اب یہ سوال ہو کہ ان مختلف نسخون مین سے کون صحیح ہے، تو اس کے جواب مین حسب ذیل مراتب طے کرنے ہین،

۱- اکثر نسخون مین ۵۲۴ھ - ۵۲۵ھ ہے،

۲- متعدد نسخون مین ۵۳۴ھ - ۵۳۵ھ ہے،

۳- ایک دو نسخون مین ۵۲۴ھ - ۵۳۵ھ ہے،

۴- ایک مین ۵۲۴ھ - ۵۳۴ھ ہے،

پہلے اور دوسرے نسخون کی بنا پر تصنیف کی مدت ایک سال ہوتی ہے، اور تیسرے چوتھے کی بنا پر دس سال، یہ دس سال کی مدت تصنیف حسب ذیل وجوہ سے ناقابلِ قبول ہے،

۱- یہ اکثر معتبر و مستند نسخون کے خلاف ہے،

۲- سنائی نے ۵۲۸ھ مین اپنی مثنوی طریق التحقیق لکھی ہے، جیسا کہ اس مثنوی کے آخر مین ہے، (فہرست انڈیا آفس لائبریری)

پانصد و بست و ہشت ز آخر سال   بود کین نظم نغز یافت کمال

ظاہر ہے کہ پہلی مثنوی کے تمام ہونے کے بعد ہی سنائی نے یہ دوسری مثنوی شروع کی ہوگی، تصانیف اور خصوصاً نظمیہ اور وہ بھی ہم مضمون نظمیات کے ظاہر حال کے یہ خلاف ہے کہ ایک کو ناتمام چھوڑ کر دوسری کو

شروع کر دیا جائے، کہ ایک ہی قسم کے ذوقیات اور ایک ہی قسم کے وزن مین تغیر اور تبدل کی ضرورت قرائن کے خلاف ہے،

۳۔ اس شعر کے اوپر ایک اور شعر سب نسخون مین ہے جسمین مہینون کا ذکر ہے، ان دونون شعرون کو ملاکر پڑھنے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اسکی تصنیف مین ایک سال صرف ہوا ہے وہ شعر یہ ہین،

شد تمام این کتاب در مہ دئی کہ در آذر فگندم این را پی

پانصد و بست و چار رفتہ زعام پانصد و بست و پنج گشتہ تمام
(سی) (سی)

آغاز و انجام کے مہینون کا یہ حساب اسی وقت پیش کیا جاتا ہے، جب حساب سال کے اندر یا سال کے قریب ہو، اس قرینہ سے اس قرات کی تصدیق ہوتی ہے جس سے تصنیف کی مدت ایک سال ثابت ہوتی ہو، ایک سال کے آذر سے لیکر دوسرے سال کے دئی تک ٹھیک ایک سال ہوتا ہے، اس سے اکثر نسخون کے مطابق یہ تصریح نکلتی ہے کہ ماہ آذر ۵۲۴ھ سے شروع ہوکر ماہ دی ۵۲۵ھ مین تمام ہوئی، اور بعض نسخون کے مطابق یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ماہ آذر ۵۳۴ھ سے تصنیف کا آغاز اور ماہ دی ۵۳۵ھ مین اسکا انجام ہوا،

اگر مدت دس گیارہ برس ہوتی (۵۲۴ھ سے ۵۳۵ھ یا ۵۳۴ھ تک) تو آغاز و انجام کے مہینون کا پیش کرنا بیسود ہوا جاتا ہے، شعرا اس قسم کی تاریخ کا اظہار فخریہ کرتے ہین، ایک سال مین (یعنی ۵۲۴ھ-۵۲۵ھ یا ۵۳۴ھ-۵۳۵ھ) اس کتاب کا تصنیف پانا تو وجہ افتخار بن سکتا ہے، مگر دس گیارہ برس کی محنت شاقہ مین اس کا تصنیف پانا سنائی کیا کسی معمولی شاعر کے لیے بھی افتخار کی وجہ نہین ہو سکتی،

ان قرائن کی بنا پر ۵۲۴ھ-۵۳۵ھ کا نسخہ ناقابل اعتبار ہو جاتا ہے، اور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صحیح وہی نسخہ ہے جس سے اسکی تصنیف کی مدت ایک سال ثابت ہو[1]، اب اگر ۵۲۴ھ-۵۲۵ھ کا نسخہ صحیح ہے تو ثابت ہوگا کہ حدیقہ پہلے اور طریق التحقیق ۵۲۸ھ مین بعد کو لکھی گئی، اور اگر دوسرا نسخہ ۵۳۴ھ-۵۳۵ھ صحیح ہو تو معلوم ہوگا کہ طریق التحقیق ۵۲۸ھ

---

[1] وسیع النظر پروفیسر شیرانی کا تنقید شعر العجم ذکر سنائی مین "بست و چار" "سی و پنج" کے نسخہ کو بلا دلیل تسلیم کرکے یہ نتیجہ نکالنا کہ سنائی حدیقہ کی تصنیف مین دس برس مصروف رہے، (یعنی ۵۲۴ھ سے ۵۳۴ھ تک یا ۵۳۵ھ تک) درست نہین معلوم ہوتا، شاید ان کے پیش نظر صرف نول کشوری نسخہ رہا، "س"

میں پہلے "درحدیقہ ۵۳۴ھ یا ۵۳۵ھ میں بعد کو نظم ہوئی"

اب ان دو نسخوں میں سے جنمیں سے ایک میں "بست وچار و بست و پنج" اور دوسرے میں "سی وچار و سی و پنج" ہی پہلا نسخہ میرے خیال میں صحیح تر ہے، کیونکہ حدیقہ کے اکثر و بیشتر نسخوں میں بست وچار و بست و پنج ہی مذکور ہے،

چنانچہ ہندوستان اور یورپ کے جن کتبخانوں کے نسخوں کا حال معلوم ہوسکا ہے، ان میں علی العموم یہی تاریخ ہے، بمبئی کے نسخۂ مطبوعہ ۱۸۵۹ء میں جو ایرانیوں نے چھاپا ہے یہی ہے، حاجی خلیفہ چلپی کے سامنے جو نسخہ تھا اس میں بھی یہی تھا، کشف الظنون میں ہے:۔

"فرغ من نظمہ سنۃ اربع وعشرین وخمسمائۃ"

مولانا جامی کے پیش نظر نسخہ میں بھی یہی تھا، نفحات میں ہے:۔

"تاریخ تمامی حدیقہ چنانچہ خود بنظم آوردہ سنۂ خمس وعشرین وخمسمائۃ بودہ است"

اس بنا پر اسی نسخہ "بست وچار و بست و پنج" کو صحیح ترماننا چاہئے، اور یہ تسلیم کرنا چاہئے کہ سنائی نے حدیقہ ماہ آذر ۵۲۴ھ میں شروع کی اور ایک سال میں ماہ دی ۵۲۵ھ میں تمام کی،

تاریخ ولادت | حکیم سنائی کی تاریخ ولادت عموماً اگلے تذکروں میں مذکور نہیں، مگر بعض متاخرین نے ۴۳۷ھ ان کی ولادت کی تاریخ لکھی ہے، چنانچہ ریو نے تذکرۃ الافکار کے حوالہ سے یہی تاریخ نقل کی ہے (فہرست مخطوطات فارسی برٹش میوزیم ج ۲ ص ۵۴۹) شیر خان لودی نے صاحب مجمل فصیحی کی روایت سے اپنے تذکرہ مرآۃ الخیال (ص ۲۲ طبع کلکتہ) میں اور آزاد بلگرامی نے ید بیضا میں بھی یہی تاریخ ولادت درج کی ہے، مگر میرے نزدیک یہ قطعاً غلط ہے، یہ معلوم ہوچکا ہے کہ حدیقہ اکثر و بیشتر نسخوں کے مطابق ۵۲۴ھ یا ۵۲۵ھ میں لکھی گئی ہے، اور بعض دوسرے نسخوں کا اعتبار کیا جائے تو ۵۳۴ھ یا ۵۳۵ھ میں تالیف ہوئی، حدیقہ کے تقریباً وسط میں ہے،

پای بر پای آمد از غم شصت	لاجرم دست می زنم بر دست
	(باب الضعف والشیب)
عمر دادم بجملگی برباد	برمن آمد ز شصت صد بیداد
	(فی تبدیل الحال)

ان دونون شعرون سے ثابت ہے کہ حدیقہ کی تصنیف کے وقت سنائی کی عمر ساٹھ سال کی تھی، اب اگر ۵۲۴ھ کو وقت تصنیف مانا جائے تو ولادت کا سال ۴۶۴ھ نکلے گا، اور اگر ۵۳۴ھ مانا جائے تو ۴۷۴ھ ہوگا،

تاریخ وفات | سنائی کے سال وفات کے متعلق چار روایتین ہین،

۱- شیرخان لودی نے مجمل فصیحی کی روایت سے لکھا ہو کہ سنائی ۴۳۷ھ مین پیدا ہوئے اور باسٹھ برس کی عمر پائی، اس حساب (۴۳۷ + ۶۲ = ۴۹۹) سے ۴۹۹ھ مین وفات واقع ہوتی ہے جو سرتاپا غلط ہو کہ یہ حدیقہ وطریق التحقیق کی تصنیف سے اور بہرامشاہ وسنجر کی تخت نشینی سے پہلے کا واقعہ ہوگا، جو ہر طرح شائبہ صحت سے خالی ہے،

۲- مولانا جامی نے نفحات الانس مین بعض کا قول نقل کیا ہے کہ ۵۲۵ھ مین جس سال حدیقہ کی تصنیف ختم ہوئی، مصنف کی زندگی کا بھی خاتمہ ہوا،

بعد کے اکثر لوگون نے اس بعض کے قول کی بے تحقیق تقلید کی ہے،

۳- تقی الدین کاشانی نے اپنے تذکرہ خلاصۃ الاشعار وزبدۃ الافکار مین جو ۹۷۹ ۔ ۹۹۲ھ کی تالیف ہو اور جس کے ابواب کا خلاصہ ڈاکٹر اسپرنگر نے اپنی فہرست کتبخانۂ شاہ اودھ مین دیدیا ہے، سنائی کی وفات کا سال ۵۴۵ھ نقل کیا ہے (فہرست مذکورہ ص ۵۵)

۴- دولت شاہ سمرقندی نے تذکرہ مین اپنی مشہور بے احتیاطی کیساتھ سنائی کی وفات کا سال ۵۷۶ھ لکھا ہو،

اگرچہ ان مین سے کوئی بھی قدیم ترین اور قریب ترین شہادت نہین ہے، تاہم محققین حال نے متعدد وجوہ کی بناپر تقی کاشانی کی روایت یعنی ۵۴۵ھ کے سال وفات کو معتبر قرار دیا ہے،

میرے نزدیک تو دولت شاہ کی ۵۷۶ھ والی روایت اس لیے قبول کے قابل نہین کہ جب ۴۶۴ھ مین ان کی ولادت ہوئی اور ۵۲۵ھ مین حدیقہ کی تصنیف کے وقت وہ ساٹھ سال کے تھے تو ۵۷۶ھ مین انکی عمر ایکسو گیارہ برس کی قرار پاتی ہو، اور یہ طول عمر ثبوت کا محتاج ہے، اور اسلئے بھی اس قدر متاخر تاریخ نہین مانی جاسکتی، کہ سنائی کی تصنیفات مین صرف بہرامشاہ اور سنجر دو بادشاہون کے نام آتے ہین، اور جیسا کہ معلوم ہوچکا ہو کہ بہرامشاہ غزنوی نے ۵۴۷ھ مین

اور سنجر سلجوقی نے ۵۵۲ھ مین وفات پائی ہے، اور ان کے بعد دوسرے سلاطین دونون خانوادون مین تخت نشین ہوئے ہین، اگر وہ دوسرون کا زمانہ بھی پاتے تو ان کے نام کے قصائد بھی سنائی کے کلام مین مل سکتے،

حکیم کے کلیات مین غزنویہ اور سلجوقیہ کے صرف ایک ایک بادشاہ کے نام کے قصیدے ہین، غزنویہ مین سلطان بہرامشاہ کے نام کے اور سلجوقیہ مین سنجر کے،

سلطان ہمہ مشرق بہرام شہ آنکو بہرام سپہرش نسزد بندۂ دربہ

خسرو خسرو نشان بہرام شہ سلطان حق آنکہ بہرام فلک در سطوتش حیران بماند

آفتاب داد و دین سنجر کہ او را ہر زمان اوّل القاب نوشروان ثانی آمدہ ست

ان دونون بادشاہون کے زمانے بہت ملے ہوئے ہین، بہرامشاہ کا عہد ۵۱۲ھ سے ۵۴۷ھ تک اور سنجر کا ۵۱۱ھ سے ۵۵۲ھ تک، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سنائی نے اول تو درباروں تک دیر مین رسائی پائی ہے اور پھر ایک ایک بادشاہ سے زیادہ اپنا مربی نہین پایا،

پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ سنائی نے ۵۴۶ھ کی وفات کی صورت مین اپنے مربی ومحسن بہرامشاہ کو ۵۴۷ھ مین اور سنجر کو ۵۵۲ھ مین مرتے ہوئے سنا لیکن ان کے اس سانحہ پر غم وحسرت کے دو قطرے بھی نہ بہائے، یہ تعجب خیز ہے درآنحالیکہ معزّی شاعر کے سنجر کے ہاتھ سے اتفاقیہ مارے جانے پر وہ آنسو کے چند قطرے گراتے ہین، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت ان بادشاہون کی وفات کے وقت شاعر زندہ ہی نہ تھا،

۵۲۵ھ کی تاریخ وفات بھی کئی وجوہ سے ناقابل اعتبار ہے،

۱- سنائی نے اپنی دوسری مثنوی طریق التحقیق جسکا ذکر اوپر گذر چکا ہے ۵۲۸ھ مین لکھی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ وہ ۵۲۸ھ تک تو یقیناً زندہ تھے،

۲- حدیقہ کے بعض نسخون مین اس کا ۵۲۴ھ سے لیکر ۵۳۰ھ تک اور بعض کے روسے ۵۳۴ھ سے ۵۳۵ھ تک تصنیف ہونا پایا جاتا ہے،

۲- سنائی نے امیر معزی شاعر کے مرثیہ میں جس نے ۵۴۲ھ میں سلطان سنجر سلجوقی کے اتفاقی تیر سے زخم کھا کر وفات پائی تھی[1]، چند قطعے لکھے ہیں، انہیں ایک کو آذر نے اپنے آتشکدہ میں درج کیا ہے، (ص ۱۵۹ بمبئی)

گر زہرہ بچرخ دوم آید نہ شگفت است | در ماتم طبع طرب افزاے معزی
از حسرت درہاے یتیمش پو یتیمان | بنشست عطارد بمعزای معزی

اور دوسرے کو مرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی نے حواشی چہار مقالہ میں نقل کیا ہے[2]۔

تا چند معزاے معزی کہ خدایش | زینجا بفلک برد وقبائی ملکی داد
چو تیر فلک بود قرینش سرہ آورد | پیکان ملک برد، بہ تیر فلکی داد

اس سے معلوم ہوا کہ ۵۴۲ھ تک سنائی کی وفات نہیں ہوئی تھی، اور ۵۴۸ھ میں وہ وفات پا چکے تھے، ورنہ اپنے محسن و مربی بہرامشاہ کا مرثیہ ضرور کہتے، اب ان دونوں تاریخوں کے بیچ میں انکی وفات کا سال ہوگا، اور یہ وہی ۵۴۵ھ ہے، جس میں کاشانی نے انکی وفات بیان کی ہے،

ان تفصیلات کا نتیجہ یہ ہے کہ حکیم سنائی کی ولادت کا سال ۴۶۴ھ یا ۴۶۵ھ اور وفات کا سال ۵۴۵ھ قبول کیا جائے، اس حساب سے انکی پوری عمر اسّی اکاسی برس کی ہوگی، اور اگر ۵۲۵ھ کو حدیقہ کا سال تصنیف مانا جائے، تو دس گیارہ برس عمر اور کم ہو جائیگی،

اس تفصیل سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مستوفی قزوینی صاحب گزیدہ کا انکو سلطان ابوسعید ابوالخیر المتوفی ۴۴۰ھ کا معاصر بتانا قطعاً غلط ہوا، نیز حضرت جامی کا یہ فرمانا کہ انھوں نے سلطان محمود المتوفی ۴۲۱ھ کی مدح لکھی تھی درست نہیں، اسی لیے دولتشاہ نے اپنے تذکرہ میں اس مدح مذکور کا سلطان محمود کے بجاے سلطان ابو اسحاق ابراہیم غزنوی (۴۵۱ھ - ۴۹۲ھ) کی شان میں ہونا ظاہر کیا ہے، جو قرین قیاس ہو سکتا ہے، مگر اس نام کا کوئی قصیدہ شاعر کے مطبوعہ بمبئی کلیات میں مجھے نظر نہیں آیا، لیکن چونکہ یہ شاید منتخب ہے اس لیے پورے استناد سے نہیں کہا جا سکتا،

---

[1] لباب الالباب عوفی جلد ۲ ص ۶۹ گب و آتشکدہ آذر ص ۱۵۹ بمبئی، فہرست مخطوطات انڈیا آفس (حدیقہ سنائی ص ۵۵)

[2] حواشی چہار مقالہ ص ۱۵۱ گب،

فلسفہ فقراء

یعنی

سائنس اور تصوف

از

جناب ڈاکٹر نواب سرامین جنگ بہادر کے سی آئی ای سی ایس آئی ایم اے ال ال ڈی حیدرآباد دکن

(۲)

۶- جان و ہیجان

۱- پروفیسر سر جگدیش بوس پکے ویدانتی ہین، جن کا مشہور و معروف انسٹیٹیوٹ (دار التجربہ) ویدانتی اصول پر قائم ہے، اون کے اختراعات، ایجادات و تصانیف نے سائنس کی دنیا مین ہند کے علم و ہنر کا سکہ دوبارہ رائج کردیا، اونھون نے صوفیا کے بعض دعوون کو نطقی یا لفظی طور سے ثابت کرنے پر اکتفا نہ کرکے، خود اون کا مشاہدہ بروز روشن کرادیا ہے، مثلاً اونھون نے اعلیٰ حضرت خلد اللہ ملکہٗ کو کلکتہ مین ایک ایسا آلہ بتایا جس سے ہم سب کو نظر آیا کہ درخت بھی مانند انسانون کے سوتے جاگتے، خوش اور رنجور ہوتے ہین، گویا اون مین بھی ایسی جان ہے، جس کی نوعیت مین اور ہماری جان کی نوعیت مین کچھ فرق نہین، البتہ درجہ کا فرق تو ضرور ہے، سر جگدیش نے بہت سال قبل یہ بھی اپنے ایجادی آلات سے بتادیا کہ تمدن مین علی العموم جمادات مین جنکو ہم بے جان سمجھتے رہے ایک درجہ کی جان ہے، جس سے وہ خاص خاص ہیجات کے مجیب ہوتے ہین یعنی چند خاص خارجی حرکتون کا جواب دیتے ہین، جو حیات کی علامت ہے، اگرچہ تیرہ سو سال کی ترقی علم و ہنر کے بعد بھی سائنس "روح کیا ہے" بیان نہین کرسکتا، اگرچہ آج بھی (قل الروح من امر ربی) کہے

بغیر گریز نہین لیکن، روح کی موجودگی کے نشانات جو اس وقت ظاہر تھے، اب بھی ہین، اور ہمیشہ رہین گے، ایسی نشانیون مین کسی ذرہ کا ایک جگہ سے دوسری جگہ خود بخود منتقل ہونا گویا یہان سے وہان تک پہل کر جانا اوس فرد مین، روح ہونے کی نشانی نہین ہو سکتا، عضویّہ (ORGANISM صاحب عضو ہونا کوئی ایسی نشانی نہین ہو، موٹر کار بھی گھوڑے کی طرح عضویّہ عضو دار ہے. ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتی ہے لیکن موٹر کار جاندار نہین کہی جاتی، گھوڑا جاندار کہا جاتا ہے اسکی کیا وجہ ہے، ؟ گھوڑے مین اور موٹر مین ما بہ الامتیاز جان ہو ہے، اوسکی نشانی گھوڑے مین کیا ہو، جو موٹر مین نہین، ؟ اہل سائنس اور نیز صوفیون کے نزدیک دو نشانیان ہین،

۲ - ایک نشانی (الف) حفاظت جسم کی ہے، دوسری نشانی (ب) حفاظت جان کی ہو،

الف موٹر کار کا کوئی کل پرزہ ٹوٹ جائے یا گھس جائے تو موٹر کار خود بخود اوسکی مرمت نہین کر سکتی، شوفر یا میکانک ہی اوسکو درست کر سکتا ہے لیکن اگر گھوڑے کو کوئی چوٹ لگے، یا اوسکی کوئی ہڈی ٹوٹ جائے، تو اوس کے جسم مین کوئی ایسی شے ہے، جو ایک قسم کا لعاب خون سے نکال کر زخم کو مندمل اور ہڈی کو جوڑ دیتی ہے، موٹر کا میکانک ٹوٹے ہوئے اسکرو کو نکال کر دوسرا اسکرو ڈالتا ہے لیکن گھوڑے کا طبیب ٹوٹی ہوئی ہڈی کو نکال کر دوسری ہڈی نہین ڈال سکتا، فقط اوسکو جوڑ کر گھوڑے کی طبیعت (یعنی جان) پر بھروسہ کرتا ہے، کہ وہ جڑ جائے گی، چند سال قبل لندن کے ایک مشہور و معروف ڈاکٹر نے اپنے لکچر مین کہا تھا کہ کوئی حکیم جہان جان نہین وہان اپنی دوا یا علاج سے جان نہین ڈال سکتا فقط یہی کرتا ہے، کہ جہان جان ہو، اوس کی پیٹھ اپنی دوا سے ٹھوک ٹھاک کر دوا کے ذریعہ اوسکو شاباشی دیکر یا اپنے علاج سے اوسکی احتیاج کرکے اوسکو اپنی آپ جلد حفاظت کر لینے یا شفا جلد دے لینے کے کام پر لگا دیتا ہی، غرض گھوڑے مین جان ہونے کی ایک نشانی یہ ہے، کہ وہ گھوڑے کا جسم آپ ہی آپ ابھار رکھتی ہو، اپنا زخم خود آپ چنگا کر لیتی ہو، ٹوٹے ہوئے عضو کو خود آپ درست کرتی ہے، اگرچہ اسمین حکیم کے علاج کی مدد ہوتی ہو لیکن اگر خود طبیعت مین مدد لینے کا رجحان یا مادہ نہ ہو تو علاج کارگر نہین ہوتا،

ب - علیٰ ہذا القیاس دوسری نشانی حیات کی یہ ہے کہ موٹر کار کے راستہ مین اگر دفعۃً کوئی گڑھا سامنے آجائے

تاوقتیکہ شوفر اوس کو بریک ڈال کر نہ روکے موٹر کار خود بخود نہین رُک سکتی بخلاف اس کے اگر گھوڑے کے سامنے اچانک کوئی غار آجائے تو وہ خود بخود جھجک کر رک جاتا ہے سوار جسکو غار نظر آتا ہو، وہ اوسکو اگر بڑھانا چاہے، تو بھی گھوڑا لوٹ کر بھاگ جانے کی کوشش کرتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ موٹر کار مین اپنے آپ کو خطرہ سے روکنے کا اختیار نہین ہے لیکن گھوڑے مین ایسا اقتدار موجود ہے یہی دو نشانیان حفاظت خود اختیاری کی جانداروں مین ہین اون کو اور ایسے دوسرے چند معمولی امور مثلاً جینے مرنے سونے جاگنے وغیرہ وغیرہ کو پروفیسر آئین اسٹین اپنے (نظریہ تناسب) کے لئے "واقعات زمان و مکان" کہتے ہین، صوفی اپنے تصوف کے اغراض کے لئے "حادثات جسم وجان" کہتے ہین،

الغرض ظواہر، واقعات زمان و مکان، حادثات یا حوادث جسم وجان سے مراد ہے:۔

(۱) شئی مثلاً پتھر شجر بشر (۲) حالات شئی مثلاً گرمی سردی بخار و درد سر اور (۳) باہمی تعلقات اشیاء پس روزانہ گفتگو کی زبان مین (۱) کو ذات فرض کرکے (۲) اور (۳) اوس کے صفات سمجھے جاتے ہین لیکن ذات کیا چیز ہے بیان کرنا دشوار بلکہ غیر ممکن ہے (دیکھو فصل ۹ دفعہ ۳)

۷۔ واقعات زمان و مکان

(۱)۔ (عرصہ) مرور زمانہ یعنی وقت کس قدر گذرا اوسکی پیمایش گھڑی سے ہوتی ہے جب ڈائل کی مدور سطح پر گھڑی کی بڑی سوئی ایک چکر لگاتی ہے، تو اوس کو ایک گھنٹہ کہتے ہین، جب اوسکی چھوٹی سوئی ایک چکر ڈائل کی سطح پر لگاتی ہے، تو اوس چکر کو آدھا روز کہتے ہین، ڈائل کی مدور سطح دراصل مسافت یا مکان ہے، اس مکان مین چکر لگانے والی سوئیان بتاتی ہین، کہ وقت کسقدر گذرا پس وقت TIME کا اندازہ زمانہ کی پیمایش سطح ڈائل SPACE سے ہوتی ہے ایسا ہی طے مسافت DISTANCE ایک مقام یا مکان سے دوسرے مقام یا مکان تک کتنی دوری ہے، اوسکا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایک گھنٹے مین کتنے میل طے کئے گئے، مسافت کی پیمایش وقت سے ہوتی ہے، چنانچہ مسافت یا مکان کی پیمایش زمان سے ہوتی ہے، اور زمان کی پیمایش مکان سے ہوتی ہے، زمان و

مکان سے ایک دوسرے کے لازم و ملزوم گویا توام ہین، ایک دوسرے سے جدا نہین ہو سکتے، ان دنون بعض اہل سائنس زمان کو ایک ہی عرصہ duration کے دو پہلو تصور کرتے ہین پاریس یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر برگسان جنکی کتاب creative Evolution نے بیسوین صدی کی فلسفی دنیا مین ایک ہل چل پیدا کر دی تھی، انھون نے اپنی تصانیف مین عرصہ کو حقیقت ثابت کرنے کی کوشش کی ہی، (فصل ۹ دفعہ ۲)

۲- ماہرین طبیعیات کے نزدیک تمام ظواہر Phenomena کے بھی دو پہلو زمان و مکان time and space ہین جن سے ظواہر کا خارج مین موجود ہونا ہم کو محسوس ہوتا ہے، لیکن در اصل ظواہر کیا ہین ہم کو معلوم نہین، پروفیسر آئین سٹین نے ظواہر کا نام "واقعات زمان و مکان" رکھا ہی، اور انھین سے اپنا ایک نظریہ یون قایم کیا ہے، کہ ان واقعات زمان و مکان کی پیمایش کے لئے فقط تین مساحات طول عرض عمق کافی نہین بلکہ ایک چوتھا مساحہ وقت لازماً اون مین شریک ہو اور رہنا چاہئے، ان کا دوسرا مشہور نظریہ تناسبہ RELATIVITY ہنسی مذاق کے قابل ہوتا، اگر وہ اوسکو ہندسی MATHEMATICAL اور نیز اختیاری OBSERVATIONAL طور سے ثابت نہ کئے ہوتے، وہ نظریہ یہ ہے کہ زید اگر سیدھا کھڑا رہے، تو اوس کے قامت کی درازی اوس کے اس قامت کی درازی سے کم ہوتی ہے جب وہ بچھونے پر چت لیٹا ہو، اسی طرح ایک ہی لاٹھی جب وہ نیچے پڑی رہی تبھی لانبی ہوتی ہی، اتنی لانبی نہین ہوتی جب کہ وہ سیدھی کھڑی رہے، (!!) اس نظریہ کا نام آئین سٹین نے (محدود تناسبہ) رکھا ہی، اور نظریہ موسوم بہ (عام تناسبہ) جداگانہ ہے جسکا صرف حوالہ ذیل مین بیان کیا جاتا ہی،

۳- طبیعیات کے (محدود تناسبہ) کی صراحت تین لحاظ سے ہوتی ہی،

(الف) پہلا لحاظ تو وہی کہ زمان و مکان توام ہین، ہمارے ادراک و علم مین ایک دوسرے سے جدا نہین ہو سکتے بلکہ ادراک کیلئے لازم و ملزوم ہین،

(ب) دوسرا مفروضہ ایتھر ہے، جسطرح سمندرون کا پانی کرۂ زمین کو لپٹا ہوا ہے، اسی طرح ہوا بھی کرۂ زمین کو لپٹی ہوئی ہی، ہوا سطح زمین سے اوپر چھ سات میل تک ہی ہے اوس سے اوپر کیا ہی؟ خلا ہی؟ نہین، کیونکہ خالص

خلا محال ہے، میرے منہ سے آواز جو نکلتی ہے اوس کو آپ کے کان تک پہنچانے کا ذریعہ جیسی ہوا ہے، ویسی ہی سورج[1] اور تارون سے روشنی جو نکلتی ہے اوسکو آپ کی آنکھ تک پہنچانے کا ذریعہ ایتھر ہے، جو ایک موہوم و لطیف ترین شئی ہے جو تمام عالم کے ہر جسم ہر جرم مین ساری و طاری ہے گویا ایتھر کے بہتے ہوئے بحیرہ مین ہم سب اور ہماری ساری دنیا بسی ہوئی ہے

(ج) تیسرا ہندسی ثبوت ہے، جس کا خلاصہ سرسری طور پر ایک مثال سے یون بتایا جا سکتا ہے، گرمی سے سوکھی ہوئی ندی مین ایک جگہ پانی کا چشمہ بن گیا ہے، اسمین ایک کنول کا پھول سیدھا کھڑا ہے جسکا ڈنٹھل جڑ سے سرے تک تین فٹ لانبا ہے، فرض کر لیا جائے کہ ڈنٹھل ربڑ کے مانند کھچ جا سکتا ہے لیکن اوسکی جڑ زمین مین ایسی مضبوط گڑی ہے کہ اکھاڑی نہین جا سکتی اوس ندی مین دفعتہً طغیانی ہوئی پانی فی گھنٹہ چند میل بہتا ہوا یکدم اس زور سے آیا کہ کھڑے ہوئے کنول کو سلا دیا لیکن اوسکی جڑ کو اکھیڑ کر بہا نہ سکا، اقلیدس کی شکل عروسی (مقالہ اول شکل ۴۷) کے موافق کوئی مہندس حساب لگا کر آپ کو بتا دیگا کہ پانی کے بہاؤ کے وقت تین فٹ کا کھڑا ہوا ڈنٹھل کھچکر چار فٹ لانبا ہوا تھا، پانی کا بہاؤ موقوف ہونے کے بعد ڈنٹھل ربڑ کے مانند سکڑ کر پھر تین فٹ کا ہو گیا اور پھر اوٹھ کھڑا ہوا اوسکی شکل ہندسی ایسی ہوئی تھی

پانی کے بہاؤ کا رخ (مغرب)
(مشرق)
۳ فٹ
کنول کھڑا ہوا
۵ فٹ
ڈنٹھل کھچنے کا رستہ
۴ فٹ
جڑ
کنول لیٹا ہوا
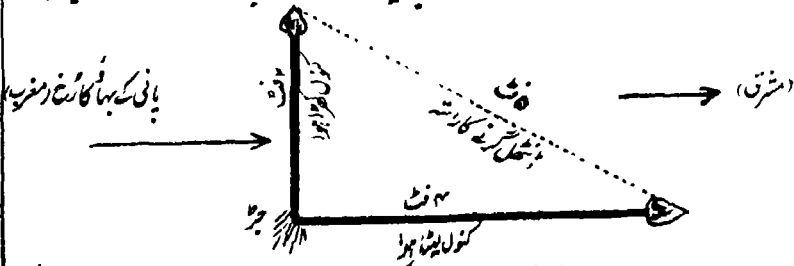
۴ - الغرض (تناسبہ محدودہ) کا نظریہ اسی قدر ہے کہ ہم سب تمام اجسام و اجرام، ایتھر کی بہتی ہوئی ندی مین رہتے ہین جس کے بہاؤ کا زور ایسا ہے کہ جب ہم لیٹ جاتے ہین، تو کھچکر لانبے ہو جاتے ہین، اگر کوئی لڑکا کھڑا ہو تو تین فٹ لانبا ہے، تو جب وہ لیٹ جاتا ہے تو ایتھر کے بہاؤ کے زور سے کھچکر چار فٹ لانبا ہو جاتا ہے لیکن خود اوسکو یا دوسرون کو اوس کا کھچنا اور بڑھنا و گھٹ جانا محسوس نہین ہوتا اور نہ ہو سکتا ہے، اس لئے کہ جب تین فٹ کے گز سے ہم اوس لڑکے کو ناپتے ہین، وہ خود پڑے رہتے وقت کھچ جا کر لڑکے کی ناپ کے برابر چار فٹ کا گز ہو جاتا ہے، ہم کو ایتھر کا بہاؤ بھی محسوس نہین ہو سکتا، کیونکہ ہم مین سے ہر ایک کی پیدائش سے اب تک اوس کا بہاؤ کبھی نہین رکا تا کہ وہ ہم کو محسوس ہو سکے۔

[1] شمس یا آفتاب کی جگہ لفظ سورج یہان اسلئے استعمال کیا گیا ہے کہ ہر تارا بجائے خود اپنے عالم کے لئے آفتاب ہے،

آئین سٹین کا (عام تناسبہ) اتھر کے مفروضہ کو بھی غیر ضروری بتاتا ہے لیکن اوس کے بیان کی یہان گنجایش نہین،

۵۔ آئین سٹین نے اپنے نظریہ سے جو نتائج طبعیات مین جسم، وزن، کشش ثقل، GRAVITATION یا تجاذب کے بارہ مین نکالے ہین، اون کی صراحت کی یہان ضرورت نہین حتی کہ اوس نظریہ کے تذکرہ کی بھی چندان ضرورت نہ ہوتی، اگر اسی کے مانند صوفیون کا نظریہ تناسبہ نہ ہوتا، آئین سٹین نے جس طور سے اپنے نظریہ کو ثابت کیا ہے اوس کا ایک شمہ یہان اس لئے بیان کیا گیا تاکہ قیاس کیا جاسکے کہ اہلِ تصوف بھی کچھ اسی طرح اپنے نظریہ کو سینہ بسینہ ارشادات سے ثابت کرتے ہون گے، اگلے زمانہ کے صوفی اکثر اوقات طریقہ تحقیقات یا طرز ثبوت کا بیان ترک کرکے فقط اپنی تحقیقات کے نتیجہ سے کام لیا کرتے تھے، اور اون کے شاگرد اپنے استاذ کا نام لینا ہی اوس نتیجہ کا کافی ثبوت تصور کرلیتے تھے اس لئے تصوف کے فلسفہ کی بہت سی باتون کی صراحت یا ثبوت کا ریکارڈ اخلاف کے واسطے رہ نہ سکا،

۶۔ قبل اس کے کہ صوفیون کا نظریہ تناسبہ بیان کیا جائے، یہ کہنا بے موقع نہ ہوگا کہ ایک اہم نتیجہ جو آئین سٹین نے اپنے (عام تناسبہ) کے نظریہ سے نکالا ہے، وہ صوفیون کے نظریہ کے ایک اہم نتیجہ کے موافق ہے اگرچہ اون کا نظریہ زیادہ تر حیاتیات و روحانیات سے تعلق رکھتا ہے، اور آئین سٹین کا نظریہ بالکلیہ طبعیات سے متعلق ہے، پروفیسر موصوف نے ثابت کیا ہے، کہ اگرچہ ہمارا عالم بہت ہی وسیع بلکہ لامتناہی پایا جاتا ہے لیکن دراصل (لاحدلہٗ) لامحدود نہین ہے جب سمندر کے وسیع رقبہ پر کسی بہت اونچے مقام سے (مثلاً بہت اوپر اڑتے ہوئے ایروپلین سے) نظر ڈالی جائے، تو وہ محدب ابھرا ہوا گول ہوتا نظر آئے گا، ایسا ہی مکان و زمان مین جس قدر زیادہ وسعت ہوتی ہے اوسی قدر زیادہ وہ اپنے آپ پر پلٹ کر اپنی شکل ایک قسم کی کروی بنالیتا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صرف ایک عالم نہین ہے، بلکہ کروڑہا عالم ہین، کیونکہ خدائے تعالیٰ (رب العالم) ہی نہین ہے بلکہ (رب العالمین) ہے، اور جس عالم کے ذرے ہم ہین، وہ ایسا وسیع ہے جسمین آفتاب سیارے اور ستارے ایک دوسرے سے اس قدر فاصلہ پر ہین کہ ہر ستارے کی روشنی جو ہمکو نظر آتی ہے وہ اس سے نکلکر ہماری آنکھون تک پہنچنے کے لئے لاکھوں ارب سال کا زمانہ گذر جاتا ہے، مسافت و وسعت کی پیمایش اندنون منجمین شمسی سال کو چھوڑ کر "نوری سال" LIGHT سے کرتے ہین، ایسا بڑا عالم بھی غیر محدود نہین ہے، اس کے سوا دوسرے عالم بھی موجود ہین،

حضرت شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی

از مولینا سید ابو ظفر صاحب ندوی سابق مدرس عربی و فارسی ودیا پیٹھ احمد آباد

اس مضمون کے گذشتہ نمبر (ص۱۱۱ سطر ۱۴) میں "عرش اسلام، قبلۂ مقبل" میں ۱۰۱۸ھ کے بجائے ۱۰۱۴ھ تاریخ نکلنے پر کسی حرف کے چھوٹ جانے کا خیال ظاہر کیا گیا ہے، نواب صدر یار جنگ مولینا شروانی رقم فرماتے ہیں کہ اگر "و" بڑھا دیا جائے تو تاریخ ۱۰۱۸ھ درست ہو جائیگی اور صحیح مصرعہ یوں ہوگا ع :۔ عرش اسلام و قبلۂ مقبل (قبلہ کے آخر میں "ہ" ہے جسکے ۵ ہوں گے)

جاگیر و مدرسہ

شاہان گجرات نے آپکے خاندان کو متعدد مرتبہ وجہ معاش کے لئے جاگیریں عنایت کیں، مگر قبول نہ کیا، خود جناب شاہ صاحب کے ساتھ بھی یہ معاملہ ایک مرتبہ پیش آیا، مگر آپ نے رد کر دیا، آپکے پانچ صاحبزادے تھے، (۱) شاہ محمد جو برہان پور چلے گئے تھے، اور وہیں ۹۹۲ھ میں انتقال کر گئے، (۲) شاہ حامد (۳) شاہ عبدالواحد متوفی ۱۰۳۲ھ (۴) شاہ عبدالحق متوفی ۱۰۴۰ھ (۵) شاہ عبداللہ ان کی ولادت ۹۳۰ھ میں بمقام احمد آباد ہوئی، جناب شاہ صاحب کی وفات پر اپنے باپ کی جگہ مسند نشین ہوئے، علم و تقوی میں اپنے پدر بزرگوار کے نمونہ تھے، ہمیشہ درس و تدریس اور ارشاد و ہدایت میں مشغول رہے، ۷۷ برس کی عمر میں بمقام احمد آباد ۱۰۱۰ھ میں انتقال فرمایا، اُن کے بعد جناب شاہ اسد اللہ بڑے لڑکے جانشین ہوئے، لیکن جلد انتقال فرما گئے، ۱۰۲۶ھ میں جب جہانگیر احمد آباد آیا[۱] اوسوقت جناب شاہ موصوف کے بھائی، شاہ حیدر صاحب سجادہ تھے، جہانگیر آپسے ملکر بہت خوش ہوا، موضع لسودرا اور موضع باریجری اولاد کے معاش کے لئے بطور جاگیر عنایت کیا، اور موضع دستراں موضع دنتالی اور موضع ہزنا، مدرسہ خانقاہ اور روضہ کے اخراجات کے واسطے بطور وقف ہدیہ کیا، یہ مدرسہ اسی وقت سے ہمیشہ چلتا رہا، اور اس منبع فیض سے ہزاروں تشنگان علم برسوں سیراب ہوتے رہے، مدرسہ کب بند ہوا، اوسکے متعلق کوئی صحیح اور یقینی تاریخ معلوم کرنے کا میرے پاس

[۱] اقبال نامہ جہانگیری سفر گجرات احمد آباد

کوئی ذریعہ اس وقت نہیں ہے، اس سلسلہ کے جو لوگ جو اس وقت موجود ہیں وہ بھی اندازاً کچھ کہہ دیتے ہیں، اتفاقاً چند دن ہوئے کہ دو دستاویزیں میری نظر سے گذریں، ان میں سے ایک کے محرر جناب سید فیض اللہ بن سید اسد اللہ بن سید رحمت اللہ بن سید حسین بن سید عبد العلی بن سید اسد اللہ بن سید شاہ عبید اللہ بن حضرت شاہ وجیہ الدین ہیں، سید فیض اللہ صاحب نے اس دستاویز کے ذریعہ اپنی تمام جائداد اور عہدہ وغیرہ کا متولی اپنے لڑکے سید محمد شجاع الدین صاحب کو بنایا ہے، اس کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے، "تولیت نامہ بمہر مغفرت مرتبت حسن محمد خان معروف بعلی محمد خان مرحوم دیوان صوبہ سابق وبمہر غلام حسین خان صدر مغفور"، اور آخر میں تاریخ تحریر ۱۶ار شوال ۱۱۸۵ھ ہے، اور اس عہد کے مفتی سید بدر الدین کی جو مہر ہے اس پر ۱۱۹۵ھ کندہ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اصل تحریر تو ۱۱۸۵ھ کی ہے اور اوسکی نقل مفتی موصوف کے عہد ۱۱۹۵ھ میں اس وقت لی گئی جب سید فیض اللہ صاحب متوفی ۱۱۸۹ھ کے بعد کسی تنازعہ کے سبب ضرورت پڑی ہوگی، اور اسی سبب سے غالباً "دیوان صوبہ علی محمد خان اور غلام حسین خان صدر کو مرحوم اور مغفور لکھا ہے، کیونکہ مفتی صاحب کے عہد سے پہلے یہ وفات پا چکے ہوں گے، میرا اگر یہ قیاس صحیح ہے تو اسکے معنی یہ ہوئے کہ علی محمد خان ۱۱۸۵ھ میں بقید حیات تھے، اور گو سرکاری اعتبار سے وہ دیوان نہ تھے مگر لوگوں میں سابق دیوان کہلاتے تھے، اور کاروبار میں ابھی تک لوگ اون کی مہر اور دستخط سے کام نکالتے تھے، مراۃ احمدی کے مصنف کا نام بھی علی محمد خان محمد حسن ہے، اون کی مہر پر ۱۱۶۴ھ کندہ ہے، وہ اسی عہد میں احمد آباد کے دیوان تھے، اپنی تاریخ گجرات میں ۱۱۷۴ھ تک کے حالات درج کئے ہیں، اور اسی کتاب کے خاتمہ سے ۱۱۷۶ھ تک ان کا زندہ رہنا معلوم ہوتا ہے، اس کے بعد سے پھر اون کی زندگی کا کوئی ثبوت دستیاب نہیں ہوا، اسلئے یہ قیاس کر لیا گیا کہ شاید ۱۱۷۶ھ یا ۱۱۷۷ھ میں وفات پا گئے، یہ تولیت نامہ اون کے آخری تحریر کردہ ۱۱۷۶ھ کے نو برس بعد کا ہے، اس لئے بہت ممکن ہے کہ اونھیں کے عہد کا تحریر کردہ ہو، اور وہ اس وقت تک بقید حیات تھے، مراۃ احمدی میں ان کا نام "محمد حسن" ہے، اور اس تولیت نامہ میں "حسن محمد خان" ہے،

اس محمد کے تقدم و تاخر کے متعلق میرا خیال ہے کہ یا تو کاتب کے جلد نویسی کا نتیجہ ہے، یا ممکن ہو کہ مصنف ہی کے دونوں نام ہوں کیونکہ یہ بالتحقیق معلوم ہے کہ اس عہد میں اور کوئی دوسرا دیوان مقرر نہیں ہوا تھا، کیونکہ

سنہ ۱۱۷۱ھ مین صوبہ دار مومن خان کے چلے جانے کے بعد مرہٹون کا قبضہ ہوگیا، افسوس ہے کہ نقل لیتے وقت اصل مین سے تمام مہرون اور دستخطون کی نقل چھوڑ دی، اگر ان کی بھی نقل ہوتی تو بڑی آسانی سے اس کا فیصلہ ہو سکتا تھا، اس تولیت نامہ مین جاگیر کے ضمن مین موضع بہترنگ (علاقہ منگلور) اور نصف گاؤن "دنتالی" (علاقہ دہ گروئی) مذکور ہے، جس سے معلوم ہوا کہ ۵۰، ۵۵ برس مین تمام جائداد سے صرف اسی قدر باقی رہ گئے، سید فیض اللہ صاحب علوی کا انتقال سنہ ۱۱۸۹ھ مین ہوا،

دوسرا کاغذ بھی تولیت نامہ ہے، محرر کا نام سید شجاع الدین بن سید فیض اللہ ہے، سید شجاع الدین صاحب کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی، ایک لڑکی مسماۃ بو (بوبو یا بی بی) تھی، اوس کا لڑکا یعنی سید شجاع الدین کے نواسہ عبد اللہ بابا، کے نام یہ تولیت ہے، جس کے ذریعہ سید موصوف نے اپنی تمام جائداد اور عہدہ اپنے نواسہ کے حوالہ کر دیا ہے، اس تولیت نامہ کی ابتدا ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے، تولیت نامہ بمہر این خادم شرع شریف وبمہر امارت ووزارت مرتبت شفیع محمد خان المخاطب بہ علی محمد خان دیوان صوبہ وبمہر میرزا فیاض الدین صدر" خادم شرع شریف قاضی شیخ الاسلام خان کی مہر سنہ ۱۲۱۱ھ کندہ ہے اور آخر تحریر مین تاریخ ۱۱ رمضان سنہ ۱۲۱۹ھ ہے،

معلوم ہوتا ہے کہ اس تولیت نامہ کے لکھتے ہی وقت اسکی نقل اصل سے لے لی گئی ہے، اس پر تمام علماء وصوفیہ، قاضی، صدر الصدور، دیوان صوبہ کے مہرون اور دستخطون کی نقل موجود ہے، خود سید شجاع الدین علوی کے مہر مین ہے: "از وجیہ الحق مدد خواہد شجاع" جاگیر کے متعلق صرف موضع بہترنگہ کا ذکر ہے، سید شجاع الدین صاحب اپنے والد سید فیض اللہ صاحب کے بعد اس تحریر کے وقت تک تیس برس متولی رہے، اس قلیل مدت مین موضع "دنتالی" کا نصف حصہ ہاتھ سے نکل چکا تھا، بہرحال، ان دونون تحریرون کے پیش کرنے کا اصل منشا یہ ہے، کہ ہر دو تحریر مین مسجد مدرسہ خانقاہ کا ذکر ہے، اور انھین کی تولیت ان کے سپرد کی گئی تھی، گو کہ یہ تحریر سنہ ۱۲۱۹ھ کی ہے لیکن سید شجاع صاحب کی وفات سنہ ۱۲۲۶ھ مین ہوئی ہے، اس لئے یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ مدرسہ سنہ ۱۲۲۶ھ تک قائم تھا اور غالباً سید شجاع الدین صاحب

آخری عالم ہین جن سے مدرسہ کو رونق رہی،

کتبخانہ مدرسہ جناب شاہ صاحب کا کتبخانہ بہت بڑا تھا، اور شاید ہی کوئی فن ایسا ہو جس کے متعلق کوئی کتاب یہان نہ ہو، زمانہ حال کے لوگ راوی ہین کہ ان کے بزرگ فرماتے تھے کہ ہم نے اپنی آنکھون سے کتبخانہ کو دیکھا ہے، اور بڑے کمرون مین از فرش تا سقف بے ترتیبی اور بے احتیاطی کے ساتھ کتابین بھری تھین، راقم الحروف بھی جب ۱۹۲۱ء مین اس کتب خانہ کو دیکھنے گیا، تو متعدد بڑے بڑے صندوقون مین کتابین، بے ترتیبی سے پڑی تھین، چند دن کی پیہم کوشش کے بعد مین نے ان کتابون کے اوراق منتشر کو مجتمع کرکے با ترتیب رکھوا دیا تھا، لیکن اب ۱۹۲۳ء مین وہان گیا ہے کچھ کتابین تو احباب کی نذر ہوئین، کچھ عربی کتابون کو مجاورنے قرآن سمجھا، اور کمال دانائی سے بغرض ثواب ان کرم خوردہ کتابون کو قدآدم زمین کھود کر دفن کر دیا، باقی کرم خوردہ کتابین دریائے سابرمتی کی نذر ہوئین، کچھ تھوڑی سی کتابین جناب سید پیر حسینی صاحب مصنف تذکرۃ الوجیہ اور جناب بڑا میان صاحب موجودہ متولی درگاہ کے پاس ہین،

شاہ صاحب کی تصنیفات آج ہم یقینی طور پر کچھ نہین کہہ سکتے کہ آپ کی تصنیفات کل کتنی تھین لیکن عام طور پر مشہور ہے کہ ان کی تعداد تقریباً تین سو ہے ان مین سے ایک بڑی تعداد تو ضائع ہو چکی ہے اور دست برد زمانہ سے جو رہ گئی ہین، شاید ہی کوئی ان مین سے طبع ہوئی ہو، تلاش اور تفحص سے مندرجۂ ذیل کتابین دستیاب ہوئی ہین، جو اسوقت کتبخانہ حضرت پیر محمد شاہ احمد آباد مین موجود ہین،

(۱) حاشیہ علی التلویح، (۲) حاشیہ علی شرح المواقف (۳) شرح جام جہان نما (تصوف) (۴) حاشیہ شرح مختصر التلخیص (۵) الرسالۃ المسماۃ بالافسکویہ (مبحث ما اقلت) (۶) رشاد شرح الارشاد (نحو) (۷) حاشیہ علی العضدی، جناب شیخ محمد غوث گوالیاری (قس) کی کتاب "کلید مخازن" پر مختلف شرحین لکھی گئی ہین، جناب شاہ صاحب نے بھی ایک شرح لکھی ہے، کتبخانہ مذکور مین مختلف شرحین موجود ہین، جن مین سے ایک شرح ایسی ہے، کہ جسکے متعلق متعدد وجوہ کے بنا پر میرا خیال ہے کہ وہ جناب شاہ صاحب ہی کی تصنیف ہے،

توضیح تلویح اصول فقہ مین مشہور درسی کتاب ہے، مختلف علماء نے اپنے نقطۂ نظر سے اوسکی شرح اور حواشی

تحریر کیے ہین، جناب شاہ صاحب نے بھی ایک حاشیہ لکھا ہے،

حاشیہ علی التلویح | یہ کتاب ابتدا سے آخر تک خط نسخ مین ہے، ۱۴۴ تقطیع ہے، ابتدائی چار صفحے خوشخط اور باریک حرفون مین ہین، باقی معمولی، تصنیف سے تقریباً سوا سو برس بعد ۱۱۲۲ھ مین اس کی کتابت ہوئی ہے، اسکی ابتدا ان جملون سے ہوتی ہے:-

بسم الله الرحمن الرحيم رب يسر وتمم بالخير الحمد لله رب العالمين والصلوة على خير خلقه محمد واله واصحابه اجمعين، اور اختتامی جملہ یہ ہے، هذا آخر الكتاب بعون الملك الوهاب والحمد لله على اتمامه انه ولى التوفيق وبيده ازمة التحقيق۔ جہان جہان اصل کتاب کا حوالہ ہے وہان سرخی سے "قولہ" لکھدیا ہے، مختلف مقامات کے مطالعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے، کہ ہر جگہ تشریح کرتے وقت طلبہ کے ذہن نشین کرانے کی بے حد کوشش کی گئی ہے، مثلاً حقیقت و مجاز کی بحث مین ایک جگہ صاحب توضیح نے لکھا ہے "فیہ نظر" اس نظر کے پیچیدہ مطالب کو جناب شاہ صاحب نے "حاصل النظر" کے عنوان سے بہت سہل عبارت مین تحریر فرمایا ہے، تاکہ طالب کے دماغ پر زیادہ بار نہ پڑے، پھر اس نظر کا جو جواب دیا جاتا ہے، اوسکو تحریر فرما کر "حاصل الجواب" کے عنوان سے اس کی تشریح فرماتے ہین، سید شریف جرجانی کا اس پر اعتراض نقل کرکے پھر خود اپنا جواب تحریر فرماتے ہین، اس مثال سے آپ خود سمجھ سکتے ہین، کہ جناب شاہ صاحب کا اس طرز تحریر سے اصل منشا کیا تھا، اور کس طرح اپنے مقصد مین کامیاب ہوئے ہین، زیر تنقید نسخہ مصنف کے خود نوشتہ نسخہ سے منقول ہے اور حاشیہ پر ہر جگہ تصحیح کی گئی ہے،

حاشیہ علی المواقف | اس مشہور کتاب کے مصنف قاضی عضد الدین عبدالرحمن ہین، جسکی شرح علامہ سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ نے کی ہے، پھر متعدد علما نے اس پر حواشی لکھے، ہند مین زیادہ تر مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کا حاشیہ رائج ہے، آج سے پچیس ۲۵ برس قبل مصر سے جو نسخہ شایع ہوا تھا، اس مین ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کے ساتھ ملا حسن چلپی کا بھی حاشیہ ہے، موجودہ زیر تنقید نسخہ افسوس ہے، کہ آخر سے ناقص ہے اور بڑا حصہ کتاب کا ضایع گیا ہے، ۱۴۴ اس کی تقطیع ہے، معمولی خط نسخ مین ہے اسکی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے:- بسم الله الرحمن الرحيم و به نستعين رب وفقت تمم،

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین سبحان جمالہ عن سمۃ الحدوث" اور آخری فقرہ یہ ہے، "وذالک لاعتبار لا یعنی ان الاحوال یتکلف" یہ غیر مختتم جملہ نصف صفحہ پر ختم ہو گیا جس سے اس قدر معلوم ہوتا ہے، کہ یا تو یہ کتاب اسی قدر اصل نسخہ سے نقل کی گئی ہے، یا بقیہ اجزا ضایع گئے، خدا جانے اس کا کوئی دوسرا نسخہ کسی جگہ ہے بھی یا ہمیشہ کے لئے معدوم ہو گیا، مطبوعہ کتاب کے مقابلہ سے معلوم ہوا کہ المرصد الرابع فی اثبات العلوم الضروریہ تک ہی،

اس بات سے تو ہر اہل علم واقف ہے کہ یہ کتاب علم کلام کی معرکۃ الآرا کتابوں میں سے ہے، اور اسی لئے اسکی متعدد شرحیں اور حواشی لکھے گئے، جناب شاہ صاحب کا طریقہ بیان اس کتاب سے بھی واضح ہے، ہر جگہ حاصل الکلام وحاصل الجواب وغیرہ کے عنوان سے مطالب کی تشریح کی ہے، اور پیچیدہ عبارت کو آسان اور سہل طریقہ سے سمجھانے کی کوشش کی ہے، لیکن جہاں کہیں ذات واجب الوجود کے متعلق کوئی تذکرہ آجاتا ہے، تو الفاظ شاندار اور روحانی خیال بہت بلند ہو جاتے ہیں، اور صاف معلوم ہوتا ہے، کہ کسی کا ذوق و شوق رہبری کر رہا ہے، مثلاً کتاب کے ابتدا میں ہے:-

سبحان جمالہ عن سمۃ الحدوث

وتنزھت سرادقات جمالہ عن وصمۃ

النقایۃ والانتقال۔

افسوس ہے کہ اس کتاب میں نہ تو کاتب کا نام ہے، اور نہ سنہ ہی تحریر ہے، کہ جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ کب کی تحریر ہے۔

شرح جام جہاں نما، جام جہان نما تصوف میں مشہور متن ہے اسکے مصنف محمد بن عز الدین بن عادل بن یوسف مغربی مشہور بہ شیرین ہیں ۸۰۹ھ کی تصنیف ہے، عام صوفیوں میں یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی کہ اوسکی مختلف شرحیں لکھی گئیں، جناب شاہ صاحب نے بھی ایک شرح تحریر فرمائی ہے اس کے دو نسخے اس کتاب خانہ میں موجود ہیں، پہلا

نسخہ کتابی صورت میں ۱۷ تقطیع پر ہے، سرخ جدولوں سے محدود ہے، جہاں متن کی اصل عبارت ہے، وہاں سرخ خط کشیدہ ہے، یہ کتاب مختلف اہل علم کے ہاتھوں میں رہی ہے، کیونکہ مختلف اشخاص کے حواشی موجود ہیں، سب سے زیادہ حاشیہ ملا احمد بن سلیمان کا ہے، جو اس عصر کے مشہور علما میں سے ہیں، اسکی تصحیح اور بعض حواشی ملا علی بیرد کے ہیں، مولوی عبد العزیز جناب شاہ صاحب کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں کہیں کہیں ان کے بھی حواشی ہیں، اگرچہ یہ نسخہ کامل ہے مگر آخری اوراق کرم خوردہ ہونے سے معلوم نہ ہوسکا کہ کس سنہ کا ہے اور کس نے لکھا ہے خط صاف خوشخط اور نسخ میں ہے، حاشیہ پر ملا احمد بن سلیمان کا جو خط ہے اس سے بہت مشابہ ہے، اسلئے اغلب ہے کہ ملا احمد ہی کا لکھا ہوا ہو،

دوسرا نسخہ ۵/۱۱ تقطیع پر ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے بطور مسودہ نقل کیا ہے، یہ بھی کامل نسخہ ہے اور جگہ جگہ سے تصحیح شدہ ہے، یہ کتاب فارسی زبان میں ہے اور اس کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے:-

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وبہ نستعین رب یسر وتمم بالخیر" پھر متن کی عبارت منقول ہے، جسکی ابتدا یوں ہوتی ہے "حمد بے حد وشکر بے عد سزائے ذاتی کہ وحدتش منشا احدیت و واحدیت شد" اس کے بعد اسکی شرح اس جملے سے ہوتی ہے "یعنی وحدت کہ اصل قابلیات جمیع اشیا است احدیت و واحدیت از و ناشی است" اس کتاب کا اختتام اس فقرہ پر ہوتا ہے، کہ "ترک قیل وقال و استغراق در حق است صفات حق ذاتہ، ذاتہ، صفاتہ، صفاتہ افعالہ افعالہ در پیش است تمام شد" اس کتاب کا موضوع علم التوحید ہے، اور اسکے ابواب کی تقسیم مندرجۂ ذیل طریقہ سے کیگئی ہے،

کتاب کے دو حصے ہیں، ہر حصہ کا نام دائرہ ہے، اور ہر دائرہ میں دو قوس اور ایک خط ہے، دائرۂ اوّل میں مندرجۂ ذیل مضامین ہیں:-

احدیت، واحدیت، وحدت، اعتبار، وجود، علم، شہود، نور، تعین، یا تجلی اول،

دائرۂ دوم کے مضامین حسب ذیل ہیں:-

ظاہر وجود (باصطلاح فلاسفہ واجب الوجود) ظاہر علم (باصطلاح فلسفی ممکن الوجود) برزخیت (باصطلاح مذکور حقیقت انسانی یا روح) تعین یا تجلی ثانی،

افسوس ہے کہ جو شرح جناب شاہ صاحب نے لکھی ہے اوسکی ابتدا مین کوئی مقدمہ تحریر نہین فرمایا جیسا کہ ابراہیم شطاری جنت آبادی نے لکھا ہے، جس کے سبب سے اس شرح سے صرف وہی فائدہ اٹھا سکتا ہے، جو اس فن سے کامل آگاہ ہو، مضامین کے تنوع اور اوسکے غوامض سے ناظرین خود آگاہ ہین، اسلئے بعض مقامات سے صرف اقتباس دیتا ہون جس سے جناب شاہ صاحب کے طرزِ تحریر کا آپ خود اندازہ کرلین گے، مثلاً ایک مقام مین متن کی عبارت یہ ہے، کہ "وافعال کر شامل ظاہر وجود است کہ وجوب وصف خاص اوست وشامل علم ظاہر است کہ امکان از لوازم اوست وشامل حقیقت انسان است کہ برزخ است بین الامکان والوجوب" اس عبارت کی تشریح مین جناب شاہ صاحب نے انسان کو خلیفۃ الٰہی بہت مختصر اور جامع طریقہ سے ثابت کیا ہے،

اب اصل مسئلہ سمجھنے سے پہلے چند باتین ذہن نشین ہو جائین، تو سمجھنے مین آسانی ہوگی، صوفیون کے نزدیک وجود مطلق کا نام حق ہے، اور اسی کو حقیقۃ الحقائق اور احدیت بھی کہتے ہین، وجود مطلق جب تنزلات کے مرتبہ مین آئے تو اوسکو "ظہور" کہا جاتا ہے اور یہ ظہورات تعین ذاتی کے اعتبار سے شیون کہلاتے ہین، یہ بے حساب اور بے شمار ہین، اسی کو قرآن پاک نے یون ادا کیا ہے "کل یوم ھو فی شان" اور شیون کی مثال محسوسات کے ذریعہ ٹھیک تخم شجر کی ہے، جسمین عظیم الشان شجر بننے کی قابلیت موجود ہے، اور حقیقت وجود بہ شرط شی جو اسماء وصفات ہین، اون کو مرتبہ واحدیت والوہیت کہتے ہین اور حقیقت وجود بہ شرط لاشی کا نام احدیت رکھتے ہین، اور حقیقت وجود نہ بشرط شی اور نہ بہ شرط لاشی ہو ایسی مساوی الطرفین ذات کو باصطلاح صوفیہ تجلی اول یا تعین اول کہتے ہین اور فلاسفہ علم یا عقل اول اور یہ تجلی اول جب کسی تعین جزئی کے ساتھ مخصوص ہو تو اوسکو صفت کہتے ہین، عام اس سے کہ یہ صفت وجودی ہو، جیسے علیم، قدیم وغیرہ یا سلبی ہو جیسے قدوس سلام وغیرہ، پھر تجلی اول نے بہ تعین مخصوص علیم

مرید، قدرت، بصیر، سمیع، متکلم، حی کی صورت اختیار کی تو ان صفات سبعہ کو امہات صفات کہتے ہین پس وجود مطلق جب ان اسم صفات کے ساتھ تنزلات کا مرتبہ اختیار کرے، تو پانچ مرتبون کا ظہور ہوتا ہی،

(۱) مرتبۂ احدیت (۲) مرتبۂ ارواح مجردہ (یا عالم جبروت) (۳) مرتبۂ نفوس عالمہ (جیسے عالم مثال) (۴) مرتبۂ شہادت وحس (جیسے عالم ملک) (۵) مرتبۂ کون جامع یعنی انسان کامل جو محل مجموع تنزلات ہے"

اس قدر سمجھ لینے کے بعد اب جناب شاہ صاحب کی تشریح ملاحظہ ہو، وحدت، کثرت، وجوب وغیرہ کی مختصر بحث کے بعد تیسرے جملہ کی تشریح یون فرماتے ہین، کہ ان صوفیون کے نزدیک مرتبہ وجوب و جوذ اسمائے الہی کلی سے مراد ہے، جو ۹۹ ہین، جیسے بدیع، باعث وغیرہ، اور امکان وجود سے مراد "اسمار کونی" ہین جو وہ بھی ۹۹ ہین، جیسے عقل کل، طبیعت کل وغیرہ اور وجوب و امکان کے درمیان جو مرتبہ وسط ہے، اوسکو برزخ کہتے ہین، اور یہی حقیقت انسان ہے، کیونکہ انسان تمام حقائق ملک و ملکوت و جبروت کو شامل ہے، اور چونکہ انسان اس حیثیت سے کہ وہ کامل تمام مراتب الہی اور جامع تمام تنزلات کونی کا ہے اسی سبب سے وہ نائب اور خلیفۃ اللہ ہے اور یہی معنی خلافت الہی کے ہین، "اسی طرح آگے چل کر صفحہ ۹ پر حقیقت محمدیہ بیان فرماتے ہوئے فسعان قاب قوسین کی جو تشریح قوس احدیت اور قوس واحدیت کے ضمن مین کی ہے، وہ بے انتہا لطیف ہے، اور اہل ذوق کے لئے باعث حظ، جسے ہم بخوف طوالت نظر انداز کرتے ہین،

رسالہ انسکریہ اس رسالہ کا نام رسالہ انسکریہ فی اجوبۃ الطفقھیہ مولانا علی قوشجی علی بحث ما انا قلت فی المطول ہے، جو صرف ۱۵ اوراق کا چھوٹی تقطیع پر ہے، معانی و بیان پر تلخیص المفتاح جلال الدین محمد بن عبد الرحمن قزوینی متوفی ۷۳۹ھ کی ایک مشہور کتاب ہے، مولینا علی قوشجی نے بحث ما انا قلت پر چند اعتراضات کئے تھے، یہ رسالہ اون کے جواب مین ہے، میر ہاشم صاحب جو خود بھی بڑے عالم تھے، اونھون نے بھی اس مبحث پر ایک رسالہ لکھا ہی، اس کتاب پر جا بجا اون کے حاشیے بھی ہین، کاتب کا نام محمد یوسف ہے، اس کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے،

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ قال صاحب لا یضایح و یقدم المسند لیفید القصر بتخصیصہ بالخبر الفعلی۔ اور اختتام ان جملوں پر ہے۔ ھذا ماتیسر لی ھو المیسر لکل عسیر و ما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔" یہ رسالہ ۹ بحث پر منقسم ہے، جن میں سے بعض بہت ہی مختصر اور بعض طویل ہیں، طرز تحریر یہ ہے کہ پہلے نفس تلخیص کے اصل مسئلہ کو لکھا ہے، پھر سید شریف جرجانی کا اعتراض نقل کر کے علامہ قوشجی کا نظریہ بیان فرمایا ہے، اور آخر میں اپنا جواب تحریر کیا ہے، جہاں علامہ قوشجی کا اعتراض شروع ہوا ہے وہاں سرخی سے "قولہ" ہے، اور جس جگہ سے جواب دیا ہے، اوسکی ابتدا "اقول" سے ہوتی ہے، اس بحث پر تین اور رسالے اسی کے ساتھ مجلد ہیں۔ رسالہ مولانا علی قوشجی، رسالہ ملا عبد الغفور، رسالہ میر ہاشم۔ افسوس ہے کہ ان میں سے کسی پر سنہ تحریر نہیں ہے، اور بدقسمتی سے یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ اس رسالہ کا نام "انسکریہ" کیوں رکھا، اور کس مناسبت سے؟ میرا ذاتی خیال ہے، کہ جناب شاہ صاحب کا ایک دوسرا رسالہ "انکریہ" ہے، جو غالباً "انکار" سے ہے، جس میں ایک کفر کے فتوی کی تردید کی ہے، کاتب نے اسی لفظ کو "انسکریہ" سے تبدیل کر دیا، ضرورت ہے کہ یہ لآلی شاہوار جلد تر شائع ہو جائیں، تاکہ کم از کم ضائع ہونے سے محفوظ رہیں،

حاشیہ علی المختصر المعانی یہ کتاب بھی ۱/۲ تقطیع پر ہے، اوسکی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے، بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ قولہ اذا الحق مبنیٌ ممایجب علیہ۔ اور اختتام یوں ہے، قولہ کانہ قنا ابن الھیجا، القنا جمع قناۃ وھی الرمح۔ والفیلق الجیش قد وقع من تحشیۃ سلطان المحققین افضل المدققین اشرف المتورعین میاں السالکین۔ الشیخ وجیہ الحق والدین۔ کاتب کا نام نہیں ہے، تاریخ بھی نہیں ہے، فقط اسی قدر لکھا ہے۔ فی شہر رمضان سنہ من الھجرۃ النبویۃ حاشیہ پر جابجا اس کی تصحیح بھی کی گئی ہے، جہاں اصل کتاب سے متن نقل کیا ہے، اوسکو سرخی سے "قولہ" کے لفظ سے ممتاز کر دیا ہے، چونکہ مختصر المعانی مصنفہ سعد الدین تفتازانی مشہور کتاب ہے، جو تلخیص المفتاح کی شرح ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے اور عموماً متوسط درجہ کے طلبہ اسکو پڑھتے ہیں، اس لئے اس حاشیہ میں طلبہ کے لئے سہولت بہم پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے، معانی کا بیان مغلق

الفاظ کی تشریح مطالب کی توضیح کا خاص خیال رکھا ہے، اس کتاب کے مطالعہ سے یہ بات بھی صاف معلوم ہوتی ہے، کہ دسویں اور گیارہویں صدی کا طریقہ تعلیم کیا تھا، اس عہد میں نفس فن پر بہت کم لوگ توجہ کرتے تھے، متون کی شرحیں، شرحوں کے حواشی، اور حواشی پر حاشیہ اس عہد کا بہترین کارنامہ ہے، متن پر اعتراض، شرح پر اعتراض، اور اس کا جواب، پھر اس جواب پر اعتراض اور اس کا جواب کہیں خفیہ نظر کہیں جگہ فضا مل کی تشریح کو اصل کارنامہ سمجھا جاتا تھا، زمانہ کے اثر سے جناب شاہ صاحب بھی بہت متاثر نظر آتے ہیں، اور جگہ جگہ وسکو کھول کر طلبہ کے فہم کے مطابق بیان فرماتے ہیں، قطب الدین رازی، سعد الدین تفتازانی، میر سید شریف جرجانی نے جو روش اختیار کی ما بعد کے تمام علما متاخرین قدم بہ قدم اوسکی پیروی کرتے آئے،

ارشاد و شرح الارشاد | نحو میں الارشاد نام ایک کتاب قاضی شہاب الدین بن شمس الدین بن عمر زاولی دولت آبادی کی ۸۳۹ھ کی تصنیف ہے، جناب شاہ صاحب نے اس کی شرح لکھی ہے، اور اس کا نام ارشاد رکھا ہے، اور مشہور ہے کہ جناب شاہ صاحب کی یہ پہلی تصنیف ہے[1] یہ کتاب میری نظر سے نہیں گذری، البتہ شاہ صاحب کی شرح یعنی رشاد پر ملک محمد بن ملک پیر محمد صاحب کا حاشیہ متوسط تقطیع پر ۱۹۰ صفحہ کا ہے، اس سے میں اندازہ کرتا ہوں کہ غالباً شرح اس سے زیادہ ضخیم یا کم از کم اسکے قریب ہوگی اور عام فہم ہوگی،

حاشیہ علی العضدی | یہ کتاب ۲۰×۲۸ تقطیع پر خط نسخ میں ہے صفحات ۱۳۱ ہیں اسکی ابتدا "بسم اللہ الرحمن الرحیم بہ نستعین الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی رسولہ سیدنا الخلق والانبیاء والمرسلین قولہ وبھذا الاعتبار یندرج فی الادلۃ السمعیۃ" سے ہوتی ہے، اور اختتام ان فقروں پر ہے، "فیہ جمع الظن لا التصدیق بان ھذا احدہ لا ان نفس الحد ظنی۔ تمت"

یہ کتاب رجب ۱۰۲۰ھ کی لکھی ہوئی ہے، یعنی شاہ صاحب کی وفات سے ۲۲ سال بعد کی ہے، کاتب کا نام کبیر محمد بن شاہ محمد ہے، لیکن کتاب کے اندر خط دو قسم کے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ اصل کتاب سے کچھ

[1] مجموعہ حالات شاہ وجیہ الدین مصنفہ عبد المنعم مطبوعہ شہابی بمبئی، ص ۶۷،

ضائع ہوجانیکے بعد دوبارہ تحریر کرا یا گیا ہے، ابتدا مین اور چند دوسری جگہون مین خوشخط ہے، اور آخری صفحات بہت معمولی، اور یہی معمولی کبیر محمد صاحب کا تحریر کردہ ہے، سطرین عموماً ۲۰ اور ۲۲ ہین، کاغذ باریک چکنا اغلباً احمد آبادی ہے، عضدیہ، چند صفحے کا ایک چھوٹا رسالہ فن مناظرہ مین ہے جس کے مصنف عضد الدین احمد ایجی متوفی ۷۵۶ھ ہین، یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی، کہ متعدد علماء نے اس کی شرحین اور پھر شرحون کی شرحین لکھین مابعد کے علماء نے پھر ان پر حواشی کا اضافہ کیا، متعدد شروح و حواشی اس کتب خانہ مین موجود ہین جنمین شرح عضدیہ شرح عضدیہ مصنفہ مولانا عصام الدین، حاشیہ علی الحنفیہ مولفہ میر ابو الفتح، حاشیہ حاشیہ علی حنفیہ مولفہ مولانا باقر، فریدیہ حاشیہ عضدیہ مصنفہ مولانا فرید الدین، حاشیہ عضدیہ مولفہ جناب شاہ وجیہ الدین صاحب وغیرہ،

حاشیہ بیضاوی | یہ حاشیہ بے حد مقبول ہوا، دسوین اور گیارھوین صدی ہجری مین عرب و شام مین عام طور پر زیر درس تھا لیکن فی الحال نایاب ہے، روضۃ الاولیاء کے ص۳۲ مین درج ہے کہ یہ کتاب مدراس مین محمد عبد اللہ بن امر الدین القادری کے پاس موجود ہے، مین جب مدراس مین تھا، تو جد و جہد کے باوجود بھی یہ معلوم نہ ہو سکا کہ عبد اللہ کون اور کس جگہ ان کا مقام ہے، اب خیال آتا ہے کہ شاید یہ عبد اللہ "عبید اللہ" صاحب سابق قاضی شہر مرحوم مغفور تھے، یقین ہے، قاضی صاحب موصوف کے صاحبزادے ہی اس عقدہ کو حل کر سکتے ہین، جو خود بھی صاحب ذوق صاحب علمی بزرگ ہین، اور مدراس مین کافی اثر رکھتے ہین،

بہرحال اس وقت کتب خانہ مین بیضاوی پر جو حاشیہ ہے وہ مظہر الدین محمد گاذرونی کا ہے، اور شاہ صاحب نے بدست خود اسکو نقل فرمایا ہے، آخری عبارت یہ ہے، "کتب الحواشی التی علی تفسیر البیضاوی للمحقق مظہر الدین محمد گاذرونی اضعف عباد اللہ وجیہ الدین بن نصر اللہ بن عماد الدین العلوی و کان الاتمام بدار السلطنۃ احمد آباد وقت الاشراق"، اس طرح سے جناب شاہ صاحب کی تحریر کا اصلی نمونہ بھی موجود ہے، ایک اور چھوٹا سا رسالہ تقطیع کا میری نظر سے گذرا، اس مین ۱۰ صفحے ہین، جناب سید محمد غوث گوالیاری پر جو اعتراضات کئے گئے تھے، اوسکے جواب مین ہے، اسکے

علاوہ اور چند منتشر اوراق بھی ملے ہیں جنمین سے بعض شرح ملا کا حاشیہ ہے، کچھ اوراق پر شرح وقایہ کا حاشیہ ہے، شرح ہدایۃ الحکمۃ پر جو حاشیہ تھا، کچھ حصہ اوسکا بھی موجود ہے، فن عروض پر کوئی کتاب تھی، چند اوراق اوس کے بھی محفوظ رہ گئے ہین، ایک مجموعہ اوراق فن منطق مین ہے، اور دوسرا نحو مین بعض خطوط بھی ہین، لیکن سب ناکمل؛

چند دیگر رسائل بھی قابل ذکر ہین،

(۱) شرح البسیط للعلوی۔ فرائض مین ہے، اس کی ابتدا یون ہوتی ہے، بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی الافضل من بعث محمد والہ وصحبہ اجمعین۔ الحمد للہ، فتح الکتاب، چوب قلم اور خط نستعلیق ہے، خوش قسمتی سے یہ نسخہ مکمل ہے آخر کے الفاظ یہ ہین، قد وقع الفراغ من تحریر شرح البسیط لمولانا السلطان العارفین برہان الموحدین حجۃ العاشقین شاہ وجیہ الحق والملۃ والدین قدس سرہ العزیز، کہین کہین حاشیہ عبد الرحیم صاحب کا بھی ہے تقطیع ۸ × ۴،

(۲) حاشیۃ العلوی علی شرح النخبہ اصول حدیث مین ہے نسخہ کامل ہے خط اوس کا نستعلیق ہے ابتدا یہ ہے، بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ حمدا یوافی نعمہ ویکافی مزیدہ۔ اللھم صلے علی محمد کلما ذکرہ الذاکرون۔ وغفل عن ذکرہ الغافلون قال الشیخ الامام والحمد للہ الذی وفقنا وھدانا لھذا وما کنا لنوفق۔ ولنھدی لولا ان وفقنا۔

اس کا ایک نسخہ ناقص از آخر کتب خانہ درگاہ حضرت پیر محمد شاہ احمد آباد مین بھی موجود ہے،

(۳) حاشیۃ التلویح للعلوی، یہ ضخیم کتاب ہے گو کامل ہے مگر بوسیدہ بخط نسخ، اسکی ابتدا سطح کی گئی ہے، رب یسر وتمم بالخیر وبہ نستعین کل سقیم۔ الحمد للہ رب العالمین۔ والصلوٰۃ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین قولہ احکم بکتابہ اصولہ الشریعۃ اور آخر مین ہے، ھذا آخر الکتاب بعون اللہ الملک الوہاب والحمد للہ علی اتمامہ انہ ولی التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق۔ مندرجۂ بالا کتب جامع مسجد بمبئی کے کتبخانہ مین ہین،

(۴) حاشیہ علی شرح جامی للعلوی، ابتدا میں ایک صفحہ کا مقدمہ ہے، اور پھر اصل کتاب اس طرح شروع ہوتی ہے، قولہ الحمد لولیہ والصلوٰۃ علی نبیہ. اختلف علمائہم فی تعریف الحمد کل ۱۵۴ صفحے ہیں، متوسط تقطیع، اور آخر میں ہے، کہ قد تم ہذہ الحاشیۃ الشریفۃ لمولانا .... وجیہ الدین علی شرح مولانا عبد الرحمن جامی للکافیہ فی التاریخ السابع والعشرین (العشرین) من شعبان المعظم فی سنۃ الواحد والثمانین والف علی ید احقر عباد اللہ محمد غنا اللہ بن عبد العزیز لذنبہ (اللطیف)

(۵) رسالۃ ترتیب اہم کان الصلوٰۃ للعلوی، چند اوراق عربی زبان میں ہیں، کتاب کا منشا نام سے ظاہر ہے، یہ دونوں کتابیں بمبئی کے مشہور کوکنی فاضل جناب یوسف کھٹکھٹے صاحب بی اے کے ذاتی کتبخانہ میں ہیں، اور آخر الذکر کا دوسرا نسخہ بھروچ میں جناب قاضی نور الدین صاحب کے کتبخانہ میں بھی ہے، مگر آخر سے ناقص ہے،

(۶) وافیہ شرح کافیہ، ناقص از ابتدا، و وسط، قاضی صاحب مذکور کے کتب خانہ میں ہے تقطیع متوسط اور کرم خوردہ ہے، اس کے آخر میں لکھا ہے، کاتبہ ولد حامد بن شاہ وجیہ الدین علوی

(۷) رسالۃ توضیحی فی الھیئۃ فارسی اس کتاب پر حضرت شاہ علوی کا حاشیہ ہے، مختلف نقشے بھی ہیئت کے ہیں، بالکل بوسیدہ اور کرم خوردہ ہے، بس تبرک ہی تبرک ہے، یہ بھی قاضی صاحب موصوف کے حصہ میں آیا ہے،

(۸) حواشی علی المنہل للعلوی، اسکے ابتدا میں ہے، بسم اللہ الرحمن الرحیم قولہ مورد ہا ومصدرہا، اور اوسکے آخر میں ہے، ولیس ہذا یفید للجمع وانما ہو بیان لا اطلاق ای اطلاق الجمع، کل صفحے ۹ ہیں، خط نسخ ہے، تقطیع ۱۷ فی صفحہ، اسطریں ہیں، پٹن کے مشہور خاندان جمال الدین قطب و محمد سعید قطبی کے ذاتی کتبخانہ میں یہ موجود ہے،

(۹) حاشیہ علی شرح وقایۃ للعلوی:۔ ضخیم کتاب ہے، متوسط تقطیع خط نستعلیق خوشخط ہے تقریباً چھ سو صفحات ہونگے، درگاہ حضرت پیر محمد شاہ کے کتب خانہ میں یہ کتاب اول آخر سے ناقص ہے،

(۱۰) شرح شواہد المنہل ناقص از اول،

تلخیص و تبصرہ

"ترکی اور مصر مین تعلیم جدید کی تحریک"

رسالہ "مسلم ورلڈ" امریکہ کے تازہ نمبر مین ایک مقالہ مذکورہ بالا عنوان سے نکلا ہے، جو ہم مسلمانون کے غور کے لائق ہے، اسکی تلخیص حسب ذیل ہے:

"عربی تمدن کو از سر نو زندہ کرنے اور اُسے زمانۂ حال کے مطابق بنانے کی خواہش نیز اُن قریب تر تعلقات نے جو ممالک اسلامیہ اور مغربی معاشرت و خیالات کے درمیان قائم ہو گئے ہین تمام مشرق قریب کے اسلامی نظام تعلیم مین اہم تبدیلیان پیدا کر دی ہین، مصر اور ترکی اس جدید تحریک مین پیش پیش ہین، لیکن شام فلسطین، اور عراق پر بھی اس کا گہرا اثر پڑا ہے، اگرچہ یہ اثر مصر اور ترکی کے اثر سے کسیقدر مختلف ہے، تعجب یہ ہے کہ مغربی تمدن کی خواہش کے ساتھ ساتھ مصر اور ترکی مین دول عظمیٰ کی جانب سے کشیدگی اور بے اعتمادی بھی بڑھتی جاتی ہے، اس امر مین ترکی اور مصر کے کسی قدر مختلف طرزِ عمل کا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ ترکی نے ایک جمہوری سلطنت قائم کر لی ہے اور اب وہ ہر چیز کو خالص قومی رکھنا چاہتی ہے، علاوہ برین وہ حقیقۃً یا بہ خیال خود جنگ عظیم کے بعد سے مغربی حکومتون پر اعتماد نہ کرنے کا ایک مزید سبب بھی رکھتی ہے، برخلاف اس کے مصر برطانوی اثر اور ایک بہتر حکومت سے سالون مستفید ہو چکا ہے جس کا اعتراف کامل آزادی کے موجودہ مطالبہ کے باوجود مشاہیر اہل مصر بھی کرتے ہین،

مصر اور ترکی کے تعلیمی نظام مین ایک اور اہم فرق یہ ہے کہ مصر مین تعلیم کی مذہبی بنیاد کو قائم رکھنا چاہتے ہین،

البتہ اس مین زمانۂ حال کی ضروریات کا بھی لحاظ رکھنا چاہتے ہین اور ساتھ ساتھ یہ بھی چاہتے ہین کہ دول اسلامیہ مین مصر سب سے آگے ہو اور اس کی مذہبی حیثیت اور تمام حیثیات سے زیادہ نمایان ہو لیکن ترکی مین قومیت زیادہ فروغ حاصل کر رہی ہے اور اسلام وہان دوسرے درجہ پر ہے، مصر کی طرح وہان بھی ہر جدید اور سائنٹفک شے کے حصول کی زبردست خواہش ہے لیکن اُسے ترکی ہونا چاہئے، عربی زبان یا عربی لٹریچر پر اب بہت کم توجہ کیجاتی ہے اگرچہ نصاب تعلیم مین علوم دنیوی کی حیثیت زیادہ نمایان ہے تاہم جمہوریہ کے بچون کے لیے دینیات کا بھی ایک باقاعدہ نصاب ہے اور مختلف درجون کے لیے درسی کتابین شائع کیجاتی ہین، ذیل مین چند اقتباسات ان کتابون کے درج ہین جو ابتدائی مدارس کے تیسرے درجہ کے لیے جون ۱۹۲۸ء مین ہر رشتۂ تعلیم کے تعلیمی کمیشن نے منظور کی ہین:-

"اسلام مین مذہب عیسوی کے پادریون کی طرح مخصوص مقرر شدہ پیشوا نہین ہین ہر شخص برابر ہے، ہر مسلمان جو امام کے فرائض ادا کر سکتا ہے نماز پڑھا سکتا ہے، عیسائیت مین ایسا نہین ہے، اگر کوئی پادری نہ ہو تو عیسائی عبادت نہین کر سکتے"

مذہبی اور قومی ایمان کی تعریف یون کیگئی ہے:-

"مذہب اسلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور ہمارے پیغمبر صلعم پر ایمان لایا جائے جنھون نے ہمکو اسلام کی تعلیم دی، ہم اللہ تعالیٰ اور پیغمبر صلعم پر عقیدہ رکھنے کو ایمان کہتے ہین، اللہ تعالیٰ جس نے کائنات کو اور ہمکو پیدا کیا قدیر ہے، ہم پورے طور سے یہ نہین جانتے کہ اللہ تعالیٰ کیا ہے یا کیونکر ہے، وہ بہت بڑا ہے، . . . . . بچو تم دیکھتے ہو کہ ایمان لوگون مین اتحاد پیدا کرتا ہے اور اُن کو قوت اور مسرت بخشتا ہے، اللہ تعالیٰ پیغمبر صلعم، اور مذہب اسلام پر عقیدہ رکھنا مذہبی ایمان ہے،

ہمارا ایک قومی ایمان بھی ہے، ہم ترک ہین، ترک تہذیب یافتہ اور متمدن ہین، ہمارا ملک ہمیشہ ترقی کرتا جائیگا، اور ہمیشہ دشمنون پر فتحیاب ہوگا، جسوقت ترک کا نام لیا جاتا ہے میرا سینہ فخر سے پھول جاتا ہے، دل برابر ملتہب ہو جاتا ہے، مین اُن لوگون سے محبت کرتا ہون جو میری قوم اور میرے ملک کے لیے مفید ہین، جو میرے محبوب ملک کو

نقصان پہنچاتے ہین اُن سے مجھے مطلق محبت نہین ہے"

مذہب کی تعریف ان الفاظ مین کیگئی ہے:-

" ذیل کے دو جملون سے مذہب اسلام کی حقیقت معلوم ہوتی ہے، اسلام کے معنی ہین، خدا ایک ہی، خدا کے سوا کوئی دوسرا خدا نہین ہے اور محمد صلعم خدا کے پیغمبر ہین، جو لوگ ان الفاظ کے معنی پر ایمان رکھتے ہین وہ مسلمان ہین، بچو تم دیکھتے ہو کہ اسلام سب سے زیادہ آسان اور سب سے زیادہ سچا مذہب ہے، مسلمانون کی مقدس کتاب قرآن ہے، اس کتاب مین اللہ تعالیٰ کے احکام لکھے ہوئے ہین، ہم قرآن کا بہت زیادہ احترام کرتے ہین، یہ وہ مقدس کتاب ہے جو ہمکو اخلاق کی تمام خوبیان سکھاتی ہے"

مصر مین جو چیز سب سے زیادہ نمایان ہے وہ اسلامی تعلیم کی قدیم اور جدید شکلون کی کشمکش ہے، کیونکہ یہان جیسا کہ اسلامی تعلیم کی تاریخ مین ہمیشہ رہا، مذہبی عنصر غالب ہے، قدیم نظام تعلیم مین قرآن کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی، تعلیم قرآن کے ساتھ فقہ بھی شامل تھی، جسکی بنیاد زیادہ تر قرآن اور حدیث پر ہے، اس کے علاوہ نصاب مین عربی ادب کی ناقدانہ تعلیم بھی داخل تھی، وقتاً فوقتاً اصلاح کی کوششین ہوتی رہی ہین، جیسا کہ سید رشید رضا اور دوسرون کی سعی سے معلوم ہوتا ہے، لیکن اس وقت تک قدامت پرست حلقون کی طرف سے بنیادی تبدیلیون کی سختی سے مخالفت جاری ہے، اس قسم کی مذہبی بنیاد کی موجودگی مین کوئی تعجب نہین کہ قرآن اور حدیث کے جدید ناقدانہ مطالعہ نے کسی قدر حیرت خیز انقلابات پیدا کر دیئے ہین، جدید تنقیدات کے علاوہ اور اسباب بھی کارفرما تھے، جامع ازہر کے فارغ التحصیل طلبہ کو ان طلبہ کے مقابلہ مین جو مصر کی سرکاری یونیورسٹی یا یورپ کے ملکون مین تعلیم حاصل کرتے تھے ملازمتین نہین ملتی تھین، یہ امر دلچسپی سے خالی نہین کہ اصلاح کا موجودہ مطالبہ خود طلبائے ازہر کی جانب سے ہوا ہے، حالانکہ جب یہ اصلاحات محمد عبدہ اور اُنکی جماعت نے پیش کی تھین تو انھین طلبہ نے خصوصیت کیساتھ انکی مخالفت کی تھی،

جامع ازہر کی تعمیر ۹۷۰ء مین چوتھے فاطمی خلیفہ کے دورِ حکومت مین ہوئی تھی، اس مین ایک عام کتبخانہ ہے جو "مرکزی کتبخانہ ازہر" کے نام سے مشہور ہے، یہ ۱۸۹۷ء مین قائم ہوا تھا اور اس مین (۹۰۷۰۸ د) مطبوعہ اور قلمی کتابین

ہیں، اس مرکزی کتبخانہ کے علاوہ چھوٹے چھوٹے کتبخانے اور بھی ہیں، علاوہ بریں (۶۰۰۰) سے زیادہ کتابوں کا ایک ترکی ذخیرہ ہے، شام اور شمالی مصر کے بھی دو ذخیرے ہیں جنمیں سے شمالی مصر کی کتابوں میں زیادہ تر قدیم مخطوطات ہیں، اساتذہ کی تعداد دو اور تین سو کے درمیان ہے اور طلبہ کا شمار دس اور بارہ ہزار کے درمیان، ان میں زیادہ تعداد مصریوں کی ہے، باقی شام، ترکی، افریقہ، افغانستان، عراق، بورنیو، ہندوستان، جاوا، ایران، اور دوسری چھوٹی چھوٹی اسلامی جماعتوں سے آئے ہیں، جامعہ کا ایک شیخ اور ایک مددگار شیخ ہے۔ ان کے علاوہ بارہ ارکین کی ایک مجلس انتظامیہ بھی ہے جس کا صدر شیخ الجامعہ ہوتا ہے، ازہر کے علاوہ اسی قسم کے تعلیمی ادارے اسکندریہ، طنطا، اسیوط دمیاط اور زقازق میں بھی ہیں، مسجدوں میں جو مدرسے ہیں انکی تعداد نہایت کثیر ہے اور ایسے مدرسے صرف شہروں ہی میں نہیں ہیں بلکہ اکثر دیہاتوں میں بھی ہیں،

دوسرا بڑا تعلیمی نظام مصری حکومت کا ہے، اس میں وزارت تعلیم کے ماتحت جدید طرز کے حسب ذیل ادارے شامل ہیں، مردوں اور عورتوں کے لیے ابتدائی ٹریننگ کالج، لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے ابتدائی اور ثانوی مدارس، مدرسۂ قانون۔ مدارس زراعت، تجارت، انجینیرنگ، طب و دواسازی، مردوں اور عورتوں کے لیے ایک بڑا ٹریننگ کالج، شیوخ کی تعلیم کے لیے ایک دارالعلوم، ان کے علاوہ قاہرہ، اسکندریہ اور دوسرے بڑے شہروں میں صنعتی، حرفتی، اور تجارتی مدارس بھی ہیں،

غرض مصر میں دو نظام تعلیم قدیم اور جدید ساتھ ساتھ جاری ہیں، مغربی اثر کی روز افزوں ترقی کے ساتھ ممکن نہ تھا کہ یہ صورت حال ہمیشہ قائم رہتی اور بالآخر جامع ازہر کے طلبہ نے اصلاحات کا مطالبہ کیا، انھوں نے حکومت کے سامنے اپنے معاملات کو پیش کرنے کے لیے متعدد وفود بھیجے، افسران حکومت کی طرف سے کوئی مخالفت نہ ہوئی بلکہ انھوں نے طلبہ کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا، محمد خالد حسنین بے نے جو محکمۂ ادارات مذہبی سے تعلق رکھتے ہیں ۱۹۲۸ء میں نہایت احتیاط کے ساتھ اصلاح کا کام شروع کیا، انھوں نے شروع ہی میں تعلیم کے مذہبی پہلو میں مداخلت نہیں کی، وہ صرف جامعہ کے طرز معاشرت میں ضروری اصلاحات کرنا، نصاب کے سائنٹفک حصہ کو

تقویت دینا، اور جامع ازہر کے نصاب تعلیم کو سرکاری مدرسون کے نصاب کے برابر کر دینا چاہتے تھے،

اگست اور ستمبر ۱۹۳۲ء مین جامع ازہر کی اصلاحات پر غور کرنے کے لیے جو کمیٹی قاہرہ مین بیٹھی تھی اسکی یہ متفقہ رائے تھی کہ اس کے معیار کو مذہبی اور علمی دونون حیثیتون سے زیادہ بلند کرنا چاہئے، تاکہ نہ صرف مصر بلکہ تمام دنیائے اسلام مین اس کا اثر وسیع تر ہو جائے، اس مقصد کے حصول کے لیے کمیٹی نے شرائط ذیل کا پورا ہونا ضروری قرار دیا،

اصول و قوانین مذہب کی تحصیل اُسی طریقہ سے کیجائے جسطرح اسلام کے عہد زرین مین کی جاتی تھی،

عربی زبان اور اس کے قواعد کی تعلیم مین جو قدیم طریقے مستعمل ہین وہ اگر بالکل چھوڑ نہ دیئے جائین، تو کم سے کم ان مین بنیادی ترمیم ضرور کر دیجائے اور اُن کے بجائے ایک جدید طریقہ سائنٹفک اصول پر رائج کیا جائے،

نصاب مین دینیات اور عربی زبان کی تعلیم پر سب سے زیادہ توجہ ہونی چاہئے لیکن وہ مضامین بھی داخل کر دئے جائین جو وزارت تعلیم نے تمام ملک کے ابتدائی اور ثانوی مدارس کے لیے تجویز کئے ہین، اگر ایسے نصاب پر عمل کیا گیا تو جامع ازہر کے طلبہ کی منفرد اور جداگانہ حیثیت باقی نہ رہیگی جیسا کہ اتنی مدت تک رہی ہے، بلکہ وہ آزادی کے ساتھ مصر کے تعلیم یافتہ طبقہ مین شامل ہو سکین گے، اور جدید عالم اسلامی کے مذہب اور تمدن کی مدد مین بیش قیمت حصہ لے سکین گے، مسجدون مین جو مدرسے ہین اُن کا نصاب بھی بالکل سرکاری مدرسون کے نصاب کے مطابق ہونا چاہئے، البتہ اس مین دینیات اور عربی زبان کی مزید تعلیم بھی شامل ہو،

لیکن جامع ازہر کی موجودہ تحریک کے خلاف اب بھی مصر مین بہت کافی مخالفت ہو رہی ہے، دونون طرف سے کتابین اور رسالے شائع کئے جا رہے ہین اور ہفتہ وار اور روزانہ اخبارون مین مضامین نکلتے رہتے ہین،

مختصر نویسی کی مختصر تاریخ

مختصر نویسی کا ذکر اول اول ۶۳ قبل مسیح مین رومن شاعر کوئنٹس اینیس کے سلسلہ مین آتا ہے جس نے زود نویسی کیلئے گیارہ سو علامتون کا ایک جدید طریقہ تحریر ایجاد کیا تھا حضرت عیسیٰ سے کئی سو برس پہلے عبرانیون نیز ایرانیون مین الفاظ کو مختصر

کرنیکا کوئی طریقہ رائج تھا لیکن اس بات کی کوئی شہادت موجود نہیں کہ مختصر نویسی کیلئے خاص حروف یا دوسری مخصوص علامتیں استعمال کی جاتی تھیں،

مختصر نویسی کے استعمال کی پہلی متعین اور یقینی شہادت پلوٹارک کے بیان سے ہوتی ہے، وہ لکھتا ہے، کہ کیٹیلائنا کی سازش پر جو مباحثہ رومن سینٹ میں ۶۲ء ق م میں ہوا تھا، اسمیں سسرو کی مشہور تقریر مختصر نویسی ہی کے ذریعہ قلمبند کی گئی تھی،

مختصر نویسی کے طریقہ کا موجد سسرو کا آزاد کردہ غلام ٹائرو تھا، اس زمانہ کے بہتیرے غلاموں کی طرح وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا، آزادی حاصل کرنیکے بعد وہ سسرو کا سکریٹری اور معتمد ہوگیا، ان دنوں مختصر نویسی کیلئے چھوٹی چھوٹی تختیاں استعمال کیجاتی تھیں جن پر موم کی ایک تہ ہوتی تھی، ان مومی تختیوں کے حاشیے اٹھے ہوتے تھے، (جیسے سیٹ کا چوکھٹا ہوتا ہے) تاکہ بند کرنے پر تحریر کو نقصان نہ پہنچ سکے، یہ تختیاں گوشوں پر تار کے ذریعہ سے ایک دوسرے سے بندھی ہوتی تھیں، اور بیس بیس تختیاں اس طرح باندھی جاسکتی تھیں جس کتاب میں دو ہی تختیاں ہوتی تھیں اوسے ڈپلوما (DIPLOMA) کہتے تھے، سرکاری ملازموں پر تقرر کا پروانہ اسی شکل میں دیاجاتا تھا، لکھنے کیلئے جو قلم استعمال کیاجاتا تھا اوسکی نوک ہاتھی دانت یا لوہے کی ہوتی تھی اور دوسرا سرا چپٹا ہوتا تھا تاکہ اگر اوس تختی پر دوبارہ لکھنے کی ضرورت ہو تو حروف مٹا کر موم پھر برابر کردی جائے،

مختصر نویسی کا ذکر سسرو، ہوریس، لیوی، اووڈ، مارشل، بلینی، ہٹیپیس، اور سوٹونیس کی تصانیف میں ملتا ہے، سسرو خود ایک مختصر نویس تھا جیساکہ وہ اٹیکس کو لکھتا ہے:-

"میرا خیال ہے کہ جو کچھ میں نے ان دس نائبوں کے متعلق تمکو لکھا تھا، اوسے تم نے سمجھا نہیں کیونکہ میں نے تمھیں مختصر نویسی میں لکھا تھا، جولیس سیزر بھی مختصر نویس تھا شاعر اووڈ اس کے متعلق لکھتا ہے، اُن علامات کے ذریعہ سے راز کی باتیں سمندر پار دور دراز مقامات پر پہنچتی تھیں"

قدیم مسیحی کلیسا کے عروج کے ساتھ ساتھ ٹائرو کے قواعد مختصر نویسی میں بھی بہت کچھ ترقی ہوئی، یہ فن "اہل ایمان" کے لئے بہت زیادہ مفید ثابت ہوا لیکن اوسکو سیکھنا اب کہیں زیادہ مشکل ہوگیا، حال کے بعض مورخین نے ثابت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے جو خطبہ کوہ زیتون پر دیا تھا، اوسے لوقا نے مختصر نویسی میں قلمبند کیا تھا، اور پولوس نے کلیسیوں کو جو خطوط بھیجے تھے وہ

مختصر نویسون کو لکھا دیئے تھے، اغسطس دس مختصر نویسون سے کام لیتا تھا،

سنہ عیسوی کی ابتدائی صدیون مین مختصر نویسی کا رواج کثرت سے تھا اور اس فن کی ضرورت عام طور پر محسوس کیجاتی تھی چنانچہ اغسطین کا بیان ہے کہ ایک بار روما کے مختصر نویسون نے اسٹرائک کر دی اور بالآخر اپنے مطالبات کو حاصل کرنے مین کامیاب ہوئے لیکن جب سلطنت روما کا زوال شروع ہوا تو اس فن کی مقبولیت بھی کم ہونے لگی، چنانچہ شہنشاہ جسٹنین نے سرکاری کاغذات کے لئے اس طریقہ تحریر کو ممنوع کر دیا، بعد مین فریڈریک ثانی نے مختصر نویسی کے تمام حروف کو ساحرانہ و شیطانی قرار دیکر نیست و نابود کر دینے کا حکم نافذ کیا، پھر قرون مظلمہ کا دور آیا اور تقریباً ایک ہزار سال تک تمام علوم و فنون دنیائے عیسائی دنیا سے غائب رہے

اسکے بعد نشاۃ جدیدہ کا زمانہ آیا اور مختصر نویسی کے احیاء کا اظہار اول اول آٹلی کے مشہور مصلح سیوو نارولا کی تقریرون سے ہوا جن کو ایک قسم کے مختصر طرز تحریر مین ڈرنزو وایولا نے قلم بند کیا تھا،

دور جدید مین مختصر نویسی کو سب سے پہلے ڈاکٹر ٹموتھی برائٹ نے رائج کیا ۱۵۸۸ء مین اونھون نے اس موضوع پر ایک کتاب لندن مین شائع کی جس کا عنوان تھا کیر کٹری، مختصر تیز اور مخفی تحریر کا فن" فن مختصر نویسی کے بہت سے نام رکھے گئے مگر کیر کٹری مقبول نہین ہوا بجائے اسکے برانچیگریفی (BRANCHYGRAPHY) ٹیکیگریفی (TUCHYGRAPHY) سٹینوگریفی اور بہت سے دوسرے نام بدلے گئے،

برائٹ کا طریقہ تحریر بالکل بے قاعدہ تھا، اسمین صرف علامتون کی تفصیل تھی، جو الفاظ کے بجائے استعمال کیجاتی تھین، حروف تہجی کے ساتھ سب سے پہلے جان وِلس نے مختصر نویسی کا ایک طریقہ ۱۶۰۲ء مین شائع کیا اسکے بعد سے اس فن مین مسلسل ترقی ہوتی رہی اور آیندہ ڈیڑھ صدی مین اس کے دو سو سے زیادہ طریقے شائع ہو گئے ۱۸۳۷ء مین آئزک پٹمین نے سٹینوگریفک ساونڈ ہینڈ (STENOGRAPHIC SOUND HAND) کے نام سے ایک طریقہ شائع کیا، جو ۱۸۴۰ء مین تجدید کے بعد فونوگریفی کے عنوان سے چھپا ۱۸۸۸ء مین جان رابرٹ گرگ نے لائٹ لائن فونوگریفی LIGHTLINEPHONOGRAPHY شائع کی، اور اسمین آواز کا اصول اختیار کیا، اگرچہ مختصر نویسی کے فن مین ۱۸۸۸ء کے بعد سے کچھ ترقی ہوئی ہے تاہم اس کے خاص خاص اصول بدستور قائم ہین،

"ہنٹینگ" "ع ز"

اخبار علمیہ

سنہ ۱۹۳۲ء مین انگریز خواتین کے کارنامے

موجودہ مغربی تہذیب کی ایک نمایان خصوصیت یہ ہے کہ معاشرت کے ہر شعبہ مین عورتین مردون کے دوش بدوش نظر آرہی ہین اور اب تک جو امتیازات مردون کے لیے مخصوص سمجھے جاتے تھے ان مین عورتین بھی برابر کی شریک ہوتی جاتی ہین، چنانچہ گذشتہ سال انگریز خواتین نے مردون کے مقابلہ مین جو کارنامے دکھائے ہین انکی مختصر فہرست حسب ذیل ہے :-

مسز مولیسن (Mrs. Mollison) کا ہوائی سفر انگلستان سے راس امید (افریقہ) تک اور پھر راس امید سے انگلستان تک ایک ایسا کارنامہ ہے جس نے فن ہوابازی کے تمام پیشتر کارنامون کو شکست دیدی ہے،

مس امیلیا ایرہارٹ (Miss Amelia Earhart) پہلی خاتون ہین جنھون نے تنہا بحراوقیانوس کو ایک طیارہ پر عبور کیا اور نیوفاؤنڈلینڈ سے آئرلینڈ تک کا سفر صرف ساڑھے تیرہ گھنٹون مین طے کیا، ان سے پہلے دو آدمی اور اس بحراعظم کو عبور کر چکے تھے، لیکن پرواز سب سے زیادہ تیز انہی کی تھی،

ماسٹر آف سرجری کی ڈگری طب کی اعلیٰ ترین ڈگریون مین ہے، انگلستان مین ابتک صرف چھ عورتون نے یہ ڈگری حاصل کی ہے، اسی طرح ایف۔ آر۔ سی۔ ایس کی ڈگری بھی ایک نہایت اعلیٰ ڈگری ہے جو پہلی بار بہت کم لوگون کو ملتی ہے، لیکن مسز فلپا مارٹن (Mrs. Philippa Martin) نے یہ دونون ڈگریان پہلے ہی امتحان مین حاصل کرلین، یہ وہ امتیاز ہے جو آج تک کسی عورت کو نصیب نہ ہوا تھا،

ایک دوسری خاتون مسز ہیریسن (Mrs Harrison) نے چیرنگ کراس ہسپتال کے میڈیکل اسکول مین جو انگلستان کے مشہور طبی ادارون مین ہے، دس اول انعامات حاصل کئے،

مس ایڈتھ باتھرسٹ (Miss Edith Bathurst) پہلی خاتون ہین جنکو لندن یونیورسٹی کی ڈاکٹر آف میوزک کی ڈگری عطا ہوئی،

موٹرون کی دوڑ مین اول انعام، عورتون مسز وزڈم (Mrs Wisdom) اور مس رچمنڈ (Miss Richmead) کو ملا، یہ دوڑ ایک ہزار میل کی تھی اور اس مقابلہ مین بہت سے مرد شریک تھے، ان عورتون کے موٹر کی اوسط رفتار ۸۴ میل فی گھنٹہ تھی،

علمی میدان مین سب سے ممتاز کارنامہ مس باربرا فلاور (Miss Barbara Flower) کا تھا، انکی عمر صرف بیس سال ہے اور یہ آکسفورڈ مین تعلیم پاتی ہین، یہ پہلی خاتون ہین جنھون نے کریون اسکالرشپ (Craven Scholarship) حاصل کیا، یہ انعام لاطینی اور یونانی زبانون کی اعلیٰ ترین استعداد پر دیا جاتا ہے، اور مس فلاور سے پہلے صرف ایک ہی عورت نے اس کے لیے مقابلہ کرنے کی ہمت کی تھی، "ع ز"

ریڈیم اور جراثیم

ایک مشہور جرمن ڈاکٹر نے یہ ثابت کیا ہے کہ جن جراثیم سے امراض پیدا ہوتے ہین ان کے توالد و تناسل پر ریڈیم کا نہایت مہلک اثر پڑتا ہے، چنانچہ اس نے خون مین سمیت پیدا کرنے والے، اور پیپ پیدا کرنے والے جراثیم سے بہت سے بچے تیار کئے اور سب کو ایک ایسے مادے مین ڈبو دیا جس مین ریڈیم کی نہایت قوی شعاعین پڑ رہی تھین، نتیجہ یہ ہوا کہ چند دنون مین وہ سب بچے بانجھ ہو کر رہ گئے،

خون کی جدید قسمین

اطبا، کے نزدیک خون کی چار قسمین مشہور ہین، اس لیے اگر ایک انسان کے جسم کا خون دوسرے انسان کے جسم مین پہنچانا چاہین تو پہلے یہ معلوم کر لینا چاہئے کہ دونون ایک ہی قسم کے ہین، ورنہ اس سے بڑا ضرر پہنچیگا،

اب ایک ڈاکٹر نے خون کی دو اور قسمین دریافت کی ہین اور اس انکشاف سے اجسام انسانی مین خون کے پہنچانے کا طریقہ زیادہ کامیاب ہو گیا ہے،

پھولون کا اثر صحت پر

بہت سی عورتین رات کو اپنے سونے کے کمرے مین پھول رکھ لیتی ہین، لیکن بہت سے واقعات ایسے رونما ہوئے ہین جنسے ثابت ہوتا ہے کہ پھولون سے بالخصوص جب کمرہ چھوٹا ہو اور اس مین بہت سے سونے والے ہون سمیت پیدا ہو جاتی ہے، اور زیادہ تر اس کا اثر بچون پر پڑتا ہے، اس لیے سونے کے وقت عورتون کو اپنے کمرون مین پھول نہین رکھنا چاہیے،

تنوعِ اغذیہ کا اثر دانتون پر

وحشیون کے دانت متمدن قومون کے دانتون سے بہتر ہوتے ہین اور انسان تمدن مین جسقدر ترقی کرے گا، اس کو دانتون کی حفاظت کی ضرورت زیادہ ہو گی، لیکن موجودہ تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ دانتون کی ضعف کا سب سے بڑا سبب مختلف قسم کی غذائین ہین، بعض اطباء کے نزدیک یہ خیال صحیح نہین ہے کہ نباتاتی غذائین یا اس کے برعکس لحمی غذائین دانتون کے لیے بہتر ہوتی ہین، چنانچہ قبیلۂ اسکیمو کے لوگ زیادہ تر گوشت کھاتے ہین، حالانکہ ان کے دانت بہتر حالت مین ہین، اسی طرح جو لوگ سبزی پر اکتفا کرتے ہین اُن کے دانت بھی عمدہ حالت مین پائے جاتے ہین، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس غذا کی نوعیت کا اثر دانتون پر تنوعِ اغذیہ سے کم پڑتا ہے، بالخصوص بچون اور نابالغون کے دانتون پر بالغ لوگون سے زیادہ اسکا اثر پڑتا ہے،

سفید و سیاہ رنگ کے کپڑون کا اثر سردی گرمی پر

سفید رنگ کا یہ اثر ہے کہ وہ سورج کی شعاعون کو منعکس کر دیتا ہے، اس لیے سفید کپڑے ان شعاعون کو منعکس کر دیتے ہین اور ان کو جسم تک نہین پہنچنے دیتے، اسی لیے لوگ گرمیون مین سفید کپڑے پہنتے ہین،

تاکہ سورج کی گرمی سے محفوظ رہین، لیکن سیاہ رنگ سورج کی شعاعون کو جذب کرلیتا ہے، اس لئے لوگ جاڑو مین سیاہ رنگ کے کپڑے پہنتے ہین تاکہ اُن کے ذریعہ سے جسم تک سورج کی شعاعون کا اثر پہنچ سکے،

جوتون مین برقی روشنی

امریکہ مین جوتون کے بعض کارخانون نے ایک قسم کے جوتے ایجاد کئے ہین، جنہین بجلی کی بیٹری ہوتی ہے، اوران مین ایک برقی بٹن لگا رہتا ہے جس کے دبانے سے روشنی ہوجاتی ہے، اورانسان اندھیرے مین باسانی چل سکتا ہے،

جانورون کی تہذیب

افریقہ مین مختلف قسم کے جانور ہین، جو پانی پینے کے لیے آتے ہین تو باہم ایک دوسرے کے انتظار مین نہایت سکون ومتانت کے ساتھ کھڑے رہتے ہین، اور باہم پانی پینے کے لیے کوئی کشمکش نہین کرتے بلکہ ہرایک دوسرے کو اپنے سے پہلے پانی پینے کا موقع دیتا ہے،

نیند کا سبب

نیند کا سبب ہمیشہ ایک دقیق علمی مسئلہ خیال کیا گیا ہے، لیکن ایک امریکن عالم کا جدید نظریہ یہ ہے کہ جسم کے عضلات ڈھیلے پڑجاتے ہین، اسلئے جو اشارات ان کے ذریعہ سے دماغ تک پہنچتے رہتے ہین وہ بالکل بند ہو جاتے ہین اور چونکہ یہی اشارات دماغ کو بیدار رکھتے ہین، اسلئے اب دماغ بیدار نہین رہ سکتا، تجربات سے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ جسم کے عضلات بتدریج ڈھیلے ہوجاتے ہین یہانتک کہ رات کے ہونے تک بالکل ڈھیلے پڑجاتے ہین، یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ یہ عضلات جس قدر کم ڈھیلے ہوتے ہین اسی قدر جسم کی حرارت زیادہ ہوتی ہے، اور جس قدر زیادہ ڈھیلے ہوتے ہین اسی قدر یہ حرارت کم ہوتی ہے،

"ع"

ادبیات

ترانۂ شعراء

از جناب اسد ملتانی بی اے

عاشقی کا فسانہ ہین ہم لوگ — زندگی کا ترانہ ہین ہم لوگ

روح کے ساز غیر فانی کا — نغمۂ عاشقانہ ہین ہم لوگ

حسن کے نور جاودانی کا — جلوۂ دلبرانہ ہین ہم لوگ

بولنا چاہتے ہین عشق اور حسن — گفتگو کا بہانہ ہین ہم لوگ

طور کا واقعہ سنا ہوگا — اسکا اک شاخسانہ ہین ہم لوگ

روح خوابیدہ کے جگانے کو — غیب کا تازیانہ ہین ہم لوگ

زلف جان کو سنوارنے کیلئے — دست قدرت مین شانہ ہین ہم لوگ

نور اپنا ہے دوسرون کیلئے — شمع بیرون خانہ ہین ہم لوگ

چل رہے ہین مگر نہین معلوم — کس طرف کو روانہ ہین ہم لوگ

مست رہ کر بھی رنگ عالم کو — دیکھتے عارفانہ ہین ہم لوگ

ہوش افراط و بیخودی تفریط — حالت درمیانہ ہین ہم لوگ

آگہی ہے ہماری بےخبری — معرفت کا خزانہ ہین ہم لوگ

روحِ اسرارِ دین و ایمان کی صورت کافرانہ ہین ہم لوگ
دیکھ لو اس مین صورتین اپنی ایک آئینہ خانہ ہین ہم لوگ
اس لیے ہم شکار ہوتے ہین واقفِ دام و دانہ ہین ہم لوگ
تیر کیسا؟ کمان کا تیر انداز؟ آپ اپنا نشانہ ہین ہم لوگ
سب سے بیگانہ اور سب کے دوست اس روش مین یگانہ ہین ہم لوگ
جانتے جبۂ فقیری کو خلعتِ خسروانہ ہین ہم لوگ
کبھی پیرانِ پارسا کیساتھ شاملِ بچگانہ ہین ہم لوگ
کبھی خوبانِ خوشنوا کیساتھ محوِ چنگ و چغانہ ہین ہم لوگ
باوجودِ کمالِ رسوائی نازشِ ہر زمانہ ہین ہم لوگ
برق حسرت سے دیکھتی ہے ہمین کہکشانِ آشیانہ ہین ہم لوگ
کیون نہ سجدے کرے جبینِ خیال آسمان آستانہ ہین ہم لوگ

کون اسد ہم کو بھول سکتا ہے؟
"یادگارِ زمانہ ہین ہم لوگ"

راحت کدہ

از جناب آثر صہبائی، بی اے ال ال بی

جناب آثر نے راحت کدہ کے عنوان سے پر اثر نظمون کا ایک مجموعہ ترتیب دینا چاہا ہے، جو حقیقت مین راحت کدہ کے بجائے غمکدہ ہے، راحت، شاعر کی رفیقۂ حیات کا نام تھا جس نے افسوس کہ داغِ مفارقت دیا، شاعر کے اسی المناک ترانۂ غم کا نام راحت کدہ ہے، انھین مسلسل

آنسوون کے دو قطرے، ذیل کی یہ دو نظمین ہین،

"ایڈیٹر"

۱

لب پہ آئے ترے نہین نہ کہین	ٹوٹ جائے دلِ حزین نہ کہین
چارۂ دردِ زندگی نہ ہوا	اک خلش سی رہی کہین نہ کہین
آشنا ہو کے آستان سے ترے	پھر کبھی جھک سکی جبین نہ کہین
ڈر رہا ہون کہ اس کی باتون پر	دل کو آجائے پھر یقین نہ کہین

اے اثر میرے رختِ ہستی کو!
پھونک دے آہِ آتشین نہ کہین

۲

یہ سلسلۂ حیات کیا ہے!	یہ غم کی طویل رات کیا ہے!
آغوشِ فنا مین ہے ہر اک شے	یہ محفلِ بے ثبات کیا ہے!
دل بیٹھ نہ جائے بارِ غم سے	بیچارے کی کائنات کیا ہے!

ہے چپ سی لگی ہوئی اثر کو.
معلوم نہین کہ بات کیا ہے!

مطبوعات جدیدہ

خاتم النبیین، (حصہ دوم) از جناب صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے، ناشر انیجر بکڈپو، تالیف و اشاعت، قادیان، (پنجاب) ۵۶۴ صفحات، جلد خوبصورت، قیمت درج نہین،

"خاتم النبیین" قادیان کی جماعت احمدیہ کی جانب سے آنحضرت صلعم کی سیرت مین شائع ہوئی ہے، اسکا حصہ دوم زیر نظر ہے جس مین آپکی مدنی زندگی ۵ھ تک پیش کیگئی ہے، کتاب کا نمایان وصف مستشرقین اور غیر مسلم مورخین کے اعتراضات کا رد ہے،

اگرچہ مولف نے کتاب مین اپنے کو محض ایک مورخ کی حیثیت سے پیش کیا ہے، اور اسی نقطۂ نظر سے غیر مسلم مورخین کے جوابات دیئے ہین، تاہم بعض موقعون پر اس آزاد نگاری کے ادعا کے باوجود یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کسی خاص نوع کے جماعتی (قادیانی) اقوال و عقائد سے جکڑا ہوا ہے، اور وہ واقعات کو کھینچ تان کر اشارۃً اونہی جماعتی عقائد و خیالات پر لانا چاہتا ہے، مثلاً دور حاضر مین اسلامی غلامی کو بھی ناجائز بتانا، یا حضرت عائشہؓ کی اس روایت مین جسمین انھون نے اپنے نکاح اور رخصتی کے وقت کی عمر بتائی ہے، ان کے اندازہ کی غلطی بتانا، یا مثلاً حضرت زینبؓ کے "آسمان پر نکاح پڑھائے جانے" کا "امکان" تسلیم کرکے اس امکان کے وقوع پذیر ہونے کی تردید کرنا، یہ اور اس قسم کی بکثرت مثالین ہین، جنکا یہان استقصا مقصود نہین، تاہم اس مین شبہہ نہین کہ کتاب محنت اور کوشش سے لکھی گئی ہے، اس کا افسوس ہے کہ صحابۂ کرام کے نامون کے لینے مین بالعموم وہ ادب ملحوظ نہین رکھا گیا ہے، جو اسلامی طرز تحریر مین رائج ہے،

دی فلاسفی آف اسلام، (انگریزی) از جناب خانصاحب خواجہ خان، بی اے، نمبر ۱۹

خانبہادر روڈ، رائے پیٹہ مدراس، حجم ۱۲۰ صفحے، قیمت عہ،

یہ اسلامی تصوف کا ایک مختصر مرقع ہے، جو سنہ ۱۹۰۳ء مین اس زمانہ مین شائع ہوا تھا، جب سر سید احمد خان کے مذہبی خیالات ملک مین نشو و نما پا چکے تھے، اب اس کا دوسرا اڈیشن مصنف کی نظر ثانی کے بعد شائع ہوا ہے، مصنف نے اس مین دکھایا ہے کہ اسلامی تصوّف کو جس رنگ مین پیش کیا جاتا ہے، اور اس کے جو مظاہر نظر آتے ہین حقیقۃً انھین صحیح اسلامی تصوّف سے لگاؤ نہین، صحیح اسلامی تصوّف وہی ہو، جو کتاب و سنت مین موجود ہے، گروہ علم سفینہ نہین، علم سینہ ہے، جو صحبت ہی کے اثر و فیض سے حاصل ہو سکتا ہے، اور آنحضرت صلعم اسی کو اپنی مجلسون مین صحابۂ کرام تک پہنچاتے، اور دلنشین انداز مین پیش فرماتے تھے، اس کے بعد مصنف نے، اصطلاحی تصوّف، صوفیہ، اور مسائلِ تصوّف کو روشناس کیا ہے، پھر روح اور نفس کی تشریح کے بعد اسلام، ایمان اور احسان کی حقیقت بتا کر اسلام کے ارکان اور اس کے تزکیۂ اخلاق کے اصول کو پیش کیا ہے، اس کے بعد تصوّف کی اجمالی سرگذشت اور اسکے تاریخی ارتقار کو دکھایا ہے، جنمین بعض امور محل نظر معلوم ہوتے ہین، آخر مین متکلمین، فلاسفۂ اسلام اور شعرائے تصوّف وغیرہ کے قولون، رایون اور کلام سے ذات و صفات وغیرہ کے مسائل کی تشریح کی کوشش کیگئی ہے، کہین کہین فضلائے مغرب کے اقوال و خیالات کو بھی مباحث کی تائید مین دکھایا گیا ہے، جو لوگ یورپ کے جدید فلسفیانہ انداز بیان مین اسلام کے متعلق کچھ دیکھنا چاہتے ہین، ان کیلئے یہ کتاب دلچسپ اور مفید ہے،

بارش اور قرآن، از مولوی طیب علی عبدالرسول، شاکر جبل پوری، ۴۰ صفحے، قیمت ۴ر

پتہ:- جناب احمد علی عبدالرسول نادر، مطبع نادری جبل پور، (سی پی)

یورپ کے جدید علوم و فنون کی ترقیون سے مرعوب ہو کر مسلمانون مین ایک گروہ ایسا پیدا ہو گیا تھا، جو سائنس کے ہر مسئلہ کو قرآن سے مطابق کرنا چاہتا اور کسی نظریہ یا اکتشاف کی اشاعت کے بعد قرآنی آیات سے اس کی تطبیق دینے بیٹھ جاتا ہے، اور کبھی ایسا ہوتا ہو کہ ادھر غور و فکر کے بعد بظاہر تطبیق پیدا کی، اور ادھر علمائے سائنس خود اپنے نظریہ کی تغلیط کر بیٹھے، اسی لیے مسلمانون کے سنجیدہ حلقون مین اس گروہ کی یہ کوششین کبھی مستحسن

نہیں بھی گئیں، لیکن زیر تبصرہ رسالہ میں مصنف کی کوششوں نے حیرت انگیز طور پر ہماری توجہ اپنی جانب مائل کرلی، مصنف نے اس رسالہ میں بارش کے متعلق جدید سائنٹفک تحقیقات کی قرآن مجید کی آیتوں سے مطابقت دکھائی ہے، اور اُونا ... سائنٹفک طور پر مانسون بخارات اور بارش وغیرہ کے متعلق جو کچھ کہا جاتا ہے، اس کا متن پیش کیا ہے ... پہلو میں قرآن کی ایسی آیتوں کا محض لفظی ترجمہ درج کیا ہے، جس میں بارش، ہوا، اور ابر وغیرہ کا تذکرہ آیا ہے، اور آخر میں بارش کا قرآن مجید میں مختلف موقعوں پر استعمال، اور قرآن کا بارش، ابر اور ہوا وغیرہ سے ذات باری تعالیٰ پر استدلال دکھایا ہے، اگرچہ ہمیں کہیں کہیں مصنف کی رائے سے اتفاق نہیں ہوا، مثلاً سحاب مسخر وغیرہ کی تشریح میں، تاہم رسالہ کے مباحث دیکھنے سے مصنف کے ذہن رسا کی تعریف اور اسکی کوششوں کی داد دینی پڑتی ہے، امید ہے کہ وہ اسی انداز میں اپنی تحقیقات کو جاری رکھیں گے، جزاہ اللہ خیراً

اسلامی تعلیم ۔ از مولوی مفتی سید محمود صاحب، ناشر جناب عزیز حسن بقائی، اڈیٹر رسالہ پیشوا، کوچہ چیلان دہلی، ۵۵۰ صفحے، کاغذ لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت ۔ ۱۲ر

اس میں اسلام کے عقائد وعبادات وغیرہ کے مسائل سوال وجواب کے طرز پر لکھے گئے ہیں، کتاب کے جواوراق نظر سے گذرے، ان میں مسائل کے جوابات کو قرین صواب پایا، تاہم ایک آدھ جگہ فقہ کے عمومی فتوی سے بعض جوابات مختلف نظر آئے مثلاً موجودہ زمانہ کی یہود یہ ونصرانیہ سے نکاح کا جائز نہ ہونا (ص ۴۴۸) وغیرہ، کتاب کے آخر میں قرآن مجید واحادیث کے مسلسل ومرتب اردو ترجموں سے اسلامی اخلاق کی تعلیمات کو پیش کیا گیا ہے، کتاب کی ترتیب مثل اول فقہی ابواب پر ہے،

الطریقۃ المرضیہ فی التمرینات الثمانیہ، از مولوی حکیم محمد حمد صاحب معلم مدرسۃ الاصلاح سرائمیر اعظمگڑھ حجم ۴۲ صفحے

عربی خوان طلبہ کو علم نحو کی مشق کرانے کیلئے یہ مختصر رسالہ ترتیب پایا ہے، مصنف کہنہ مشق مدرس ہیں، سالہا سال اس طریقہ تعلیم کا عملی تجربہ کیا ہے، امید ہے کہ یہ رسالہ طلبہ کے لئے مفید ہوگا، اور عربی کے ابتدائی طالب العلم اس سے پورا فائدہ اٹھائینگے

" ر "

جلد ۳۱ | ماہ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۳۳ء | عدد ۴

مضامین

شذرات

پروفیسر رشید صدیقی صاحب کی طلب اور اصرار پر اڈیٹر معارف نے ۲۰ مارچ ۱۹۳۳ء کو مسلم یونیورسٹی کی انجمن اردوے معلی مین ہندوستان مین ہندوستانی پر ایک خطبہ پڑھا، جلسہ کی صدارت نواب صدر یار جنگ مولنا شروانی نے فرمائی، گو لوگ دَور دَور مہینہ سے حسین رؤف بے کے استقبال و آمد اور جلسون کی بھرمار سے تھکے تھے، تاہم یونین کا ہال پورا بھرا تھا، معلومات کے لحاظ سے تو یہ خطبہ چندان اہم نہ تھا لیکن اپنے اصلاحی مشورون کے لحاظ سے بہت زیادہ دلچسپی سے سنا گیا جنمین سب سے اہم بحثین یہ تھین، "قومیت کی تکوین مین زبان کا درجہ" اور "مسلم یونیورسٹی مین تعلیم کی زبان" طلبہ کی طرف سے ان دونون تجویزون کا خیر مقدم جس گرمجوشی سے کیا گیا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اب وقت آگیا ہو کہ مسلم یونیورسٹی اپنے تعلیمی انقلاب کا اعلان کرے،

اس خطبہ مین ایک تجویز یہ بھی تھی کہ ہم کو اپنی اس زبان کی اشاعت کے لیے یہ بھی ضروری ہو کہ آیندہ اسکو "اُردو" کے بجاے "ہندوستانی" کے نام سے پکارین، "اردو" ایک نئی اصطلاح ہے جس کی عمر تو ڈیڑھ سو برس سے زیادہ نہین اور جسمین کسی قسم کے وطنی و قومی جذبہ کی جھلک نہین، اور نہ تمام ملک کی وسعت کے تعلق کا اس لفظ سے اظہار ہوتا ہی، برخلاف اس کے **ہندوستانی** جو اسکا صحیح ترین نام ہے، ان تمام جذبات اور خیالات کو حاوی ہو،

عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس زبان کا "ہندوستانی" نام انگریزون کا بخشا ہوا ہے، خطیب نے تاریخی حوالون سے اسکو ثابت کیا کہ یہ قطعی غلط ہے، اور کم از کم دسوین صدی کی تاریخون مین انگریزون کے اثر سے بہت پہلے اس زبان کا یہ نام پڑ چکا تھا،

اس خطبہ کا ایک فقرہ جس پر اس ہال میں سب سے زیادہ پسندیدگی کا اظہار کیا گیا یہ تھا کہ "یہ درسگاہ مسلمانوں کی پچاس سال امیدوں کا قبلہ رہی ہے، اور اب بھی صدیوں تک رہ سکتی ہے، صرف شرط اتنی ہے کہ وہ اپنا رخ مغرب سے پھیر کر مشرق کی طرف کرے، اور ہر چیز کو دوسروں کی نظر سے دیکھنے کے بجائے وہ اپنی نظر سے دیکھے"۔

یہ پورا خطبہ آیندہ یونیورسٹی کے میگزین میں شائع ہوگا۔

علی گڈہ یونیورسٹی میں میری دوسری تقریر آفتاب ہوسٹل کے طلبہ کے سامنے ہوئی، یہ نیا ہوسٹل صاحبزادہ آفتاب احمد خان کے نام پر انکے دوستوں اور عزیزوں اور کالج کے پرانے طالب علموں کے چندوں سے بنا ہے، اسکی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ منتظمین نے یہ طے کیا ہے کہ علی گڈہ کے دوسرے دارالاقاموں کے برخلاف اسمیں ہر چیز میں سادگی اور کفایت شعاری ملحوظ رکھی جائے یہانتک کہ یہاں کے کھانے کی فیس صرف چھ روپیے مقرر کی ہے، بالفعل اسمیں اسی لڑکوں کے قریب ہیں، کوشش یہ ہے کہ یہ دارالاقامہ دوسرے دارالاقاموں کے مسموم اثرات سے حتی الوسع محفوظ رہے،

یہاں کے طلبہ کے سامنے جو تقریر کیگئی اسمیں سادگی اور کفایت شعاری کی زندگی کیساتھ اُس جد و جہد اور جفاکشی سے بھری ہوئی زندگی کا نمونہ پیش کیا گیا جسکے بغیر مسلمان طلبہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں ناکام رہتے ہیں، اور بتایا گیا کہ مذہب کا ذکر چھوڑیئے خود علوم جدیدہ کی تحصیل و تکمیل میں اگر انگریزی زبان کو الگ کر دیا جائے تو ہم نے کونسی اچھی مثال اب تک پیش کی ہے، اور ہماری یہ زندگی جو تمامتر دوسری قوم کی نقالی پر مبنی ہے، کہانتک ہمارے اندر قومی روح کی سرگرمی پیدا کر سکتی ہے؟

اسی کے بعد دوسری تقریر طبیہ کالج کے ہال میں ہوئی، اس طبی کالج کے دیکھنے کا یہ پہلا موقع تھا، کالج کے پرنسپل ڈاکٹر بٹ صاحب نے مہربانی فرما کر کالج کے ایک ایک شعبہ کو دکھایا، خوشی ہوئی کہ ہماری قدیم طب کو بھی اس "جدیدستان" میں زندگی کا موقع مل رہا ہے، حکومت نے جب سے جابجا دیسی طب اور ویدک کی طرف توجہ کی ہے، ملک میں جابجا طبی اسکول کھل رہے ہیں، جہاں ایک طرف یہ خوشی کا موقع ہے، وہیں دوسری طرف یہ افسوس ہے کہ ان طبی درسگاہوں میں طالب علموں کے قبول کرنے کا معیار بہت ہلکا رکھا گیا ہے، یہاں جو تقریر کیگئی اسمیں اسلامی طب کی

تاریخ کے ساتھ عزیز طالب علموں کو یہ نصیحت کیگئی کہ آپ طبیب بننے کی کوشش کریں، ڈاکٹر بننے کی نہیں، اور بتایا گیا کہ آج دیہات سے لیکر شہروں تک ہندوستان کی صحت عامہ کا دار و مدار ولایتی طب پر نہیں ہے، جو طب ہونے کے ساتھ بدیسی تجارت بھی ہے، بلکہ دیسی طب پر ہے جسکی اکثر دوائیں خود ہمارے ملک کی پیداوار ہیں،

مسلمان والدین اپنے بچوں کو علوم عربیہ کی جو تعلیم دلاتے تھے اس کے وجوہ مختلف تھے، مثلاً ان کا مذہبی ہونا اور ہماری تاریخ و ادبیات کا اس کے اندر موجود ہونا، لیکن ان مذہبی اور علمی اسباب کے علاوہ اسکی ایک تیسری وجہ یہ تھی کہ وہ معاش کا ذریعہ بھی تھی، علوم عربی پڑھنے کے بعد وہ حکومت وقت کے بڑے بڑے عہدے پاتے تھے، حکومت کے انقلاب نے ایک ایک کرکے ان تمام وجوہ معاش کے دروازے علوم عربی کے طالبعلموں پر بند کر دیئے، اور اسی نسبت سے عربی تعلیم کی طرف توجہ بھی روز بروز کم ہوتی گئی، تاہم ابتک صرف دو دروازے کھلے تھے، ایک اسکولوں کی مدرسی اور دوسری طبابت، سو فارسی کے دبیر و فاضل کے درجوں نے پہلی چیز کا خاتمہ کر دیا، اور اب اسکولوں میں عربی کے مولوی فاضل کے بجاے فارسی کے منشی فاضل وہی استحقاق رکھتے ہیں، بلکہ فارسی تدریس کے لیے انھیں کو ترجیح دیجارہی ہے، دوسری چیز کا خاتمہ ان طبی اسکولوں کے ذریعہ ہو رہا ہے جنمیں طب کی ترقی کے لیے عربی کے بجاے، اردو کتابوں کے ذریعہ اردو خوانوں اور فارسی خوانوں اور نیم انگریزی دانوں کو طب کی تعلیم دیجارہی ہے، ظاہر ہے کہ اب صرف مذہب اور علم کی خاطر کتنے مسلمان اپنے بچوں کی قربانی گوارا کرسکینگے؟ یہ ہیں ہماری قوم پرور تعلیمی عنایات، جنکا شکریہ ادا کرنا ہماری قوم پر ہر وقت واجب ہے،
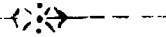
۱۵-۱۶- اپریل ۳۳ء کو لاہور میں ادارۂ معارف اسلامیہ کا جلسہ ہے جسمیں مختلف اہل علم اسلامی علوم و فنون پر مختلف مقالات پڑھینگے، اس سلسلہ میں دار المصنفین کے بعض رفقا بھی لاہور جائینگے، اور جلسہ مذکور میں اپنے مقالات پیش کرینگے، میرا مضمون "لاہور کا ایک مہندس خاندان جس نے تاج اور لال قلعہ بنایا" ہوگا، مولوی سید ریاست علی صاحب ندوی "سسلی کے اسلامی تمدن" پر اور مولوی سعید صاحب انصاری "عربی لغت کی تاریخ" پر مضامین پڑھینگے

مقالات

استاذ العلماء جناب مولوی محمد لطف اللہ صاحب طاب ثراہ

از نواب صدر یار جنگ مولٰنا حبیب الرحمن خانصاحب شروانی،

جب اس خاکدانِ سفلی میں اسلامی تمدن کی بہار آئی ہوئی تھی، اور اُس کے فیض سے ایشیا، افریقہ، اور یورپ تینوں برِ اعظم رشکِ گلزار بنے ہوئے تھے، اُس وقت قصبات کا ایک عظیم الشان نظام ممالکِ اسلامیہ میں قائم تھا، یہ قصبات زندگی کے سرچشمے تھے جن سے شہر خصوصاً دار السلطنت سیراب و شاداب رہتے، شہری آب و ہوا، دو تین نسلوں کے بعد دماغوں کو سست اور پست کردیتی تو قصباتی اہل کمال تازہ زندگی لیکر پہنچتے اور بزمِ حیات کو از سرِ نو پرنور و معمور فرمادیتے، دہلی مرحوم میں شاہ صاحب کا اور لکھنؤ میں فرنگی محل کا خاندان لاکھوں میں دو مثالیں ہیں،

ہمارا ضلع (علیگڈھ) بھی دورِ حیات میں اپنے قصبات پر نازان تھا، جلیسر (قدیم جالیسر) سے نصرت خان عہد علائی کا امیر نامور اٹھا، امیر خسرو پٹیالی سے جاکر دار السلطنت بلکہ دنیا کا فخر بنے، جلالی کی فکر سے سفرنامۂ ابن بطوطہ معمور ہے،

وطن | انہی بستیوں میں سے ایک بستی پلکھنہ ہے جو قصبۂ جلالی کے قریب آباد ہے، اسکی قدیم عظمت کی یادگار عہدِ بابری کی مسجد ہے، شیخ گھورن تاریخی ہستی ہیں، اسی معدن سے وہ جوہر فرد نکلا جس کے انوار نے اس دورِ آخر میں علمی مجالس کو منور و تابان فرمادیا،

خاندان | اکول اور اُسکے ملحقہ قصبات و دیہات میں شیوخ کے خاندان آباد ہیں جو حضرت شمس العارفین شاہ جمال کی

نسل میں ہیں،

یہ بزرگ اپنے وقت کے اولیائے کرام میں تھے، ابن بطوطہ جب کول آیا تو آپ ہی کے پڑوس میں اُترا تھا، سفرنامے میں حضرت کا ذکر کرتا ہے،

جو شجرہ اس خاندان میں محفوظ ہے وہ شاہد ہے کہ شیوخ جمالی حضرت امین الامۃ ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ہیں اشکال یہاں یہ ہے کہ امام ابن قتیبہؒ نے المعارف میں حضرت امین الامۃ کے ذکر میں لکھا ہے، "ولا عقب لہ" مفتی محمد لطف اللہ صاحب اسی خاندان سے تھے، والد مولوی اسد اللہ، فارسی خوان، کول میں وکالت کرتے تھے، اسی آمدنی سے بفراغت گزرتی تھی، تمغائے شرافت قصبے میں املاک بھی تھی جو بھائی کے لیے چھوڑ رکھی تھی، اردو شعر کا ذوق تھا، ایک شعر یاد رکھو، ؎

سیکھی طرزِ فغاں بلبلِ نالاں ہم سے — گل نے سیکھی روش چاک گریباں ہم سے

منشی ہی بخش سالک اکبرآبادی نے ایک جنتری کا ذکر کیا ہے جس سے بارہ برس کی تاریخیں معلوم ہو جاتی تھیں، انھوں نے چند اشعار لکھے جن سے جتنی سال کی تاریخیں چاہو نکل آتی ہیں، مرحوم نے اپنی بڑی جنتری میں چھاپے تھے، میرے پاس بھی محفوظ ہیں،

آخر عمر میں ضیق النفس میں مبتلا ہو کر خانہ نشین ہو گئے تھے، والدہ سید غلام علی حسینی النسب ساکن جلیسر کی دختر نیک اختر تھیں، دو چچا تھے، بڑے مفتی، ہبۃ اللہ، فارسی کے ماہر بڑے شاطر، املاک کا کام کرتے تھے، شطرنج کی بہت سی چالوں کے نقشے قلمبند کئے تھے جو ایک ضخیم مجلد میں خاندانی کتب خانے میں محفوظ ہیں، فرائض کا ایک رسالہ بھی خود ان کے قلم کا لکھا ہوا موجود تھا، چھوٹے حکیم اکرام اللہ طبیب تھے، دیرہ دون میں ایک انگریز کا معرکے کا علاج کیا تھا، اس نے نوکر رکھ لیا، وہیں وفات پا کر مدفون ہوئے، بھتیجے نے تجہیز تکفین کا اہتمام کیا، ان دونوں بھائیوں کے نرینہ اولاد نہ تھی،

پیدائش مفتی محمد لطف اللہ صاحب لکھتے ہیں ۱۲۴۴ھ میں پیدا ہوئے، باپ نے تاریخ کہی "چراغم"، باپ کے

اکلوتے بیٹے تھے، بلکہ تین گھرون کا چراغ، ناز نعمت لاڈ پیار مین پرورش ہوئی، جامع حالات صاحبزادے نے لکھا ہی کہ اسی پرورش کا اثر تھا کہ مزاج مین ایک ضد تھی جو آخر عہد تک باقی رہی،

بچپن کے ایک رفیق کا بیان ہے کہ مولوی صاحب ان کھیلون مین تو ہمارے شریک ہو جاتے جو شریف کے لڑکے کھیلتے ہین، عامیانہ کھیلون مین شرکت نہ کرتے مثلاً گولیون کا کھیل ہم جب ایسے کھیل کھیلتے تو وہ الگ بیٹھے دیکھتے رہتے،

نماز کے بچپن سے عادی تھے،

ابتدائی تعلیم | بلگھنے مین ایک میانجی موہن لال نامی تھے جو بچون کو ابتدائی کتابین کریما مقیمان وغیرہ پڑھایا کرتے تھے، اُنھی سے پڑھنا شروع کیا، ایک روز ایک لڑکا خالق باری پڑھ رہا تھا ع "راسو نولا ہے جان" معصوم لطف اللہ نے ایک ہم مکتب سے کہا، نولا راسو ہے تو نولا (پنبہ دانہ) براسو ہوگا، دیکھو یہی انتقال ذہن زینت درس بنا، ابتدائی رسالے گھر پر پڑھکر جلیسر اپنی نانہال مین گئے، وہان مولوی محمد عظیم اللہ سے فارسی پڑھی، انتہائی کتابین اپنے پھوپھا مولوی حفیظ اللہ خان سے (جنکے خاندان مین خانی کا خطاب شاہی تھا) پڑھین، یہ بڑے خطاط تھے، خاص وصف یہ تھا کہ چند روز مین شاگرد کا خط اپنے خط مین ملا دیتے تھے، مولوی صاحب فرماتے تھے کہ میرے خط کی روش پھوپھا صاحب کے خط کی روش پر ہے، مولوی عبد الغنی خانصاحب شاگرد رشید نے اولاً یہ روش استاد سے حاصل کی، صاحبزادے بھی عموماً اسی روش پر لکھتے ہین جو نظر فریب، اور منشیانہ پختہ ہے،

بعض فارسی کی کتابین مثلاً بہار دانش اپنے خسر سید رونق علی سے بھی پڑھین،

تعلیم علوم | فارسی سے فارغ ہوکر پندرہ برس کی عمر کے بعد اُس آستانہ پر حاضر ہوئے جہان سے سند فضیلت ملنی مقدر تھی، اوپر سُن چکے ہو کہ مولوی صاحب کے والد مولوی اسد اللہ وکالت کرتے تھے، اسی سلسلے مین مفتی عنایت احمد صاحب سے تعلقات تھے جو کول مین مفتی و منصف رہے، مفتی عنایت احمد صاحب شاگرد تھے، مولوی بزرگ علی صاحب کے

مولوی بزرگ علی صاحب | مشہور مردم خیز قصبہ مارہرہ کے کنبوہ خاندان سے تھے وہین پیدا ہوے، والد کا نام حسن علی

خواجہ حسن ملتانی کی دسوین پشت مین، آغاز شباب تک باوجود باپ کی تاکید کے علم کی تحصیل کی جانب متوجہ نہوئے عشق مجازی کے اثر سے فارسی غزل کا ذوق تھا، شوقؔ تخلص کرتے تھے، زیادہ تاکید ہوئی تو گھر سے نکل گئے، بالآخر باپ نے اپنے پیر مرشد حضرت شاہ آلِ احمد صاحب عرف اچھے میان کی خدمت مین دعا کی التجا کی، دعا فرمائی جو مستجاب تھی، تمام مشاغل چھوڑکر تحصیل علم مین مصروف ہوگئے، اب شوق تھا تو کتاب کا، طلب تھی تو علم کی، فرماتے تھے لوگ جوانی مین زندگی کے لطف حاصل کرتے ہین ہمنے تو شباب علم کی نذر کردیا، ابتداءً لکھنؤ اور کلکتہ مین علم حاصل کیا، وہان کے اساتذہ کے نام معلوم نہ ہوسکے، بالآخر دلی مین اس درسگاہ والا مین حاضر ہوئے جو تمام ہندوستان کی ملجا و ماوی تھی، شاہ عبد العزیز صاحب سے علم حدیث حاصل کیا، ریاضی مولوی رفیع الدین صاحب شاہ صاحب کے بھائی سے پڑھی جو اس فن مین امام وقت تھے،

تحصیل سے فارغ ہوکر خود درس کی خدمت شروع کی، آگرہ مین پڑھایا، کلکتہ کے دار العلوم کے مہتمم رہے حکام کے اصرار سے (جو اکثر شاگرد تھے) کول مین منصفی کا عہدہ قبول کرلیا، اسی زمانے مین وہان کی جامع مسجد مین اس مدرسے کا احیاء کیا جس کو عہد محمد شاہی مین بانیِ مسجد نواب ثابت خان نے قائم کیا تھا، (اس کا ذکر اخبار الجمال مین ہے) بالآخر منصفی سے استعفا دیدیا، جس کو شاگرد حکام نے تلمذ کا ادب ملحوظ رکھتے ہوے بہت تامل کے بعد منظور کیا، مستعفی ہوکر نواب وزیر الدولہ مرحوم کے اصرار پر ٹونک مین عہدۂ قاضی القضاۃ قبول کیا، آخر عمر تک وہین رہے، ۱۲۶۲؁ھ مین انتقال کیا، ٹونک مین دفن ہین، تاریخ نگار نے ان کے یہ اوصاف لکھے ہین، تقوی، تدبر، تواضع، تہذیب، تقریر دلنشین اور پراثر، ایک بیٹے تھے مولوی محمد صدیق، فارغ التحصیل، علم ہندسہ اور نجوم مین ماہر نیز علم تعبیر رویا مین، ٹونک مین عہدۂ قضا پر فائز رہے ۱۲۹۲؁ھ مین وہین رحلت کی،

مولوی بزرگ علی صاحب کی تصانیف مین سے دیوان فارسی قلمی میرے یہان ہے، کلام اوسط درجہ کا ہے، صاف ہے اور پراثر، نمونہ ملاحظہ ہو ؎

گر جلوۂ او عام کند پردہ دری را ۔۔۔ در شیشہ چو مے جوش دہد مغز پری را

زلف شکست دل و دین داد درستی افراختہ قدت علم فتنہ گری را

نے صبر ماند بر جا اکنون نہ تاب مارا اے بے مروت آخر یک رہ بیاب مارا

کے صبح عید بیش صحم فروغ یابد چون نور بخش صبح ست آن آفتاب مارا

در دور چشم مستت میخانہا خراب ست تنہا نہ لعل میگون وارد خراب مارا

اُس زمانے کی شدید ضرورت کی بنیاد پر متعدد کتابیں فارسی زبان میں ردِ نصاریٰ میں لکھی ہیں، انہیں سے کتاب ردِ نصاریٰ کا ایک حصہ "بشارات" قلمی میرے یہاں بھی ہے، اس کا عنوان ہے بشارات فارقلیط، اس پر بعض عبارتیں مفتی عنایت احمد صاحب کے قلم کی لکھی ہوئی ہیں، ایک اور قلمی رسالہ میرے یہاں ہے، یہ ایک فارسی معما کی شرح ہے جو قاضی القضاۃ نجم الدین علی خان نے تفضل حسین کے نام لکھا تھا، اور جس میں بہت سی علمی اصلاحیں درج کی ہیں، اس کا دیباچہ مفتی عنایت احمد صاحب نے استاد کی زندگی میں لکھا تھا، اس پر بھی مفتی صاحب کے قلم کی عبارتیں ہیں، یہ رسالے مفتی صاحب کے کتبخانہ سے اور کتابوں کیساتھ میرے پاس آئے تھے،

مفتی عنایت احمد صاحب اپنے وطن دیوہ ضلع بارہ بنکی میں پیدا ہوئے، ۹ شوال ۱۲۲۸ھ تاریخ ولادت ہے، تیرہ برس کی عمر میں رامپور جاکر مولوی سید محمد صاحب بریلوی سے صرف نحو اور مولوی حیدر علی صاحب ٹونکی اور مولوی نور الاسلام صاحب سے دوسری درسی کتابیں پڑھیں، وہاں سے دلی جاکر شاہ اسحٰق صاحب سے حدیث پڑھی، دلی سے علی گڈھ آئے، مولوی بزرگ علی صاحب سے جامع مسجد میں پڑھا، فن ریاضی کی تکمیل کی، بعد فراغ یہین مدرس مقرر ہوئے، ایک سال مدرس رہکر مفتی و منصف کے عہدہ پر علی گڈھ ہی تقرر ہوگیا، اسی دور میں مولوی لطف اللہ صاحب کے تلمذ کا سلسلہ شروع ہوا، مولوی سید حسین شاہ صاحب بخاری نے بھی اسی زمانے میں پڑھا، سید صاحب صاحب درس، فاضل ہوجانے کے بعد بھی تعجب سے فرمایا کرتے تھے کہ مفتی صاحب مجھکو ہدایہ اجلاس پر پڑھاتے میں مصروف رہتا جب دوران مقدمہ میں فرصت ملتی اشارہ ہوتا میں پڑھنا شروع کردیتا، اسی اثنا میں پھر کام میں مصروف ہوجاتے، باوجود اس کے ایسا پڑھایا کہ ساری عمر اسکی یاد رہی،

نواب سے بریلی کا تبادلہ ہوا، بھیکن پور کے لئے ایک فخر یہ بھی ہے کہ مفتی صاحب نے اثنائے راہ میں بیان مع ستورات کے قیام فرمایا تھا،

بریلی کے قیام میں صدر امین ہوے، وہان کے تلامذہ مین قاضی عبد الجمیل صاحب قاضی شہر اور مولوی فدا حسین منصف شامل تھے، بڑا کارنامہ نواب عبد العزیز خان کا (باوجود ان کی آزاد منشی و صاحبزادگی کے) پڑھا دینا تھا، نواب صاحب نواب رحمت خان حافظ الملک شہید مرحوم کے پوتے تھے، گزشتہ پراونشل کانفرنس کے موقع پر حافظ الملک شہید کے مزار پر فاتحہ پڑھی، مقبرہ کی محراب میں یہ جوہر دار شعر لکھا ہوا ہے، ؎

سر کشتہ بر نیزہ می زد نفس کہ معراج مردان ہمین است وبس

قصہ مختصر، صدر الصدوری کا پروانہ آگیا تھا کہ ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ ہوگیا، اس کے فرو ہونے پر الزام بغاوت مین انڈمان بھیجدے گئے، یہ ۱۲۷۵ھ کا واقعہ ہے، چار سال جزیرۂ مذکور میں رہے، جنگل میں منگل، اکابر علما کے قدمون کی برکت سے ان دنون یہ بدنام جزیرہ دار العلوم بن گیا تھا، علاوہ مفتی صاحب کے مولوی فضل حق صاحب خیرآبادی، مفتی مظہر کریم صاحب وغیرہ علما بھی وہان تھے، اور سب کے سب باوجود مصیبت قید اور غریب الوطنی کے خدمتِ علم مین مصروف تھے، محقق خیرآبادی کے ذہن وقاد کے متعدد نتائج وہین وجود پذیر ہوے، مفتی مظہر کریم صاحب نے مراصد الاطلاع کا عربی سے اردو مین ترجمہ کیا، مفتی عنایت احمد صاحب نے کلام مجید حفظ کیا، تواریخ حبیب اله سیرۃ مین تالیف کی، تاریخی نام ہے، ۱۲۷۵ھ نکلتے ہین، منشی امیر اللہ تسلیم نے الفاظ تواریخ نبی سے تاریخ نکالی، یہ کتاب حکیم امیر خان کی فرمایش سے لکھی تھی، جو انڈمان مین سرکاری ڈاکٹر تھے اور جنکی غمخواری کا اعتراف دیباچہ مین فرمایا ہے، حجم سوا سو صفحے کا ہے، فی صفحہ سطر ۲۷۔ (نسخہ مطبع نظامی ۱۲۷۹ھ پیش نظر ہے) واقعات پوری تفصیل سے بقید تاریخ اور تشریح جزئیات کے ساتھ لکھے ہین، دیباچہ کی شہادت ہے کہ محض یاد سے لکھی گئی، قیاس کرو کہ اس عہد کے علما حضرت نبی کریم کے مبارک حالات کا کس قدر ذخیرہ سینے مین محفوظ رکھتے تھے، اور یہی سرمایۂ سعادت تھا، ہندوستان آکر سیرت اور حدیث کی کتابون سے مقابلہ کیا تو یادکی صحت ثابت ہوئی،

ایک انگریز نے تقویم البلدان کے ترجمے کی فرمایش کی جو دو برس مین ختم ہوا، یہی ترجمہ رہائی کا سبب بنا، صرف کا رسالہ علم الصیغہ بھی وہین لکھا، ۱۲۷۴ھ مین رہائی پاکر کالپی آئے، وہان شاگرد رشید مولوی لطف اللہ صاحب بھی حاضر ہو تاریخ پیش کی، ۔

چون بفضل خالقِ ارض و سما	اوستادِ من شد ز قیدِ غم رہا
بہرِ تاریخ خلاصِ آنجناب	بر نوشتم انّ استادی نجا

مستقل قیام کانپور مین فرمایا۔ مدرسۂ فیض عام کی بنیاد ڈالی، خود درس دیا، ۱۲۷۵ھ ... پانسو ماہوار خود لیتے تھے، مسلمان تجار کانپور مصارف مدرسہ کے کفیل تھے، ان مین حافظ برخوردار زیادہ نامور تھے، اسی مدرسہ کا فیض بالآخر ندوۃ العلما کی شکل مین عیان ہوا،

... برس کے بعد حج کا ارادہ کیا، شاگرد جمع ہوئے مولوی سید حسین شاہ صاحب واصف بخاری، مولوی لطف اللہ صاحب، نواب عبد العزیز خانصاحب، مولوی سید عزیز الدین صاحب شکارپوری، استاد کے سامنے درس بھی دیا، مفتی صاحب شاگردون کی بہارین دیکھ دیکھکر باغ باغ ہوتے تھے، بالآخر مولوی سید حسین شاہ صاحب مدرس اول، اور مولوی لطف اللہ صاحب کو مدرس ثانی مقرر فرماکر حج کو روانہ ہوگئے، اس زمانے مین جہاز ہوائی ... جدہ کے قریب پہنچکر جہاز پہاڑ سے ٹکراکر ڈوب گیا، مفتی صاحب بحالتِ نماز احرام باندھے ہوئے غریق و شہید ہوئے، یہ واقعہ، شوال ۱۲۷۹ھ کا ہے، ۵۲ برس کی عمر ہوئی،

تصانیف | شرح ہدایۃ الحکمہ صدرشیرازی، تصدیقات حمد اللہ اور شرح چغمینی پر حواشی، اردو مین بہت سے مفید عام رسالے جنکے نام عموماً بے تکلف تاریخی ہین، عام مولویون کی روش کے خلاف ان رسالون کی زبان صاف اور بامحاورہ ہے، مضامین علمی اور اخلاقی ہین، اس زمانے کی مقبولِ عام روش مناظرہ سے بچکر پیرایۂ بیان ایسا اختیار کیا ہے جو دلنشین ہے، دلپذیر ہے، ہنگامہ آرائی سے پاک ہے، خلاصہ یہ کہ مصری کی ڈلیان بھڑون کے چھتے مین نہین رکھی ہین، ایک مختصر سا فنڈ جمع کرلیا تھا اسکی مدد سے یہ رسالے طبع ہوتے، تقسیم کئے جاتے، مدرسہ فیض عام کا قیام

اور نشر علم کا یہ طریقہ مفتی صاحب کی دور اندیشی اور ضرورت کے صحیح اندازہ پر دال ہیں،

ایک کتاب ہیئت جدید (فیثاغورسی) پر لکھی تھی مسمی بہ مواقع النجوم، اسکو ہیئت کے ماہر بعض انگریزوں نے پسند کیا، ایک کتاب عربی مین بے نقط لوامع العلوم واسرار المعلوم کے نام سے لکھی تھی، اس مین چالیس علوم کا خلاصہ لکھنا پیش نظر تھا، ہر علم کا نام بے نقط تھا، مثلاً تفسیر علم کلام اللہ، حدیث علم کلام الرسول، فقہ علم الاحکام، علیٰ ہذا القیاس تمام نہ ہوئی تھی کہ عمر تمام ہوگئی، مسودہ ساتھ غرق ہوگیا، مفتی صاحب تمام علوم کا درس پوری قوت سے دیتے تھے، ریاضی مین ممتاز تھے، ادب کا ذوق تھا، کانپور کے قیام مین روزانہ شام کو میدان مین ہوا خوری کے لئے تشریف لیجاتے، مولوی سید حسین شاہ صاحب سے ادبی و علمی ذکر ہوتے جاتے، ایک روز کی صحبت یہ تھی کہ مفتی صاحب اردو اساتذہ کے چیدہ چیدہ اشعار پڑھتے، سید صاحب اس کا ہم مضمون فارسی شعر پڑھ دیتے،

باز خوانم قصۂ استاد خود تا در و دیوار را آرم بوجد

ابتداءً مفتی صاحب نے شاگرد جدید کو اپنے ایک شاگرد کے سپرد کیا جس نے صرف نحو پڑھائی ہدایۃ النحو شروع ہوئی تو خود پڑھانا شروع کیا، استاد کی شفقت اور شاگرد کی محنت نے یہ نتیجہ دکھایا کہ ڈیڑھ سال مین ملاحسن تک پہنچ گئے، ملاحسن کلیات خمسہ تک پڑھا کر فرمایا کہ اب سبقاً سبقاً اس کے پڑھنے کی ضرورت نہین خود مطالعہ سے پورا کرلو، جہان ضرورت ہو دریافت کرلو، فرماتے تھے کچھ دن دیکھا دریافت کی ضرورت نہ ہوئی پھر چھوڑ دیا، نور الانوار شروع ہوئی، دس پندرہ سبق پڑھا کر ارشاد ہوا اب مطالعہ کرکے ہمسبقون کو پڑھا دیا کرو، چنانچہ مطالعہ اور بوقت ضرورت استفادہ کرکے ساری کتاب پڑھا دی، استاد نے خوش ہوکر اس کی جگہ قاضی مبارک شروع کرائی، اول سے آخر تک سبقاً سبقاً پڑھائی، جس نسخہ مین پڑھا اس پر منہیات اپنے قلم سے لکھے، یہ نسخہ کتبخانے مین محفوظ تھا، قاضی مبارک کے بعد حمد اللہ کی نوبت آئی،

صبح کی نماز کے بعد مفتی صاحب تلاوت فرماتے تھے، حکم تھا کہ اس وقت حاضر رہین، دوران تلاوت

مین مشکل صیغہ آتا تو اُن کی طرف دیکھتے یہ حل کرتے حل نہ کرسکتے، تو بعد تلاوت خود حل کر کے بتاتے،

تبادلے کے وقت تک کتابین ختم نہ ہوئی تھین، لہذا استاد کے ساتھ بریلی گئے، وہان جملہ کتب درسیہ کی تحصیل سے فارغ ہوئے بعد فراغ مفتی صاحب نے اپنے ہی اجلاس کا سررشتہ دار مقرر کر لیا، اس خدمت پر فائز تھے کہ استاد اندمان بھیج دیئے گئے، تا گرد با دلِ خستہ گھر چلے آئے، اس طرح چودہ برس مسلسل استاد کی خدمت سے فیضیاب رہے،

بریلی مین قیام کس وقار علمی سے رہا تھا اس کو ذیل کے واقعہ سے سمجھ لو گے ۱۳۱۶ھ مین ندوۃ العلماء کا اجلاس بریلی مین ہونے والا تھا، مخالفین اور موافقین شکست و فتح کی سر توڑ کوششین کر رہے تھے، مولوی صاحب صدارت کے لیے حیدر آباد سے تشریف لانے والے تھے، اعلانون مین زبانی بیانون مین جس قدر ندوہ کے متعلق اعتراض ہوتے اسی قدر مولوی صاحب کی ذات ہدفِ اعتراض ہوتی، بالآخر صدر نشین فائز بریلی ہوئے، پرانے شہر کے شرفا جب اعتراض سنتے سنتے تنگ آگئے تو اس تردد مین پڑے کہ آخر یہ مولوی لطف اللہ ہین کون ایک تو وہ تھے جو یہان تھے اگر وہی ہین تو حیرت ہے کہ اُن کے عقائد و حالات ایسے بدل گئے،

بالآخر ملنے اور زبانی گفتگو کا فیصلہ کیا، وہ سمان میری آنکھون مین آج بھی ایسا ہے گویا کل کی بات ہے کہ مغرب و عشا کے مابین پرانے شہر کے معمر شرفا کی ایک جماعت قیام گاہ مین آئی، ایک دوسرے کو دیکھ کر دیرینہ اخلاص و محبت کے اثر سے گرمجوشانہ ملے رسمی گفتگو کے بعد اصل مدعا پر گفتگو ہوئی، زبان حق بیان سے ندوۃ العلماء کے مقاصد و احوال سنکر جو اثر سامعین پر ہوا دیدنی تھا نہ شنیدنی، متحیر آئے تھے مطمئن اٹھے، جاتے ہوئے جو الفاظ زبان پر تھے خدا کرے ان کا اعادہ کبھی نہ ہو،

حاصل کلام - بریلی سے کول آنے کے بعد عسرت اور بیکاری کا زمانہ تھا، آخر کائتھون سے ملکر ایک مکتب جاری کر لیا، ان کے لڑکون کو چھوٹے چھوٹے رسالے پڑھایا کرتے تھے، دس روپیہ ماہوار تنخواہ تھی، صاحبِ عیال تھے، دو بچے ہو چکے تھے، سارا کنبہ اسی قلیل تنخواہ مین بسر کرتا، کبھی کبھی فاقے کی نوبت پہنچ جاتی بعض

خانہ نی واقعات کی وجہ سے جائداد کی آمدنی سے مستفید ہونے کا موقع نہ تھا، دو سال کا زمانہ اسی حوصلہ مندی سے بسر کر دیا، اس عرصے مین والد سخت علیل ہو گئے، تیمارداری اس غمخواری سے کی کہ دوا لینے پیادہ بالکھنہ سے کول جاتے، اور ہر روزہ واپس آتے، ان دونون مقامون کے درمیان فاصلہ چودہ میل کا ہے،

الغرض جیسا کہ تم اوپر سُن چکے مفتی عنایت احمد صاحب انڈمان سے واپس آکر حج کو گئے، اور مولوی صاحب کا تقرر مدرسہ فیض عام کی دوم مدرسی پر ہو گیا، زیادہ زمانہ نہ گذرا تھا کہ مولوی سید حسین شاہ صاحب نواب شاہجہان بیگم کی طلب پر بھوپال چلے گئے، مولوی صاحب مدرس اول ہو گئے،

ایک لطیفہ مولوی سید حسین شاہ صاحب کے قیام بھوپال کا بے موقع نہ ہوگا سید صاحب کی مراسلت بعض مسائل مین مولوی سید صدیق حسن خان صاحب سے ہوئی (اس وقت تک نواب نہ ہوئے تھے) اس مین سید صاحب نے ایک شعر لکھا ؎

برخیز بت شکن کہ بتے چند بشکنم در سومنات شور و شر دیگر افگنیم

بعض حریفون نے نواب شاہجہان بیگم صاحبہ کو یہ کہکر بدظن کرنا چاہا کہ سید صاحب نے دارالاسلام بھوپال کو سومنات کہا، سید صاحب نے سنا تو جواب دیا اور لاجواب دیا، "سومنات ہمان است کہ دران سلطان محمود غزنوی شور و شر افگندہ بود . . . . . . بھوپال کہ سلطنت مومنات ست دران چہ جائے سومنات ست"

خلاصۂ کلام، مولوی صاحب نے سات برس تک مدرسۂ فیض عام مین درس دیا، کس قوت سے یہ بھی سن لو، میرے استاد مولوی عبدالغنی خان صاحب مدرسۂ موصوف کے اولین شاگردون مین تھے، مجھ سے بیان فرمایا کہ مدرسہ کے قریب ایک مسجد تھی، استاد اور شاگرد صبح کو ایسے وقت وہان پہنچ جاتے کہ جماعت فجر سے پہلے تفسیر بیضاوی کا سبق ہو جاتا تھا، اس سے فارغ ہو کر باجماعت نماز پڑھتے، نماز سے فارغ ہوتے ہی درس شروع ہو جاتا، دوپہر تک ہوتا، اس کے بعد وقفہ اس قدر کہ کھانے اور کچھ آرام کے بعد ظہر باجماعت ادا ہوتی، نماز کے بعد درس، عصر کے بعد پھر درس، مغرب کے وقت ختم، کبھی ایک آدھ سبق بعد مغرب بھی ہو جاتا،

درس میں اتنا انہماک تھا کہ وطن کا آنا جانا شدید ضرورت ہی سے ہوتا وہ بھی جریدہ تاکہ زیادہ قیام نہ کرنا پڑے،

کانپور میں سات برس رہنے کے بعد مرکز اصلی کی جانب رجوع فرمایا علی گڑھ کے مدرسۂ جامع مسجد میں اول مدرس پر تقرر ہوا، پچاس ماہوار تنخواہ ٹھہری صورت یہ ہوئی کہ مولوی صاحب کے شاگرد خواجہ محمد یوسف مرحوم وکیل نے مدرسۂ مذکور کو از سر نو جاری کیا، استاد کو کانپور سے بلاکر مدرس اول مقرر کیا، خواجہ صاحب تعلیم قدیم و جدید دونوں کے دلدادہ تھے، اٹرنیبل کے حرخشہ میں آنے تک سر سید مرحوم کے ساتھ اور محمڈن کالج کے سرگرم معاونین میں تھے مدرسہ کے مصارف کا بڑا حز چھتاری اور بھیکن پور کی ریاستوں سے ادا ہوتا تھا، کیسی نیک کمائیاں تھیں جو ہند سے بخارا تک فیض پہنچانے کا ذریعہ بنیں، مدرسہ کی رونق اور طلبا کا ہجوم قابل دید تھا، مولوی صاحب دوپہر کا کھانا مسجد ہی میں تناول فرماتے، صبح سے آکر عشا کے وقت دولتخانے جاتے،

آج پیریڈ (PERIOD) گننے والے ان باتوں کو کیا سمجھیں گے نہ سمجھیں تو واقعہ تو واقعہ ہی رہے گا، ہندوستان اور بیرون ہندوستان کے بڑے بڑے علما اسی زمانے میں فیضیاب ہوے، پہلی فارغ ہونے والی جماعت میں (جو کانپور سے ساتھ آئی تھی) مولوی سید محمد علی صاحب مولوی عبد الغنی خان صاحب مولوی احمد حسن صاحب مولوی عبد اللہ صاحب ٹونکی، مولوی عبد الحق صاحب دہلوی صاحب تفسیر حقانی اور مولوی سید محمد اسحق صاحب بہاری شامل تھے دیکھو! انمیں سے ہر ایک کس شان علمی میں جلوہ فرما ہوا ثانی الذکر بعد فراغ استاد کی جگہ کانپور میں مدرسہ فیض عام کے مدرس اول مقرر ہوئے، ایک خط میرے پاس محفوظ ہے جس میں مولوی عبد الحئی صاحب مرحوم فرنگی محل نے موخر الذکر موصوف کی قوت تدریس کی مدح و ثنا لکھی ہے

ذرا یہ بھی سن لو کہ یہ علما کس طرح پیدا ہوئے، میرے استاد نے مجھے بیان فرمایا کہ ایک بار میرزا دبیر مرحوم لکھنؤ سے کانپور آئے، ان کی آمد نے کانپور میں ایک غلغلہ ڈالدیا، مولوی صاحب نے شاگردوں کو اجازت دی بلکہ شوق دلایا کہ مرزا صاحب کو دیکھیں! ان کا پڑھنا سنیں، پھر یہ موقع کہاں ملیگا، فرماتے تھے مجھکو سبقوں نے مہلت ہی نہ دی کہ جاتا، نہ دیکھنے کا اب تک افسوس ہے، یہ بھی فرماتے تھے کہ علیگڈھ میں طلبا کے رہنے کی جگہ جامع مسجد کے حجرے تھے، دو مجبوب حجرے اور بھی تھے، جامع مسجد کے عالیشان میناروں

مین زینہ کی گھوم سے درمیان مین جو وسعت پیدا ہوگئی ہے وہ بھی حجرے کا کام دیتی، شائق طلبا ان کی فکر مین رہتے، خالی ہونے سے پہلے درخواستین گذر جاتین، فرماتے تھے کہ ایک بار اُن مین سے ایک حجرہ مجھکو بھی مل گیا تھا نیچے کا دروازہ بند کرکے مطالعہ کو بیٹھ جاتا تو دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہتی، مطالعہ کا جو لطف وہان آیا کہین نہ ملا، یہ بھی فرماتے تھے کہ درس سے فارغ ہوکر پہلی فکر یہی ہوتی کہ استاد کی تقریر دل مین ایسی نقش ہو کہ کبھی نہ بھولے، راستہ اسکی ذہنی تکرار مین صرف ہوتا، مکان پر پہنچکر فوراً قلمبند کیجاتی، اس عرصے مین دوسرے ہم سبق آجاتے اُن سے تکرار کیجاتی، ہر ایک اپنی اپنی یاد سے اعادہ کرتا، اتنی کاوش کے بعد جب تقریر ذہن نشین ہولیتی تو چین سے بیٹھتے ضروریات کی جانب توجہ کرتے،

یہ بافیض درس ۱۲۸۵ھ سے تا بہ ۱۳۱۲ھ، ۲۷ برس مسلسل حیدرآباد کے تعلق تک جاری رہا، استادون نے پڑھا، باپون نے پڑھا، شاگردون کے شاگرد اور بیٹے بھی فیضیاب ہوئے، عجب اتفاق ہے سب سے پہلے دور مین میرے مکرم استاد مولوی عبد الغنی خان صاحب نے پڑھا تھا، سب سے آخر کے باقاعدہ دور مین ننگ تلامذہ راقم شروانی شامل تھا، اس درس مین میرے ہم سبق مولوی امانت اللہ صاحب مرحوم، مولوی سید عبد اللطیف صاحب پروفیسر جامعہ عثمانیہ، مولوی محمد ہاشم مرحوم سنبھلی مولوی صدیق حسین حال مدرس مدرسہ جامع مسجد، مولوی اظہر حسین مرحوم بہاری تھے، سوا اس عاجز کے سب کے سب عالم اور علم کے خادم بنے،

جامع مسجد کے دورِ درس مین یہ چبوترہ اس سہ دری سے جو شمال رُخ تھا جو جنوبی منارے کے متصل ہے، مولوی عبد القدوس صاحب پنجابی مسجد کے اندر درس دیتے، حافظ رحیم بخش مرحوم قرآن شریف حفظ کراتے، ایک دوسرے مولوی عبد القدوس فارسی پڑھاتے، طلبا کی کثرت تھی، جامع مسجد مین نماز کی جماعتین بڑی شان سے ہوتی تھین، شہر کے دوسری مسجدین بھی طلبا سے آباد تھین،

یہ یادگار زمانہ درس اس شان سے جاری تھا کہ اس کو صدمہ پہنچا، اس عہد مین تقلید و عدم تقلید کے جو ہنگامے ملک مین برپا تھے ایک بار بیچارہ کول بھی ان کی زد مین آگیا، معرکے گرم ہوئے، مخالفت کے طوفان اٹھے

مولوی صاحب نے جامع مسجد مین درس موقوف فرما دیا، مکان کے قریب ایک چھوٹا کمرہ کرایہ پر لیکر اس مین پڑھاتے تھے، مین وہین حاضر ہوا، ایک شکستہ بوریئے پر نشست ہوتی، دل مین اب تک اس عزت کی یاد ہے، کاش پھر نصیب ہوتی، طوفان بے تمیزی کا انجام یہ ہوا کہ مولوی صاحب کو زہر دیا گیا۔

زہر خورانی | ۲۲ محرم الحرام ۱۳۱۲ھ مطابق ۲۵ اگست ۱۸۹۴ء کو ایک خط مولوی صاحب کی خدمت مین آیا، لکھا تھا کہ مین آپ کا شاگرد ہون، تلاش معاش مین سرگردان تھا، ان نے منت مانی تھی کہ نوکری لگنے پر پہلی تنخواہ سے مولود شریف کی مجلس کرونگی، چنانچہ ملازمت ملجانے پر مجلس کیگئی، شیرینی آپکی خدمت مین بھی بھیجتا ہون، دوسرے روز ایک شاگرد اسٹیشن جاکر پارسل لے آئے، اندر بھیجدیا، کھولا تو ٹکی کے بڑے بڑے لڈو نکلے، ان مین سپید سپید مصری کے دانے بکثرت چمک رہے تھے، تبرک کے خیال سے پارسل کے کھلتے ہی آدھا لڈو مولوی صاحب نے کھالیا، اتفاقاً کوئی اور عزیز اس وقت پاس نہ تھا، ورنہ حسب عادت اوّل اسکو کھلاتے،

تھوڑی دیر مین قلب پر گھبراہٹ محسوس ہوئی، استفراغ ہوا، بی بی صاحبہ کو بلاکر ماجرا کہا، انھون نے فوراً منجھلے صاجزادہ مولوی عنایت اللہ صاحب کو طلب کیا، جو درس چھوڑکر فوراً حاضر ہوئے، یہ طبیب بھی تھے، دیکھا کہ استفراغ جاری تھا، گھبراکر سبب پوچھا تو پارسل کے آنے اور لڈو کھانے کا واقعہ معلوم ہوا، لڈو دیکھے تو معلوم ہوا کہ مصری نہ تھی، سنکھیا سے بھرے ہوئے تھے، بہر حال یونانی اور ڈاکٹری حکمت تدابیر کی گئین، طبیب اور ڈاکٹر برابر حاضر رہے، شہر مین ایک تلاطم تھا، شب کو حالت زیادہ نازک ہوگئی جس سے معالج بھی گھبراگئے،

قصہ مختصر فضل الٰہی شامل حال تھا کہ اس سخت حملے سے نجات ملی، ۲ ستمبر کو غسل صحت ہوا، اہل شہر نے اظہار مسرت وشکر اس طرح کیا کہ چندہ کرکے جامع مسجد مین شب کو مجلس میلاد مبارک منعقد کی، روشنی کی گئی، صبح کو شیرینی تقسیم ہوئی،

پولس نے مجرم کی تلاش کی، پتہ نہ چلا، مولوی صاحب نے کسی پر شبہہ ظاہر نہین فرمایا، اس پر ہمیشہ شکر فرماتے تھے کہ پارسل کھلنے کے وقت کوئی عزیز پاس نہ تھا، ورنہ وہ بھی شیرینی سے

مسموم ہو جاتا، مہربانِ نامہربان نے تو اپنے زعم باطل مین سارے گھر کے خاتمے کا سامان کر دیا تھا مگر ع

"دشمن اگر قوی ست، نگہبان قوی تر است"

اس حادثے نے علمی مصیبت کی شکل یہ اختیار کی کہ مولوی صاحب کا دل علیگڑھ سے بیزار ہو گیا، درس کی جانب رغبت نہ رہی، طلبا کی خاطر سے بادل ناخواستہ پڑھاتے تھے اس پر بھی ناغہ بہت ہوتا، دست قدرت نے جلد علیگڑھ کے ساکنین کو یہ دکھا دیا کہ اب وہ اس قابل نہ رہے تھے کہ علم و فضل کا ایسا سرمایہ دار ان مین رہتا،

تعلق حیدر آباد | غفران منزل آصفجاہ سادس کی فرمانروائی اور سر وقار الامرا مرحوم کی مدار المہامی کا دور تھا، مدار المہام کو مسلمانون کی مذہبی تباہ حالی کا احساس ہوا، یہ ارادہ کیا کہ کوئی بلند پایہ عالم شمالی ہند سے طلب کر کے خدمت اصلاح سپرد کرین، اتفاق وقت مولوی صاحب کے ایک بنگالی طالب علم اس زمانے مین مزاج مین درخور تھے قدرۃً انھون نے اپنے استاد کے تقرر کی تجویز پیش کی، مدار المہام نے منظور کی، چنانچہ دسمبر ۱۸۹۴ء مین (یعنی زہر خورانی کے واقعے کے تین مہینے بعد ہی) حیدر آباد سے مراسلہ آیا کہ یہ تقرر منظور ہو تو سفر خرچ بھیجا جائے، یہان سے منظوری گئی، وہان سے زاد راہ آگیا،

مشاہرہ سات سو روپیہ ماہوار، خدمت صدارت المدرسین۔

۲۸ فروری ۱۸۹۵ء کو بعد نماز جمعہ اہل شہر سے رخصت ہو کر حیدر آباد روانہ ہوئے، منجھلے فرزند مولوی عنایت اللہ صاحب کو اپنی جگہ جامع مسجد مین صدر مدرس مقرر کیا۔

تین نامور شاگرد مولوی سید محمد علی صاحب، مولوی عبد الغنی خان صاحب اور مولوی عبد الجلیل صاحب افغانی اور چھوٹے صاحبزادہ میان عبد الحمید ہمراہ تھے، حیدر آباد پہنچنے پر شایستہ استقبال ہوا، مہمان خانہ ریاست مین قیام،

قضائے الٰہی اسی عرصے مین مفتی عدالت مفتی محمد سعید صاحب مرحوم نے (جو مدراس کے علمی خاندان کے

سرمایۂ سعادت تھی) انتقال فرمایا، قدرت نے مولوی صاحب کو بجائے خدمت صدر المدرسین کے اس عہدے کیلئے نامزد کیا تھا، چنانچہ ایک ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ پر، ۵ مارچ ۱۸۹۵ء کو عہدۂ مذکور پر تقرر ہوگیا،

ممالک محروسۂ سرکار عالی میں اب تک مطابق شرع قصاص کا طریقہ جاری ہے، یہاں نہیں ہے قصاص کے لیے حضور نظام کی منظوری بحیثیت فرمانروائے اسلام ضروری ہے حضور اس وقت منظور فرماتے ہیں کہ مفتی شرع فتویٰ دیں، اس خدمت کے لیے عہدۂ افتا مجلس عدالت العالیہ (ہائی کورٹ) میں قائم ہے، ضرورت کے وقت مفتی اجلاس میں بیٹھکر ججوں کے ساتھ بھی کام کرتے تھے،

نواب وقار الامرا بڑے سیر چشم عالی حوصلہ امیر تھے، عمارت کا ایسا سلیقہ تھا کہ انگریزوں کو بھی کم حاصل ہوا ہوگا، قصر فلک نما ان کے ذوقِ تعمیر کی نادر شہادت ہے،

مفتی صاحب کی (اب ہم مولوی صاحب کو مفتی صاحب کے لقب سے یاد کرتے ہیں) تعظیم و بزرگداشت ہمیشہ ملحوظ رکھتے، اطلاع ہونے پر فوراً یاد فرماتے، تعظیم کو کھڑے ہو جاتے، بعض اوقات کرسی اپنے ہاتھ سے بچھاتے،

چند سال یہ خدمت انجام دی تھی کہ قویٰ کے ضعیف ہونے پر اثر سمیت نے پھر قوت دکھائی، ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۰۱ء میں دفعۃً درد سر شدید لاحق ہوا، صاحبزادہ مولوی امانت اللہ صاحب نے اپنے منجھلے بھائی مولوی عنایت اللہ صاحب کو بلایا، (جو طبیب بھی تھے) انھوں نے سبب مرض سمیت تجویز کرکے معالجہ کیا، چنانچہ روغن کاہو اور روغن بادام سرکہ میں ممزوج کرکے بدفعات ڈھائی سیر سر پر ملا گیا، تب افاقہ ہوا، خارجی تدابیر اس وقت تو مؤثر ہوگئی، مگر پھر دوسرا فساد نمایاں ہوا، تمام جسم پر آبلے نمودار ہو کر پھوٹے اور سارا جسم زخم بن گیا،

"دل ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم"

بالآخر رخصت علالت لیکر دلی تشریف لائے، معالجہ کارگر نہ ہوا، مزید رخصت حاصل کیگئی، افاقہ ہوا تو دکن کو مراجعت کی، زحمت امراض باقی تھی، درد سر شدید مزید براں تھا، بے تکلف علی حزین کا شعر صادق تھا ؎

چہ شد یارب کہ امشب درد سر تسکین نمی یابد ۔۔۔ زبے تابی سرم میگردد و بالین نمی یابد

مولوی عنایت اللہ صاحب بھوپال سے پھر طلب ہوئے، ان کی تدبیر سے درد سر رفع ہوگیا، باقی امراض کا علاج لوکا بابو ایک مدراسی وید نے بڑے معرکے سے کیا، دو مہینے سے زیادہ معالجہ جاری رہا، پوری صحت ہوگئی، اب تیسرا مرض ضعف پیری نمودار ہوا، آنکھون کی بینائی سرعت سے کم ہونے لگی، اس عالم مین ایک خط مولوی عنایت اللہ صاحب کو لکھا ہے اس مین تحریر فرماتے ہین :-

"ان آنکھون سے اگر بیت اللہ اور روضۂ اقدس کو نہ دیکھا تو واے برمن و واے بر ناکامی من،

خیر، رضینا بما قضا اللہ علینا"

مراجعت وطن | چھ سات مہینے مین روشنی بالکل جاتی رہی، روشنی کے ساتھ تعلق ریاست بھی گیا، علیگڑھ تشریف لائے، ڈاکٹرون نے پانی پختہ ہونے کے لیے ڈیڑھ دو سال کی مدت معین کی، چنانچہ یہ زمانہ صبر و رضا سے بسر فرمایا،

۱۳ مارچ ۱۹۰۶ء کو لکھنؤ کے مشہور معالج چشم ڈاکٹر اینڈرسن نے بڑی توجہ اور بزرگ داشت کا بیاب قدح کیا، ڈاکٹر کی رائے تھی کہ ایک آنکھ کا آپریشن ہو دوسری دوسرے وقت کے لیے محفوظ رہے، ادھر سے اصرار ہوا کہ دونون آنکھ کا آپریشن کر دیا جائے، حسرت اس پر ہے کہ اپریشن کے بعد ضروری احتیاط نہ کی گئی، حرکت کرنا، آواز سے بات کرنا، پانی سے چہرہ کو دھونا وغیرہ ذالک امور ممنوع تھے، باوجود معالج کی تاکید و توجہ کے کسی کی پابندی نہ ہوسکی، نتیجہ یہ کہ دونون آنکھین خراب ہوگئین، ایک کا ڈھیلا بہہ گیا، دوسری خراب ہوکر رہ گئی،

آنکھون کے جانے کا جو صدمہ ہوا ہوگا ظاہر ہے، معذوری نے چلنا پھرنا چھڑا دیا، اس کا اثر عام صحت پر خراب پڑا، مالی دقتین بھی پریشان کرتی رہین، مجھکو اس زمانے مین حاضری کا مسلسل موقع حاصل ہوتا رہا، باوجود معذوری و پریشانی کے رکھ رکھاؤ کا اہتمام پورا تھا، ہمیشہ صابر و راضی برضا دیکھا، لباس وغیرہ صاف مرتب سننے کے لائق یہ بات ہے کہ مرض، عدم بصارت، مالی دقت ان مین سے ہر مصیبت سوہان روح تھی، ہمت و استقلال دیکھو، درس اس حالت مین بھی جاری تھا، مولوی بدر الدین اور مولوی کرم الٰہی اسی زمانے کے تلامذہ مین ہین، زیادہ توجہ درس حدیث و تفسیر پر تھی، غایت شوق فرماتے تھے "میان مولوی

بدر الدین جب پڑھنے آجاتے ہین تو مین اپنی تکلیفین بھول جاتا ہون، اور جب تک ان کو پڑھاتا رہتا ہون ہائے ہائے سے نجات مل جاتی ہے"،

اسی زمانے کا ایک واقعہ مولوی سید سلیمان اشرف صاحب نے بیان فرمایا، اپنے علیگڈھ آنے کے تیسرے ہی دن سلام کو حاضر ہوے، ایک روز پہلے جامع مسجد مین بیان ہو چکا تھا، حاضری پر مخصوص خاندانی طریقے سے قدم لیے، مولوی صاحب اس وقت آرام کرسی پر آرام فرما تھے، بغیر تعارف صاف الفاظ مین فرمایا "مولوی سلیمان اشرف" ، در پھر شعر پڑھا،

گر تو تعظیم خواہی از من زار بہر تعلیم خود مرا بردار،

دوسرا واقعہ صاحبزادہ مولوی امانت اللہ صاحب کی زبانی، شرح چغمینی کے پڑھانے مین ایک دائرہ کے متعلق اشکال پیش آیا، حاضر خدمت ہو کر مشکل پیش کی، فرمایا، امانت اللہ! اب دماغ کہان رہا خیر ایک لوٹا مٹی کا ے لو، لوٹا لایا گیا، ایک ہاتھ پر الٹا کر کے کرہ بنا لیا، دوسرے ہاتھ کی انگلی کو کر دی حرکت دی، صاحبزادہ کا بیان ہے کہ انگلی کا حرکت کرنا اور مسئلے کا سمجھ مین آجانا گویا ایک ہی بات تھی،

تیسرے واقعے کا مولوی معین الدین صاحب اجمیری نے ذکر کیا میر زاہد کی ایک تقریر باوجود فکر رغور کے سمجھ مین نہین آتی تھی، حاضری کے وقت اشکال پیش کیا، سنتے ہی فرمایا کہ اس مسئلے کے متعلق اوپر کے مقدمات کی تقریر مین فلان غلطی ہوئی ہے، اسکی تقریر اس طرح کرو حل ہو جائیگا، چنانچہ تقریر زاہدی کا مضمون صاف ہوگیا،

وفات | ۱۳۳۴ھ مین عرفے کے دن مطابق ۸ راکتوبر ۱۹۱۶ء تین اور چار بجے، سہ پہر کے درمیان بمقام کول (علیگڈھ) انتقال فرمایا، یہ وہ دن تھا کہ میدان عرفات اہل ایمان کی لبیک سے گونج رہا تھا، نوّے برس کی عمر ہوئی، حضرت شاہ جمال العارفین کے جوار مین آسودہ ہین، چند قدم کے فاصلہ پر شاگرد رشید مولوی عبد الغنی خان صاحب مدفون ہین،

حلیہ | بلند بالا۔ بدن دوہرا، رنگ سرخ سپید سینہ چوڑا، پیشانی وسیع آنکھین بڑی روشن، ناک دراز بھاری ہونٹ باریک، دہانہ چھوٹا، گردن لانبی، داڑھی سپید نورانی، ہنس مکھ چہرہ۔ زہر کے اثر سے پہلے قوی اعلیٰ درجہ

کے تھے صحت بہت اچھی تھی، سردی گرمی اور محنت کے اثر سے بالاتر،

لباس | انگرکھا، کرتا، عرض کا پائجامہ سر پر اکثر دو پلی ٹوپی، خاص اوقات مین منشیانہ طرز کا عمامہ سر پر، اس پر سے سپید چادر، مردانہ مین ہمیشہ پورے لباس مین نمودار ہوتے، صرف کرتے مین کبھی برآمد نہ ہوتے، کرتہ جسم سے گرمی مین یا تخلیہ مین بھی جدا نہ ہوتا، لباس کی درستی اور صفائی کا پورا اہتمام رہتا، مین نے مرض اور نابینائی کی حالت مین بھی لباس میلا یا فرسودہ نہین دیکھا،

عادات | نشست برخاست اور گفتگو مین تہذیب و وقار کی پوری شان تھی، نگاہ نیچی رہتی، کم سخن تھے، خاموشی مین بھی ایک عالم شگفتگی محسوس ہوتا، روش سادہ تھی، جفاکشی اور محنت داخل عادات تھی، چھتری کبھی نہ لگاتے شدت گرما مین سر پر چادر رکھکر دھوپ مین چلے جاتے، اس سلسلے مین ایک جان پرور واقعہ سن لو،

گرمی کے سخت موسم مین ایک بار مدرسہ عالیہ کا امتحان لینے رامپور تشریف لے گئے، امتحان سے فارغ ہوتے ہوتے دوپہر کے بارہ بجگئے، حسب عادت سر پر چادر رکھکر پیادہ پا استاذ العلما مولوی محمد ہدایت اللہ خانصاحب صدر مدرس مدرسہ جونپور کے مکان پر جا پہنچے، مولوی صاحب قیلولے کے لیے زنانہ مکان مین جا چکے تھے، اطلاع پر باہر تشریف لائے، اول ایک پلنگ پر صاف ستھرا بستر بچھوایا، اس کے بعد مہمان محترم کی پذیرائی فرمائی،

شان پذیرائی غور سے سنو، اب یہ واقعے کہان، دیکھنا درکنار سنو گے بھی نہین، اپنے بھتیجے حافظ اسعد اللہ خان کو بھیجکر کنوئین سے تازہ پانی منگوایا، مہمان گرامی کے پاؤن پر حزیز سے پانی ڈالوایا، اپنے ہاتھ سے دھوئے، سقاہ اللہ تعالی کاسا دہاقًا ابھی کریم النفسی کی داستان باقی ہے، رامپوری فاضل اجل نے راوی سے یہ واقعہ بیان فرمایا تو یون کہا کہ مولوی لطف اللہ صاحب نے بڑا کرم فرمایا ایسی دھوپ مین تکلیف فرمائی، اور وہ بھی پیادہ پا، اپنی خدمت کا تذکرہ درکنار اشارہ بھی نہ کیا، ایک موقع پر حسب راوی موصوف نے مفتی صاحب سے مولوی صاحب کی شکر گذاری کا ذکر کیا تو فرمایا کہ مین نے کیا کرم کیا مجھکو تو دوپہر کہین بسر کرنی تھی وہین چلا گیا، کرم تو مولوی صاحب نے فرمایا یہ کہکر پانی منگوانے اور پاؤن دھلانے کا واقعہ بیان فرمایا، دیکھو یہ تھے وہ پاک مشرب صاف سینے جنکے علمی فیض کے

چشمے نہین دریا ہئے، رحمہا اللہ تعالی،

آدم بر سر مطلب، مزاج شگفتہ تھا، با مذاق تھا، تکلف سے بری تھے، خاص صحبتون مین مزاح بھی فرماتے شعر کا ذوق پورا تھا، خاص صحبتون مین اشعار کا ذکر چھڑ جاتا تو گھنٹون جاری رہتا، اشعار لطیف پڑھتے، لطف و خوبی ظاہر فرماتے، ایک ہی قافیہ یا مضمون پر متعدد اساتذہ کا کلام سناتے، عربی، فارسی، اردو ادب سے یکسان ذوق تھا، مجھکو یاد ہے کہ ایک صحبت مین ہوشم اور روشم کی طرح پر بہت سے مطلع اساتذہ کے پڑھے تھے، مین مطلعے اب تک یاد ہین، صائب ؎

نمی دانم کرا دیدم کہ از خود می روو ہوشم | جنون آہستہ می گوید بیا رکباد در گوشم

لا ادری ؎

بیک پیمانہ ساقی کرد مدہوش آنچنان دوشم | کہ از محفل حریفان چون سبو بردند بر دوشم

مولوی فیض الحسن سہارنپوری، ؎

صلا زدم کہ من آزادہ ٔ نمد پوشم | غلام حیدرم و جام حیدری نوشم

جام حیدری کی تعریف فرمائی،

گفتگو ہر شخص سے علی قدر مراتب شفقت و محبت سے فرماتے جسکا اثر سامع محسوس کرکے محظوظ ہوتا تعلی یا ادعا کا شائبہ بھی کلام مین نہ پایا جاتا، تقدس آبی اور جلوہ نمائی پاس نہ تھی، تلاوت کلام مجید بھی تخلیے مین فرماتے، سخت کلامی اور فحش الفاظ غصے مین بھی زبان سے نہ نکلتے، ملازمون کے لیے انتہائی غصے کے الفاظ یہ تھے، "تم بچھیا کے بڑے ہو" "نالائق ہو" (گویا نالائق کا نعم البدل ہے)

سیر چشم اور فیاض تھے، اسی لیے اکثر قرض کا بار رہتا، حیدرآباد کے تعلق کے زمانے مین ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ بدقت کفایت کرتی، شادیون مین دعوتین بڑے حوصلے سے ہوتین، جنکو، کو ماہی بان جاتے، شادی کی تقریبون مین تلامذہ کا اجتماع قابل دید ہوتا، جنمین بڑے بڑے علما ہوتے، سب کے سب مہمانون کی خدمت بے تکان

کرتے، مولوی ہی پلنگ بچھاتے دوسرا سامان آسایش مہیا کرتے، ایک تقریب مین میرے قیامگاہ مین مولوی ظہور الاسلام صاحب فتحپوری مرحوم سامان لائے تو مین نے معذرت کی اور کہا کہ آپ تکلیف نہ کرین، ہنسکر فرمایا یہان مولویون کے سوا ہے کون جو تمھارا کام کریگا،

ایک تقریب مین شام کے وقت مین نے دیکھا کہ متعدد چار پائیون پر تلامذہ بیٹھے ہوئے تھے، ان مین مولوی سید محمد علی صاحب، مولوی عبد الغنی خان صاحب، مولوی احمد حسن صاحب، مولوی عبد الجمیل صاحب افغانی (صدر مدرس ویلور مدراس) مولوی سید ظہور الاسلام صاحب وغیرہم تھے آج ان کی نظیر سارے ہندوستان مین مشکل سے ملیگی، ایک کالستھہ شاگرد بھی تھے جلسے برادرانہ برتاؤ ہو رہا تھا،

ضروری واقعات سے باخبر رہنا اور حسب موقع ان مین حصہ لینا داخل اخلاق تھا، جو خلاصے جنتریون کے میرے سامنے ہین وہ اس کے شاہد ہین، ایک اندراج میرا سرمایہ نازش ہے، "۲ مارچ ۱۹۰۵ء حبیب الرحمن خان نے پڑھنا شروع کیا"

علماے معاصرین کے علم و فضل کا اعتراف شامل وضع تھا، سب کے ساتھ محبت تھی، انکی وفات سے سخت متاثر و متاسف ہوتے، جنتریون کے اندراجون مین مولوی عبد الحئی صاحب فرنگی محلی، مولوی فیض الحسن صاحب سہارنپوری، مولوی ارشاد حسین صاحب رامپوری وغیرہم کی وفات کا صدمہ صاف عیان ہے، رحمہم اللہ تعالیٰ مولوی اسمٰعیل صاحب اسرائیلی سے حالانکہ بے لطفی رہتی تھی، مگر دلی سے جب ان کے وفات کی خبر آئی تو بے اختیار آنکھون سے آنسو جاری تھے اور فرماتے تھے "مولوی اسمٰعیل اپنی ذات سے بہت اچھے آدمی تھے"،

بازار کے چٹ پٹے کباب بہت مرغوب تھے، فرمایش ہوتی کہ دلی کی جامع مسجد کی سیڑھیون کے کباب گرما گرم آئین، عزیز شاگرد اہتمام کرکے لاتے اور دعائین لیتے، حالت علالت مین یہ شوق معالج اور تیمار دارون کے لیے مصیبت ہو جاتا، باورچی خانہ مین عمدہ سیخ کے کباب تیار کرائے جائے، پسند نہ ہوتے،

درس | مفتی صاحب کا مخصوص کمال درس تھا، اللہ تعالیٰ نے عمر درازبخشی، صحت و قوت وافر عطا فرمائی، علم کی

دولت سے مالامال فرمایا، یہ سارا سرمایہ تدریس و تعلیم مین صرف فرمادیا، معتبر شہادت اسکی موجود ہے کہ شباب تدریس کے وقت مین بیس بیس سبق روزانہ پڑھائے، مولوی فضل حق صاحب مرحوم خیرآبادی کا ایک خط میرے پاس ہے، اس مین تحریر فرماتے ہین کہ آجکل درس قوت سے جاری ہے، ستو لہ سبق روزانہ پڑھائے جاتے ہین، یہ قیام الورکا واقعہ تھا، علی گڑھ مین درس کا سلسلہ ۱۲۸۵ھ سے ۱۳۱۲ھ تک ستائیس سال جاری رہا، اس سے پہلے سات برس فیض عام کانپور مین درس دیا جا چکا تھا، اس طرح چونتیس برس پوری قوت کے ساتھ مجلس تدریس گرم رہی، برسون یہ معمول رہا کہ صبح کی نماز سے فارغ ہو کر جامع مسجد مین تدریس شروع فرما دیتے، دوپہر کا کھانا وہین آجاتا، عشا پڑھکر مسجد سے مکان تشریف لیجاتے .

طلبا کو مطالعے کی تاکید رہتی، اگر کسی طالب علم کی خامی ثابت ہوتی اس کا سبق ناغہ کر دیا جاتا، فرماتے کل مطالعہ دیکھکر پڑھنا، یہ فرمایش تلخی یا سختی سے نہ ہوتی بلکہ نرمی سے یون فرماتے آج شاید مطالعہ نہین کیا جو مطلب سمجھنے مین دشواری ہوتی ہے کل مطالعہ دیکھکر پڑھنا، یہ روک ٹوک کا سلسلہ خوبی سے ہمیشہ جاری رہتا، منجھلے فرزند مولوی عنایت اللہ صاحب درس دے کر بھوپال مین مفتی مقرر ہو چکے ہین، اس زمانے مین ایک خط مین مضمون (بروزن مسئول) قلم سے نکلا، مفتی صاحب نے لکھا کہ مضمون بروزن مقول ہے ہمزہ کیون لکھا،

ایک اور والا نامے مین فرماتے ہین، (خلاصۃً) عنایت اللہ اپنی تعلیم مین نہین چاہتا تمھاری تحریر کی شایستگی کے خیال سے لکھتا ہون کہ بڑون کے خط مین آخر والسلام کے ساتھ کوئی لفظ تعظیمی لکھدیا کرو مثلاً بالاکرام، برابر والون کو مثلاً "ختم الکلام"

قاضی حسام الدین کشمیری سات برس حاضر درس رہے، اپنی یادداشت مین لکھتے ہین کہ اس عرصۂ دراز مین صرف دو یا تین بار طلبا کی کج بحثی پر مولوی صاحب کو غصہ آتے مین نے دیکھا، اسی کے ساتھ دوسرے وقت شفقت سے اسکو مطلب سمجھا دیا .

تدریس کے وقت وقار و تمکین کے ساتھ نشست فرماتے، گھٹنون برابر ایک پہلو سے بیٹھے رہتے، کتاب

ہمیشہ ہاتھ مین کھلی رہتی جماعت مین باری باری سے ایک طالب علم قاری ہوتا، باقی سامع، الحمد للہ مجھکو بھی بارہا قاری ہونے کا شرف حاصل ہوا قاری عبارت پڑھکر ترجمہ کرتا، اس کے خاموش ہونے پر تقریر فرماتے تقریر صاف، سلیس اور بسیط ہوتی، طویل نہین، لہجے سے شفقت اور فیض رسانی کا لطف محسوس ہوتا، مستعد طلبا کے لیے پہلی تقریر کافی ہوتی، جو سمجھتے ان کے لیے دوبارہ سہ بارہ تقریر فرماتے بشاشت مین فرق نہ آتا، اعتراضون کا جواب نرمی اور تحمل سے دیا جاتا، تمام مراحل طے ہونے پر طلبہ سے دریافت فرماتے سب مطلب سمجھ لیا جواب اثبات مین ملنے پر آگے پڑھنے کا حکم ہوتا، خوبی تقریر اپنے درس مین یہ دیکھی کہ قاضی مبارک حمد اللہ میر زاہد رسالہ اور غلام یحییٰ کے دقیق مطالب پانی ہو کر رواں ہوتے تھے، حالت درس مین کوئی خاص ملنے والے آجاتے تو درس بند کر کے انکی جانب متوجہ ہو جاتے،

ایک بار مولوی عبد الحق صاحب خیر آبادی تشریف لے آئے، حسب عادت درس بند کر کے سرو قد ہو کر پذیرائی فرمائی، مزاج پرسی وغیرہ رسمی مراتب گفتگو کے بعد فاضل خیر آبادی نے فرمایا کہ طلبا کا وقت بہت عزیز ہے، ہرج نہ فرمایئے قاضی مبارک کا درس ہونے لگا، خیر آبادی مولوی صاحب سنتے رہے ختم ہونے پر طلبا سے کہا کہ تمھارے استاد کی تقریر ایسی ہے کہ اعتراض خود بخود دفع ہوتے جاتے ہین، جب کوئی معرکے کا مسئلہ آنے والا ہوتا تو طلبا سے فرما دیتے کہ مطالعہ اہتمام سے کرنا کل فلان مشکل مسئلے پر گفتگو ہوگی، دوسرے روز تقریر ہوتی تو خود اشکال مشکل مین پڑجاتا، مسئلے کی صاف واضح صورت ذہن مین آجاتی، ایسے موقعے پر دوسرے اساتذہ کی تقریرین بھی بیان فرماتے مگر ان پر جرح قدح نہ فرماتے، طلبا کو خود اندازہ ہو جاتا کہ کون سی تقریر کس پایے کی ہے، قاضی سعد الدین مرحوم نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ ان کے درس کے زمانے مین صحیح بخاری کا نسخہ کھلا ہوا سید سے ہاتھ مین پڑھانے کے پورے وقت تک رہتا، یہ وقت گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے سے کم نہ ہوتا، حالت درس مین بھی شکستگی اور تواضع کا جلوہ نظر آتا،

درس کی خصوصیت یہ تھی کہ تمام علوم یکسان قوت سے پڑھاتے تھے، ریاضی کے درس کا تفوق مسلم تھا، مطالعے سے ہیئت جدید کے مسائل پر بھی پورا عبور حاصل فرما لیا تھا، متعدد نقشے سیارون کی تقویم کے جدید نظام

کے مطابق) یاد داشتون مین موجود ہین، فرماتے تھے قدرت کی وسعت جدید علم ہیئت مین پائی جاتی ہے، قدیم ہیئت نے تو تمام کائنات کو نو درس کرون مین بند کر دیا ہے،

بڑی اور چھوٹی کتابین ایک ہی توجہ سے پڑھائی جاتین، ایک بار لڑکپن مین اپنے عم محترم مولوی عبد الشکور خانصاحب مرحوم کے ساتھ مین ایک بار چند روز علی گڈہ رہا تھا، ہرج سبق کے لحاظ سے ممدوح نے فرمایش کی کہ کوئی طالب علم سبق پڑھانے پر مقرر کر دیئے جائین، زہے قسمت کہ حضرت نے خود تکلیف فرمائی، بعد مغرب تشریف لاکر سبق پڑھا دیتے، اس وقت مین بدیع المیزان پڑھتا تھا، پہلے روز دیباچہ پڑھوا کر سنا، مین نے مولف کی نسبت تلمبی، تلمبی بروزن زینبی پڑھی، فرمایا "تلنب بروزن سرنگ، نسبت اسکی طرف تلنبی" اس واقعہ کو نصف صدی سے زیادہ زمانہ گذر چکا، اس لفظ کے ادا فرمانے کی آواز آج گویا کانون مین گونج رہی ہے اور لفظ تلنبی کو دونون لب ملا کر ادا فرمانا گویا اس وقت آنکھین دیکھتی ہین، یہ تھا سمجھانے کا دل نشین انداز، رحمہ اللہ تعالیٰ،

درس کی ہر فنی قوت کا اندازہ ذیل کے دو واقعون سے کرو، یہ دونون واقعے مولوی سید عبد اللطیف صاحب میرے ہمدرس نے بیان کئے ہین،

ایک مولوی سید محمد علی صاحب مرحوم کانپوری کی زبانی، مولوی صاحب صحاح ستہ کا دور علی گڈہ مین ختم کرکے سہارنپور مولوی احمد علی صاحب مرحوم سے حدیث پڑھنے گئے تھے، چنانچہ دورہ ختم کرکے سند حاصل کی، فرماتے تھے کہ سہارنپور مین رجال اور اسانید کی تحقیق علیگڈہ سے زائد تھی، مگر کتاب اور حدیث کا مطلب اتنا ہی تھا جتنا علی گڈہ مین تھا،

دوسرا واقعہ خود ان کے والد کی زبانی، موصوف نے علی گڈہ مین ادب عربی دوسرے فنون کے ساتھ پڑھا تھا، یہان سے جاکر لاہور مین مولوی فیض الحسن صاحب مرحوم ادیب نامور سے پڑھا، بعد فراغ کہا کرتے تھے کہ لاہور مین ایام عرب وغیرہ کا بیان بیشک بہتر تھا، لیکن اشعار کا مطلب علیگڈہ کے درس سے زیادہ نہ تھا، انتہی، مولوی صاحب کو ملا عبد الحکیم سیالکوٹی رحمہ اللہ کی کتابدانی اور حل مطالب کا اعتراف تھا،

تکفیر سے احتراز | مولوی صاحب کا مشرب بہت وسیع تھا، کبھی کسی کی تکفیر سے قلم آلودہ نہیں فرمایا، نہ کبھی مسائل اختلافی کے مباحث میں حصہ لیا، حیدرآباد سے ایک خط میں فرزند دلبند کو لکھتے ہیں کہ علت زاغ کے مسئلے میں مخالف اور موافق دونوں فریق مجھکو لکھ رہے ہیں اور میری رائے کے جویا ہیں، مگر میں اس اختلافی مسئلے پر کچھ نہ لکھونگا، اسی وسعت مشرب کا ظہور ندوۃ العلما کے قیام و ترقی میں ہوا،

تصنیف | کبھی کوئی تصنیف نہیں کی، تمام وقت اور قوت علمی پڑھانے میں صرف فرمائی،

فارسی شعر کہتے تھے، زیادہ تر تاریخیں بعض منظوم خطوط شاگردون کے نام محفوظ ہیں، کلام صاف حشو و زوائد سے پاک ہے، ایک نعتیہ شعر سن لو ؎

مرا بسوے خود اے فخر انبیا برکش | کہ برتری ز سلیمان و کمترم از مور

جملہ معترضہ، انگریزی اس قدر جانتے تھے کہ بوقت ضرورت تار وغیرہ پڑھ لیتے تھے، مولوی عبد القادر صاحب مرحوم جس زمانے میں کانپور میں مدرس تھے ایک سال وبائی ہیضہ وہان پھیلا، موصوف نے ایک تار اسی اثنا میں اپنے والد بزرگوار کے نام کسی ضرورت سے بھیجا، مولوی صاحب تار پاکر قدرۃً گھبرا گئے، مضطربانہ ایک بابو کے پاس جاکر پڑھوایا، اسی روز ارادہ کیا کہ انگریزی اتنی حاصل کرلینی چاہئے کہ ایسی ضرورتون میں محتاجی نہ رہے چنانچہ بطور خود مطالعہ کرکے استعداد حاصل فرمالی،

ندوۃ العلما کی صدارت | ندوۃ العلما جیسی ہمہ گیر مجلس کی صدارت کے لیے ایسا ہی مقبول عام صدر نشین زیبا تھا جیسے کہ مفتی صاحب تھے، اس مجلس کی بنیاد مدرسہ فیض عام کانپور کی دستار بندی کے جلسون میں پڑی تھی، اوپر پڑھ چکے ہو کہ یہ مدرسہ سات برس مفتی صاحب کے درس سے فیضیاب رہا تھا،

شوال ۱۳۱۱ھ میں پہلا اجلاس ہوا، یہ اجلاس اپنی شان اور اجتماع میں خود اپنی نظیر تھا، ایک شان یہ بھی تھی کہ ہر فرقے کے صنادید علما شریک جلسہ تھے، علماے حنفی کے علاوہ اہل حدیث میں سے مولوی ابراہیم آروی، مولوی محمد حسین صاحب بٹیالوی، شیعہ مجتہدین میں مولوی غلام الحسنین صاحب کنتوری شریک جلسہ تھے،

یہ مشاہدہ تھا کہ تمام علما بلا تخصیص فرقہ صدر نشین کی تنظیم و توقیر مین یکسان سرگرم تھے اکرسی صدارت حضرت کے جمال و کمال دونون پر نازان تھی، تحریک صدارت مولوی عبداللہ صاحب ناظم دینیات محمڈن کالج علی گڈھ نے کی، تائید ثانی شاہ محمد حسین صاحب الہ آبادی نے کی تقریر تائیدی مین یہ الفاظ بھی تھے "... مولنا محمد لطف اللہ صاحب کو چونکہ خداوند تعالیٰ نے بسبب عمر و علم کے بزرگی بخشی ہے اور ان کے نام سے خود لطف اللہ مترشح ہے، لہذا ہمارے واسطے ایسے بزرگ کا میر مجلس ہونا باعث خیر و برکات اور لطف اللہ ہوگا" مولوی شبلی صاحب بھی موید مین تھے، اس موقع پر جو رسالہ مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی نے پیش کیا تھا اس مین مفتی عنایت احمد صاحب مولوی لطف اللہ صاحب اور مولوی احمد حسن صاحب کی بڑی شاندار الفاظ مین مدح و ثنا کی تھی،

اس جلسے مین ایک واقعہ قابل بیان پیش آیا، سہ پہر کے اجلاس مین جب مفتی صاحب داخل ہوئے تو دیکھا کہ عام شرکا کی صف مین دو یورپین بھی بیٹھے ہین، دریافت سے معلوم ہوا کہ پادری ہین، مولوی صاحب نے علما کی نشستگاہ پر پہنچکر فرمایا کہ چونکہ یہ دونون بھی اپنے مذہب کے عالم ہین لہذا اس نشستگاہ پر بیٹھنے کی اجازت دیجائے، چنانچہ سب نے منظور فرمایا اور دونون صاحب اوپر آکر بیٹھ گئے،

دوسرے سال اجلاس لکھنؤ مین شرکت سے معذوری رہی، تیسرے برس بریلی کے اجلاس کی صدارت فرمائی، یہ اجلاس بھی اپنی شان مین یادگار رہا، مخالفت کا دور یہین سے شروع ہوا، ان اجلاسون مین خطبۂ صدارت کا فقدان برابر محسوس کیا گیا،

اولاد مفتی صاحب کی شادی جلیسر مین سید رونق علی صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی تھی، اس طرح صاحبزادون کی والدہ اور دادی دونون سیدہ تھین،

اولاد مین چھ لڑکے تھے، لڑکیان علاوہ، لڑکون مین محمد کرامت اللہ کا اوائل عمر مین انتقال ہوگیا تھا سب مین بڑے مولوی عبدالقادر مرحوم تھے، اٹھارہ برس کی عمر مین درس نظامی سے فارغ ہوئے، مولوی عبدالغنی خانصاحب اور اپنے والد ماجد کے شاگرد تھے، حضرت مولنا فضل رحمن مجد دی قدس سرہ سے

بیعت تھی، مولوی عبدالحیٔ صاحب مرحوم فرنگی محلی سے مباحث علمی پر مراسلت رہتی، مدرسۂ فیض عام کانپور مین صدر مدرس رہے، علم رمل سے خوب واقف تھے، ۲۸ برس کی عمر مین دق کے مرض سے ۱۸۸۳ء مین وفات پائی فارسی شعر کہتے تھے، ایک شعر سن لو ؎

دل من شاد گردیدن نداند گر این غنچہ خندیدن نداند

منجھلے مولوی عنایت اللہ صاحب، حکیم و حافظ تھے، اپنے بڑے بھائی اور والد ماجد کے شاگرد تھے، طب سے خداداد مناسبت تھی، علاج خوب کرتے تھے، جامع مسجد مین اپنے والد کی جگہ تقرر حیدرآباد کے زمانے مین کئی سال صدر مدرس رہے، وہان سے بھوپال جاکر اوّل رکن مجلس العلما، اس کے بعد مفتی مقرر ہوئے، وہین ۱۹۳۰ء مین انتقال کیا، سرکار عالیہ سلطان جہان بیگم صاحبہ کے ہمراہ حج و زیارت سے مشرف ہوئے تھے، وہان کے علماء سے کلام اللہ، حدیث، قصیدہ بردہ، دلائل الخیرات وغیرہ کی سندین لائے تھے،

تیسرے مولوی امانت اللہ صاحب، فارغ التحصیل ہوئے، والد اور منجھلے بھائی کے شاگرد تھے، مین انکا ہم سبق رہا، حیدرآباد مفتی صاحب کے ساتھ گئے اور فارغ التحصیل ہوکر لوٹے، منجھلے بھائی کے بھوپال جانے پر جامع مسجد مین صدر مدرس مقرر ہوئے، برسون پورے انہماک اور اہتمام کے ساتھ جملہ علوم کا درس دیا، خاندانی فن ریاضی مین امتیاز تھا، بہت خاموش اور باوضع تھے، پورے مدرس تھے، سوائے پڑھانے کے کوئی مشغلہ محبوب نہ تھا، باسٹھ برس کی عمر کا سرمایہ دو نقطے ہین، پڑھا اور پڑھایا، اپریل ۱۹۳۱ء مین انتقال کیا، غفر لہم،

چوتھے مولوی سلامت اللہ، عربی کے ساتھ انگریزی بھی پڑھی، درسی کتابین ختم نہ کرسکے، حج سے مشرف ہوئے، عدم فراغ کی تلافی یہ ہے کہ نور نظر مولوی حفیظ اللہ جامع مسجد مین مسندِ تدریس پر بعد فراغ متمکن ہین، ریاضی مین ترقی کر رہے ہین،

سب سے چھوٹے عبدالحمید، انگریزی فارسی پڑھی، آخر الذکر دونون صاحبزادے بقید حیات ہین سلّمہما اللہ تعالیٰ

مفتی صاحب کی دستارِ کمال مین ایک طرۂ امتیاز یہ بھی ہے کہ پانچ صاحبزادون مین سے تین صاحب

تدریس ہوئے، ایک پوتے،

اولاد سے مفتی صاحب کو معمول سے زیادہ محبت تھی، اُن کی تھوڑی سی تکلیف بھی نہ دیکھ سکتے تھے قضائے الٰہی کی لخت جگر آنکھون کے سامنے پیوند خاک ہوگئے، سب سے زیادہ صدمہ مولوی عبد القادر صاحب کی وفات کا تھا، اور بجا تھا،

تلامذہ | جو درس چونتیس برس مسلسل اور متفرق طور پر ستر برس جاری رہا اس کے فیضیاب تلامذہ کا استقرار کون کر سکتا ہے، خصوصاً جبکہ شمار اور ضبط کی کبھی پروا بھی نہ کی گئی ہو، دریا مصروف مواجی رہا، امواج کی شمار کون کرتا،

حضرت کے شاگرد مولوی احمد الدین مدرس مدرسۂ دانپور (باشندۂ سرحد) نے مجھ سے یہ بیان کیا کہ ایک موقع پر ان کے وطن مین اہل علم کا مجمع تھا، مفتی صاحب کے فضل و کمال کا ذکر ہونے لگا، اسی ضمن مین شاگردون کی کثرت کا مذکور ہوا، سلسلۂ کلام مین سرحد کے ایک خاص وسیع قطعے کے شاگرد شمار کئے گئے، معلوم ہوا کہ شاگرد اور شاگردون کے شاگرد ڈھائی سو کی تعداد مین مصروف تدریس تھے، مین اس بیان کو کذب پر محمول نہین کرتا، تم کو اختیار ہے کہ مبالغہ مان کر اپنی ہمت کے مطابق تعداد کم کردو، کتنا ہی گھٹاؤ جو تعداد رہیگی کثیر ہی ہیگی،

خود مفتی صاحب اور صاحبزادون کی تحریر سے تلامذہ کے جو نام معلوم ہوسکے درج ذیل ہین، بعض نام مین نے اپنی یاد سے بھی بڑھائے ہین،

دیکھوگے کہ شاگردون مین بہت سے علما ایسے ہین کہ ان کے تذکرے لکھے جائین تو علم مین اضافہ ہو،

صاحبزادگانِ گرامی قدر [۱] مولوی عبد القادر صاحب، مولوی [۲] عنایت اللہ صاحب، مولوی [۳] امانت اللہ صاحب [۴] مولوی سید محمد علی صاحب کانپوری، [۵] مولوی عبد الغنی خانصاحب مئو رشید آبادی، [۶] مولوی احمد حسن صاحب کانپوری [۷] مفتی عبد اللہ صاحب ٹونکی، [۸] مولوی سید محمد اسحاق صاحب پٹیالوی، [۹] مولوی عبد الحق صاحب حقانی دہلوی، [۱۰] مولوی عبد الحق صاحب فتحپوری، [۱۱] مولوی وحید الزمان خان وقار نواز جنگ، [۱۲] مولوی محمد اسحاق صاحب اسرائیلی، [۱۳] مولوی محمد یعقوب صاحب اسرائیلی، [۱۴] حکیم محمد یوسف اسرائیلی، [۱۵] مولوی سید ظہور الاسلام فتحپوری، [۱۶] مولوی الٰہی بخش پنجابی،

[17] مولوی عبدالقدوس پنجابی، [18] مولوی فضل احمد افغانی، (ریاضی میں ماہر وقت) [19] مولوی آل حسن مرادآبادی، [20] مولوی بشیر احمد صاحب علی گڑھی، اب بھی استاد مکرم کے مدرسے میں سرگرم تدریس ہیں، سلمہ اللہ تعالیٰ، [21] مولوی فضل حق صاحب رامپوری صدر مدرس مدرسہ عالیہ رامپور، [22] حکیم عبدالقادر خان شاہجہانپوری افسرالاطبا، ریاست بھوپال، [23] مولوی قمرالدین اجمیری مدیر رسالہ مآل التہذیب، [24] مولوی ناصرالدین، [25] مولوی شمس الدین پنجابی، [26] مولوی راغب اللہ پانی پتی، [27] مولوی محمد اسحاق صاحب سنبھلی، [28] مولوی ہدایت اللہ جلیسری، [29] مولوی عنایت اللہ پنجابی، [30] مولوی دوست محمد خان ساکن سکندرہ راؤ، [31] مولوی محمد ہاشم سنبھلی (میرے ہمدرس) [32] مولوی سید عبداللطیف صاحب پروفیسر جامعۂ عثمانیہ (میرے ہمدرس) [33] مولوی نور محمد پنجابی مدرس مدرسہ فتحپور ہنسوہ، عجب صاحبدل ہستی تھی، [34] مولوی الہ داد خان بنگالی، [35] مولوی احسان علی بنگالی، [36] مولوی حافظ گوہرالدین، [37] مولوی عبدالفتاح، [38] مولوی حافظ محمد فائق، [39] مولوی ماجد علی مدرس مشہور، [40] مولوی عبدالرزاق بنگالی، [41] مولوی ملا مرید پنجابی، [42] مولوی محمد عثمان وزیری، مدرس بھوپال [43] مولوی محب اللہ صاحب ولایتی خلیفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ، [44] مولوی پیر مہر علی شاہ صاحب سجادہ نشین گولڑہ ضلع راولپنڈی، ایک عالم خود ان سے فیض یاب ہے، [45] مولوی امان اللہ کشمیری، [46] قاضی سعدالدین کشمیری [47] مولوی ابوسعید، [48] مولوی عبداللہ پنجابی، [49] مولوی شرف الدین، [50] مولوی نور محمد سندھی، [51] مولوی عبداللہ قائم گجراتی [52] مولوی عبدالعزیز مدراسی، [53] مولوی عبدالصمد بنگالی استاد کے شیدائیوں میں تھے، [54] قاضی سراج احمد گجراتی، [55] مولوی محمد علی انبیٹھوی، [56] مولوی سبز علی ولایتی، [57] مولوی سیف الرحمن ولایتی صدر مدرس مدرسۂ فتحپوری وغیرہ، [58] مولوی پردل خان ولایتی، [59] مولوی اخلاق احمد سہسوانی، [60] مولوی حافظ محمد صدیق پوربی، [61] مولوی لطف الرحمن، بردوانی، ریاست بھوپال میں تعلیم کے ڈائرکٹر رہے، [62] مولوی پیر محمد ولایتی، مدرسہ جامع مسجد کول میں مدرس رہے، [63] مولوی گل محمد ولایتی مدرس الفیہ [64] مولوی حافظ کعب ظہیر، [65] مولوی عبداللہ کاشغری، [66] مولوی شیر محمد ولایتی، [67] مولوی احمدالدین ولایتی، [68] مولوی میر عبداللہ ولایتی، [69] مولوی خداداد بنگالی، [70] مولوی خواجہ محمد یوسف وکیل مشہور، [71] مولوی خواجہ محمد اسمٰعیل وکیل، [72] مولوی رفیع الدین وکیل، [73] حکیم رفیع الدین، [74] حکیم شیخ محمد یوسف علی، [75] مولوی قاری کرم الٰہی، فارسی و تجوید کے استاد تھے، [76] مولوی بدرالدین

مدرس مسلم یونیورسٹی، مولوی یونس خان رئیس دتاؤلی، مولوی صدیق حسین مدرس مدرسۂ جامع مسجد (میرے ہمدرس) مولوی اظہر حسین بہاری حیدرآبادی (میرے ہمدرس) اور مولوی شرف الدین استاد حضور نظام مرحوم کے فرزند، ننگ تلامذہ راقم شروانی،

اس درس کی ایک سعادت یہ بھی تھی، کہ اکثر تلامذہ درس نظامی سے فارغ ہو کر گنج مرادآباد میں حضرت مولنا فضل رحمٰن مجددی قدس سرہ سے شرف بیعت حاصل کرتے، مثلاً سابقون اولون میں مولوی سید محمد علی صاحب کانپوری، مولوی عبد الغنی خانصاحب، مولوی عبد الحق صاحب حقانی، مولوی احمد حسن صاحب (مرید حضرت حاجی صاحب کے تھے، مگر پیر کی اجازت سے حاضر باش آستانۂ مبارکہ ہے) متوسطین میں مولوی سید ظہور الاسلام صاحب مولوی نور محمد صاحب پنجابی، متاخرین میں مولوی سید عبد اللطیف صاحب، خاکسار راقم،

حضرت پیر مرشد کو بھی مفتی صاحب کے حال پر توجہ تھی، ایک بار کی حاضری میں مجھ سے فرمایا کہ مولوی لطف اللہ کو جانتے ہو، عرض کیا، جانتا ہوں، فرمایا خدمت کرتے ہو، عرض کی بزرگ خدمت کرتے ہیں، دیکھو اس استفسار کی برکت، مفتی صاحب کی آخری حیات میں خاکسار کو بھی خدمت کا شرف حاصل ہوتا رہا، والحمد للہ علی ذالک،

صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہ فہرست اپنی کوتاہ دامنی پر شرمسار ہے،

خاتمہ و حاصل کلام ایک مدرس اعظم کا مرقع سامنے ہے، جس سے تم بہت سے سبق حاصل کر سکتے ہو،

فلسفۂ فقراء

از

جناب ڈاکٹر نواب سراج الدین جنگ بہادر کے سی آئی ای سی ایس آئی، ایم اے ال ال ڈی حیدرآباد دکن

(۳)

۸- حادثاتِ جسم و جان

اسیطرح زمان و مکان کا اتحاد اوپر بتایا گیا ہے، اوسی طرح اہل تصوف جسم و جان کا اتحاد بتاتے ہین کہ جسم کا اندازہ یا اوسکی پیمایش جان سے ہوتی ہے، مثلاً اگر کسی جانور کو کوئی چوٹ لگے، تو اوس کے درد یعنی اوسکی جان کو صدمہ کسقدر پہنچا، اوس کا اندازہ جسم پر جو زخم ہوا اوس کے طول و عرض اور گہرائی سے کیا جاتا ہے، کہ زخم جب اتنا ہے، تو درد کسقدر ہوگا، پس زمان و مکان کے مانند جسم و جان بھی توام ہین، ایک دوسرے سے جدا نہین ہین اور نہین ہو سکتے جہان جسم ہے وہان جان ہے جہان جان ہے وہان جسم ہے، بلکہ یون سمجھنا چاہئے، کہ ہر ظاہری یا شئی کے دو پہلو جیسے زمان و مکان ہین، ویسے ہی اوس کے دوسرے دو پہلو جسم و جان ہین حتیٰ کہ بعض ویدانتیون کا خیال ہے کہ مکان جسم کی نشانی ہے اور زمان جان کی، اونھون نے ایک طرف مکان و جسم کو مترادف سمجھ کر دوسرے طرف زمان و جان کو بھی مترادف سمجھا ہے،

۲- بجلی کیا چیز ہے معلوم نہین جو گرمی یا روشنی یا قوت کے طور پر ظاہر ہوتی ہے، ایسا ہی جان کیا چیز ہے معلوم نہین لیکن اوس کا ظہور تین چار بلکہ متعدد مدارج یا حالتون[1] مین ہوتا ہے، جیو، جان، روح، نفس وغیرہ نوعاً ایک ہین اگرچہ درجاً یا حالتاً ہر ایک کی جداگانہ ہے، اور یہ فرض کر لینے کیلئے کوئی امر مانع نہین ہے کہ جیو، جان، روح اور نفس مین باہمی فرق اسی قدر ہے، جسقدر کہ جثہ، جسم، جسد، بدن مین کیا جا سکتا ہے، مثلاً فرض کر لیا جا سکتا ہے، کہ درخت مین جیو ہے، کیڑے مین جان ہے، اور گھوڑے مین روح ہے، اور آدمی مین نفس ہے، (یہان معمولی الفاظ فرضی معنون مین استعمال کئے گئے ہین)

---

[1] الفاظ "درجہ" و "حالت" دراصل مترادف ہین، انسان کے جسم کی ایک حالت بخار ہے، اوس کا درجہ (۱۰۱) کہا جاتا ہے، جبکہ تھرمامیٹر سے ناپا جاتا ہے، درجہ سے مراد "پیمودہ حالت" ہے،

کیڑے کے جسم و جان مین جو مغایرت یا مماثلت، غیریت یا یکتائی، پائی جا سکتی ہے، ویسی ہی گھوڑے کے جسد و روح مین اور آدمی کے بدن و نفس مین ہے، اس مفروضہ کے اکثر صوفی اس وجہ سے قائل ہین کہ (صوفیانہ تحقیقات مین جس کا بیان متعاقب ہوگا) جان کے اقسام نہین پائے جاتے، فقط مدارج یا مختلف حالات ہین لیکن جسم کے (مکان و زمان کے اس کی وجہ سے) اقسام بھی ہین، اور مدارج بھی ہین، یہ مفروضہ اس تاویل کے واسطے ہو کہ قالب بلا روح کوئی شی نہین ہے اور نہین ہو سکتا اور علیٰ ہذا القیاس روح بلا قالب کوئی ظاہر نہین ہے، اشخاص جو کہتے ہین کہ ہم نے زید کی روح دیکھی یا ہندہ کی روح نے بات کی، وہ (اگر سچ کہتے ہین تو) زید یا ہندہ کا نام سنکر اعتراف کرتے ہین، کہ اون کی روح کسی نہ کسی قالب مین اون کو محسوس ہوئی،

۲- اکثر صوفیون کی رائے مین کوئی جسم بے جان نہین ہے نہ کوئی جان بے جسم ہے، ہر جسم جاندار ہو اور ہر جان جسم دار ہے، پتھر یا لوہا، پودہ یا درخت، پرندہ یا چوپایہ، حیوان یا انسان، جن یا ملک، سب کے سب ذی روح بھی ہین، اور ذی جسم بھی، جان یا روح سب مین ایک ہی قسم کی ہے، فقط حالت یا درجہ کا فرق ہے، جیسے گرمی ایک ہی قسم کی تمام اجسام مین ہو لیکن درجہ کا فرق رہتا ہو، جس طرح گرمی کے درجہ کا اندازہ تھرمامیٹر سے ہوتا ہو، ویسا ہی جان یا روح کے درجہ کا اندازہ اوس کے متعلقہ جسم سے ہوتا ہے، جو ہم کو محسوس ہوتا ہے، پس جان جس درجہ کی پتھر مین پائی جاتی ہو اوس سے بڑھ کر درخت مین ہے جس کا نام (محض امتیاز کے واسطے) ہم نے جیو رکھا ہو، اوس سے بڑھ کر درجہ کی جان پرندہ و حیوان مین ہے جسکو ہم نے روح سے موسوم کیا ہو، اوس سے بڑے درجہ کی جان جسکو ہم نفس کہتے ہین انسان مین ہو، یقیناً کہا نہین جا سکتا کہ جن و ملک کی روح یا نفس کا درجہ انسان کی روح یا نفس کے درجہ سے بڑھ کر ہے یا کم، کیونکہ اکثر انسانون کو اس کا احساس یا ادراک نہین ہے، کہ جن یا ملک کا کوئی جسم ہے یا کیا، جیسا ہم پتھر درخت پرند وغیرہ کے جسم کو دیکھ کر اون کی جان کے درجہ کا اندازہ سرسری طور سے کر لیتے ہین، ویسا سرسری طور سے بھی اکثر بلکہ بہت سے انسانون کو جن یا ملائکہ کے جسم کو دیکھکر اندازہ کرنے کا موقع نہین ملتا ہو، مگر اس کے یہ معنی نہین ہو سکتے کہ (الف) جن و ملک موجود نہین، یا (ب) اگر موجود بھی ہین، تو وہ روح خالص ہین جسم نہین رکھتے ہین یا (ج) اگر اون کا کوئی جسم ہے

تو انسان کو نظر نہیں آتا، اکثر صوفیون کا ادعا یہ ہے، کہ جن و ملک موجود ہین، انسان کے احساسات وادراکات کے باہر نہین ہین بعد و دے چند انسانون کو وہ نظر آتے ہین، اور ان سے وہ راہ ورسم بھی رکھتے ہین،

۴ - جن و ملک[1] کا اکثر انسانون کو نظر نہ آنا، اون کی عدم موجودگی کی یا اون کا کوئی جسم یا قالب نہ ہونیکی کوئی دلیل نہین ہے، ڈینو سارس ایک عجیب و غریب شکل کا مہیب جانور ہزارہا من وزندار پانی مین رہنے والا زمین پر انڈے دینے والا اب کہین بھی نہین پایا جاتا ہی لیکن اس وجہ سے یہ نہین کہا جا سکتا کہ وہ لاکھون سال قبل روئے زمین پر کہین بھی نہین تھا، کیونکہ اوس کا کالبد اور اوس کے انڈے آثار قدیمہ ڈھونڈنے والون کو ملے ہین جن سے بلا شبہہ ظاہر ہوتا ہی کہ ڈینو سارس کی بود و باش ہماری اسی زمین پر قدیم القدیم زمانہ مین تھی، ایسا ہی جن و ملک کو ڈھونڈنے والے انسان جو اس زمانہ مین بھی ہین (اگرچہ نسبتہ تعداد نہبت کم ہین) اونکو جن و ملک کے کچھ ایسے آثار ملے ہین اور ملسکتے ہین جن سے ظاہر ہوتا ہی کہ جن و ملک موجود ہین اور ایسے قالب رکھتے ہین جن سے پایا جاتا ہی کہ اونکی روح کا درجہ انسان کی روح یا نفس کے درجہ سے اعلیٰ و ارفع ہے، کثیر التعداد انسان ہین جنکو کسی جن یا کسی ملک کے جسم و جان کا کوئی احساس[2] و ادراک ہی نہین ہو سکتا، اس کے یہ معنی نہین ہو سکتے کہ جن و ملک اس وقت موجود نہین اور نہ کسی وقت موجود تھے، بلکہ یہ معنی ہین کہ بہت سے انسانون کے حواس کا ارتقاء اس قدر کامل نہین ہوا ہے اور نہ ان مین ایک خاص ادراک ایسا پیدا ہوا ہے جس سے وہ اُن ہستیون کی موجودگی سے ویسے ہی واقف اور باخبر ہو سکتے ہین، جیسے وہ حواس خمسہ اور دیگر حواس سے ذرہ سے لیکر انسان تک کی ہستیون کے وجود سے واقف اور باخبر ہوتے ہین،

۵ - چند ماہ قبل حیدرآباد مین ایک نمایش ہوئی تھی، جہان مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنۃ اور دوسرے امراء و عمائدین کے سامنے ایک شخص معمر سنی سال نے اپنی آنکھون کو آٹے کی ٹکیون سے بند کرکے اون پر سیاہ پٹی مضبوط بندھوا کر اپنے سامنے کے ایک سیاہ تختہ پر چاک (CHALK) سے لکھی ہوئی عبارت کو اس طرح صحیح طور پر پڑھا

---

[1] یہان "شیطان" کا نام تک نہین لیا گیا، کیونکہ وہ بد باطن جانور بھی ہو سکتا ہے، انسان بھی اور جن بھی، تمام مخلوق مین شیطان رجیم ہے۔

[2] "حس" و "ادراک" مین فرق یہ ہے کہ حس کوئی چیز کا ہوتا ہے، اور ادراک ہر چیز کے ایک جزو (یا پہلو) سے دوسرے جزو (یا پہلو) مین فرق پانے کا ہوتا ہے،

گویا اپنی کھلی آنکھون سے دیکھ کر پڑھتا تھا، اگر کسی زبان مین جسکو وہ نہین جانتا تھا کوئی عبارت لکھی جاتی تو اسکو اگرچہ وہ پڑھ نہین سکتا تھا لیکن اوس عبارت کے نیچے بالکل ویسی ہی عبارت اپنے ہاتھ مین چاک لیکر لکھدیتا تھا، گویا آنکھ سے دیکھ کر اوس نے عبارت نقل کی، چنانچہ اس نے چینی زبان مین لکھی ہوئی عبارت آنکھین بند رہنے پر بھی صحیح طور سے نیچے لکھدی، اس کے کیا معنی؟ یہی کہ اوس نے دوسرے حواس یا اون مین سے کوئی دو ایک حواس اوسکو آنکھون کی بصارت کا کام دیتے تھے، غالبًا اوس کے کان تختہ پر لکھنے کی آواز کے ایسے مانوس ہوگئے تھے، کہ وہ آنکھون سے دیکھ کر پڑھنے کے عوض فقط کان سے سنکر پڑھتا تھا، اکثر گونگے بہرے اشخاص اپنی آنکھون سے دوسرون کی باتین ایسی سمجھ لیتے ہین گویا اونھون نے خود اپنے کانون سے سنکر سمجھا، بہت سے نابینا اشخاص کپڑون کو چھو کر اونکا رنگ صحیح طور سے بتا دیتے ہین امریکہ والی گونگی بہری لڑکی مس ہلین کیلر جو بچپن مین اندھی بھی ہوگئی، اوسکو سلیفن کے موجد پروفیسر بیل نے ایسی تعلیم دی، کہ اب وہ چند قابل قدر کتب کی مصنفہ ہے اور اوسکو گلاسگو یونیورسٹی نے اعزازی ڈگری دی ہے، یہ عورت اپنے دستون کے منہ کے نزدیک اپنے ہاتھ لیجا کر یا اون کے حلق پر ہاتھ رکھکر اون کی باتین سمجھ لیتی ہے، حالانکہ وہ اون کو نہ دیکھ سکتی ہے، نہ اون کی باتین سُن سکتی ہے لیکن جرمن، فرنچ و انگریزی مین بات کرنا سیکھ گئی ہے، سب کچھ لکھ دیتی ہے، دہلی مین ایک معزز و معمر حکیم ہین جن کی بصارت ایام طفلی مین ہی ضائع ہوگئی، اونھون نے نابینائی کی حالت مین علوم متداولہ کی تحصیل کی، حافظ و محدث ہین، اور طبابت ایسی سیکھی کہ ان دنون ہند مین اون کے جیسے طبیب بہت کم ہین، وہ اپنے مریضون کے نام اون کی نبض پر ہاتھ رکھ کر بتا دے سکتے ہین، اور محض نبض سے ایسی تشخیص کرتے ہین کہ صد ہا دانا حیران ہمانند،

ان تمام تجربون سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ یہی کہ ایک حاسہ کا کام دوسرے حاسہ کا دینا، یا ایک سے زیادہ حاسون کا کام دوسرے حواس سے لینا ممکن ہے، مثلًا بینائی کا کام شنوائی کرتی ہے، اور شنوائی کا کام بینائی، ہمارے حواس مین کہ ایک یا دو ایسی ترقی کر سکتے ہین، کہ دوسرے حواس کا کام خود وہ کر سکتے ہین، ارتقاء کے نظریہ کے ثبوتون مین ایک ثبوت یہ بھی ہے، کہ ہمارے چار حواس ذائقہ، شامہ، سامعہ و باصرہ فقط ایک حاسۂ لامسہ سے ارتقاء پائے ہین، یعنی چکھنا، سونگھنا، سننا، اور نیز دیکھنا یہی ہے، کہ چند خاص اشیاء سے جسم کا ایک خاص حصہ (عضو) چھوے جاتا ہے اور کچھ نہین ذائقہ مین تو کھانے کی چیز

ہماری جیب کو چھوتی ہے، سونگھنے کے لئے اشیاء کی عطریت ناک کے اندر کی جھلی کو چھوتی ہے، سننے کے لئے ہمارے کان کے اندر کی ایک دف پر ہوا کی چوٹ لگتی ہے، دیکھنے کے لئے، روشنی کی شعاعین آنکھ کے اندر کی ایک لطیف جھلی کو چھوتی ہین، اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ چھونے کا اثر مختلف اشیاء سے جسم کے خاص اعضاء پر جداگانہ ہوتا ہے، جسکے باعث سماعت وبصارت کے سوا اور کوئی حاسہ بھی انسان مین پیدا ہو سکتا ہے جس سے انسان کو اور بھی ایسی ہستیون کا احساس ہو سکتا ہے، جیسے کہ جن وملک ہین،

۶ - دیکھنے سننے سونگھنے چکھنے چھونے کے سوا تولنے (یعنی کس چیز کا کیا وزن ہی، کونسی چیز نرم ہے کونسی سخت) اوسکو انسان کے جسم کے وہ عصبے پا لیتے ہین جو عام طور سے گوشت تک جاتے ہین، یہ حواس خمسہ کے سوا ایک چھٹا آہے، جو عصبی حاسہ کہلاتا ہے، اس کے علاوہ آنکھین جو دیکھنے کی عضو ہین، نہ صرف روشنی ورنگ کی تمیز کرتی ہین، بلکہ شکل و حرکت کا امتیاز بھی کان نہ صرف آواز سننے کا آلہ ہے، بلکہ آواز کس طرف سے آتی ہے، اوسکی شناخت کا بھی ذریعہ ہے، ہماری جلد، چمڑے مین نہ صرف چھونے کا حاسہ ہے بلکہ گرمی سردی پانے کی بھی سکت ہی، راقم کو ایک انگریز دوست کے ساتھ جنگلون مین دو ایک ماہ دورہ کرنے کا اتفاق ہوا تھا، اس سے جب پوچھا گیا، کہ اب "وقت کیا ہے" فوراً ہوا سونگھ کر صحیح وقت گھنٹے و منٹ کہدیتا تھا، گویا گھڑی دیکھ کر کہتا ہے، شاذونادر ایک دو منٹ کی غلطی ہو جاتی تھی، شب مین جب گہری نیند مین رہتے وقت بھی اوس کو بیدار کر کے وقت دریافت کیا جائے تو چھونے پر پڑے پڑے آنکھین بند کئے ہوئے بغیر فقط ہوا زور سے ناک مین کھینچ کر صحیح وقت (کبھی کبھی دو ایک منٹ کے فرق سے) بتا دیتا تھا، جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اوس مین وقت پہچاننے کی غیر معمولی طاقت پیدا ہو گئی تھی، غرض ایسی بہت سی باتین بیان کیجا سکتی ہین، جو بخوف طوالت یہان ترک کیجاتی ہین، لیکن جس قدر کہ بیان ہوئی ہین، اون سے کیا یہ قیاس صحیح نہ ہوگا، کہ انسان مین ایسے حواس ہین، یا اوسکے موجود حواس ایسی ترقی کر سکتے ہین، یا اوس مین ایسے جدید حواس پیدا ہو سکتے ہین، کہ وہ جن وملک کے جسم وجان کو (جن کو بعض اصحاب محض روح یا ارواح کہتے ہین،) دیکھ سکتے ہین، سن سکتے ہین، سونگھ سکتے ہین، بلکہ چھو بھی سکتے ہین، ؟

۷ - ہم نے حادثات یا حوادث جسم وجان کی بحث کے ضمن مین حواس مرتقی (ارتقاء پائے ہوئے حواس) اور

حواس جدید کا تذکرہ سرسری طور سے اس لئے کردیا کہ چلتے چلتے اشارۃً بتا دیا جائے، کہ اہل تصوف کی اصطلاح میں الہام القا، کشف وغیرہ کے دراصل کیا معنی ہو سکتے ہیں، ؟ کیا ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ انسان بریاضت جسمانی و روحانی جدوجہد اپنے میں ایسے حواس پیدا کرسکتا ہے، یا اپنے حواس کو ایسی ترقی دے سکتا ہے کہ جن سے وہ، اون حوادث جسم و جان کو جو جن و ملک کہے جاتے ہیں، دیکھ سکے اور اون سے باتیں کرسکے، مغربی صوفیا جنکو ناسٹکس Gnostics کہتے ہیں وہ دعوی کرتے ہیں کہ جن و ملک کے سوا دوسری ہستیاں بھی کسی نہ کسی طور پر اون کے فہم و ادراک میں آسکتی ہیں

۹ تناسبہ،

۱۔ حکمائے سلف کے چار یا پانچ عناصر کے عوض اہل سائنس کے پاس بیانوے ۹۲ عناصر محقق ہوئے ہیں۔ حال تک خیال تھا، کہ اون کی تعداد زیادہ سے زیادہ ہوسکتی ہے مگر اس سال انگلستان میں ایک تنہا کہ متعلم نے ثابت کردیا کہ عناصر کی تعداد ۹۲ سے زیادہ ہونا ممکن نہیں اون کے (خواص) کے باہمی (تعلق) کا ایک حیرت خیز ضابطہ (Periodic Law) مرتب ہوا ہے جس میں ہر ایک عنصر کا نمبر یا شمارہ ہی اوس کے خواص کا اور دیگر عناصر سے تعلق کا پتہ دیتا ہے، ہر عنصر کے ایسے چھوٹے ٹکڑے کو جس سے چھوٹا ٹکڑا ہونا ممکن نہیں، جزو لایتجزی کو آٹمؔ کہتے ہیں، اندنوں اس آٹم کی تشریح خاص خاص آلات و ترکیبوں سے جو ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ ہر آٹم بجائے خود ایک نظام ہے۔ جیسا کہ نظام شمسی Solar System ہے، یعنی جس طرح سورج کے اطراف اوس کے سیارے مشتری زہرہ زحل وغیرہ چکر لگاتے پھرتے ہیں، وہی طرح ہر آٹم میں ایک اکہرا دوہرا یا تہرا پروٹن ہے جو بجائے خود ایک آفتاب ہے، اوس کے اطراف سیاروں کے مانند بلکٹرون چکر لگاتے پھرتے ہیں پروٹن مثبت یلکٹریسٹی بجلی کا جوہر ہے، اور یلکٹرن منفیہ یلکٹریسٹی بجلی کے جوہر ہیں، ہر آٹم میں پروٹن اکہرا دوہرا تہرا رہتا ہے لیکن اوس کے اطراف پھرنے والے یلکٹرن ایک سے زیادہ ہوسکتے ہیں، اون کے پھرنے کے مدار بھی مختلف ہوتے ہیں، چنانچہ ہر آٹم کی قیاسی شکل ایسی ہوتی ہے:۔

ملہ عبارت کو سلیس بنانے کے واسطے یہاں انگریزی الفاظ یلکٹریسٹی آٹم، پروٹن ترجمہ کئے بغیروں ہی یکساں واحد و جمع استعمال کئے جاتے ہیں۔

۱- پروٹن
۲- الکٹرن (اندر کے) الکٹرن ۴- فضا
۳- الکٹرن (باہر کے)
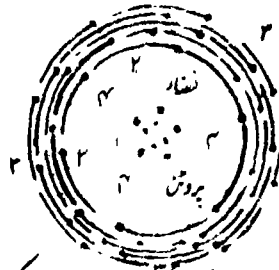
الکٹرنون کی تعداد اور اون کے مدارون کا فرق ہی ہے جس سے ایک عنصر کے اٹم مین اور دوسرے عنصر کے اٹم مین امتیاز اور فرق ہوسکتا ہے، مثلاً سونا چاندی دونون عنصر ہین، اون کے جزو لایتجزی اٹم کے پروٹن مین کوئی فرق (مثبت الکٹریسٹی کے اعتبار سے) نہین ہے، شاید بڑا چھوٹا پروٹن ہو تو ہو البتہ سونے کے اٹم مین الکٹرن کی تعداد چاندی کے اٹم کی تعداد سے زیادہ ہے، اسی لئے سونا الگ ہے چاندی الگ ہے، آجکل یہ خیال بھی سائنس داون کا ہے (جیسا کہ سابق کیمیا گرون کا تھا) اگر کسی نہ کسی طرح سے چاندی کے اٹم مین الکٹرن کی تعداد بڑھا کر سونے کے اٹم کی تعداد کے موافق کر دیجا سکتی ہے، تو چاندی سونا بن جا سکتی ہے، مگر ابتک ایسا[1] نہ ہوسکا

۲- سائنس کی ترقی کے لئے دنیا کے بڑے بڑے مستند علما و فضلا کی ایک انجمن موسوم بہ برٹش ایسوسی ایشن سو سال سے قائم ہے، جسکے سالانہ اجلاسون مین سائنس کے ایسے اصول کا اعلان ہوتا رہا ہے، جو بعد مین بہت سے ایجادات واختراعات کے باعث ہوئے ہین، سال گذشتہ اوس کے ایک جلسہ مین یہ بحث تھی کہ آیا ہماری دنیا کبھی نیست و نابود ہونے والی ہے یا کیا ایک مشہور منجم نے ہندسی طور سے ثابت کیا کہ ہماری دنیا (نظام شمسی وغیرہ) ہنوز وسیع ہو رہی ہے، چنانچہ ہر لمحہ اور سکنڈ مین اوس کی توسیع (۲۲۸) میل ہو رہی ہے، یعنی ہر روز دو کروڑ اسی لاکھ میل ہماری دنیا بڑھتی ہے، چوڑی ہوتی جاتی ہے، دوسرون نے بیان کیا کہ اگرچہ ہماری دنیا نیست و نابود ہونے والی ہے، مگر کب ہوگی اوس کے سالون کے شمار کے لئے ایک لکھ کر اوس کے سیدھے طرف اتنے صفر لگانا ہوگا جو دائرۃ المعارف برطانیہ (Encyclopaedia Britannica) کی (۲۲) ضخیم جلدون کے تمام صفحات بھر دین گے یعنی دنیا نابود ہونے کے لئے کروڑہا کروڑ ارب در ارب سال گذرنا ہوگا، ایک تیسرے گروہ نے اس کا اعلان کیا کہ اگرچہ تمام اجسام واجرام چھوٹے بڑے سب کے سب نیست و نابود

[1] نظام کالج کے سابق پروفیسر طبعیات ڈاکٹر گھورناتھ جواڈی ایس سی D. Sc. تھے، اونھون نے راقم کو ایک دھات بتا کر کہا تھا کہ وہ سونا ہے جسکو اونھون نے چاندی سے بنایا،

ہو سکتے ہین لیکن جز جسم و جز جرم کے درمیان جو فضا ہے، اوس مین خلو نہین ہے، بلکہ وہ جان سے بھری ہوئی ہے، اور یہ جان نابود نہین ہو سکتی، لہذا ان دونون سائنس کا رجحان اس طرف ہے کہ کہین خلو نہین اور جہان خلو سمجھا جاتا ہے، وہ حصہ جان سے بھرا ہوا ہے اور جان کی معدومیت خارج از قیاس ہے، اسی لحاظ سے تینس ویدانتیون کا قول ہے، کہ جو کچھ ہے وہ جان ہے جنکو تم اجسام واجرام کہتے ہین وہ سب جان کی شکلین ہین، جو کثرت ذرات بدلتی رہتی ہین، ایسا ہی بعض صوفیون کا اعتقاد ہے، کہ جان لاموت ہے، چنانچہ روزمرہ گفتگو مین "فلان مرگیا" کہنے کے عوض "فلان کا انتقال ہوا" جو کہا جاتا ہے، یہ علامت اوس اعتقاد کی پائی جاتی ہے کہ جان مرتی نہین، بلکہ اوسکی ایک حالت سے دوسری حالت مین منتقل ہوتی ہے، برٹش اسوسی ایشن کے اور ایک اجلاس مین اس قیاس کا اعلان ہوا کہ ہر آٹم کے پروٹن اور اون کے اطراف پھرنے والے الیکٹران کے مابین جو فضا ہے، وہ ایک گونہ جان سے بھری ہوئی ہے، یا فضا مین ایک قسم کی کشش جو ہے، وہ روح بھی جا سکتی ہے،

۳- ویدانتی عناصر اربعہ کے علاوہ ایک پانچوان عنصر آکاس گنتے ہین، جو ایتھر جس کا بیان اوپر گذرا ہے اوس کے مشابہ ہے، وہ اور صوفی جو فقط چار عنصر کے قائل ہین، دونون ان عناصر کے ذرون کو اجزاء لایتجزی تصور کرکے جو نظریہ جسم و جان کے تناسب کا قائم کرتے ہین، وہ قریب قریب ایسا ہی ہے، جیسا کہ آٹم کے پروٹم اور الیکٹران کا تناسب فقرہ بالا سے ظاہر ہوتا ہے، اس بارہ مین اہل تصوف اور اہل سائنس کے قیاسات کا مقابلہ یون کیا جا سکتا ہے:-

(الف) اہل سائنس کی تشریح آٹم	(ب) اہل تصوف کی تشریح ذرہ
(۱) عناصر کی تعداد = ۹۲	(۱) عناصر کی تعداد = ۴ یا ۵
(۲) عنصر کا جزو لایتجزی = آٹم	(۲) عنصر کا جزو لایتجزی = ذرہ یا رتی
(۳) تشریح آٹم:-	(۳) تشریح ذرہ یا رتی:-
یک جوہر = پروٹن مثبتہ الیکٹریسٹی } توام	یک جوہر = جسم } توام بوجہ نسبت یا تعلق باہمی
دیگر جوہر = الیکٹران منفیہ الیکٹریسٹی } بوجہ کشش باہمی	دیگر جوہر = جان
(۴) فضا مابین پروٹن و الیکٹران = باعث	(۴) فضا مابین جسم و جان = باعث

کشش باہمی	نسبت یا تعلق باہمی
وہ کیا ہے: سورج	وہ کیا ہے: حقیقت[۱]
(۵) مختلف اجسام کیون ہین:	(۵) مختلف ذرات کیون ہین؟
الیکٹرن کی تعداد کی کمی یا زیادتی سے،	نسبت جسکو ذات کہہ سکتے ہین اوس کے اثر کی کمی یا زیادتی سے،

(۴) (الف) اہل سائنس کے قیاسات اور (ب) اہل تصوف کے قیاسات کا تقابل محض سرسری طور پر کرنے سے پایا جاتا ہے کہ دونون مین فی الحقیقت چندان فرق نہین ہے، البتہ اصطلاحات والفاظ کا فرق ہے اور طرز یا طریقہ ثبوت مین بھی بہت فرق ہے، اسکی بحث طول وطویل ہوسکتی ہے، اوس کو ترک کرکے ہم فقط صوفیون کے نظریۂ تناسبہ کا ذکر کرتے ہین جس کا پتہ تقابل سے ملتا ہے۔ وھو ہذا:-

الف، ذرہ سے پہاڑ سورج سے تارون تک سب مین جسم وجان توام ہین، ان دونون مین سے ہرایک کا کام جو اصطلاحًا وظیفہ[۲] کہا جاتا ہے، جداگانہ ہے، جان کا وظیفہ (Function) یا کام جسم کی حفاظت ہے، اوسکو بھلا چنگا رکھنا اوسکو خطرون سے بچانا، جسم کا وظیفہ یا کام، جان کا آلہ بنے رہنا، چنانچہ جسم کے افعال سے ہمکو نہ صرف جان کی موجودگی کا احساس[۳] وادراک وعلم ہوتا ہے، بلکہ اون سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے، کہ جان اپنے جسم سے جلب منفعت ودفع مضرت کے افعال کراتی ہے،

---

[۱] عالمگیر کے زمانہ مین رائچور کے پاس قریہ گوگی مین ایک صوفی سید محمود بحری رہتے تھے، اوںھون نے اپنی مثنوی (من لگن) مین ذات یعنی اللہ کی تعریف یون کی ہے:-

اے روپ ترا رتی رتی ہے، پربت پربت (پہاڑ) پتی پتی سب ہے،

پربت مین اوگ (زیادہ) نہ کم پتی مین یکسار ہے (یکسان) راس (بہت) اور رتی (کم) مین،

[۲] دیکھو تعلیق فصل ۳ دفعہ (۵)، [۳] احساس وادراک وعلم مین فرق نفسیات کی بات ہے جسکی توضیح کی یہان ضرورت نہین۔

(ب) ہر چیز مرکب ہے عناصر سے اور ہر عنصر کا جزو لا یتجزی جسکو صوفی ذرہ ویدانتی رتی اور سائنس آٹم کہتا ہے اسمین بھی دو توام جوہر ہین جنکو صوفی جوہر جسم اور جوہر جان کہتے رہے لیکن ان کو سائنس پروٹن اور ایلکٹرن کہتا ہے۔ ان دونون جوہرون مین باہمی تعلق (یا باہمی مناسبت) خواہ وہ مقدار کی ہو، خواہ وہ انجذاب یا کشش کی، ہو یا اور کسی قسم کی ہو، اسکا نام صوفیون نے **حقیقت** رکھا ہے اور سائنس اسکو **مظہر روح** کہنے پر آمادہ پایا جاتا ہے۔

تعلق یا نسبت باہمی

ذرہ = جسم ⟵ ———— ⟶ جان

حقیقت

تجاذب یا کشش ثقل

آٹم = پروٹن ⟵ ———— ⟶ ایلکٹرن

روح؟
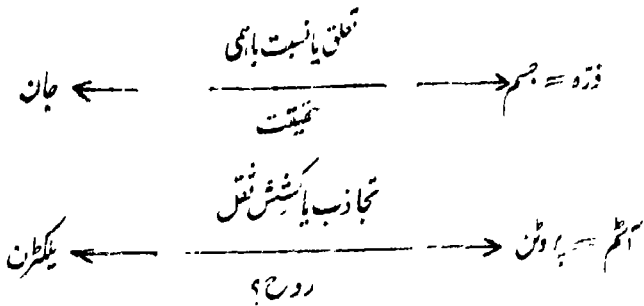
(ج) حقیقت کیا ہے؟ یعنی جسم و جان کے مابین کیا کوئی فضاء ہے اگر ہے تو کیا ہے؟ اس بارہ مین اور حقیقت کی تعبیر و اطلاق مین اہل تصوف مین بہت کچھ اختلافات ہین، مثلاً ہوالکل کہنے والے صوفی حقیقت کو **ذات** کہتے ہین، اور ہمہ اوست کہنے والے صوفی اوس کو مظہر ذات کہتے ہین، ان کے بڑے مباحث ہین جن کا سرسری ذکر بھی یہان صحیح طور سے نہین ہو سکتا کیونکہ یہ الہام، القاء یا کشف کے محسوسات و ادراکات سمجھے جاتے ہین جنکی تعبیر و اطلاق مین اختلاف ہے،

۴- جس طرح آئین اسٹین نے اپنے نظریۂ نسبت سے بہت سے نتائج حجم، وزن تجاذب وغیرہ کی نسبت طبعیات سے متعلق اخذ کئے ہین ویسے ہی بہت سے نتائج صوفیون نے اخلاق و الٰہیات سے متعلق اخذ کئے ہین، مثلاً اچھا برا کیا ہے؟ نیکی بدی کسکو کہتے ہین؟ تدبیر و تقدیر کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ ان کا سرسری تذکرہ بھی اس رسالہ کو ایک ضخیم کتاب بنا دیگا، یہان صرف مثال پر اکتفا کیجاتی ہے،

۵- بعض ویدانتی و صوفی اپنے کو تعبیر رویا یعنی خواب کی تعبیر کے ماہر سمجھتے ہین، اپنے مریدین و معتقدین کے خواب کی کیفیت وغیرہ سن کر ان کی نسبت پیشین گوئی کرتے ہین، مگر اندنون یورپ مین علی الخصوص جرمنی مین چند علما و فضلا نے خواب کی تعبیر سے نفس کی باطنی حالت کی تشخیص کر کے نفس کی بیماریان ہسٹریا، مالیخولیا، خبط، جنون وغیرہ کا علاج کرتے ہین،

اونھوں نے سائنس کے موافق اور صوفیوں نے قرآن شریف کے موافق نفس کے جو طبقات Strata قرار دئیے ہیں اونکا تشابہ حسب ذیل ہو سکتا ہے:۔

"ایغو" سے مراد نفس انسان یعنی وہ جو اپنے کو "میں" کے نام سے موسوم کر لیتا ہے،

سائنس حسب بیان ڈاکٹر فرائیڈ وغیرہ		طبقات النفس	حسب عقیدۂ صوفیہ
۱۔ اکیون ایغو	ایغو کے جزو عند الموقع ہوجانیوالے غریزات مثلاً بھوک پیاس شہوۃ خوف غصہ وغیرہ۔		نفس ملہمہ:۔ جو کشف و کرامات کا باعث ہوتا ہے (قرآن ۹۱:۸)
۲۔ مافوق الیغو Censor	برے کاموں سے روکنے والا، لعنت ملامت کرنے والا،		نفس لوامہ۔ (قرآن ۷۵:۲) جو لعنت و ملامت کرنے والا ہے
۳۔ ایغو Ego یعنی وہ جو اپنے کو "میں" کہتا اور سمجھتا ہے	(۱) وقوف Focal Consciousness (۲) ماحول وقوف Marginal Consciousness (۳) ماتحت وقوف (حافظہ وغیرہ) Recoverable Consciousness		نفس مطمئنہ۔ جو اپنے سے خوش و راضی رہتا ہے (قرآن ۸۹:۲۷)
۴۔ ماکان ایغو	لاوقوف۔ The Unconscious خواہشات ناجائز یعنی وہ جو کسی وقت ایغو کے جزو بنے تھے، مگر دبا دئے گئے۔		نفس امارہ۔ (قرآن ۱۲:۵۳) جو برے کاموں کی طرف راغب رہتا ہے

لفظ "طبقات" استعارہ ہے اس سے مراد اسی قدر ہے کہ جیسا زمین کے طبقات (مثلاً پتھریلی زمین، ریتیلی زمین، مورم وغیرہ) ہیں، ویسے جداگانہ حصص انسان کے نفس کے بھی ہونا فرض کر لئے جاتے ہیں، اسی طور سے جیسے زید کی جوانمردی بیان کرنے کیلئے کہا جاتا ہے،

کہ زید شیر ہے، حالانکہ زید شیر سا جانور نہیں ہے، فقط شجاعت شیر کی جیسی رکھتا ہے، ایسا ہی اگرچہ نفس کے طبقے واقعی نہیں ہیں، فقط اوسکی حالت کذائی کے بیان کے واسطے اوسکے حصص یا طبقے ہونا قیاس کرلیا جاتا ہے،

نقشۂ بالا کی مزید توضیح و تاویل کی یہان گنجایش نہیں، اس سے ظاہر ہوگا کہ صوفیون کی باتون مین اور آج کل کے سائنس کی باتون مین کس قدر معناً موافقت ہے اگرچہ الفاظ مین فرق ہے ؎

سرّ حق را کہ عارف کامل بکس نہ گفت   در حیرتم کہ بادہ فروش (صاحب سائنس) از کجا شنید (حافظ)

طبقات النفس کا سرسری ذکر اس لئے کیا گیا تاکہ ڈاکٹر فرائیڈ اور اون کے شاگردون کے فقط ایک نظریہ کی صراحت کی جائے،

۲۔ ہر نفس کے (مجازاً) مختلف طبقات ہین، جو اوس نفس والے آدمی کے کردار سے، اوسکے جسم کے حرکات و سکنات سے پائے جاتے ہین، مذکورالصدر چار طبقات مین ایک اسفل طبقہ، (جس کا نام صوفیون کے پاس نفس امارہ ہے، اور جو نقشہ کے داہنے طرف (ماکان الیغو) سے موسوم ہے، یہ طبقہ اون خواہشات کا ہے جن کا حصول ناممکن پائے جانے سے طبقۂ اعلیٰ، مافوق الیغو، یعنی نفس لوامہ نے اون کو ایسا دبا دیا (اور وہ اس طرح دب گئے ہین) کہ وہ دوسرے طبقات نفس کے بہت نیچے چلے گئے، اس دباؤ کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیداری کے وقت اون کی یاد مطلق نہیں آتی، مگر خواب مین وہ اپنے آپ کو کسی نہ کسی شکل مین ظاہر کرتے ہین، مثلاً ایک نوجوان کہین راستہ چلتے چلتے ایک خوبصورت بازاری عورت کو دیکھتا ہے، تو اوس کے دل مین یعنی نفس مین جو خواہشین اوس عورت کی نسبت فطرۃً پیدا ہوتی ہین، اونکا حصول مختلف و متعدد لحاظات و دشواریون کی وجہ سے (مثلاً بدنمائی یا بدنامی کے لحاظ سے) غیر ممکن پاتا ہے، لہذا وہ اون خواہشات کو دبا دیتا ہے یعنی بالکل بھول جاتا ہے، لیکن وہ خواہشات اوس کے نفس سے بالکل محو نہیں ہوتے، بلکہ نفس کے ایک طبقہ مین (جس کا نام لاوقوفی ہے، اس مین) دبے رہ کر کبھی نہ کبھی وہ خواب مین کامیاب یا پورے ہوتے ہین جسکو عام طور پر احتلام کہتے ہین، غرض فی زمانا یورپ مین علماء کا ایک گروہ ہے، جن کے صدر ڈاکٹر فرائیڈ (DR. FREUD) ہین، جنھون نے تعبیر رؤیا کے بارہ مین اپنے ذاتی تجربون کی بنا پر ایک مستند کتاب لکھی ہے، جو یورپ کی علمی دنیا مین دلچسپ اور قابل لحاظ سمجھی جاتی ہے، اور اون کے

شاگردون مین سربرآوردہ ڈاکٹر یونگ DR. JUNG ہین جنھون نے اپنے تصانیف مین اپنے تجربون کی بنا پر

اوستاد کی چند باتون مین اضافہ کیا ہے، چنانچہ اونھون نے انسانون کی اون خواہشات کو

(ANIMA) حیوانی تصور کیا ہے، جیسے کہ اوس نوجوان کے خواہشات تھے، جو اوس بازاری عورت کو دیکھنے

سے پیدا ہوئے، اور اون لحاظات کو (PERSONA) انسانی سمجھا ہے، جیسے اوس نوجوان کے لحاظات (مثلاً بدنامی

وغیرہ) نے اوسکی خواہشات کو دبا دیا، یا بھلا دیا (یعنی اوس کے نفس کے طبقۂ وقوفی سے طبقۂ لاوقوفی مین پہنچا دیا) لیکن بعد مین

سوتے وقت لحاظاتِ نفسی کا دباؤ کم ہونے سے خواہشاتِ حیوانی اوس نوجوان کے خواب اور احتلام کے باعث ہوئے جسے

ڈاکٹر یونگ نے نیک چلن کا معیار لحاظاتِ انسانی کا غلبہ اور بدچلن کا معیار خواہشاتِ حیوانی کا غلبہ یون قرار دیا ہے کہ

"جبتک اور جہان تک لحاظاتِ انسانی خواہشاتِ حیوانی پر غالب رہتے ہین یعنی اون کو دبا رکھتے ہین، یا بھلا

رکھتے ہین، انسان سکے کردار نیک رہتے ہین، اور جب کبھی خواہشاتِ حیوانی لحاظاتِ انسانی پر غالب آجاتے ہین، تو افعال

بد اور بتدریج چال بھی بد ہو جاتی ہے"

یہی بات اہلِ تصوف نے صدہا سال قبل ثنائیۂ جسم وجان[1] کے نظریہ سے بطور نتیجہ اخذ کی تھی، اونھون نے خواہشات

حیوانی کو فسق وفجور کا باعث سمجھا، اور لحاظاتِ انسانی کو زہد وتقویٰ کا موجب تصور کیا، اور آیۂ کریمہ (سورۂ والشمس ۹۱:۸)

جو اس رسالہ کا زیبِ عنوان ہے، اور جس کا مضمون اس رسالہ کا لب لباب ہے، اوس کو اوس نتیجہ کی دلیل قرار دی، فجور

کی طرف رغبت دلانے والے خواہشاتِ حیوانی کا نام قوای بہیمیہ رکھا، اور تقویٰ کی طرف مائل کرانے والے لحاظات

انسانی کا نام قوای ملکوتی رکھا، اور ڈاکٹر یونگ کے کلیہ کو سالہا سال قبل اس طرح بیان کر دیا،

آدمی زادہ طرفہ معجون ست ؎ از فرشتہ سرشتہ وز حیوان،

گر کند میل این، شود کم ازین ؎ ور کند قصد آن، شود بہ ازان ،

۱۰- خاتمہ

۱- خواب کی مختصر تشریح جو اوپر گئی وہ فصل بالا ۲ کی دفعہ (۱) کے بیان سے متعلق ہے، اگر دنیا سے مراد یہی ہو کہ بیداری مین جو خواہشین

[1] جان سے جسم

فراموش ہوجاتی ہین، وہ بعد مین سوتے وقت کسی نہ کسی پیرایہ مین پوری ہوتی ہین جن سے انسان کو ایک قسم کی آفت یا راحت محسوس ہوتی ہو تو وہی قبیل کی مگر اوس سے زیادہ آفت و راحت تصوف کی اس امنگ مین محسوس ہوتی ہو جسکی ہدایت ابتدا ہی مین کردیگئی چنانچہ تصوف کی امنگ مین نیند کی سی ایک بیہوشی طاری ہوتی ہے، ایسی مین صوفی کی وہ خواہشین کسی نہ کسی پیرایہ مین پوری ہوتی ہین، جو اوس کے دل مین "مین کیا ہون کون ہون" وغیرہ سوالون کے اطمینان بخش جوابون سے پیدا ہوچکی تھین اور جنکا پورا ہونا ظاہری ہوش و حواس کی حالت مین ممکن نہ تھا،

راز نہان کسی پہ عیان ہو نہین سکتا ۔۔۔۔۔ ہوجائے عیان بھی تو بیان ہو نہین سکتا (؟)

مفصل وکی دفعہ (۲) مین بیان کیا گیا ہے، کہ تمام فلسفہ کا دار و مدار تین سوالون کے جوابون پر ہے، جو نفس اوس کے احوال اور اوسکے ماورا سے متعلق ہین، گویا یہ مصادر ہین جن سے دیگر مسائل مشتق ہین، غرض ان اصولی سوالات کا ایک ہی جواب ھُو صوفیون کے پاس ہو، مگر اوسکی توضیح و تفہیم کے لئے اہل تصوف کو بھی میدان فلسفہ مین قدم رکھنا پڑا اون کے فلسفہ کا بیان جسقدر ہوسکا اوس سے اندازہ ہوسکتا ہو کہ اونھون نے کس حد تک طبعیات حیاتیات و نفسیات کے فلسفہ کی باتون کو حل کیا ہے، فقرا کا فلسفۂ روحانیات جو ہے اوسکے سرسری ذکر کے سوا طوالت کے لحاظ سے کوئی مفصل بحث نہین کیگئی، اور غلط فہمی کو دور رکھنے کیلئے فقرا کے الٰہیات کے تذکرہ سے بالکل پرہیز کیا گیا، بہرحال امید کیجاتی ہے، کہ اس رسالہ مین جو کچھ بطور مشتے نمونہ خروارے لکھا گیا ہو، وہ عام فہم و مفید ہوگا،

۳- مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنۃ بصورت امیر و بسیرت فقیر و یدانتی ہین اور مولوی سید احمد حسین صاحب امجد جو صوفی منش نازک خیال شاعر ہین، اون کا اور چند دوسرے احباب کا شکریہ ادا کیا جاتا ہو کہ اونھون نے براہ کرم اس رسالہ کی نسبت مشورہ دیا، اور اوسکی عبارت کو صحیح و سہل بناتے مین مدد دی ان مین ایک صوفی منش خاتون بھی ہین، جو اپنا نام پردۂ اخفا مین رہنا پسند فرماتی ہین، احباب اول الذکر کا مین خاص طور سے ممنون ہون کہ ان دونون نے اپنے اشعار متن مین یا حواشی مین لکھنے کی اجازت دی، تاکہ سوکھا ساکھا مضمون بالکل بے نمک نہ رہے، اگرچہ احباب نے ہر قسم کی تائید فرمائی، لیکن اس رسالہ کی ہر بات کی صحت یا غلطی کا ذمہ دار ہے احمد حسین امین جنگ،

مشاعرہ

از

مولینا عبدالسلام صاحب ندوی

مشرقی ممالک مین شاعری کی ترقی اور شعراء کے مسابقہ و مقابلہ کا ایک بڑا ذریعہ مشاعرہ ہے، زمانۂ جاہلیت مین شعرائے عرب بازار عکاظ مین جمع ہوکر اپنے اپنے قصائد سناتے تھے، اور تمام عرب سے داد و تحسین حاصل کرتے تھے، یہ گویا عرب کا سالانہ مشاعرہ تھا، اسکے بعد جب فارسی شاعری نے بہت زیادہ ترقی کی اور متوسطین و متاخرین کا دور شروع ہوا تو مشاعرون کا اور بھی زیادہ رواج ہوا، لیکن ان کی صورت بازار عکاظ کے مشاعرون سے مختلف تھی، شعرائے عرب مختلف بحر و قافیہ مین اپنے قصائد سناتے تھے، اور کسی خاص زمین اور طرح کے پابند نہ تھے، لیکن فارسی شعراء ایک خاص بحر اور ایک خاص ردیف و قافیہ کے پابند ہوتے تھے، اور اگرچہ اس طریقے سے خیالات و مضامین محدود ہوجاتے تھے، تاہم شعراء کی طباعی کا امتحان اس سے نہایت خوبی کے ساتھ ہوسکتا تھا، کیونکہ اس طریقہ سے یہ اندازہ ہوجاتا تھا، کہ ایک ہی قافیہ و ردیف کی پابندی کے ساتھ کس شاعر نے عمدہ مضامین پیدا کئے ہین،

اردو شاعری بھی اس معاملے مین بالکل فارسی شاعری کی مقلد ہے، اور ابتداء سے لیکر آج تک ہندوستان مین اسی طریقے پر مشاعرے ہوتے رہے ہین، اور ہو رہے ہین، بلکہ اب تو یونیورسٹیون، کالجون اور اسکولون کی سنجیدہ علمی مجالس کے پہلو بہ پہلو اسکو جگہ مل رہی ہے،

عربی مین اسی قدر تھا کہ شعراء کسی ایک موقع پر جمع ہوکر اپنے قصائد سناتے تھے، فارس مین یہ ہوا کہ شعراء کسی باکمال شاعر کے کسی بلند پایہ قصیدہ یا مثنوی کے وزن و قافیہ مین قصیدے اور مثنویان تصنیف کرتے تھے، مثلاً عثمان مختاری

کے اس قصیدہ مکے ع

مسلمانان دلے دارم کہ ضائع می شود جانش

خاقانی امیر خسرو، مولینا جامی وغیرہ بڑے بڑے اساتذہ نے جوابات لکھے ہین، خاقانی نے اس کتاب کے جواب مین یہ قصیدہ لکھا ہے،

دل من پیر تعلیم است و من طفل زباندانش

اسی طرح کمال اسمٰعیل اصفہانی کے اس قصیدہ کا ع :-

ایکہ از بر سر موی تو دلے اندر داست

خواجہ سلمان وغیرہ فضلا رنے جواب لکھا ہی،

اسی طرح نظامی کے خمسہ کے جواب مین میسون مثنویان تصنیف ہوئین، اس کے بعد کمال اصفہانی اور سعدی کے زمانہ سے جب غزل گوئی کو ترقی ہوئی، تو شعرا غزلون کے جواب مین غزلین لکھنے لگے، اس قسم کی جوابیہ غزلون مین عموماً اسکے مقطع مین جواب کی تصریح کردیجاتی تھی، لیکن اس قسم کے واقعات کو مشاعرہ کے بجائے مطارحہ سمجھنا چاہئے،

مشاعرہ اور مطارحہ دو مختلف المعنی لفظ ہین، مشاعرہ کے معنی باہم شعر خوانی کرنیکے ہین، اس کے لئے کسی مخصوص زمین اور ردیف وقافیہ کے اتحاد کی ضرورت نہین، بلکہ شعرا اگر کسی مجلس مین الگ الگ زمینون مین غزل یا قصیدے پڑھین تو اوس کو مشاعرہ کہہ سکتے ہین، لیکن مطارحہ کے معنی طرح افگندن یعنی بنیاد عمارت قائم کرنے کے ہین، اور عمارت کی بنیاد قائم کرنے کیلئے پہلے سے ایک مجوزہ نقشہ کی ضرورت ہوتی ہے، اس لئے اگر یہ نقشہ کسی مخصوص طرح کی صورت مین ضروری قرار دے لیا جاسے، تو اوس کو مطارحہ کہین گے، لیکن اب عام طور پر مشاعرہ جس کا نام رکھ لیا گیا ہی، مشاعرہ اور مطارحہ دونون کا مجموعہ ہے یعنی کسی ایک طرح یا زمین پر شعرا کا باہم مل کر شعر پڑھنا اس لئے اب ہر مشاعرہ مین ایک خاص طرح کی پابندی ضروری ہوگئی ہے لیکن اس معنی مین مشاعرہ کا رواج فغانی کے زمانہ سے ہوا،

---

۱ شعر العجم جلد سوم صفحہ ۱۹،

اور شعرائے متاخرین فارسی کے زمانہ میں اوسکو بہت زیادہ ترقی ہوئی، چنانچہ اس زمانے میں اکثر فغانی کی غزلیں طرح کی جاتی تھیں، اور ان میں محتشم کاشی اور عرفی وغیرہ غزلیں لکھتے تھے، اور عام مشاعروں میں پڑھتے تھے، شیراز میں ایک دکان گویا شعرا کا دنگل بن گئی تھی، جہاں متعدد شعراء جمع ہو کر مشاعرے کرتے تھے، اور ان میں عرفی اور ضمیری وغیرہ شریک ہوتے تھے[1]

شیرازہی کی تخصیص نہیں بلکہ تمام ایران میں اس کا عام رواج ہو گیا تھا، اور شعرا کی مسابقت و مقابلہ کا بڑا ذریعہ بن گیا تھا، چنانچہ نظیری نیشاپوری جب خراسان سے کاشان میں آیا، تو یہاں کے اساتذہ یعنی حاتم فہمی، مقصود خردہ، شجاع، و رضائی وغیرہ کے مشاعروں میں جو طرحیں دیجاتی تھیں، ان میں نظیری بھی شریک ہوتا تھا، چنانچہ انھیں غزلوں میں سے ایک غزل کا شعر یہ ہے،

زجود ہرگز نیازارم دلے را ہے کہ می ترسم در و جائے تو باشد[2]

ہندوستان میں بھی امرائے شعراء کے آخری دور میں شاعری کی مجلسیں قائم تھیں، اور امراء بعض غزلوں کو شعراء کے سامنے پیش کرتے تھے، اور وہ ان کے جواب لکھتے تھے، چنانچہ ملا عبد القادر بدایونی ثنائی مشہدی کے تذکرے میں لکھتے ہیں:۔

"پیش از آنکہ بہندوستان بیاید بزرگان این دیار بنیے از و،

غائبانہ بزم می آراستند و در ہر مجلس شعرا او را بتبرک بخوانند"

ایک اور امیر کا یہ شعر نقل کیا ہے،

باریک چو موئیست میانے کہ تو داری، گویا سر آن موست دہانے کہ تو داری،

اور اوس کے بعد لکھا ہے:۔

"چون این غزل درمیان انداخت، خیلے از شعرائے آن صوبہ جواب گفتند از ان جملہ این است:۔

گفتم کہ گمانیست دہانے کہ تو داری گفتا کہ یقین است گمانے کہ تو داری"

پھر اپنا شعر بھی نقل کیا ہے، اور لکھا ہے کہ یہ زمانہ جاہلیت کی شاعری ہے، جس سے توبہ بہتر ہے[3]، بعض امرا

---

[1] شعر العجم ج سوم ص ۲۳، ۲۴، [2] مآثر رحیمی جلد سوم ص ۱۱۱ تذکرہ نظیری [3] بدایونی جلد سوم صفحہ ۲۲۸-۲۲۹،

خود مشہور اساتذہ کی غزلون پر غزلین لکھتے تھے اور اپنے دربار کے شعرا سے اونکا جواب لکھواتے تھے، مثلاً ایک امیر نے شیخ سعدی کی یہ غزل شعرا کے سامنے پیش کی،

دلے کہ عاشق صابر بود مگر سنگ است ، زعشق تا بصبوری ہزار فرسنگ است ،

اور خود اوس کا جواب لکھا اور دوسرے شعرا نے بھی اوس کے جواب لکھے[1]

شعرا خود بھی مشہور اساتذہ کی غزلون پر غزلین لکھتے تھے، اور مقطع مین اون غزلون کے مصرعے نقل کر دیتے تھے، چنانچہ صائب کا یہ خاص انداز ہے، مثلاً،

این جواب آن غزل صائب کہ میگوید ملک ، چشم بنیش باز کن تا ہر چہ خواہی بنگری

این جواب مصرع نوعی کہ خاکش سبز باد ، سایۂ ابر بہاری کشت را سیراب کرد ،

اس طریقہ سے خاص خاص زمینون اور خاص خاص طرحون کی پابندی لازمی ہوگئی، چنانچہ ایک امیر نے امیر خسرو کی ایک غزل کا یہ مصرع

از دل بدست رفت وز ناخن بتار ریخت،

[illegible] لوا اس پر غزل لکھنے کیلئے ایک دن کی مہلت دی اور دوسرے دن محمد انوری لاہوری ملا عبد الغنی فخر الزمانی نے غزل لکھکر پیش کی[2] [illegible] سی طریقہ کی باضابطہ شکل کا دوسرا نام مشاعرہ تھا، اور رفتہ رفتہ یہ باضابطہ شکل بھی قائم ہوگئی، چنانچہ ماثر الامرا مین [illegible] حال یون لکھا ہے:-

ہفتہ یکبار مشاعرہ مقرر کردہ بود، جمیع شعرائے کشمیر حاضر میشدند، در آخر مجلس شیلانے میکشید،[3]

[illegible] این ہمہ قدمائے شعرائے اردو یعنی ولی وغیرہ کے زمانے تک کسی مشاعرے کا پتہ نہین چلتا، البتہ [illegible] اردو شاعری کا عام رواج ہوا تو ساتھ ساتھ مشاعرون کی بھی گرم بازاری ہوئی، اور اون مین سب [illegible] مشاعرہ خواجہ میر درد کے مکان پر ہوتا تھا، لیکن جب یہ بزم مشاعرہ حوادث زمانہ سے قائم نہ رہ سکی تو [illegible] ایماسے میر تقی کے یہان ہر مہینے کی پندرھوین تاریخ کو ہونے لگی[4] اس کے علاوہ اور بھی متعدد

---

[1] [illegible] صفحہ ۲۸۸ [2] میخانہ صفحہ ۵۰۶ [3] ماثر الامرا حصہ دوم صفحہ ۱۷۲ [4] نکات الشعرا صفحہ ۵۴،

مشاعرے ہوتے تھے جن کا حال میر نے اپنے تذکرے میں جا بجا لکھا ہے چنانچہ میر سجاد کے تذکرے میں لکھتے ہیں:۔

قبل ازین بخانہ او مجلس یاران ریختہ می شد بندہ نیز می رفتم۔[۱]

میاں کمترین کے تذکرے میں فرماتے ہیں:

"گاہ گاہ در مجلس مراختہ کہ این لفظ بوزن مشاعرہ تراشیدہ اند ملاقات می شود"[۲]

ان عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں مشاعرہ کو مراختہ کہتے تھے، جو ریختہ سے ماخوذ ہے،

دلی کے تباہ ہونیکے بعد جب لکھنو اردو شاعری کا مرکز قرار پایا تو یہاں مشاعروں نے اور بھی رونق حاصل

کی، بالخصوص شہزادگانِ دلی نے جو لکھنو میں آرہے تھے ان کی رونق کو اور بھی دوبالا کیا، چنانچہ تذکرۂ گلشن ہند میں مرزا

جوان بخت کے حال میں لکھا ہو کہ

"غرض اس شہزادۂ عالی تبار کی طبیعت شعر کی طرف اس قدر آئی تھی کہ مہینے میں دو مرتبہ بنا مشاعرے کی بیچ

دولت خانہ میں ٹھہرائی تھی، شعرائے باوقار کو اپنے چوبدار بھیج کر مشاعرے کے دن بلواتے اور ہر ایک شخص سے نہایت

الطاف اور عنایت کے ساتھ گرمجوشی سے فرماتے"[۳]

مرزا سلیمان شکوہ کی نسبت مصحفی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں:۔

"در ایامے کہ بحکم او ترتیب مجلس مشاعرہ شدہ بود، اکثرے از کاروانانِ فن در حضور آمدہ حاضر می شدند

میر سوز کہ کسوتِ درویشی بر قامتِ حال خود داشت در اوائلِ مشاعرہ بانعام یک، دو شالہ دیک ٹوپی سرفراز

یافتہ راہ خود پیش گرفت"

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے، کہ یہ مشاعرے امرا کے درباروں میں شعرا کی قدردانی اور ان کے

اجتماع بلکہ ملازمت کا بڑا ذریعہ تھے، چنانچہ مصحفی اسی عبارت کے سلسلہ میں اپنے متعلق لکھتے ہیں:۔

این فقیر حقیر چونکہ، نسبت دیگران باوصف گوشہ نشینی درین کار زیادہ رسوائی داشت، بگفتہ انشاء اللہ خان

۱؎ نکات الشعراء ص۲، ۲؎ ایضاً ص۱۵۶، ۳؎ تذکرۂ گلشن ہند ص۸۲،

حسب الطلب حضور با وسعت کم شغلی و شکستہ حالی شریک مجلس یاران شدہ بود چنانچہ از ہمان تاریخ در حلقۂ ملازمان حضور در آمد"

اس لئے یہ شاعری کی ترقی کا بڑا ذریعہ بن گئے تھے،

یہ شاعری ذوالمناظرہ کا کام بھی دیتے تھے اگرچہ اس حیثیت سے انکے اخلاقی نتائج اچھے نہین ہوتے تھے اسلئے جو لوگ مناظرے کے کانون سے اپنے دامن کا بچانا پسند نہین کرتے تھے وُہ ان مین جانا پسند نہین کرتے تھے، چنانچہ علی ابراہیم خان مصنف تذکرۂ گلزار ابراہیم کو جب مرزا جوان بخت جہاندار شاہ نے اپنے مشاعرے مین طلب کیا تو اونھون نے یہ معذرت کی۔

"کمترین نے مشاعرے کا جانا مدت سے موقوف کیا ہے، ازبسکہ ان صحبتون مین مناظرہ ہی کو یاران عالی حوصلہ نے رواج دیا ہے[1]"

تاہم اون کے ذریعہ سے فن تنقید کو جو شاعری کا ایک لازمی جزو ہے، نہایت ترقی ہوتی تھی، چنانچہ مولوی محمد حسین صاحب آزاد نے آبحیات مین اس قسم کے بہت سے تنقیدی نکتے لکھے ہین، جو انھین مشاعرون کی پیداوار ہین، مثلاً خان آرزو کے مکان پر مشاعرہ تھا، سودا نے یہ مطلع پڑھا

آلودہ قطرات عرق دیکھ جبین کو، اختر پڑے جھانکے ہین فلک پر سے زمین کو

خان آرزو نے فوراً قدسی کا یہ مطلع پڑھا:-

آسودہ قطرات عرق دیدہ جبین را اختر ز فلک مے نگرد روے زمین را

جس سے یہ اشارہ تھا کہ سودا کا مطلع اسی کا ترجمہ یا سرقہ ہے[2]

شاہ نصیر نے دکن مین کسی کی فرمایش سے ۹ شعر کی ایک غزل کہی تھی، آتش و آب و خاک و باد اپنے مشاعرے مین غزل سنائی اور کہا کہ اس طرح مین جو غزل لکھے ہین اوسے اوستاد مانتا ہون، دوسرے مشاعرے مین ذوق نے غزل پڑھی اور شاہ صاحب کی طرف سے اوس پر کچھ اعتراضات ہوئے جشن قریب تھا، ذوق نے اسی

[1] گلزار ابراہیم [1] گل رعنا بحوالہ [1] تذکرۂ شعرائے ہند صفحہ ۵۲ [2] آبحیات صفحہ ۱۵۹.

زمین میں بادشاہ کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھا، اس پر بھی اعتراضات ہوئے، ذوق نے قصیدہ کو مشاعرہ میں سنانا
کہ وہیں برسر معرکہ فیصلہ ہو جائے، قصیدہ کا مطلع یہ تھا،

کوہ اور آندھی میں ہوں گر آتش و آب و خاک و باد　　　آج نہ چل سکیں گے پر آتش و آب و خاک و باد

ورا سپر اعتراضات حسب ذیل تھے،

(۱) سنگ میں آتش کے چلنے کا ثبوت چاہئے،

(۲) سنگ میں آتش کا ثبوت چاہئے [1]

مولینا محمد حسین آزاد نے ان سوالات و جوابات کی جو تقریر کی ہے، اگر وہ صحیح ہے تو شاعری کی حد سے گذر کر
منطق و فلسفہ کے حدود میں داخل ہو گئی ہے،

دلی کے ایک مشاعرے میں مرزا غالب نے اپنی فارسی غزل سنائی جب یہ مصرع پڑھا:-

بوادئی کہ دران خضر را عصا خفت است

تو اوس پر یہ اعتراض ہوا "کہ عصا خفت است" میں کلام ہے، مرزا نے کہا میں ھندی نژاد ہوں میرا عصا پکڑ لیا، اوس
شیرازی کا عصا نہ پکڑا گیا ع وے بحملہ اول عصائے شیخ بخفت،

اونھوں نے کہا کہ اصل محاورہ میں کلام نہیں، کلام اسمین ہے کہ مناسب مقام ہے یا نہیں؟ [2]

یہ مشاعرے شعرا کی مسابقت و مقابلہ کا بھی بڑا ذریعہ تھے، اگرچہ اس مسابقت و مقابلہ سے صحیح طور پر کام نہیں
لیا گیا، تاہم اسمین شبہہ نہیں کہ اردو شعراء نے اوسکی بدولت بڑے بڑے دشوار گذار مرحلے طے کئے، تذکرہ گلستان سخن میں شاہ
نصیر کے حال میں لکھا ہے:-

"بارہا ہنگامہ مشاعرہ میں حریف ہنوز انشاد اشعار سے فارغ نہیں ہوا کہ اوس نے اوس کوتاہ مدت میں شمع
مقابل رکھ کر اشعار سوزان تر از شعلہ شمع بقدر دو تین غزل کے لکھ کر مشتاقان سخن کے گوش گذار کر دیئے"

---

[1] آبحیات ص ۴۹۴، [2] ص ۴۹۰،

اس مسابقت کا ایک واقعہ اسی تذکرے مین شاہ صاحب کے حال مین لکھا ہو کہ وہ ایک بار لکھنو مین آئے اسوقت مصحفی جرأت اور انشا سب زندہ تھے، بقول صاحب تذکرہ ہرایک کے دل مین ہوس مطارحہ پیدا ہوئی اور باہمی مشورہ سے آٹھ مصرع مشکل زمینون مین طرح کرکے شاہ صاحب کے پاس پہنچے، شاہ صاحب آنکھ ساتھ ہی درد گردہ مین مبتلا ہو گئے تھے، مشاعرے کو صرف تین دن باقی رہ گئے تھے، تاہم غیرت کے تقاضے سے نہ صرف ان زمینون مین غزلین لکھین بلکہ خود ایک اور غزل لکھی جسکی ردیف و قافیہ مین کی کمی اور کفن کی کمی تھی اور مشاعرے مین داد تحسین حاصل کی۔

ایک بار شاہ صاحب سفر لکھنو سے واپس آئے اور دو غزلین جو شعرائے لکھنو کی فرمایش سے کہی تھین ایک مشاعرہ مین پڑھین۔ ان مین ایک کا مطلع اور ایک کا ایک شعر یہ ہے،

ہم پھڑک کر توڑتے سارے قفس کی تیلیان
پر نہ تھین اے ہمصفیرو اپنے بس کی تیلیان

برہمن اپنے بتون کو سجدہ نہ کر
آدم مردہ مین ہے گور و کفن پتھر کے،

ان کی بڑی تعریفین ہوئین تو بعض اساتذہ کے دل مین رشک پیدا ہوا اور اپنے شاگردون سے ان دونون زمینون مین غزلین کہلائین، یہ بات شاہ صاحب کو ناگوار ہوئی، اور پہلی زمین مین تقریباً پچاس غزلین کہلا کر اپنے شاگردون کے نام سے آیندہ مشاعرے مین پڑھوائین، اس سے رشک و حسد کا بازار گرم ہو گیا، اور اوس کے بعد شعرا نے یہ التزام کر لیا کہ ہر مشاعرہ مین اسی زمین مین غزل طرح ہو، اور لوگ تو صرف آٹھ نو شعر مشاعرے مین پڑھتے تھے لیکن شاہ صاحب ہر بار ساٹھ ستر اشعار کا دوغزلہ پڑھتے تھے، اور اون کے شاگردون کی غزلین بھی جو اونیس بیس شعر سے کم نہ ہوتی تھین اونھین کی طبعزاد ہوتی تھین،[1]

ان وجوہ کے علاوہ ایک عام مجمع مین شعرا و اساتذہ کی داد تحسین بھی نومشق شعرا کی ترقی و شہرت کا بہت بڑا ذریعہ تھی، مولوی محمد حسین آزاد نے ذوق کے حال مین لکھا ہو کہ انھون نے ایک مشاعرے مین ایک غزل پڑھی، تعریف زیادہ ہوئی تو حوصلہ بڑھا، اور بے اصلاح مشاعرے مین غزل پڑھنے لگے اب کلام کا چرچا زیادہ ہوا،

[1] گلستان سخن ص ۴۵۹، ۵۲ و ص ۱۹۲

اور بزرگان پاک طینت جو اساتذہ سلف کی یادگار باقی تھے، مشاعرون مین تعریفین کرکے دل بڑھانے لگے،[۵۱]

لیکن ان تمام باتون کے ساتھ مشاعرون کے اخلاقی نتائج نہایت ناگوار بلکہ خطرناک ہوئے چنانچہ ایک نواب صاحب کے یہان مشاعرہ تھا، وہ شیخ ناسخ کے معتقد تھے، اس لئے ارادہ کیا کہ شیخ صاحب جب غزل پڑھ چکین تو انھین سر مشاعرہ خلعت دین لیکن یارون نے خواجہ آتش کے پاس مصرع طرح نہ بھیجا، انھین مصرع اوس وقت پہنچا جب مشاعرے کو صرف ایک دن باقی تھا، وہ نہایت برہم ہوئے اور شہر کے باہر جاکر ایک مسجد مین جا بیٹھے، اور وہان سے غزل لکھکر لائے اور مشاعرے مین گئے تو قرابین بھر کر لیتے گئے، اول تو انکا انداز ہی بانکے سپاہیون کا تھا، اس پر قرابین سامنے بھری ہوئی رکھی تھی، اور معلوم ہوتا تھا کہ خود بھی بھرے بیٹھے ہین، بار بار قرابین اوٹھاتے تھے، اور رکھ دیتے تھے جب شمع سامنے آئی تو سنبھل کر ہو بیٹھے، اور شیخ صاحب کی طرف اشارہ کرکے پڑھا،

سن تو سہی جہان مین ہے تیرا فسانہ کیا، کہتی ہے تجھکو خلق خدا غائبانہ کیا

اس ساری غزل مین کہین اون کے پالک ہونے پر کہین ذخیرۂ دولت پر کہین ان کے سامان امارت پر غرض کچھ نہ کچھ چوٹ ضرور ہے، شیخ صاحب بیچارے دم بخود بیٹھے رہے، نواب صاحب ڈرے کہ خدا جانے یہ اون پر قرابین خالی کرین، یا میرے پیٹ مین آگ بھر دین، اوسی وقت داروغہ کو اشارہ کیا کہ دوسرا خلعت خواجہ صاحب کیلئے تیار کرو، غرض دونون صاحبون کو برابر خلعت دیکر رخصت کیا،[۵۲]

اسی رشک و منافست کا یہ نتیجہ تھا کہ دونون بزرگ کبھی ایک مشاعرے مین شریک نہین ہوتے تھے، اور لکھنؤ کے مشاعرون مین اب بھی اس رشک و منافست کے ناگوار مناظر نظر آتے ہین،

دور جدید مین اگرچہ مشاعرے کی قدیم شکل بھی قائم رہی تاہم اس دور مین اردو شاعری کی اصلاح کے ساتھ مشاعرون کی بھی اصلاح ہوئی، اور سب سے پہلے کرنل ہالرائڈ ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم نے جب اردو شاعری کی اصلاح کی طرف توجہ کی تو اس سلسلے مین اونھون نے ایک بزم مشاعرہ بھی قائم کی جس مین مصرع طرح کے بجائے کوئی خاص مضمون

---

[۵۱] تذکرہ آبحیات صفحہ ۱۴، [۵۲] " " صفحہ ۳۴۳

دلایا تھا کہ عاشقانہ مضامین کی جگہ مناظر قدرت اور جذبات انسانی پر شعراء طبع آزمائی کرسکیں، مولانا حالی اور مولوی محمد حسین آزاد نے جو اس وقت سررشتہ تعلیم سے متعلق تھے، اس مشاعرے میں خصوصیت کے ساتھ حصہ لیا، اور حب الوطنی اور مناظر قدرت پر چھوٹی چھوٹی مثنویاں لکھیں، اور اسی مشاعرے کے ذریعہ سے جدید شاعری کا آغاز ہوا، اگرچہ عام طور پر اس قسم کے مشاعروں کا رواج نہ ہو سکا، تاہم اب بھی کبھی کبھی اس قسم کے مشاعرے ہوتے رہتے ہیں، جن میں غزل کے بجائے مختلف موضوع پر نظمیں پڑھی جاتی ہیں، اس لئے ان کے ذریعہ سے ایک نوع کی شاعری کے بجائے مختلف نوع کی شاعری کو ترقی ہوتی ہے،

جب سے ملک میں نئی نئی یونیورسٹیاں قائم ہوئی ہیں، اور نصاب تعلیم میں اردو زبان داخل ہوئی ہے، جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو بھی مشاعروں کی طرف توجہ ہو گئی ہے، بالخصوص طلبہ اس میں زیادہ دلچسپی لینے لگے ہیں، چنانچہ تقریباً تمام یونیورسٹیوں اور کالجوں میں سالانہ مشاعرے ہوتے ہیں، اور دور دور سے مشہور شعراء مدعو کئے جاتے ہیں، اس لئے اون سے بڑا فائدہ یہ مرتب ہوتا ہے، کہ جدید نسل کو اردو زبان سے بیگانگی نہیں پیدا ہونے پاتی، تاہم اس میں شک نہیں کہ ان مشاعروں میں بہت سی ایسی باتیں پیدا ہو گئی ہیں جن پر ہمارے شعراء کو سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا ہے، ذیل میں صرف چند امور کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، اور اون کی تفصیل کسی اور موقع کے لئے اٹھا رکھی جاتی ہے،

۱- اس طریقہ سے "غزل گوئی" کی طرف شدت انہماک پیدا ہوا، جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ دوسرے اصناف سخن مرگئے،

۲- "غزل گوئی" درحقیقت سچے جذبات کے اظہار کی طالب ہے، مگر اس کی اس ہر دلعزیزی نے یہ کیا کہ ہر بوالہوس کو شاعر بن جانے پر مجبور کر دیا، جس سے شاعری کے وقار کو بہت صدمہ پہنچا،

۳- مشاعروں سے داد وتحسین کے حصول کے ایسے طریقے ایجاد ہوئے جن کا اخلاقی اثر شعراء کے پورے گروہ پر نہایت برا پڑا، اور اوس کے لئے نہ صرف غیر منصفانہ بلکہ ناروا طریقوں سے بھی احتراز نہیں برتا جاتا،

(۴) پہلے زمانہ مین مشاعرون کا یہ وقار اور رعب تھا کہ باکمال شعرا یا اون کے منجھے ہوئے شاگردون کے سوا کوئی دوسرا شخص ان مجلسون مین اپنا کلام سنانے کی ہمت نہین کرسکتا تھا، مشاعرون مین استادون کے چشم و ابرو کے اشارے دیکھے جاتے تھے، اور اون سے کلام کی صحت و سقم پر استدلال کیا جاتا تھا، مگر آج کل کی بازاری اور فن کی عدم واقفیت نے ہر طفل سوادخوان کو اس کا اہل بنا دیا ہو کہ دوچار فقرے موزون کرکے اہل بزم سے داد حاصل کرے اور اگر نہ ملے تو سخن ناشناسی کا الزام اون پر قائم کرکے دنیائے ادب کی سونی ہوجانے پر ماتم کرے،

یہ تمام امور اہل ادب اور اصحاب شعر و سخن کی توجہ کے مستحق ہین

گل رعنا

اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اوس کی شاعری کا آغاز، اور عہد بعہد کے اردو شعرا کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار، اردو مین شعرا کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے جسمین آب حیات کی غلطیون کا ازالہ کیا گیا ہو، ولی سے لیکر حالی و اکبر تک کے حالات ضخامت ۵۴۵ صفحے قیمت صہ

کلیات شبلی اردو

مولینا کی تمام اردو نظمون کا مجموعہ جسمین مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف مجلسون مین پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمین جو کانپور، ٹرکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہین یکجا ہین، یہ نظمین درحقیقت مسلمانون کے چہل سالہ جد و جہد کی ایک مکمل تاریخ ہے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلی ضخامت ۱۲۰ صفحے، قیمت ۱۲؍

"منیجر"

حاشیہ بیضاوی شاہ وجیہ الدین صاحب

معارف کے دو پچھلے پرچون مین حضرت شاہ وجیہ الدین رحمۃ اللہ علیہ کے جو حالات مولینا سید ابو ظفر صاحب ندوی کے قلم سے شائع ہوئے ہین، او مضمون نے اہل علم مین اس محترم ہستی کے متعلق بڑی دلچسپی پیدا کر دی ہو،

معارف اس پر بجا فخر کر سکتا ہو کہ اوس کے ناظرین مین ایسے ارباب علم ہیں، جو اس مین شائع ہونے والے ہر مضمون کو میزان علم مین تولتے، اور محک نظر سے پرکھتے ہین،

صاحب مضمون کو شاہ صاحب کے مزار کی تعمیر کے تاریخی مصرع :-

عرش اسلام و قبلہ مقبل

مین جو غلط فہمی ہوئی تھی، اوسکی تصحیح، نواب صدر یار جنگ مولینا شروانی کے علاوہ مرزا عزیز دارا پوری نے لاہور سے کرکے بھیجی ہو، جو بعینہ وہی ہو جو مارچ کے معارف مین مضمون مذکور کے آغاز مین چھپ چکی ہو،

مضمون نگار نے اپنے علم کے مطابق شاہ صاحب کی تصنیفات کے متعلق یہ لکھا تھا، کہ "شاید ہی کوئی ان مین سے طبع ہوئی ہو" مولینا عبد العزیز صاحب میمن پروفیسر عربی مسلم یونیورسٹی اطلاع دیتے ہین کہ کم از کم انکی ایک کتاب مختصر کافیہ ایسی ہو، جو کسی زمانہ مین بمبئی مین چھپی تھی، اور وہان کے کتبخانون مین اب بھی ملیگی،

صاحب مضمون کو شاہ صاحب کے حاشیۂ بیضاوی کے نہ ملنے کا افسوس رہا اور اون کو اتنا ہی معلوم ہو سکا کہ مدراس کے کسی بزرگ کے پاس یہ انمول موتی ہو، مگر معارف کو اب تک اس کے دو نسخون کا پتہ چل چکا ہو،

پروفیسر عبد العزیز صاحب میمن فرماتے ہین کہ اون کے پاس اس حاشیہ کا وہ نسخہ تھا، جو خاص مصنف کے نسخہ سے منقول تھا، اور اب یہ نسخہ کتبخانہ آصفیہ حیدر آباد دکن مین ہو،

نواب صدر یار جنگ رقم فرماتے ہین:-

حاشیہ موصوف کا پورا نسخہ میرے کتابخانے واقع حبیب گنج علی گڈہ، مین ہے خوشخط اور جہان تک دیکھا صحیح ہی تعداد صفحات (۴۹۷) ہے فی صفحہ سطر (۲۴) خفی قلم، پہلے چند ورق ایک قلم کے ہین، باقی دوسرے قلم کے، جو زیادہ خوشخط نسخ ہے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے کاتب نے چند ورق لکھ کر چھوڑ دئے، دوسرے نے پوری کی، دوسرے کاتب کی تحریر وسط صفحہ سے شروع ہوتی ہے۔

ابتدا یون ہے۔ الحمدُ للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی سید العالمین محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

شرح تفسیر قولہ کرکے شروع کرتے ہین، حواشی مختصر مگر واضح اور موضح ہین،

کاتب نے آخر مین لکھا ہے کہ "تمام شد حاشیۂ میان وجیہ الدین بہ تفسیر بیضاوی، بتاریخ ۲۲ شہر ذی حجہ روز دوشنبہ ۱۰۵۱ھ در احمد آباد"

تلخیص و تبصرہ

"فلسفۂ ہند اور حیات ابدی"

"پروفیسر ای ایس وائر ہاؤس نے ایک مقالہ عنوان بالا سے رسالۂ لیسنر میں لکھا ہو، اس کی تلخیص اسٹیٹسمین کے حوالہ سے ذیل میں درج کیجاتی ہے۔

ویدک لٹریچر سے ہندوستان میں صدیوں کے مذہبی ارتقا کے حالات معلوم ہوتے ہیں، اس کے قدیم ترین اور بہترین حصہ میں جو رگ وید کے نام سے مشہور ہے، ہمیں آسمان سے ماورا ایک ایسی جنت کا حال ملتا ہے، جو ہمارے بچپن کے تخیل کی جنت سے بہت ملتی جلتی ہے،

مرنے بہشت میں دیوتاؤں اور انسانوں سے ملتے ہیں، اور وہاں ان کی زندگی ہر قسم کی مسرت اور آسودگی کی زندگی ہوتی ہے، لوگ جو قربانیاں دنیا میں کرتے ہیں، وہی بہشت میں ان کے لئے سامان غذا بن جاتی ہیں، اگرچہ یہ خیالات حضرت مسیح سے کم از کم ایک ہزار سال قبل سے چلے آتے ہیں، تاہم وہ اس رائے کی تائید نہیں کرتے کہ مذہب کوئی خوف کی چیز تھی، کیونکہ بجز چند مقامات کے جہاں برے لوگوں کو ایک گڑھے میں ڈال دینے کا ذکر ہے، دوزخ کے متعلق اور کچھ معلوم نہیں ہوتا، یہ گڑھا ہر برائی کرنے والا خود اپنے افعال بد سے کھودتا ہے۔

یہ سادہ تخیل آج کل کے ہندو مذہب کی بہ نسبت عیسائیت سے زیادہ قریب ہے، بعد کے لٹریچر میں جو برہمن اور اُپنشد لٹریچر کے نام سے مشہور ہے ہم ایک تبدیلی پاتے ہیں یہاں ہم سے کہا جاتا ہے کہ انسان اپنی جنت اور دوزخ خود بناتا ہے، اس سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کی جنتیں دوسرے لوگوں کی بہ نسبت بہتر ہوں گی چنانچہ ایسے لوگ بھی ہیں جنکی حیات ابدی صرف

ایک سوبرس تک قائم رہتی ہے (اور تو پھر غیر فانیوں کے ملک میں مرجاتے ہیں)

قدیم کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد انسان کے اجزاء منتشر ہو جاتے ہیں مثلاً اوسکی گویائی آگ میں آنکھیں آفتاب میں، سانس ہوا میں، بال جڑی بوٹیوں اور درختوں میں خون پانی میں جسم مٹی میں، اور روح فضا میں مل جاتی ہے، زمانہ قدیم کے ایک مشہور ہندو مفکر جان ولکیا نے ایک ساتھی نے اُس سے دریافت کیا کہ اس انتشار کے بعد خود انسان کا حشر کیا ہوتا ہے، اس مسئلہ پر گفتگو کرنے کے بعد، دونوں جس نتیجہ پر پہونچے وہ ہمارے لئے کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے یعنی انسان اپنے افعال کی بنا پر اچھا یا بُرا ہو جاتا ہے،

یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ اب انسان کے انجام کے متعلق یہ خیال پیدا ہو گیا، کہ وہ خود اس کے اعمال سے متعین ہوتا ہے اس جنت کا تخیل جس میں پہلے سب لوگ یکساں طور پر چلے جاتے تھے، اب مسترد کر دیا گیا، جان ولکیا کے بعض اقوال سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تناسخ کا مسئلہ ایک متعین شکل اختیار کر رہا تھا، وہ کہتا ہے "سونا نقاشی کا ایک کام لیتا ہے، اور اوسکو تراش کر اس سے بہتر کام بنا دیتا ہے، یہی حال اوس شخص کا ہوگا، جو نیک کام کرتا ہے، یہاں کے بعد وہ بہتر حالت میں ہوگا جس طرح ایک کیڑا ایک پتی کو کھا کر دوسری پتی کا سرا شروع کر دیتا ہے اسی طرح انسان ایک ہستی کو ختم کرکے دوسری ہستی کو شروع کر دیتا ہے"

تناسخ کا سلسلہ غیر محدود ہے، روح انتقال کرکے جنت میں بھی جا سکتی ہے، اور دوزخ میں بھی یا پھر دنیا میں واپس آسکتی ہے، وہ کسی لکڑی یا پتھر میں بھی داخل ہو سکتی ہے، نیکی کرنے والے دوبارہ برہمن کے گھر میں جنم لے سکتے ہیں، اور برائی کرنے والے ممکن ہے کہ سور، کتے یا اچھوت ہو کر پیدا ہوں لیکن اس تمام معاملہ میں حکم صرف انسان کے ذاتی افعال ہی ہیں، کوئی دیوتا انسانی اعمال کی جانچ کرکے سزا و جزا نہیں دیتا ہر شخص اپنا کرم خود پیدا کرتا ہے، اور کرم مجموعہ ہے اس کے تمام اقوال و اعمال کا، جیسا کسی کا کرم ہوتا ہے، ویسا ہی مرنے کے بعد اس کا انجام ہوتا ہے، جسطرح ہم اپنے آبا و اجداد سے اپنا قد و قامت اپنا رنگ روپ اپنی جسمانی اور مزاجی کیفیت ورثہ میں پاتے ہیں، اور اس سے ہمیں کوئی چارہ نہیں ہوتا، ٹھیک اوسی طرح انسان کی سابق زندگیوں کا کرم بھی اوسکی موجودہ زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے،

منطق کے رو سے کرم کے اس مسئلہ کے معنی یہ ہیں کہ روح انسانی ہمیشہ زندگیوں کے ایک دائمی سلسلہ سے گذرتی ہے،

لیکن رشیون نے اپنے تخیل کی پیدا کی ہوئی بھول بھولیان سے نکلنے کا ایک راستہ معلوم کر لیا" تم حقیقت کو معلوم کروگے، اور حقیقت تم کو آزاد کرے گی، علم سے کرم کی گرہ کٹ سکتی ہے، "یوگ" جو اعمال کے ایک مخصوص طریقہ کا نام ہے اُس کا اصلی کام جسم پر پورا قابو حاصل کرنا، اور مراقبہ کی وہ قوت پیدا کر دیتا ہے، جو ایسے آزاد کرنے والے علم کے حصول کا ذریعہ ہو، یہ راز اس مشہور جملہ میں پوشیدہ ہے،" وہ تو ہے" یعنی روح انسانی اور روح اعلیٰ ایک ہے، جو شخص اس حقیقت کو پا لیتا ہے، وہ کرم کی بندش سے آزاد ہو جاتا ہے، اور مختار کل سے واصل ہو جاتا ہے،

ان خیالات سے ہندوستان کا سب سے بڑا فرزند بودھ بھی ضرور واقف ہوگا، بودھ دوبارہ پیدا ہونے اور تناسخ کے مسئلہ کو تسلیم کرتا تھا، لیکن جیسا کہ اس کے مذہب کے صحیح عقائد سے معلوم ہوتا ہے، اس نے ان مسائل میں ایک انقلابی تبدیلی پیدا کر دی یعنی یہ کہ کوئی روح کوئی انسان دوبارہ پیدا نہ ہوگا، بودھ کے پانچ سو برس پہلے کی ایک مشہور تالیف میں یونانی بادشاہ منانڈر اور راہب ناگ سینا کے سوالات اور جوابات درج ہیں، بادشاہ سوال کرتا ہے کہ کیون بعض آدمی زیادہ عمر کے تندرست، خوبصورت، طاقتور، دولتمند بڑے مرتبہ کے، اور عقلمند ہوتے ہیں، اور بعض ٹھیک ان کے مخالف؟ راہب جواب دیتا ہے کہ بعض درختوں کے پھل کھٹے ہوتے ہیں، بعض کے نمکین بعض کے کڑوے، اور بعض کے میٹھے، اور پھر پوچھتا ہے کہ ایسا کیون ہوتا ہے، بادشاہ جواب دیتا ہے، کہ فرق اُن کے بیجوں کے سبب سے ہے، راہب کہتا ہے، کہ آدمیون کا بھی یہی حال ہے، وہ سب اپنے اپنے کرم کے وارث ہیں، اور یہی اُون کے اختلاف کا سبب ہے، وہ بادشاہ کو بتاتا ہے، کہ دوبارہ پیدا ہونے کا سبب اس دنیا سے وابستگی ہے، اور جب تک یہ وابستگی منقطع نہ ہو جائے گی، ایک پیدایش کے بعد دوسری پیدایش ہوتی رہے گی، ان تمام باتون میں وہ ہندو مذہب کے خیالات سے متفق ہے، لیکن اختلاف اس وقت ظاہر ہوتا ہے، جب بادشاہ متعجب ہو کر یہ سوال کرتا ہے کہ دوبارہ پیدا ہونا ممکن کیونکر ہے، جب تک کوئی شے کوئی روح ایک وجود سے دوسرے وجود تک منتقل نہ ہو، راہب اس وقت کو بھی حل کرتا ہے، وہ کہتا ہے، کہ کیا جب ایک چراغ سے دوسرا چراغ روشن کیا جاتا ہے، تو روشنی منتقل ہو جاتی ہے؟ یا استاد جب کوئی شعر پڑھاتا ہے، تو وہ شعر استاد سے شاگرد کو منتقل ہو جاتا ہے، اسی طرح روح کے انتقال کے

بلکہ ایک زندگی کے بعد دوسری زندگی بھی آتی ہے،

بودھ کے نزدیک انسان ایسا مسافر ہے، جو ایک طویل سفر کو منزل بہ منزل طے کرتا ہے، لیکن ہر نئی منزل کو اس حیثیت سے نئے طریق شروع کرتا ہے جو اسے پچھلی منزلوں میں حاصل کرتی ہے، وہ ارواح اور دیوتاؤں کو بھی ایک منزل سے دوسری منزل تک سفر کرنے کی صفت میں انسان کا شریک خیال کرتا ہے، اسے کبھی اس کا خیال بھی نہیں ہوا کہ ایک ہستی کے بعد حیات ابدی حاصل ہو سکتی ہے،

بودھ کے زمانہ کے بعد اس سفر کی آخری منزل کا نام "نروان" رکھ لیا گیا، حالانکہ اس کی حیات میں "نروان" کا مفہوم اپنی ذات سے برائی کو نکال دینا تھا، "نروان" ہے کیا؟ اس سوال کا جواب تقریبًا ناممکن ہے، یہ بتانا نسبتًا آسان ہے، کہ "نروان" کیا نہیں ہے، "نروان" کا مفہوم تمام وجود ارضی کے مخالف ہے، دنیا اور اس کی تمام چیزیں جو ہمارے تخیل میں آسکتی ہیں، اس کے حدود سے باہر ہیں، ان سب کی نفی کا نام "نروان" ہے، انگلستان کا باشندہ "نروان" اور فنا کو برابر سمجھتا ہے، اور یہی خیال بودھ مذہب کے بعض پیروؤں کا بھی ہے، لیکن اس مذہب کی قدیم ترین کتابوں میں یہ مفہوم بالکل نہیں پایا جاتا، سنیٹ پال بھی کہتا ہے کہ خدا نے اپنے چاہنے والوں کے لئے جو چیزیں تیار کر رکھی ہیں، ان کو نہ تو انسان کی یہ آنکھیں دیکھ سکتی ہیں نہ کان سن سکتے ہیں اور نہ دل سمجھ سکتے ہیں، لہذا اس دنیا کی تمام چیزوں کی نفی کرنے سے نفی مطلق کا پیدا ہونا لازم نہیں آتا،

ہندو اور بودھ مذہب اس مسیحی عقیدہ سے متفق ہیں کہ موت صرف ایک منزل کا نام ہے، دونوں کے نزدیک نعش کے دفن ہونے یا جلا دیے جانے کے بعد بھی مردہ کا "کرم" برابر چلتا رہتا ہے، یہ دوبارہ کسی انسان یا جانور کی شکل میں رونما ہو سکتا ہے، یہ مرتا نہیں، لیکن اگر وہ رشتہ جو اس کو انسان سے وابستہ رکھتا ہے، منقطع کر دیا جائے، تو یہ رفتہ رفتہ زائل ہو جاتا ہے، اور پھر انسان اپنے کرم سے آزاد ہو جاتا ہے،

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ زندگی کے متعلق مشرق کا تخیل نہایت یاس آمیز ہے، اس میں شبہہ نہیں، یہ تخیل دنیا کے درد و غم کو تھوڑا نہیں سمجھتا، لیکن باوجود اس کے انجام کی کامیابی بھی اسکی نظروں سے پوشیدہ نہیں ہے، ہندوستان

کو ہمیشہ کثرت مین وحدت کی، مرئی مین غیر مرئی کی، اور مجاز مین حقیقت کی تلاش رہی ہے، اس نے ہمیشہ دنیاوی خواہشون کی بندش سے آزاد ہو کر انسان کی حقیقی اور دائمی فطرت کے حصول کی کوشش کی ہے، عرصہ سے یہ ملک حوادث روزگار کا شکار ہے، لیکن جسم کی قید کے باوجود ایک بڑی اور مستقل اُمید نے اسکی روح کو ہمیشہ آزاد رکھا، مغرب کے تعلق نے ہندوستان کو بہت کچھ دیا ہے، لیکن ہم اپنے عہد حاضر کے لئے جو چند روزہ چیزون کے حصول مین اس درجہ منہمک ہے، ہندوستان سے اس حقیقت کی تعلیم حاصل کر سکتے ہین کہ انسان کی اصلی فطرت ربانی ہے اور اسکی زندگی عبارت ہے اُس کے موجودہ مقبوضات کی کثرت سے نہین بلکہ ان چیزون کے حصول سے جو مستقل اور دائمی ہین،

جنگ کی مخالفت مین آئنسٹائن کی جدوجہد

صلح کانفرنسون کے تماشہ اور تخفیفِ اسلحہ کے جلسون کی نمائش سے گھبرا کر پروفیسر آئنسٹائن جو دنیائے سائنس کی سب سے زیادہ ممتاز شخصیت ہین ایک ایسی جماعت قائم کرنا چاہتے ہین، جس کا نصب العین عامة الناس کی فلاح وبہبود اور جنگ و جدال کا استیصال ہو، یہ جماعت تمام قومون کے پچیس منتخب اور اعلیٰ ترین اہل دماغ پر مشتمل ہو گی جن کے انتخاب مین اس امر کا مخصوص طور پر لحاظ رکھا جائے گا کہ اُن کی عظیم الشان شخصیتین بین الاقوامی شہرت بھی رکھتی ہون، اور وہ بھی اپنی آزاد خیالی اور کشادہ دلی کے لئے مشہور ہون، رسالہ لٹریری ڈائجسٹ کے نامہ نگار کا بیان ہے، کہ جب کبھی نبی نوع کے سامنے کوئی اہم مسئلہ آئے گا، یہ کمیٹی اپنی آواز بلند کریگی اور جسوقت امنِ عالم مین رخنہ کا خطرہ پیدا ہوگا، یا بے انصافی برتی جانے لگیگی، اسکی طرف سے مناسب کارروائی عمل مین لائی جائیگی:۔

حال مین پروفیسر آئنسٹائن تخفیفِ اسلحہ کی اس کانفرنس مین گئے تھے، جو جنیوا مین منعقد ہوئی تھی، تھوڑی ہی دیر قیام کرنے کے بعد وہ نہایت کبیدہ خاطر ہو کر وہان سے اوٹھ آئے، نامہ نگار نے "صلح وامن کے اس مسرت انگیز منظر" کے متعلق انکے خیالات معلوم کرنے چاہے، پہلے ہی بھرے بیٹھے تھے، "مسرور" کے لفظ پر برس پڑے، اور وہ سب کچھ کہہ ڈالا، جسے محسوس تو مغرب کے اکثر لوگ کرتے ہون گے، لیکن اس قدر وضاحت اور صفائی کے ساتھ زبان پر لانے کی جراُت اب تک شاید

ہی کسی کو ہوئی ہو۔"

"یہ مسرت انگیز نہین، ایک دردانگیز منظر ہے اور باوجود تمام تمسخر اور نقالی کے دورِ جدید کا سب سے بڑا دردانگیز سانحہ کسی کو حق نہین کہ اس کی اہمیت سے بے اعتنائی کرے، اور ہنسے جب کہ اوسے رونا چاہئے ہم سب کو مکان کی چھتون پر کھڑے ہو کر پکار کر کہد دینا چاہئے کہ یہ کانفرنس محض نقالی ہے، یہ انصاف اور اقوامِ عالم کی خواہشات کی نقالی تو ہے ہی نہین کہ صلح کی یہ کانفرنس ناکام رہی ہے بلکہ مندوبین صلح کے پردہ مین جنگ کو ترقی دینے کی غرض سے جمع ہوئے ہین، انھون نے قوم سے کہا تھا کہ ہم امن حاصل کرنے کی غرض سے جنیوا جائین گے لیکن یہان آنے کے بعد وہ جنگ کی باتین کر رہے ہین، مین جنیوا اس لئے آیا ہون کہ تمام دنیا کی قومون کو جنگ سے برگشتہ کرنے کی ایک تحریک شروع کرون اور اس کے لئے جو کچھ مجھ سے ممکن ہو اوٹھا نہ رکھون، مین ان اقوام کو جنگ کا مخالف بنانا چاہتا ہون جو اپنے اپنے وطن مین مقیم ہین، اور نہ اس کانفرنس مین نہ اس سے قبل کسی اور کانفرنس مین حقیقۃً اون کی نمایندگی ہوئی ہے، جو لوگ یہان موجود ہین اونھون نے اپنے کو کچھ اسطرح گھیر رکھا ہے اور مسلح کر رکھا ہے کہ کسی کے لئے اُن پر اثر ڈالنا ممکن ہی نہین، جو راہ اس کانفرنس نے اختیار کر لی ہے، وس سے آپ مین یا کوئی اور شخص اب اوس کو پھیر نہین سکتا یہان کی صلح کانفرنس ایک سوانگ ہے، اور ہمیشہ سوانگ ہی رہے گی، یہ وہ چیز نہین جس کے لئے ہم اتنے برسون سے منتظر تھے، جنگ عظیم کے اختتام سے قبل ہم صلح و امن سے جس قدر دور تھے، چودہ[14] برس بعد اب بھی اسی قدر دور ہین، ہم نے اس بات کا مدت تک انتظار کیا کہ سیاست دانون اور مدبرون نے جس چیز کے حاصل کرنے کا وعدہ کیا تھا، اُسے حاصل کرلین یعنی صلح اور دائمی صلح، ہم نے اون کو صلح قائم کرنے اور اسے مستقل بنانے کیلئے یہان بھیجا تھا، انھون نے ہم کو دھوکہ دیا اور بے وقوف بنایا، یورپ اور امریکہ کے کروڑون آدمی، تمام دنیا کے اربون آدمی اور اربون مرد اور عورتین جو ابھی پیدا بھی نہین ہوئی ہین سب کو اس کانفرنس مین دھوکہ دیا گیا ہے اور دھوکہ دیا جا رہا ہے، ہم نے کافی مدت تک انتظار کیا، انکے ادھورے کامون اور وعدون پر کافی صبر کر چکے، اب زیادہ کی تاب نہین، اب سے قوم اگر خلوص دل سے صلح کی خواہشمند ہے تو اس معاملہ کو خود اپنے ہاتھون مین لے گی، کسی صلح کانفرنس مین حکومتین نہین بلکہ خود قومین اپنے نمایندے بھیجین گی، قوم کے مرد اور عورتین جنگی اسلحون کے بنانے اور استعمال کرنے کے خلاف کارروائی کرین گے، اگر تم امریکہ مین امن چاہتے ہو تو تمھین

چاہئے کہ یورپ میں ہمارا ساتھ دو اور ہم لوگ ملکر کاریگروں سے کہیں کہ جنگی اسلحوں کے بنانے اور بار برداری کرنے سے انکار کردیں نیز ہر قسم کی فوجی خدمت سے انکار کردیں، اس وقت پھر فوج میں جبری داخلہ ہوگا اور نہ آیندہ کوئی جنگ ہوگی، اگر تمام دنیا کے کاریگر فیصلہ کرلیں کہ نہ تو سامان حرب بنائیں گے، اور نہ اُسے باہر بھیجیں گے تو ہمیشہ کے لئے جنگ کا خاتمہ ہوجائے، ہم کو یہی کرنا چاہئے کہ سامانِ حرب کے کارخانے جو تمام جنگوں کا سرچشمہ ہیں، انھی کو خشک کردینے کیلئے ہمیں اپنی زندگی وقف کردینی چاہئے، مجھے صحیح اطلاع ہے کہ آج اگر یورپ کے کسی حصہ میں جنگ چھڑ جائے تو دیانتداری کے ساتھ اس کی مخالفت کرنے والوں کی اتنی کثیر تعداد اسلحے پھینک دیگی یا اون کو استعمال کرنے سے انکار کردے گی کہ قبل اس کے کہ دشمن سے مقابلہ کے لئے آگے بڑھے، ہر فوج کے نصف حصہ کو دوسرے نصف کی بغاوت فرد کرنے میں مصروف ہوجانا پڑیگا، یہاں کے نمایندوں اور وہ لوگ جو قوموں پر حکومت کرتے ہیں، اُنمیں سے اکثروں کو علم ہی نہیں کہ ان کی قوم کا خیال کیا ہے یا جنگ کے متعلق وہ کیا رائے رکھتی ہے......... مجھے یقین ہے کہ اگر قوموں کو اُن کی حالت پر چھوڑ دیا جائے تو وہ ایک دوسرے سے نفرت نہ کریں گی، اگر اُنھیں ایک دوسرے سے نفرت کرنے پر اُبھارا نہ جائے تو وہ دوستانہ طریقہ پر مل کر رہیں گی، خصوصًا اب جب کہ سائنس اور معلومات نے اکثر بیماریوں کو دور کردیا ہے، اور ہر شخص کے لئے آسودگی، مسرت اور تندرستی کی زندگی ممکن کردی ہے، موجودہ زمانہ کو تو دنیا کے لئے جنت کا زمانہ ہونا چاہئے، بنی نوع انسان کو مسرت کے جو ممکنات اس وقت حاصل ہیں، وہ اس سے قبل کبھی میسر نہ تھے،

"ع ز"

انقلاب الامم،

ڈاکٹر لیبان کی مشہور کتاب قوموں کی ترقی وتنزل کے قوانین نفسی کا خلاصہ جسکو پڑھ کر معلوم ہو کہ سکتا ہے کہ دنیا میں قومیں کیونکر بنتی اور بگڑتی ہیں طبع دوم، قیمت ۱۲؍ ضخامت ۲۶۲ صفحے

"منیجر"

اخبار علمیہ

آسٹریلیا کے ہوائی شفاخانے

آسٹریلیا کے اندرونی حصہ مین (۲۵۰۰۰۰) مربع میل کے رقبہ مین چند سالون سے طبی امداد ہوائی جہازون کے ذریعے پہنچائی جارہی ہے، اس براعظم کا اندرونی حصہ بہت کم آباد ہے اور ایک بستی دوسری بستی سے بہت دور واقع ہے، ڈاکٹر ڈکر (لندن) کی ایک تقریر ہے جس کا خلاصہ برٹش میڈیکل جرنل کے حوالہ سے رسالہ لٹریری ڈائجسٹ نے شائع کیا ہے، معلوم ہوا کہ ان دور دراز آبادیون مین پہلے تیرہ شفاخانے قائم کر دئے گئے تھے لیکن آبادیان منتشر اور ایک دوسرے سے اس قدر فاصلہ پر واقع تھین کہ ان شفاخانون سے طبی امداد کی ضرورت پوری نہ ہو سکی، لاسلکی، اور طیارون کی ایجاد کے بعد اس کمی کی بہت کچھ تلافی ہوگئی، اور مئی ۱۹۲۸ء مین مغربی کوئنس لینڈ (آسٹریلیا) مین دنیا کا سب سے پہلا ہوائی شفاخانہ قائم کیا گیا یعنی طیارون کے ذریعہ سے دور دراز مقامات پر طبی امداد پہنچانے کا انتظام کیا گیا، جو مکانات زیادہ دور پر واقع تھے، ان مین لاسلکی کے مرسل (TRANSMITTERS) جن سے (۶۰۰) میل تک آواز پہونچ سکتی تھی، لگا دیے گئے، "ہوائی ڈاکٹر" ان مقامات کا دورہ کرتا رہتا ہے، اور جس مقام پر فوراً خود نہین پہنچ سکتا، وہان لاسلکی کے ٹیلیفون کے ذریعہ سے مشورے دیتا ہے، اس محکمہ کے قیام کے پہلے سال مین ڈاکٹر سینٹ ونسنٹ ویلش نے بیس ہزار میل کا ہوائی سفر کیا (۲۵۵) مریض دیکھے، اور (۲۶) مختلف مرکزون پر (۴۲) مشورون مین شرکت کی، جس رقبہ مین یہ ہوائی طبی محکمہ قائم ہے، اوسکی وسعت جرمنی آسٹریلیا سوئزرلینڈ اور ڈنمارک کی مجموعی وسعت سے زیادہ ہے اس محکمہ کے قیام مین ہر طبقہ کے آدمیون نے شرکت کی ہے، اس مین سرکاری امداد بھی شامل ہے اور غیر سرکاری عطیے بھی، طیارہ مین پائلٹ کے علاوہ ڈاکٹر، نرس، مریض، اور اوسکے ایک عزیز کی جگہ ہوتی ہے، اسوقت چار ہوائی ڈاکٹر یہ خدمت انجام دے رہے ہین،

ناخن اور صحت

ناخن دیکھ کر کسی شخص کی صحت کا اندازہ کر لینا کوئی جدید تحقیق نہین، اس علم سے متقدمین بھی واقف تھے، لیکن حال مین یہ راز مزید تحقیق کی گئی ہے، اور یورپ کے تین مشہور ڈاکٹرون (ZELLER, NOYEK, BUIDE) نے بارہ سو (۱۲۰۰) آدمیون پر تجربہ کرکے اس طریق تشخیص کو ایک باقاعدہ فن بنا دیا ہے، اُن کے تجربات کا خلاصہ لٹریری ڈائجسٹ کے حوالے سے حسب ذیل ہے:

ان بارہ سو (۱۲۰۰) اشخاص کا معائنہ کیا گیا، اُن مین بیمار، نحیف اور تندرست ہر طرح کے لوگ شامل تھے، تندرست اور قوی آدمیون کے ہاتھ کی انگلیون کے ناخن کی جڑ مین چھوٹے چھوٹے سفید ہلال ہوتے ہین، ایسا ایک ایک ہلال ان کے اکثر ناخنون کی جڑ مین پایا جاتا ہے، جو لوگ کسی متعدد مرض کا شکار ہوتے ہین ان کے صرف انگوٹھون کے ناخنون مین ایسے "ہلال" ہوتے ہین؛ لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایسے لوگون کے انگوٹھون پر بھی کوئی "ہلال" نہین ہوتا، اگر کوئی شخص کسی متعدد مرض مین مبتلا ہو جائے تو مرض کے دور ہو جانے کے بعد لیکن کامل صحت سے قبل ہی ایسے "ہلال" اُس کے ناخنون پر ظاہر ہو سکتے ہین، جن لوگون کی صحت عام طور سے اچھی رہتی ہے، اُن کے ناخنون پر یہ چھوٹے چھوٹے "ہلال" قوت کی زیادتی اور کمی کے اعتبار سے بڑھتے گھٹتے رہتے ہین، موسم کے اختلاف سے بھی اُن مین تبدیلیان ہوتی رہتی ہین، موسم بہار مین یہ چھوٹے چھوٹے ہلال کچھ بڑھ جاتے ہین اور خزان مین پھر گھٹ جاتے ہین، یہ ممکن ہے کہ جس شخص کے ہر ناخن کی جڑ مین ایسا ہلال موجود ہو، وہ بھی کسی متعدی مرض مین مبتلا ہو جائے، تاہم جن لوگون کی صحت عموماً اچھی رہتی ہے، اگر اون کے ناخنون سے یہ ہلال غائب ہو جائین، تو اونھین چاہیے کہ اس کا سبب معلوم کرنے کی کوشش کرین،

ایک کوفی کتبہ

جرنل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی (لندن جنوری ۱۹۳۲ء) نے ایک قدیم کوفی کتبہ کا فوٹو شایع کیا ہے، جسے مسٹر جے. بالڈر رائٹ لینگر نے ۱۹۳۱ء مین کوفہ مین خریدا تھا، اس کتبہ پر کوئی تاریخ درج نہین ہے لیکن اس کا خط قدیم کوفی

خط کا نمونہ ہے، کتبہ کی تختی کچی مٹی کی بنی ہے، اور کسی سانچہ مین ڈھلی معلوم ہوتی ہے، مٹی بے حد نازک ہے، اور ہاتھ لگتے ہی ٹوٹ جاتی ہے، حیرت یہ ہے کہ باوجود اس قدر نازک اور بوسیدہ ہونے کے اس کی عبارت اب تک محفوظ ہے، اس تختی پر سورۂ یٰسین کی آخری ۴۸ آیتین لکھی ہوئی ہین، قاہرہ کے مختلف لوح مزار اور خلیفہ مہدی (سنہ ۱۶۹ ہجری) کے کتبہ کا مقابلہ اس کتبہ سے کرنے کے بعد موسیو فلوری کی رائے ہے کہ یہ کتبہ دوسری صدی ہجری کے نصف آخر یا تیسری صدی کے نصف اوّل کا ہے،

الوافی بالوفیات

صلاح الدین خلیل ابن ایبک الصفدی کی مشہور تالیف "الوافی بالوفیات" یعنی مشاہیر اسلام کی سوانح عمریون کا جو ضخیم مجموعہ جو تقریباً ۳۰ جلدون پر مشتمل ہے، اس وقت تک صرف اس وجہ سے شائع نہ ہو سکا تھا کہ یورپ کے کتبخانون مین اس کی چند ہی جلدین موجود تھین، اور مصر و قسطنطنیہ مین بھی کوئی مکمل نسخہ موجود نہ تھا، مقام مسرت ہے کہ پروفیسر ریٹر (PROF. RITTER) نے اس کے تمام قلمی نسخون کا پتہ لگا کر جو مختلف کتبخانون مین منتشر تھے، اسکی اشاعت کا تہیہ کر لیا ہے، اور اسکی پہلی جلد شایع بھی کر دی ہے، جرنل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی (لندن جنوری ۱۹۳۲ء) مین ڈاکٹر کرنکاؤ نے اس پر ایک ریویو لکھا ہے، ان قلمی نسخون مین سے بعض خود صلاح الدین کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہین، اور بعض اس کے اصل مسودون سے نقل کئے گئے ہین،

گبن کا کتبخانہ

جنیوا کے ایک کتب فروش کے پاس مشہور انگریز مورخ اڈورڈ گبن کے کتبخانہ کی تقریباً دو ہزار جلدین پائی گئی ہین، یہ کتابین نہایت محفوظ حالت مین ملی ہین، اور ان سب پر گبن کی مہر ثبت ہے، یہ اُس مجموعہ کا بڑا حصہ ہے، جسے گبن نے اپنی تصنیفات کی بنیاد اور سفر و حضر مین اپنی زندگی کی بہترین آسایش قرار دیا تھا، اسکی زندگی کا بیشتر حصہ لوزان (سوئزرلینڈ) مین صرف ہوا، جہان اس نے اپنی معرکۃ الآرا تصنیف "زوال سلطنت روم" کی آخری تین جلدین لکھی تھین، قیاس یہ ہے کہ اُس کا کتبخانہ اس کی وفات (۱۷۹۴ء) کے بعد سوئزرلینڈ ہی مین رہ گیا، خبر ہے، کہ مڈالن کالج، آکسفرڈ کی طرف سے جہان گبن نے اپنی تعلیم کی تکمیل کی تھی

ان کتابوں کے لئے تین ہزار پونڈ پیش کئے گئے ہیں لیکن کتب فروش کی جانب سے چار ہزار پونڈ کا مطالبہ ہے،

عرب نوآبادی

جنوبی افریقیہ کے صوبہ رودیسیا میں سرزمبز کے قریب ایک عرب کی قبر دریافت ہوئی ہے جو تقریباً تیرہ صدی پہلے کی ہوگی قبر پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے :-

"بسم اللہ الرحمن الرحیم، لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم، یہ قبر سلام بن صالح کی ہے جس نے ۱۳۵ھ میں دار دنیا سے دار آخرت کی طرف انتقال کیا،"

ڈاکٹر اشانلی نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ نوآبادی قائم کرنے والے عرب ان مقامات پر جنوبی افریقیہ کی طرف سے پہنچے، اور ان لوگوں نے سونے کی اُن کانوں سے فائدہ اٹھایا، جن سے اُن کے اسلاف یعنی عربوں نے بہت پہلے فائدہ اٹھایا تھا، ڈاکٹر موصوف نے اُن مقامات کی دوسری عرب یادگاروں سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ عربوں نے اُن شہروں میں پرتگالیوں کے پہنچنے سے بہت پہلے اپنی نوآبادی قائم کرلی تھی،

امریکہ اور چین کا قدیم تعلق

ڈاکٹر میریس باربو (کناڈا) کا خیال ہے کہ امریکہ کے قدیم باشندے جو انڈین کہے جاتے ہیں اصل میں منگول نسل کے ہیں جو ایشیا سے شمالی امریکہ میں منتقل ہو آئے تھے، اس خیال کی بنا یہ ہے کہ ان لوگوں میں جو گیت رائج ہیں، وہ چین کے موجودہ گیتوں سے بہت ملتے جلتے ہیں، اور یورپ یا دنیا کے کسی اور حصہ کے گیت سے نہیں ملتے، امریکن انڈین لوگوں کے بعض گاؤں میں کچھ چینی اصل کے الفاظ اور فقرے بھی دریافت کئے گئے ہیں، یہ لوگ ان الفاظ اور فقروں کے معنی بھول چکے ہیں، اور محض عادۃً اپنے گیتوں میں انھیں دہراتے رہتے ہیں، ڈاکٹر باربو نے اپنی تحقیق میں یہ بات بھی معلوم کی ہے کہ چینی اور امریکن انڈین گیتوں کی یہ مشابہت امریکہ کے شمالی مغربی حصہ میں رہنے والے فرقوں میں خصوصیت کے ساتھ نمایاں ہے، اس غیر معمولی مشابہت کی بنا پر ڈاکٹر موصوف کا خیال ہے کہ یہ فرقے حال ہی میں ایشیا سے آکر آباد ہوئے ہیں اور غالباً چنگیز خان کے زمانے میں آئے ہیں،

"ع ز"

ادبیات

خونِ جگر

از

حضرت جگرؔ مرادآبادی،

نظرِ حسن دو عالم گرا دیا تونے، نہ جانے کون سا عالم دکھا دیا تونے،

جوابِ حسنِ طلب، اور کیا دیا تونے تمام شکر وشکایت بنا دیا تونے

فنائے عشق کو رنگِ بقا دیا تونے حیات و موت کو یکجا دکھا دیا تونے

ہزار جانِ گرامی فدا بایں نسبت کہ میری ذات سے اپنا پتا دیا تونے

یہ کیا کیا کہ عطا کرکے عشقِ لا محدود مجھے حریفِ مقابل بنا دیا تونے

جمالِ حسن کی ہلکی سی لہر دوڑا کر نفس نفس کو مرے جگمگا دیا تونے

ہزار دل کو مٹا کر دیا مجھے اک درد اُس ایک درد کو پھر دل بنا دیا تونے

خوشا وہ دردِ محبت، زہے وہ دل کہ جسے ذرا سکون ہوا گدگدا دیا تونے

نگاہ ڈال کے میری تمام ہستی پر، مجھے تمام محبت بنا دیا تونے

ہر ایک دل کو عطا کرکے مدعائے حیات

جگر کو اک دلِ بے مدعا دیا تونے

تابشِ سُہیل

از

از جناب اقبال احمد صاحب سہیل ایم اے، ال ال بی علیگ اعظم گڈہ۔

زبانون پر نہین اب طور کا افسانہ برسون سے — تجلی گاہ ایمن ہے دلِ ویرانہ برسون سے

کچھ ایسا ہے فریبِ نرگسِ مستانہ برسون سے — کہ سب بھولے ہوئے ہین کعبہ و بتخانہ برسون سے

وہ چشمِ فتنہ گر ہے، ساقیِ مےخانہ برسون سے — کہ باہم لڑ رہے ہین شیشہ و پیمانہ برسون سے

نہ اب منصور باقی ہے نہ وہ دار و رسن لیکن — فضا مین گونجتا ہے نعرۂ مستانہ برسون سے

چمن کے نونہال اس خاک مین پھولین پھلین کیونکر — یہان چھایا ہوا ہے سبزۂ بیگانہ برسون سے

وداع اے پاسِ تمکین، رخصت اے آئینِ خودداری — جنون بھولا ہوا ہے لغزشِ مستانہ برسون سے

یہ آنکھین مدتون سے خوگرِ برقِ تجلّی ہین — نشیمن بجلیون کا ہے مرا کاشانہ برسون سے

ستم کو اہتمامِ دلفریبی اب نہین باقی — وہ زلفین ہو رہی ہین بے نیازِ شانہ برسون سے

نہین اب وہ نگاہِ شرمگین کے وار چھپ چھپ کے — کہ اب ناوک زنی ہوتی ہے بیباکانہ برسون سے

حرم والون مین شایانِ کرم شاید نہین کوئی — کہ برقِ امتحان لرزان ہے بتیابانہ برسون سے

کوئی شوریدہ سر باقی نہین کیا اہلِ تقوی مین — کہ ہے بیتاب سنگِ درِ جانانہ برسون سے

ترے قربان ادھر بھی ایک جھونکا ابرِ رحمت کا — جبینون مین گرہ ہے سجدۂ شکرانہ برسون سے

دکھا دے ایک جلوہ پھر اسی شانِ جمالی کا — نگاہین منتظر ہین جس کی مشتاقانہ برسون سے،

سہیل اب کس کو سجدہ کیجیے حیرت کا عالم ہے،
جبین خود بن گئی سنگِ درِ جانانہ برسون سے،

"رنگِ حسرت"

از جناب جلیل قدوائی بی اے

اُن کو مجھ سے جوابِ حجاب نہیں، — دل کو بھی اب وہ اضطراب نہیں،

ہے اُنہیں مجھ پہ اعتمادِ وفا — اب وہ اگلا سا اجتناب نہیں،

بخش کر لطفِ وصل کہتے ہیں، — "پھر کہو گے کہ کامیاب نہیں؟"

اس قدر ہیں وہ مہربان مجھ پر، — اُن کے الطاف کا حساب نہیں،

کامیابِ وصالِ جاناں ہوں، — پھر بھی کہتے ہیں "کامیاب نہیں،

میں تو سیرابِ عیشِ وصل کروں — کیا کروں تجھ میں اس کی تاب نہیں!"

میں یہ کیوں کر کہوں کہ حسبِ مراد — دل پہ شوق کامیاب نہیں،

آپ سے چھٹ کے رہ نہیں سکتا — بہ خدا اتنی دل کو تاب نہیں،

اب بھی ہوں بیقرارِ لطف و کرم — ہاں وہ اگلا سا اضطراب نہیں،

آپ کے رحم کی ضرورت ہو، — حالِ دل اس قدر خراب نہیں،

وہ نظر لاکھ بےحجاب سہی، — شوقِ گستاخ کا جواب نہیں،

آج دنیائے دلبری میں کہیں — آپ کے حسن کا جواب نہیں،

رُخِ جاناں میں اب بھی ہے اک بات — گو وہ پہلی سی آب و تاب نہیں،

آپ کے چشمِ مست کے آگے، — اثرِ مستیِ شراب نہیں،

آپ کے حسن کے مقابل میں — کوئی شے سرخیِ گلاب نہیں،

سچ تو یہ ہے جمالِ جاناں کا — ایک پرتو ہے آفتاب نہیں،

آج تیرے سوا جلیل کوئی — رنگِ حسرت میں کامیاب نہیں،

بابُ التقریظ والانتقاد

تاریخ مبارک شاہی

مصنفہ شمس العلما مولوی ہدایت حسین صاحب شائع کردہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی نمبر ۱ پارک اسٹریٹ کلکتہ ضخامت ۲۷۴ صفحے

بنگال ایشیاٹک سوسائٹی نے ہندوستان کی اسلامی تاریخون کے چھاپنے اور شائع کرنے کی جو قیمتی کوششین کی ہین وہ پورے ملک کے شکریہ کی مستحق ہین، اسی طرح سوسائٹی کے موجودہ عہد مین شمس العلما، مولوی ہدایت حسین صاحب نے اس قسم کی مفید کتابون کی تصحیح و تحشیہ مین جو مفید خدمات انجام دے ہین وہ بھی ہم سب کے اعتراف کے لائق ہین، چنانچہ اس سلسلہ کی اخیر کڑی تاریخ مبارک شاہی ہمارے سامنے ہے،

اسمین کوئی شک نہین کہ ہندوستان کی سیاسی اسلامی تاریخ مین سید بادشاہون کی حکومت کا دور جو ۸۱۷ھ سے شروع ہوکر ۸۵۵ھ پر تمام ہوتا ہے بیحد تاریکی مین ہے، اور اب تک اس دور کے متعلق کوئی اطلاع اولین ہمارے پاس موجود نہ تھی اس لئے اس تاریخ مبارک شاہی کی اشاعت جس کا تعلق اسی دور سے ہے، ہمارے لئے بہت کچھ سودمند ہے،

مصنف کا نام یحیٰی بن احمد بن عبداللہ ہے، سہرند کا رہنے والا ہے، اس لئے وہ اپنے کو سہرندی کہتا ہے، مبارکشاہ کی تخت نشینی کے بعد جو ۸۲۴ھ مین ہوئی تھی، یہ کتاب تالیف کی، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مبارکشاہ ہی کے زمانہ مین ۸۳۸ھ مین اوس نے ختم کی، چنانچہ اس ۸۳۸ھ کے تحت مین (ص ۲۱۱) بادشاہ عصر کی دعاے حیات و قیام کے بعد لکھا ہے۔

"این دعاگوی می خواست کہ برسم اصحاب انشار و ارباب املا سخنی چند در اختتام این کتاب گوید ختم ہم بر دعای شاہ عالم پناہ کند، اما چون ہنوز از بستان سلطانی و گلستان جوانی اریک گل از ہزار شگفتہ است.... بضرورت ناتمام

گماشت در حوالہ التزام نمود کہ فتوحات شوکت آئندہ و قصۂ ارادت دولت پایندہ اگر داعی راحیات وفا کند ہر سال بایفاے رساند

و درین صحیفہ ثبت گرداند، انشاء اللہ تعالیٰ و ہو الموفق للاتمام والمیسر للاختتام"

مصنف نے اس کے بعد حسب وعدہ باقی شعبان ۸۳۷ھ سے ربیع الآخر ۸۳۸ھ تک مبارکشاہ کی وفات (۸۳۷ھ) اور پھر محمد شاہ بن فرید شاہ کی تخت نشینی اور بعد ازین ایک سال تک کی روداد ربیع الآخر ۸۳۸ھ تک اسمین موجود ہے، در آخیر مین خاتمہ کی کوئی تمہید نہین ہے جس سے گمان ہوتا ہے، کہ مصنف کی وفات پر یہ کتاب یون ہی ختم ہو گئی ہے، اور اوس سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہی (ربیع الآخر ۸۳۸ھ) مصنف کی تاریخ وفات ہو، کتاب کا آغاز محمد بن سام غوری کے حالات سے ۵۶۹ھ سے کیا ہے، اور اوسکے بعد سلاطین تغلق تک اختصار کے ساتھ سب بادشاہون کے سوانح لکھے ہین، بعد ازین سید خاندان کے بانی خضر خان بن سلیمان خان کے واقعات ۸۱۷ھ سے کسی قدر مفصل لکھنے شروع کئے ہین، خضر خان کے بعد مبارکشاہ اور پھر محمد شاہ کے ایک سال کے حالات پر کتاب کا خاتمہ ہو گیا ہے، ہمارا خیال تھا کہ اس کتاب سے اس خاندان کے انتساب سیادت کی تحقیق مین مدد ملے گی، مگر اس معاصر تاریخ مین بھی سید جلال بخاری کے مشہور قول "این سیدزادہ راست" کے سوا، اور اس شہادت کے سوا کوئی اور مذکور نہین ہے، کہ بادشاہ مین حلم و عفو و نرمی و درگذر کے جو اوصاف ہین، وہ اوسکی سیادت کی دلیل نہین،

اس کتاب کا نسخہ سب سے پہلے سید نجیب اشرف صاحب ندوی ایم اے سابق رفیق دار المصنفین و حال پروفیسر اسمٰعیل کالج بمبئی، کے ذریعہ مصحح کو ملا، جو کسیقدر ناقص تھا، پھر بعد کو برٹش میوزیم اور بوڈلین لائبریری سے دو اور نسخے ملے جنکے مقابلہ سے یہ نسخہ تیار ہوا ہے، اس کتاب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانہ سے کھتریون نے سلطنت کے کاروبار اور سیاسیات مین دخل دینا شروع کر دیا تھا، اور تعجب ہوتا ہے کہ قلم کیساتھ تلوارین بھی اون کے ہاتھون مین نظر آتی ہین، مصحح نے کتاب کے مختلف نسخون کی تصحیح و مقابلہ کے علاوہ کتاب مین جابجا حواشی بھی لکھے ہین، اور آخر مین مضامین کی فہرست کے بعد اشخاص کی اور پھر مقامات کی دو اور فہرستین بنا کر شامل کتاب کی ہین، کتاب گو واقعات کے لحاظ سے کوئی خاص اہمیت نہین رکھتی، مگر اپنے دور کی تنہا ماخذ ہونیکے سبب سے قابل قدر ہے، چنانچہ پچھلے مورخین مین فرشتہ اور ملا بدایونی اور نظام الدین وغیرہ نے اسکے حوالے دئے ہین، اور اس سے واقعات نقل کئے ہین، بہرحال اس کتاب کی اشاعت سے اس دور کی تاریخ کے اصل ماخذ تک ہماری رسائی ہو گئی، اور اس کیلئے ہم مصحح کے خدمات کا دوبارہ شکریہ ادا کرتے ہین، "س"

اثبات کا وقت آتا وہ فراموش ہوجاتے، نئے اصول مدون ہوتے، جو ممکن تھا، پہلے اصولوں کے برعکس ہوں، اس لئے مرزا صاحب کی تصنیفات کا بڑا حصہ محض شاعرانہ، بلکہ ذاتی مفروضات فرضی دلائل، اور کہین بعض ضلع جگت پر مبنی ہے، اس کا بہترین نمونہ براہین احمدیہ ہے، اسی طرح نظر آتا ہے کہ وہ غیر محتاط دعووں کے دینے مین جری تھے، اگر محض اسی موضوع پر کوئی مستقل کتاب لکھی جائے تو بیحد دلچسپ ہو، ہان ایک طریقہ استدلال ایسا ہے، جسکو مرزا صاحب نے استعمال کیا کہ اسلام اس لئے بہتر مذہب ہے کہ اون جیسا شخص اس مین پیدا ہوا، وہ فلان پیشینگوئی کرتے ہین، جو صدق و کذب کی نشانی ہوگی، پھر یہ کہ وہ پیشنگوئی صحیح ہوئی یا غلط، اس پر مباحث اور سوال و جواب کا ایک سلسلہ چلتا،

مرزا صاحب کے دعاوی اور تاویلات اون کی مہدویت اور ذاتی مسیحیت کو چھوڑ کر اون کے دو معاصرین سرسید احمد اور مولوی محمد احسن صاحب امروہوی مصنف تفسیر شاہی سے حرف حرف ماخوذ ہین، اور شاہ ولی اللہ صاحب کی حجۃ اللہ البالغہ کے مضامین بھی کہین کہین بے اظہار نام سے لئے گئے ہین لیکن اگرچہ مرزا صاحب نے سرسید کے خیالات کو اپنے نام سے پیش کیا، تاہم دونون مین کچھ فرق رہ جاتا ہے، سرسید اپنے جانتے اپنے خیالات پر دلائل عقلی و براہین لگاتے ہین، اور مرزا صاحب اونھی باتون کو نقلی صناعیون اور خود ساختہ اصولون سے پیش کرنا چاہتے ہین، کہ وہ عقلی دلائل اون کے نفس مدعا کے خلاف پڑتے ہین، ایک اور فرق ان دونون مین یہ ہے کہ سرسید مہدی کے منکر تھے، اور احادیث مہدی کو جعلی مانتے تھے، اور مرزا صاحب اون کو حرف حرف صحیح مان کر اپنے کو ان سب کا مورد بتاتے تھے،

عیسائیون کے رد مین ہمارے علمائے اسلام نے ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے پس و پیش جو کارنامے انجام دئے، افسوس ہے کہ پروپگنڈے کے ذریعہ وہ فراموش ہوتے جارہے ہین، اور اون کی ناشکری ہو رہی ہے، ڈاکٹر وزیرالدین صاحب مولانا رحمت اللہ صاحب، سرسید، مولوی چراغ علی اور مولینا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہم نے اسوقت جو کارنامے انجام دئے،

دیگران کا تعلق لاسلکی سے دکھایا ہے، پھر لاسلکی کی ایجاد اور اسکی تدریجی ترقی بیان کی ہے، ریڈیو کے امواج کی ترکیب اور ان کے اثرات و نتائج پیش کئے ہیں، لاسلکی کی نشرگاہیں اب ہندوستان میں بھی بہ کثرت رواج پا رہی ہیں، اس لئے اس کا مطالعہ دلچسپی سے کیا جائیگا، لیکن کتاب کی فنی حیثیت نمایان ہے، اسلئے اصطلاحات زیادہ ہیں،

پھر محمد شاہ بن فرید شاہ کی تخت نشینی، اور بعد ازین ایک سال تک و داد ربیع الآخر ۸۳۸ھ تک اسمین موجود ہے، اور اخیر مین خاتمہ کی کوئی تمہید نہین ہے، جس سے گمان ہوتا ہے، کہ مصنف کی وفات پر یہ کتاب یون ہی ختم ہو گئی ہے، اور اوس سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہی (ربیع الآخر ۸۳۸ھ) مصنف کی تاریخ وفات ہو، کتاب کا آغاز محمد بن سام غوری کے حالات سے ۵۶۹ھ سے کیا ہے، اور اوسکے بعد سلاطین تغلق تک اختصار کے ساتھ سب بادشاہون کے سوانح لکھے ہیں، بعد ازین سید خاندان کے بانی خضر خان بن سلیمان خان کے واقعات ۸۱۷ھ سے کسی قدر مفصل لکھنے شروع کئے ہیں، خضر خان کے بعد مبارک شاہ اور پھر محمد شاہ کے ایک سال کے حالات ہیں، کتاب کا خیال تھا کہ اس کتاب سے اس خاندان کے انتساب سیادت کی تحقیق مین مدد ملے گی، مگر اس معاصر تاریخ مین بھی سید جلال بخاری کے مشہور قول "این سیدزادہ را نکے سوا، اور اس شہادت کے سوا کہیں اور مذکور نہین ہے، کہ بادشاہ مین حلم و عفو و نرمی و درگذر کے جو اوصاف ہین، وہ اوسکی سیادت کی دلیل نہین،

اس کتاب کا نسخہ سب سے پہلے سید نجیب اشرف صاحب ندوی ایم اے سابق رفیق دار المصنفین و حال پروفیسر اسمٰعیل کالج بمبئی کے ذریعہ مصحح کو ملا، جو کسیقدر ناقص تھا، پھر بعد کو برٹش میوزیم اور بوڈلین لائبریری سے دو اور نسخے ملے جنکے مقابلہ سے یہ نسخہ تیار ہوا ہے، اس کتاب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانہ سے کائستھون نے سلطنت کے کاروبار اور سیاسیات مین دخل دینا شروع کر دیا تھا، اور تعجب ہوتا ہے کہ قلم کیساتھ تلوارین بھی اون کے ہاتھون مین نظر آتی ہین، مصحح نے کتاب کے مختلف نسخون کی تصحیح و مقابلہ کے علاوہ کتاب مین جابجا حواشی بھی لکھے ہین، اور آخر مین مضامین کی فہرست کے بعد اشخاص کی اور پھر مقامات کی دو اور فہرستین بنا کر شامل کتاب کی ہین،

کتاب گو واقعات کے لحاظ سے کوئی خاص اہمیت نہین رکھتی، مگر اپنے دور کی تنہا ماخذ ہونیکے سبب سے قابل قدر ہے، چنانچہ پچھلے مورخین مین فرشتہ اور ملا بدایونی اور نظام الدین وغیرہ نے اسکے حوالے دئے ہین، اور اس سے واقعات نقل کئے ہین، بہرحال اس کتاب کی اشاعت سے اس دور کی تاریخ کے اصل ماخذ تک ہماری رسائی ہو گئی، اوراس کیلئے ناشر و مصحح کے خدمات کا دوبارہ شکریہ ادا کرتے ہین، "س"

پر مبنی نہین، اس پر تو اچھی خاصی بڑی کتاب تیار ہو سکتی ہے، شاید مصنف کو قلت فرصت کا عذر ہو،

مرزا صاحب کی تصنیفات پر اگر با معان نظر ڈالی جائے تو مثلاً ذیل کے امور کا بخوبی اندازہ ہو کہ وہ بسیار نویس تھے اور اپنی تحریرون مین بڑے بڑے اصول بنانے کے خوگر تھے، اون کے وہ اصول محض وقتی و ہنگامی ہوتے، جب کسی دوسرے مدعا کے اثبات کا وقت آتا وہ فراموش ہو جاتے، نئے اصول مدون ہوتے جو ممکن تھا پہلے اصولون کے برعکس ہون، اس لئے مرزا صاحب کی تصنیفات کا بڑا حصہ محض شاعرانہ، بلکہ ذاتی مفروضات، فرضی دلائل، ورکہین لفظی ضلع جگت پر مبنی ہے، اس کا بہترین نمونہ براہین احمدیہ ہے، اسی طرح نظر آتا ہے کہ وہ غیر محتاط حوالون کے دینے مین جری تھے، اگر محض اسی موضوع پر کوئی مستقل کتاب لکھی جائے تو بیحد دلچسپ ہو، ہان ایک طریقہ استدلال ایسا ہے جسکو مرزا صاحب نے استعمال کیا کہ اسلام اس لئے بہتر مذہب ہے کہ اون جیسا شخص اس مین پیدا ہوا، وہ فلان پیشگوئی کرتے ہین، جو صدق و کذب کی نشانی ہوگی، پھر یہ کہ وہ پیشگوئی صحیح ہوئی یا غلط اس پر مباحث اور سوال و جواب کا ایک سلسلہ چلتا ہے،

مرزا صاحب کے دعاوی اور تاویلات اون کی مہدویت اور ذاتی مسیحیت کو چھوڑ کر اون کے دو معاصرین سرسید احمد اور مولوی محمد احسن صاحب امروہوی مصنف تفسیر شاہی سے حرف حرف ماخوذ ہین، اور شاہ ولی اللہ صاحب کی حجۃ اللہ البالغہ کے مضامین بھی کہین کہین بے اظہار نام سے لئے گئے ہین لیکن اگرچہ مرزا صاحب نے سرسید کے خیالات کو اپنے نام سے پیش کیا، تاہم دونون مین کچھ فرق رہ جاتا ہے، سرسید اپنے جانتے اپنے خیالات پر دلائل عقلی کی مہرین لگاتے ہین، اور مرزا صاحب ادعی باتون کو لفظی صناعیون اور خود ساختہ اصولون سے پیش کرنا چاہتے ہین، کہ وہ عقلی دلائل اون کے نفس مدعا کے خلاف پڑتے ہین، ایک اور فرق ان دونون مین یہ ہے کہ سرسید مہدی کے منکر تھے، اور احادیث مہدی کو جعلی مانتے تھے، اور مرزا صاحب اون کو حرف حرف صحیح مان کر اپنے کو ان سب کا مورد بتاتے تھے،

عیسائیون کے رد مین ہمارے علمائے اسلام نے ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے پس و پیش جو کارنامے انجام دئے، افسوس ہے کہ پروپیگنڈے کے ذریعہ وہ فراموش ہوتے جا رہے ہین، اور اون کی ناشکری ہو رہی ہے، ڈاکٹر وزیر الدین صاحب مولانا رحمت اللہ صاحب، سرسید، مولوی چراغ علی اور مولینا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہم نے اسوقت جو کارنامے انجام دئے،

مرزا صاحب سے بدرجہا بہتر ہیں، اسی طرح آریون کے مقابلہ میں خاص بانی آریہ سماج دیانند سوامی کے رد میں مولانا قاسم صاحب

بانی مدرسۂ دیوبند نے جو کام کیا اس کا اعتراف نہ کرنا کفران محسن ہے،

ہان مرزا صاحب نے ان بزرگون سے جس بات مین سبقت کی وہ مخالفین کے طرز اسلوب اور ریا کی زبان کا کلمہ

بکلمہ جواب دینا ہے، مثلاً عیسائی نعوذ باللہ آنحضرت صلعم کو سخت سست الفاظ مین یاد کرتے تھے مسلمان مجیب اون کے جواب

مین حضرت عیسیٰ پر حرف نہین رکھتے، مرزا صاحب نے اس بزرگی کی احتیاط نہین کی اور اسی قسم کے الفاظ مین یسوع کو یاد کیا اور اسمین وغیرہ

پر بھی بازی لے گئے، اسی طرح مثلاً سنی مناظر شیعون کے جواب مین حضرت علی مرتضیٰ یا حسنین رضی اللہ عنہم کی توہین نہ کر سکتے تھے مرزا صاحب نے

اس مین بھی ترکی بترکی اصول ملحوظ رکھا، یہ وہ چند اشارات ہین، جو غیر فرقہ آرایانہ طور پر محض علمی حیثیت سے پیش ہوئے اور جن کے مباحث

اسی نقطۂ نظر سے اس موضوع کی کتاب مین تفصیل سے دکھائے جا سکتے ہین،

دیوان گرامی (فارسی) یعنی مجموعۂ کلام ملک الشعراء شیخ غلام قادر گرامی ناشر شیخ مبارک علی صاحب تاجر کتب

اندرون لاہوری دروازہ، لاہور، حجم ۲۱۶ صفحے قیمت:- عہ

فارسی ادب کے ارباب ذوق کو حضرت گرامی کے دیوان کی اشاعت کا انتظار تھا، مسرت ہے کہ شیخ مبارک علی

صاحب تاجر کتب لاہور نے یہ خدمت انجام دی، یہ مجموعہ غزلیات، مثنویون اور مناقب وقصائد وقطعات سب پر مشتمل ہے، مثنویون

اور قطعون پر تعلیقات وحواشی بعض فارسی اور بعض اردو مین درج ہین جنمین بعض خود گرامی کے قلم کے معلوم ہوتے ہین کوئی

دیباچہ یا مقدمہ شامل نہین، اگر گرامی کا مختصر تعارف کرا دیا ہوتا تو مناسب ہوتا، ورنہ کم از کم ڈاکٹر سر اقبال کی وہ تحریر شامل کر دیجاتی

جو انھون نے گرامی کی وفات پر اخبار انقلاب مین شائع کرائی تھی،

یازدہ سورۂ شریف: ناشر جناب ماسٹر محمد احسان بیکوارٹ پریس لاہور چھوٹی تقطیع کے ۱۲۸ صفحے قیمت:- عہ

یہ ایک خوشنما پاکیزہ خط رنگین ومنقش سرورق، طلا کار جلد اور نفیس کاغذ پر رنگین اور منقش حواشی سے چھپا ہوا مختصر مجلد

مجموعہ ہے جس مین قرآن مجید کی گیارہ سورتین اور چند اوراد و وظائف جمع کئے گئے ہین، ہر صفحہ کے سامنے دوسرے صفحہ پر آیات

داوراد کا اردو ترجمہ بھی درج ہے، اس خوبی وخوبصورتی اور حسن اہتمام سے شاید قرآن پاک کا کوئی حصہ کبھی ہندستان مین طبع ہوا ہو،

جلد ۳۱ | ماہ محرم الحرام ۱۳۵۲ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۳۳ء | عدد ۵

مضامین

شذرات

یہ خبر نہایت حسرت اور افسوس کیساتھ سنی جائیگی کہ مولنا شبلی نعمانی مرحوم کے چھوٹے بھائی مولوی جنید صاحب نعمانی سب جج کانپور نے دو سال کی صحت و علالت کی کشمکش کے بعد ۱۲ اپریل ۱۹۳۳ء کو دہلی مین وفات پائی، مولنا مرحوم کے صرف یہی ایک بھائی تھے، جو ان کی وفات کے بعد زندہ تھے، آخر انھون نے بھی اس دنیا کو الوداع کہا، یہی وہ بھائی تھے جنکی نسبت مولانا نے اپنے بھائی مولوی محمد اسحاق صاحب مرحوم وکیل الہ آباد ہائیکورٹ کے پر درد نوحہ مین ۱۹۱۴ء مین یہ فرمایا تھا،

اے خدا شبلی دل خستہ باین موئے سپید ۔۔۔ لے کے آیا ہے ترے درگہ عالی مین اُمید

مرنے والے کو نجات ابدی کی ہو نوید ۔۔۔ خوش و خرم رہے چھوٹا مرا بھائی یہ جنید

افسوس کہ یہ بھائی بھی اپنے بڑے بھائی کے بعد اٹھارہ برس سے زیادہ خوش و خرم نہ رہ سکا، دعا ہے کہ مرحوم کو اب آخرت کی ابدی خوشی و خرمی حاصل ہو،

۱۱- اپریل ۱۹۳۳ء کی شب کو جامعۂ ملیہ دہلی مین معارف کے اڈیٹر نے "مسلمانون کی آیندہ تعلیم" پر ایک بسیط مقالہ پڑھا جسمین سب سے پہلے اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ ہندوستان کے مسلمانون کی قومی زندگی کا مقصد کیا ہو، اور پھر یہ کہا گیا کہ ہماری آیندہ تعلیم گذشتہ کی طرح بے مقصد نہ ہو، بلکہ بامقصد ہو، اور درسگاہون کا یہ فرض ہو کہ بے مقصد افراد قوم کے بجائے بامقصد افراد پیدا کرین، اسی مقصد کی شرح قومی زندگی کے ہر شعبہ کی حیات کی ذمہ دار ہو گی، اسی سلسلہ مین مسلمانون کی گذشتہ قدیم بامقصد تعلیم کے نتائج دکھائے گئے، بعد ازین یہ کہا گیا کہ درسگاہون کا دوسرا فرض قومی و مذہبی اخلاق اور کیرکٹر

کی تعبیر ہے، جو قوم اپنے قومی و مذہبی اخلاق اور کیرکٹر سے محروم رہیگی، وہ باعزت زندگی سے بھی محروم رہیگی، پھر یہ ثابت کیا گیا کہ یونیورسٹیون کی جس اعلیٰ تعلیم کی طرف ہم جارہے ہین، وہ ہماری شکم سیری کے سامان سے اب تمامتر عاجز ہے، اعلیٰ تعلیم کی طلب صرف علم کی خاطر ہونی چاہئے، بقیہ عام تعلیم صرف شکم سیری کی تدبیرون کے لیے چاہئے، درمیان مین یہ بتایا گیا تھا کہ موجودہ سرکاری تعلیم، صرف حکومت کے نقطۂ نظر سے دی جارہی ہے، قومی نقطۂ نظر سے یہ نظامِ تعلیم سراسر خالی ہے، اور دین و ملت کی پُرحرارت روح سے تمامتر تہی مایہ ہے، یہ بھی کہا گیا کہ میونسپلٹیون اور ڈسٹرکٹ بورڈون کے ذریعہ جو ابتدائی دیہی اور شہری تعلیم دیجارہی ہے اس مین مسلمانون کی ابتدائی تعلیم غیر مشترک اور علیحدہ نظام کے ماتحت ہونی چاہئے، اور مقرر کی نگاہ مین اسلام اور مسلمانون کے مصالح کی خاطر غیر مخلوط انتخاب سے زیادہ غیر مخلوط ابتدائی تعلیم کے مطالبہ کی ضرورت ہے، آخر مین ہندوستان کی زبان کے ذریعہ تعلیم بنانے پر زور دیا گیا تھا"

لاہور کے شاہدرہ اسٹیشن سے چند اسٹیشنون کے بعد ایک قصبہ "بدوملی" ہے، ہم نے حیرت کیساتھ سنا کہ یہ چھوٹا سا قصبہ ہندوستان بھر کے مذاہب کا اکھاڑہ ہے، قادیانی اور احمدی لاہوری جماعتون کے علاوہ عیسائیون اور آریون کا بھی یہ مرکز ہے، اور کس قدر افسوس کے ساتھ سنا کہ ایک مسلمان زمیندار خاندان یہان عیسائی ہوگیا ہے، یہان کے غریب مسلمان جو زیادہ تر کاشتکار اور مزدور پیشہ ہین، وہ ان مختلف تحریکات اور ترغیبات کے شکار ہورہے ہین، چند سال سے یہان کے بعض مسلمانون نے ایک اسلامی انجمن کے ذریعہ اپنی تنظیم کا کام شروع کیا ہے، ۱۲- اپریل کی دوپہر کو یہان کے مسلمانون کے شدید اصرار پر لاہور اسٹیشن سے وہان جانا پڑا، وہان مسلمانون کی اصلاحات پر دو دن دو تقریرین کین، امید ہے کہ وہان مسلمانون کی کوششون سے اب ایک ابتدائی اسلامی تعلیم گاہ کا انتظام ہو جائے، اور مسلمانون کی حفاظت کا کام سرانجام پائے،
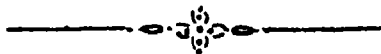
گذشتہ اطلاع کے مطابق ۱۵- اپریل کو راقم اور اس کے دو رفقائے دارالمصنفین مولوی سعید صاحب انصاری

اور مولوی ریاست علی صاحب ندوی نے لاہور میں دائرۂ معارف اسلامیہ کے اجلاس میں شرکت کی، مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سبب سے یوپی کے بھی بعض اہل علم شریک اجلاس تھے، پہلا جلسہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کی صدارت میں شروع ہوا، لاہور کے تمام سربرآوردہ اہل علم اور پنجاب اور دہلی کے کالجوں کے مشرقی علوم کے بعض استاد اور پروفیسر بھی شریک تھے، پہلے اجلاس میں صدارتی خطبوں کے بعد سب سے پہلا مقالہ راقم الحروف کا پیش ہوا، جسکا عنوان تھا "لاہور کا ایک مہندس خاندان جسنے تاج اور لال قلعہ بنایا" اس مقالہ میں اس خاندان کے تقریباً ڈیڑھ سو برس کے علمی کارناموں کی سرگذشت نامعلوم گوشوں سے نہایت تلاش اور تفحص کیساتھ مرتب کیگئی تھی، اور تاریخ میں سب سے پہلی دفعہ اس خاندان کے مورث اول نادر العصر استاد احمد معمار شاہجہانی لاہوری کے حالات بتائے گئے، اور اسکے بیٹے ملا لطف اللہ مہندس کی (جو شاہجہان کے زمانہ میں موجود تھا اور داراشکوہ کا درباری تھا) معاصرانہ شہادت سے یہ ثابت کیا گیا کہ تاج کا معمار درحقیقت یہی استاد احمد معمار شاہجہانی لاہوری ہے، یہ ہندسہ، ہیئت اور ریاضیات کا بہت بڑا عالم تھا، اس دریافت سے وہ تمام افواہیں جو تاج کے کاریگروں اور معماروں کی نسبت مشہور تھیں، بے سروپا ہوکر رہ گئیں،

ہمارے دو رفیقوں میں سے مولوی سید صاحب انصاری نے عربی علم لغت کی تاریخ بڑی جامعیت کے ساتھ لکھ کر پیش کی، اور مولوی ریاست علی صاحب ندوی نے سسلی کے اسلامی تمدن پر اردو میں بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ مشرقی زبان میں سب سے پہلی دفعہ مقالہ پیش کیا، جسمیں اس جزیرہ نما کے اسلامی تمدن کے ہر شعبہ پر پوری تفصیل کیساتھ گفتگو کی تھی، دوسرے مقرروں میں سے جہانتک یاد ہے سب سے زیادہ قابل ذکر مضمون دہلی یونیورسٹی کے استاذ علوم مشرقیہ مولنا عبدالرحمن صاحب کا تھا جسمیں تیموری بادشاہوں کے نظام منصبداری کے اصول پر فاضلانہ تبصرہ تھا، علاوہ ازیں پروفیسر شفیع نے تاریخ آل میکال پر، سورتی کے ڈاکٹر ہمدانی نے رسائل اخوان الصفاء پر، پروفیسر شیرانی نے اردو کی قدیم نصابی کتابوں پر، ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ نے ترکی کے موسمی خصائص اور اثرات پر، مولنا عبداللہ صاحب چغتائی نے اسلامی مصوری اور نقاشی پر، اور دوسرے فضلاء نے مختلف عنوانوں کے اپنے اپنے دلچسپ مضامین دائرہ کے مختلف جلسوں میں پڑھے اور پیش کئے، اور اسطرح اسلامی مشرقی علوم و فنون کی مجلس کا پہلا اجلاس ۱۷- اپریل کی شب کو بخیر و خوبی ختم ہوا،

مقالات

"انکارِ حدیث"

از مولوی شاہ معین الدین صاحب ندوی، رفیق دار المصنفین

کچھ دنوں سے جب سے "حریتِ فکر" اور "آزادیِ خیال" کی ہوا چلی ہے، ایک جماعت میں جو مذہب کے قیود سے آزاد ہونا چاہتی ہے، حدیث و سنت کے انکار کی عجب وبا پھیل گئی ہے، مذہب کی گرفت زیادہ تر حدیث و سنت کی وجہ سے ہے، کیونکہ کلام اللہ ایک اصولی کتاب ہے جسمیں مذہب کے متعلق صرف اصولی اور کلی قوانین ہیں تمام جزئیات کا اس میں استقصار نہیں ہے اور نہ ہو سکتا تھا، ان اصول اور کلیات کی تشریحات کا دار مدار تمامتر حدیث و سنت پر ہے، اس لیے آزاد پسند طبائع سرے سے حدیث و سنت کی صحت ہی اور اسکے واجب العمل اور قابلِ صحت ہونے کا انکار کرتے ہیں کہ جب حدیث و سنت ہی کوئی شے نہ رہجائیگی تو مذہب کی گرفت خود بخود ڈھیلی پڑ جائیگی اور مذہب صرف چند عقائد اور چند عبادات کا نام رہ جائیگا، وہ بھی جدید مجتہدین کی تفسیر کے مطابق کوئی مفسر صرف دو تین وقت کی نماز کافی سمجھ لینگے، کوئی مجتہد اس سے بھی بڑھکر نماز کو صرف دعا اور توجہ قلب کے معنوں میں لے کر راہ چلتے، سیر و تفریح کرتے سر راہ گردن جھکا لینا کافی تصور فرمائینگے،

اگر یہ حریتِ فکر انھیں کی ذات تک محدود رہتی تو ہم کو اس سے کوئی بحث نہیں تھی کہ ہر شخص اپنے خیالات کا مختار ہے، اگر کوئی شخص قرآن سے انکار کر دے، تو اسے کون روک سکتا ہے، لیکن قیامت یہ ہے کہ مسلک بالکتاب والسنۃ کی آڑ میں تمام مسلمانوں کو ان مزعومات پر ایمان لانے کی دعوت دیجاتی ہے اور طرفہ تر یہ ہے کہ حدیث و

سنت کی مخالفت، اس کے انکار اور اسکے ناواجب العمل اور ناقابل حجت ہونے کے ثبوت مین حدیث وسنت ہی سے بلکہ اس سے بھی اتر کر طبقات و رجال کی کتابون سے دلیل قائم کیجاتی ہے،

لیکن حدیث، تفسیر، طبقات، رجال اور تاریخ پر ان مجتہدین کی نظر نہین ہوتی بلکہ بسا اوقات عربی زبان سے بھی ناواقف ہوتے ہین، اسلئے اس کوشش مین اپنی ناواقفیت کے عجیب وغریب اور نہایت مضحکہ انگیز نمونے پیش کرتے ہین، کہین ترجمہ غلط، کہین مفہوم غلط، کہین نتیجہ غلط، کہین کسی عبارت کے ناقص ٹکڑے سے استدلال کہین تاریخ سے بیخبری، کہین ان پر مفروضات سے استدلال، کہین طبع زاد شہادتین غرض جہالت، تدلیس، خیانت، کم نظری اور ناواقفیت کا کوئی نمونہ ایسا نہین ہوتا جو انکی تحریرون مین نظر نہ آتا ہو اور یہ تحریرین ہر شخص کی نظر سے گذرتی ہین اور مذہبی علوم سے ناواقف اشخاص پر اس کا برا اثر پڑتا ہے، اس لئے ضرورت تھی کہ ان مجددین کی خیانتون کو اچھی طرح فاش کیا جائے اور حدیث وسنت کے خلاف جس قدر شکوک و شبہات پیش کئے جاتے ہین ان پر تفصیلی بحث کرکے اصل حقیقت واضح کیجائے. آیندہ سطور مین ان شکوک پر تحقیقی نظر ڈالی گئی ہے۔

حدیث وسنت کے واجب العمل اور حجت شرعی ہونے کی مخالفت مین حسب ذیل دلیلین پیش کیجاتی ہین؛

(۱) رسول اللہ صلعم نے کتابتِ حدیث سے منع فرمایا ہے (۲) خلفاء حدیثون کو قابل حجت نہین سمجھتے تھے، حضرت ابوبکرؓ حدیثون کی روایت سے روکتے تھے، اپنا مرتب کیا ہوا حدیثون کا مجموعہ جلا ڈالا، حضرت عمرؓ صحابہ کو روایت سے منع کرتے تھے اور روایت کرنے والون کو سزا دیتے تھے، حضرت عثمانؓ حدیثین نہین قبول کرتے تھے (۳) ایسے صحابہ سے روایتین مروی ہین، جنھین قرآن نے مردود الشہادہ قرار دیا ہے، (۴) صحابہ اور ائمہ نے حدیثون کے متعلق بری رائے ظاہر کی ہے (۵) ان احادیث کی تدوین آنحضرت صلعم کے کئی صدی بعد کی گئی ہے اور ان مین ہر طرح کی رطب ویابس روایتین ہین،

یہ وہ اصولی دلائل ہین جو حدیث وسنت کے لائقِ احتجاج ہونے کی مخالفت مین دیئے جاتے ہین،

اس کے ضمن میں جو واقعات پیش کئے جاتے ہیں وہ اپنے اپنے موقعہ پر آئیں گے،

لیکن یہ تمام اعتراضات معترضین کی کوتاہ نظری، قرآن، حدیث، رجال اور تاریخ اسلام سے ناواقفیت اور منصب نبوت کی نامرتبہ شناسی کا ثبوت ہیں،

ان اعتراضات پر نظر ڈالنے سے پہلے ایک مختصر تمہید سن لینی چاہئے حدیث و سنت کے قابلِ احتجاج اور ناقابلِ احتجاج ہونے کی بحث میں سب سے مقدم یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ کا منصب کیا تھا اگر ان کی حیثیت خاکم بدہن محض ایک "پوسٹمین" کی تھی کہ خط پہنچا دینے کے بعد اس کا کام ختم ہوگیا، اور مکتوب الیہ کی اور کسی چیز سے اوسے کوئی بحث نہیں تو بیشک حدیث و سنت قابلِ احتجاج نہیں ہے، لیکن واقعہ اس کے خلاف ہے رسول اللہ کی حیثیت محض خالص پیامبر کی نہیں تھی کہ قرآن کی آیات پہنچا دینے کے بعد آپکی ذمہ داری ختم ہوگئی بلکہ وہ اس پیام کا شارح، مرسل الیہ قوم کا معلم اور طبیب بھی تھا اور عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق غرض تمام دینی اور دنیوی ضروریات میں اس کا ہادی اور رہنما بنا کر بھیجا گیا تھا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :-

ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلو علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ	وہ خدا ہی ہے جس نے امیوں میں انھیں میں سے رسول بھیجا جو ان پر انکی آیات تلاوت کرتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے،
(جمعہ رکوع ۱)	

اس آیہ پاک میں رسول کا کام تنہا یہی نہیں بتایا گیا ہے کہ وہ امیوں پر آیاتِ خداوندی کی تلاوت کرتا ہے، بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ انھیں پاک کرتا ہے، اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے، جہانتک خالص پیامبری کی ذمہ داری ہے، وہ تلاوتِ آیات پر ختم ہوجاتی ہے پھر یہ تزکیہ اور تعلیم کتاب و حکمت کیا چیز ہے، یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ کتاب عربی میں تھی اور عربوں پر نازل ہوئی تھی وہ اسے خود سمجھ سکتے تھے پھر تعلیم کتاب و حکمت کے کیا معنی اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ تنہا اور خالص پیامبر ہی نہیں تھے بلکہ اس سے بڑھکر کچھ اور بھی تھے، اسکو خود قرآن نے بتایا ہے کہ وہ کیا تھے

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ	مسلمانو! رسول اللہ کی ذات تمہارے لیے نمونہ ہے

اس آیۂ پاک میں ذاتِ نبوی کو کس چیز میں نمونہ قرار دیا گیا ہے، کیا محض احکامِ قرآنی کے مان لینے میں؟ اگر یہ مقصد ہوتا تو رسول اللہ کی ذات کو اسوہ کہنے کی ضرورت نہ تھی، بلکہ صاف الفاظ میں کہا گیا ہوتا کہ قرآن کو مانو، جیسا کہ دوسرے مواقع پر اس مقصد کو اسی قسم کے الفاظ میں ادا کیا گیا ہے، اس لئے معلوم ہوا کہ اسوہ کا کوئی اور مفہوم ہے جو احکامِ قرآنی کے ماننے سے زیادہ وسیع ہے، اور وہ خود لفظ اسوہ سے ظاہر ہوتا ہے، اسوہ یا نمونہ عرفِ عام میں بھی اسی کو کہتے ہیں، جسکا ہر قول و عمل جسکی ہر نقل و حرکت اور جسکی ہر ادا قابلِ تقلید ہے، اور انھیں اقوال و اعمال کو حدیث و سنت کی اصطلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے،

اس موقع پر اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے، کہ کلام اللہ ایک اصولی کتاب ہے جسمیں عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق کے متعلق صرف کلی اصول ہیں، باقی ان کی تفصیلات اور جزئیات کے استقصاء کی اس میں گنجایش تھی اور نہ ہیں، اس کلی کی جزئیات، اس اصول کی فروعات اور اس اجمال کی تفصیل کے لئے ذاتِ پاک محمدی زندہ کتاب ہے جسکا ہر قول و عمل متنِ قرآنی کی شرح ہے، قرآن کے اصولوں کی تشریح بغیر نبی کی وضاحت کے نہیں ہو سکتی، چنانچہ

وما انزلنا علیک الکتاب الا لتبین لھم، اور نہیں اُتاری ہم نے تیر کتاب مگر اسلیے کہ تم اسکو کھول کھولکر واضح بیان کرو

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس، ہمنے تمہاری طرف اسلئے نصیحت اتاری تاکہ تم لوگوں کیلئے اسکو واضح بیان کرو

ظاہر ہے کہ جہانتک قرآن کی عربی عبارت کا تعلق ہے، ہر عرب سمجھ سکتا تھا، پھر اس تبیین اور وضاحت کے کیا معنی، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن میں کچھ اور بھی ہے جسکی وضاحت نبی ہی کر سکتا ہے، اور یہی وضاحت حدیث و سنت ہے، حدیث میں اس مفہوم کو اس سے زیادہ صاف اور واضح بیان کیا گیا ہے،

عن زیاد بن لبید قال ذکر النبی صلعم شیئاً فقال ذاک عند اوان ذھاب العلم قلت یا رسول اللہ کیف یذھب العلم ونحن نقرأ القران ونقرئہ زیاد بن لبید بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی چیز بیان کیگئی آپنے فرمایا یہ علم کے جانے کے وقت ہوگی، میں نے کہا یا رسول اللہ علم کیونکر چلا جائیگا جبکہ ہم قرآن پڑھتے ہیں اور

ابناؤنا ویقرئہ ابناؤنا ابناؤھم الی یوم القیمۃ قال ثکلتک امک زیاد ان کنت لاراک من افقہ رجل بالمدینۃ اولیس ھذا الیھود والنصاری یقرؤن التوراۃ والانجیل ولا یعلمون بشئ مما فیھما (ابن ماجہ باب ذھاب العلم)

لڑکون کو پڑھاتے ہین اور ہمارے لڑکے اپنے لڑکون کو پڑھائینگے اور سلسلہ قیامت تک قائم رہیگا، فرمایا زیاد تیری مان تجھکو روئے مین تجھکو مدینہ مین سب سے زیادہ سمجھدار جانتا تھا کیا یہود و نصاری انجیل و توراۃ کی تلاوت نہین کرتے ہین، لیکن ان مین جو کچھ ہے اس سے بالکل بے خبر ہین،

اس سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ کے محض لفظی معنی سمجھ لینے سے اس کا پورا علم حاصل نہین ہوتا اسی لئے نبی کو اسکی وضاحت کا حکم دیا گیا ہے اور وہ جو کچھ بیان کرتا ہے وہ اپنی طرف سے نہین بلکہ خدا ہی کی طرف سے ہوتا ہے، خواہ وحی کی زبان مین ہو یا خدا کی دی ہوئی بصیرت کی روشنی مین جسے ہم حدیث و سنت کہتے ہین، جیسا کہ خود قرآن کہتا ہے،

وماینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی،

نبیؐ اپنی طرف سے کچھ نہین کہتا بلکہ وہ وحی ہوتی جو اسکو کیجاتی ہے،

انا انزلنا الیک الکتب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ،

ہم نے تمہاری طرف سچائی کیساتھ صرف اسلئے کتاب اتاری ہے کہ تم لوگون کے درمیان اللہ کی دی ہوئی روشنی کے مطابق فیصلہ کرو،

اسی لئے کسی دینی اور دنیاوی معاملہ مین رسولؐ اللہ کے فیصلہ کے بعد چون و چرا کی گنجایش باقی نہین رہتی،

وماکان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللہ و رسولہ امراً ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ و رسولہ فقد ضل ضللاً بعیداً،

اور مومن مرد اور عورت کو یہ اختیار نہین رہتا کہ جب اللہ اور اس کا رسول ان کے کسی معاملہ مین کوئی فیصلہ کردے تو وہ اسمین چون و چرا کرین اور جس شخص نے خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ کھلا گمراہ ہوا،

ان آیات سے یہ ثابت ہو گیا کہ رسولؐ جو کچھ کہتا ہے وہ خدا ہی کی دی ہوئی روشنی مین کہتا ہے اور اس کے فیصلہ کے بعد کسی مسلمان کو اس مین چون و چرا کا حق باقی نہین رہتا، اس لئے اس کا ہر قول و فعل واجب العمل

ہوا اور اسکی اتباع مین خدا اور قرآن کی اتباع ہوئی، چنانچہ خود خدائے تعالیٰ فرماتا ہے،

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ، ہمنے نہین بھیجا کسی رسول کو مگر اسلئے تاکہ خدا کے حکم سے اسکی اطاعت کیجائے،

اور خود رسول کی زبان سے اسکی اتباع کو فرض قرار دیا گیا،

ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ، اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری اتباع کرو خدا تمکو دوست رکھیگا،

اس آیۂ پاک مین خدا کی محبت اور خدا کی بارگاہ مین محبوب بننے کے لیے رسولؐ اللہ کی اتباع ضروری قرار دیگئی، یہ نہین فرمایا گیا کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو قرآن کو مان لو، خدا تم کو دوست رکھیگا، بلکہ فرمایا گیا کہ میری اتباع کرو، ظاہر ہے کہ یہ اتباع اتباع بالحدیث والسنہ کے سوا اور کوئی دوسری شے نہین ہوسکتی، دوسرا قابلِ غور ایک اور امر ہے، مگر اس سے پہلے حدیث وسنت کا مفہوم اور منشا واضح ہو جانا چاہئے، محدثین کے نزدیک تو حدیث وسنت کا مفہوم نہایت وسیع ہے، لیکن زیرِ بحث موضوع کے اعتبار سے ہم اسے محدود کرکے یہ کہتے ہین کہ حدیث وسنت سے مراد آنحضرت صلعم کے وہ اقوال واعمال ہین جو آپ نے مسلمانون کی تعلیم وتربیت کے سلسلہ مین فرمائے ہون، غالباً اس تعریف مین کسی کو شک وشبہ کی گنجایش نہ ہوگی، اس معنی کی تعیین کے بعد سوال یہ ہے کہ اگر رسول اللہ صلعم نے مسلمانون کو کوئی دینی یا دنیوی تعلیم دی یا کسی مسلمان کے سوال یا پیش آمدہ صورت کے متعلق کوئی جواب دیا یا کوئی حکم صادر فرمایا، تو یہ تعلیم یہ جواب اور یہ فیصلہ عارضی اور وقتی مانا جائیگا اور آپ کے بعد ان کی ہدایت ورہنمائی اور عملی حیثیت ختم ہو جائیگی، اسے کون عقل تسلیم کرسکتی ہے، اس کی مثال روزانہ کے دنیاوی معاملات مین لیجیے، ایک باپ یا معلم اپنے بچہ اور شاگرد کو جو تعلیم وتربیت دیتا ہے اور جو زرین اصول اخلاق یا علوم سکھاتا ہے، کیا وہ محض سنانے کے لیے اور وقتی ہوتے ہین، ان پر عمل کی ضرورت نہین ہوتی اور مکتب ودرس سے نکلنے کے بعد انھین طاقِ نسیان کے حوالہ کردینا چاہیئے ظاہر ہے کہ ایسا نہین ہے بلکہ بچہ اور شاگرد کی بچپن کی صالح تعلیم وتربیت اس کی آیندہ زندگی کی رہنما ہوتی ہے، پھر جب ایک باپ اور دنیاوی استاد کی تعلیم وتربیت انسان کے لیے دائمی لائحۂ عمل ہے تو اس استاد کل

اساس معلم خداوندی کی تعلیم جو تمام دنیا کو تعلیم دینے اور اُن کے اخلاق سدھارنے کے لیے آیا تھا اور اس دعویٰ کیساتھ آیا تھا کہ وہ دنیا کا آخری معلم اور اسکی تعلیم دنیا کے لیے دائمی اور آخری تعلیم ہے اس لائق ہے کہ اس کے بعد اسے طاق نسیان کے حوالہ کر دیا جائے کلا ثم کلا اور اسکی یہی تعلیم و تربیت حدیث و سنت ہے،

یہانتک اتباع رسول کے متعلق قرآنی احکام سے بحث تھی اب حدیث کے احکام ملاحظہ ہون ایک نہین بیسیون صحیح احادیث مین اتباع حدیث و سنت کو مسلمانون کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے،

عن ابی هریرة عن رسول الله صلی الله علیه وسلم انه قال من اطاعنی فقد اطاع الله ومن عصانی فقد عصی الله الخ (مسلم کتاب الامارة ج ۲ ص ۱۱۰ مطبع مصر و بخاری دعاء النبی صلعم)

ابوہریرہ رسول اللہ صلعم سے روایت کرتے ہین، آپ فرماتے تھے کہ جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی، الخ

اس حدیث مین آپ نے اپنی اطاعت کو خدا کی اطاعت اور اپنی نافرمانی کو خدا کی نافرمانی قرار دیا، خدا کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور اس کے حکم کی نافرمانی کو اپنی نافرمانی نہین بتایا، اس سے یہ معلوم ہوا کہ قرآنی احکام کے ساتھ نبی کے احکام کی اطاعت بھی جو اسی سے مستنبط ہین، ٹھیک ویسی ہی ضروری ہے، دوسری حدیث مین اس اطاعت کی اور تشریح فرما دی ہے،

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلعم ما امرتکم به فخذوه وما نهیتکم عنه فانتهوا، (ابن ماجہ اول ص ۲ مطبع فاروقی دهلی)

ابوہریرہ کہتے ہین کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا جس چیز کا مین حکم دون اسکو اختیار کرو اور جس چیز سے منع کرون اس سے رک جاؤ،

اس حدیث مین قرآن کی تخصیص نہین ہے کہ جس چیز کا قرآن حکم دے اسے اختیار کرو اور جس چیز سے وہ روک دے اس سے رک جاؤ بلکہ فرمایا کہ جس چیز کا مین حکم دون اسے اختیار کرو اور جس چیز سے روکون اس سے رک جاؤ اس سے معلوم ہوا کہ قرآنی احکام کے علاوہ آپ کے دوسرے احکام و فرامین بھی قرآنی احکام کی طرح واجب الطاعة ہین، مسلم

مین یہ روایت ان الفاظ مین ہے،

کان ابوهریرة یحدث انه سمع رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول ما نهیتکم عنه فاجتنبوه وما امرتکم به فافعلوه (مسلم کتاب الفضائل ج ۲)

ابوہریرہ رض بیان کرتے تھے کہ انھون نے سنا رسول اللہ صلعم فرماتے تھے کہ مین جس چیز سے تم کو منع کرون اس سے بچو اور جس چیز کا حکم دون اسے اختیار کرو،

احکام نبوی کے واجب الطاعة ہونے کی اس سے زیادہ واضح سند کیا چاہیئے، ممکن ہے کوئی صاحب یہ اعتراض کرین کہ اس مین احکام نبوی کے واجب الطاعة ہونے کا حکم ہے، حدیث کے متعلق کہان ہے، گو حدیث رسول اللہ صلعم کے احکام کی ایک قسم ہے، تاہم معترضین کی تشفی کے لیے ذیل کی تشریحی روایت پیش کیجاتی ہے، جس کے بعد کسی شک وشبہہ کی گنجایش باقی نہین رہتی،

عن المقدام بن معدیکرب الکندی ان رسول الله صلعم قال یوشک الرجل متکئا علی اریکته یحدث بحدیث من حدیثی فیقول بیننا وبینکم کتاب الله عز وجل فما وجدنا فیه من حلال استحللناه وما وجدنا فیه من حرام حرمناه الا وان ما حرم رسول الله صلی الله علیه وسلم مثل ما حرم الله (ابن ماجه ص)

مقدام بن معدیکرب الکندی روایت کرتے ہین کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ قریب ہے کہ آدمی اپنے پر تکلف اور آراستہ تخت پر ٹیک لگائے بیٹھا ہو، اس سے میری کوئی حدیث بیان کیجائے تو وہ کہے کہ ہمارے تمھارے درمیان کتاب اللہ عز وجل موجود ہے، ہم جو چیز اس مین حلال پائین گے اسکو حلال سمجھین گے اور جو حرام پائین گے اسکو حرام سمجھین گے، ایسے لوگون کو آگاہ ہو جانا چاہیئے کہ جو رسول اللہ نے حرام کیا ہے وہ بھی خدا کی حرام کی ہوئی چیز کی طرح حرام ہے،

کیا اس کے بعد بھی حدیث کے واجب العمل اور واجب الطاعة ہونے مین کوئی شبہہ باقی رہجاتا ہے، تمسک بالکتاب کے مبلغین کو خصوصیت کیساتھ اس حدیث پر غور کرنا چاہیئے، یہ تو حدیث کے متعلق تھا، گو حدیث وسنت تقریبا ایک ہی ہین، تاہم لفظ "سنت" کے ساتھ ملاحظہ ہو،

عن عرباض بن ساریة قال صلی لنا رسول الله

عرباض بن ساریہ روایت کرتے ہین کہ ایک دن فجر کے بعد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ الفجر ثم وعظنا موعظۃ	صلعم نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی نماز کے بعد ایک بلیغ وعظ فرمایا
بلیغۃ ذرفت منہا العیون و وجلت منہا	جس سے آنکھیں بہ نکلیں اور دل خوفزدہ ہوگیا، ایک کہنے والے
القلوب فقال قائل یا رسول اللہ کانہا موعظۃ	نے کہا یا رسول اللہ یہ رخصتی وعظ معلوم ہوتا ہے، اس لیے
مودع فاوصنا فقال اوصیکم بتقوی اللہ	ہم کو کچھ وصیت فرماتے جائیے آپ نے فرمایا میں تم کو خدا سے
والسمع والطاعۃ وان کان عبدا حبشیا فانہ	خوف کی اور اطاعت و فرمانبرداری کی وصیت کرتا ہوں
من یعش بعدی فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم	خواہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو جو شخص میرے بعد زندہ رہیگا
بسنتی وسنۃ خلفاء الراشدین المہدیین	اسکو بہت سے اختلافات سے سابقہ پڑیگا، ایسے وقت میں
عضوا علیہا بالنواجذ وایاکم والمحدثات	تم لوگ میری سنت اور ہدایت یاب خلفائے راشدین کی
فان کل محدثۃ بدعۃ (مسند دارمی ص ۶	سنت کی پیروی کرنا، اسکو اپنے کچلوں سے پکڑ لینا اور
مطبع نظامی کانپور)	محدثات سے بچنا کیونکہ ہرنئی چیز بدعت ہے،

علیکم بسنتی کے واضح اور صریح حکم کے بعد کون اقتدار با لسنۃ کے خلاف لب کشائی کرسکتا ہے، کتاب اللہ کے بعد مسلمانوں کے لیے سنت رسول ہی رہنما ہے، آپ نے اسی کا حکم دیا ہے اور صحابہ کا اسی پر عمل تھا، جب آپ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا عامل مقرر کیا تو روانگی سے پہلے ان سے امتحاناً پوچھا فیصلہ کس طرح کروگے؟ معاذ نے کہا قرآن سے، فرمایا اگر اسمیں نہ ملے، عرض کیا سنت رسول اللہؐ کے مطابق، فرمایا اگر اسمیں بھی نہ ملے، عرض کیا تو میں خود اجتہاد کرونگا، یہ جواب سنکر آنحضرت صلعم بہت مطمئن اور مسرور ہوئے، اور فرمایا خدا کا شکر ہے کہ اس نے رسول اللہ کے رسول کو ایسی چیز کی توفیق دی جس کو اس کا رسول پسند کرتا ہے، (مسند ابن حنبل ج ۵ ص ۲۳۰ و مسلم و بخاری)

اس واقعہ میں امام امت حضرت معاذ بن جبلؓ نے کتاب اللہ کے بعد سنت رسول ہی کو رہنما بنایا اور آنحضرت صلعم نے ان کے بیان پر پسندیدگی ظاہر فرمائی، اگر سنت کوئی شے نہ ہوتی تو آپ معاذ کو اس سے روکتے

یا پسندیدگی ظاہر فرماتے، غالباً انہی مستند روایات کے بعد حدیث و سنت کے واجب الطاعۃ ہونے میں کوئی شک و شبہہ باقی نہ رہ جائیگا،

اس تمہید کے بعد اب معترضین کے ان دلائل کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، جو حدیث و سنت کی مخالفت میں پیش کرتے ہیں، سب سے بڑی دلیل یہ پیش کیجاتی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے کتابت حدیث سے منع فرمایا ہے جیسا کہ حدیث کی اکثر کتابوں میں ہے،

(۱) لا تکتبوا عنی ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ، مجھ سے کچھ مت لکھو اور جس نے قرآن کے علاوہ کچھ لکھا ہو اسکو چاہئے کہ مٹا ڈالے،

اس حکم سے حدیث و سنت کے ناقابل حجت اور ناواجب العمل ہونے کا نتیجہ پیدا کیا جاتا ہے کہ اگر حدیث واجب ہوتی تو اس کے لکھنے کی کیوں ممانعت فرمائی جاتی، معلوم نہیں یہ کونسی منطق ہے، دعویٰ کو دلیل سے کوئی تعلق ہونا چاہئے، کسی کے قلمبند کئے جانے کی ممانعت اور شے ہے اور اس کا واجب العمل ہونا اور شے، کتابت کی ممانعت سے اس کا نفاذ کہاں سے ساقط ہو جائیگا، دوسرے یہ بھی غور کرنا چاہئے کہ ممانعت کن حالات اور کن مصالح کی بنا پر کی تھی اور وہ وقتی تھی یا دائمی،

بیشک ابتدا میں رسول اللہ صلعم نے کتابت حدیث کی ممانعت کی تھی، لیکن مطلق اور دائمی نہیں بلکہ خاص مصالح کی بنا پر اور وقتی، ابتدا میں بہت کم مسلمانوں کو لکھنا آتا تھا، اور جو جانتے بھی تھے وہ بھی یوں ہی سا معمولی، اس لیے ان کے حدیثوں کے قلمبند کرنے میں غلط سلط لکھ جانے کا خطرہ تھا، دوسرے شروع میں خاص صحابہ کے علاوہ عام مسلمانوں میں کلام اللہ اور کلام رسول اللہ کے درمیان فرق و امتیاز قائم رکھنے کا صحیح مذاق پیدا نہ ہوا تھا، اس لیے دونوں کے مخلوط ہو جانے کا خطرہ تھا، اس اہم خطرہ سے حفاظت کے لیے آپ نے ابتدا میں ممانعت کی تھی لیکن جب فن کتابت ترقی کر گیا اور صحابہ میں کلام اللہ اور کلام رسول اللہ میں فرق و امتیاز کی پوری صلاحیت آگئی تو آپ نے یہ ممانعت اٹھالی، اور جو لوگ لکھنے میں مہارت رکھتے تھے انہیں کتابت کی اجازت دیدی، چنانچہ عبد اللہ

بن عمرؓ کا بیان ہے،

عن عبد اللہ بن عمرو قال کنت اکتب کل شیٔ اسمعہ من رسول اللہ صلعم ارید حفظہ فنھتنی قریش وقالوا اتکتب کل شیٔ تسمعہ ورسول اللہ صلعم بشر یتکلم فی الغضب والرضا فامسکت عن الکتاب فذکرت ذالک الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاومأ باصبعہ الی فیہ فقال اکتب فوالذی نفسی بیدہ ما یخرج منہ الا الحق۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۱۵۸ مطبع قادری دہلی و بخاری ومسلم)

عبد اللہ بن عمرو روایت کرتے ہین کہ مین حفظ کرنے کے خیال سے رسول اللہ صلعم سے جو کچھ سنتا تھا سب لکھ لیتا تھا قریش نے مجھکو منع کیا اور کہا کیا تم رسول اللہ صلعم سے جو سنتے ہو لکھ لیتے ہو حالانکہ آپ بشر ہین غصہ اور رضا دونون کی حالت مین فرماتے ہین، انکے کہنے پر لکھنے سے رک گیا اور رسول اللہ صلعم سے اس کا تذکرہ کیا، آپ نے اپنی انگلیون سے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کرکے فرمایا تم لکھا کرو قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ مین میری جان ہے اس سے حق کے سوا کچھ نہین نکلتا،

مسند دارمی کی روایت ہے،

عن عبد اللہ بن عمرو انہ اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ انی ارید ان اروی من حدیثک فاردت ان استعین بکتاب یدی مع قلبی ان رأیت ذالک فقال رسول اللہ صلعم ان کان حدیثی ثم استعن بیدک مع قلبک (مسند دارمی ص ۶۷)

عبد اللہ بن عمروؓ روایت کرتے ہین کہ مین رسول اللہ کی خدمت مین حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ مین چاہتا ہون کہ آپکی احادیث روایت کرون اس لئے چاہتا ہون کہ اپنے قلب (کی یادداشت) کے ساتھ اپنے ہاتھ کی تحریر سے بھی مدد لون، اگر آپ اسے مناسب خیال فرمائین، رسول اللہ صلعم نے فرمایا اگر میری حدیث ہے تو تم اپنے قلب کیساتھ اپنے ہاتھ سے بھی مدد لے سکتے ہو (یعنی لکھ سکتے ہو)

یہ واضح رہے کہ یہ اجازت تنہا عبد اللہؓ کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ بہت سے صحابہ حدیثین لکھا کرتے، اور

آپ کے علم اور اجازت سے،

عن ابی قبیل قال سمعت عبد اللہ بن عمرو قال بینما نحن حول رسول اللہ صلعم نکتب اذ سئل رسول اللہ صلعم ای المدینتین تفتح اولا قسطنطنیہ او رومیۃ (مسند دارمی)	ابی قبیل بیان کرتے ہین کہ مین نے عبد اللہ بن عمرو سے سنا وہ کہتے تھے کہ ہم لوگ رسول اللہ کے گرد (حدیث) لکھتے تھے، اتنے مین کسی نے آپ سے پوچھا دونون شہرون مین کون پہلے فتح ہوگا، قسطنطنیہ یا رومیہ،

بعض اوقات دوسرون کی درخواست پر آنحضرت صلعم خود لکھوا دیا کرتے تھے، چنانچہ فتح مکہ مین جب آپ نے تحریم حرم پر خطبہ دیا تو ایک یمنی ابو شاہ نے درخواست کی یا رسول اللہ مجھکو یہ احکام لکھوا دیئے جائین؛ انکی درخواست پر آپ نے فرمایا؛

اکتبوا لابی شاہ (مسلم کتاب الحج باب تحریم مکہ ج ۱ ص ۴۳۹) ابی شاہ کے لیے لکھ دو،

آپ کے مرض الموت کا مشہور واقعہ بخاری اور مسلم سب مین ہے کہ جب آپکی حالت غیر ہوئی تو آپ نے کچھ لکھنے کے لیے قلم دوات مانگی، حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہین کہ جب رسول اللہ صلعم کا مرض بڑھ گیا تو آپ نے فرمایا کہ قلم دوات یا کاغذ اور دوات لاؤ مین تمھارے لیے ایک تحریر لکھدون تاکہ میرے بعد گمراہ نہ ہو (مسلم ج ۲ ص ۴۲ مطبوعہ مصر بخاری کے مختلف ابواب مین یہ واقعہ ہے)

آپ نے کس چیز کے لکھنے کے لیے قلم دوات منگوائی تھی، ظاہر ہے کہ حدیث تھی آپ جو بھی لکھتے وہ حدیث رسول ہی ہوتی، یہ بھی واضح رہے کہ یہ رسول اللہ کا آخری فعل ہے،

آپ نے اپنے عمال کو بہت سے احکام لکھوا کر بھیجے، جنپر حضرات خلفائے راشدین کے عہد مین بھی عمل ہوتا رہا، اور وہ تحریری ہدایات علم حدیث کا پہلا مجموعہ ہین،

دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر بالفرض یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ آپنے کتابت حدیث کی دائمی ممانعت فرمائی تو اس سے روایت حدیث اور حدیث و سنت کے ناواجب العمل اور ناواجب الطاعۃ ہونے کا ثبوت کہان سے

نکلتا ہے، کتابتِ حدیث کی ممانعت اور شے ہے اور حدیث کی روایت اور اسکا واجب العمل ہونا اور شے، کسی قانون کے نفاذ اور واجب العمل ہونے کے لیے اس کا تحریری ہونا ضروری نہین ہے خصوصاً عہد رسالت مین تو تحریر کی ضرورت ہی نہ تھی، ادھر زبانِ مبارک سے کچھ نکلا اودھر اس پر عمل شروع ہوگیا، اور پھر یہ عمل تواتر کی شکل مین چلا اس لئے تحریر کی ضرورت ہی نہ تھی، باقی حدیث کی روایت اور اسکی اشاعت کی جو موضوعِ بحث ہے آپنے خود اجازت مرحمت فرمائی ہے،

حدثوا عنی ولاحرج (مسلم) مجھ سے حدیث بیان کرو اسمین کوئی مضائقہ نہین،

بلکہ مبلغ حدیث کے لئے دعا فرمائی ہے،

عن زید بن ثابت قال سمعت رسول اللہ صلعم یقول نضر اللہ امرأ سمع منا حدیثا فحفظہ حتی یبلغہ فرب حامل فقہ الی ھو افقہ منہ ورب حامل فقہ لیس بفقیہ (ابوداؤد ج ۲ باب فضل نشر العلم)

زید بن ثابت روایت کرتے ہین کہ مین نے رسول اللہ صلعم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ خدا اس شخص کو تروتازہ اور شاداب رکھے جس نے ہم سے ایک حدیث سنی اور اسکو محفوظ رکھا یہانتک کہ دوسرے کو پہنچا یا کیونکہ بسا اوقات علم کا حامل اسکو ایسے شخص تک پہنچاتا ہے جو اس سے زیادہ سمجھدار ہوتا ہے اور بسا اوقات حامل خود سمجھدار نہین ہوتا،

آپ نے حجۃ الوداع مین جو آخری اور مشہور خطبہ دیا تھا اور جسمین مسلمانون کے لیے بہت احکام اور ہدایات بیان فرمائے تھے، بخاری و مسلم و ابوداؤد وغیرہ حدیث کی تقریباً کل کتابون مین کلاً یا جزءً موجود ہے اس کے آخر مین یہ حکم ہے کہ "فلیبلغ الشاھد الغائب" یعنی وہ لوگ جو موجود ہین ان احکام اور ہدایات کو ان مسلمانون تک پہنچادین جو موجود نہین ہین، یہ تبلیغ کا حکم کس چیز کے لیے تھا کیا حدیث کے علاوہ کوئی شے تھی اور کیا محض کانون تک پہنچانے کا منشا تھا کہ محض سنا دینا باقی اس پر عمل کی کوئی ضرورت نہین اور یہ حضور کا آخری فعل ہے، کیونکہ حجۃ الوداع کے بعد آپ کی زندگی مین کبھی مسلمانون کا اتنا بڑا اجتماع نہین ہوا اغالباً

اتنے واقعات منکرینِ حدیث کی تشفی کے لیے کافی ہونگے،

(۲) دوسری دلیل یہ پیش کیجاتی ہے کہ خلفائے راشدین خصوصاً شیخین حدیثون کو ناقابلِ حجت سمجھتے تھے، اور اس کے ثبوت مین حسبِ ذیل واقعات پیش کرتے ہین،

(۱) آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ نے لوگون کو جمع کر کے کہا کہ تملوگ رسول اللہ صلعم سے حدیثین بیان کرتے ہو اور اس مین اختلاف پیدا ہوتا ہے، تمھارے بعد جو لوگ آئین گے ان مین تم سے زیادہ اختلاف پیدا ہوگا، اس لئے تم لوگ رسول اللہ صلعم سے کوئی حدیث بیان نہ کرو، جو شخص تم سے حدیث پوچھے اس سے کہدو کہ ہمارے تمھارے درمیان کتاب اللہ موجود ہے، اس کے حلال کئے ہوئے کو حلال سمجھو اور اسکے حرام کئے ہوئے کو حرام (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳)

(۲) حضرت ابوبکرؓ نے پانسو حدیثون کا مجموعہ تیار کیا تھا، ایک رات کو آپ بہت بےچین رہے، آپکی بیچینی سے حضرت عائشہؓ پریشان ہوئین اور پوچھا آپ کسی بیماری کی وجہ سے بےچین ہین یا کوئی ناگوار بات پیش آئی، صبح ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ بیٹی حدیثون کا وہ مجموعہ لے آؤ جو تمھارے پاس رکھا ہے، حضرت عائشہؓ اس کو لے آئین آپ نے اس کو لیکر جلا دیا، حضرت عائشہؓ نے پوچھا آپ نے جلا کیون دیا، فرمایا مجھے خوف معلوم ہوا کہ مین مرجاؤن اور یہ مجموعہ محفوظ رہ جائے، ممکن ہے مین نے اس مین ایسے لوگون سے حدیثین لی ہون جنکو مین امین سمجھتا ہون اور مجھے ان پر وثوق ہے، لیکن وہ حدیثین ایسی نہ ہون، (تذکرۃ الحفاظ ذکر ابوبکرؓ)

حضرت عمرؓ کی مخالفت حدیث مین یہ واقعات پیش کئے جاتے ہین، (۱) آپ فرماتے تھے، حسبنا کتاب اللہ (۲) لوگون کو حدیثون کی اشاعت سے روکتے تھے، قرظہ بن کعب راوی ہین کہ جب حضرت عمرؓ نے ہم لوگون کو عراق بھیجا تو خود مشایعت کو نکلے، اور ہم سے پوچھا کہ تم کو معلوم ہے مین تمھارے ساتھ کیون آیا ہون، لوگون نے عرض کیا ہماری عزت افزائی کے لیے، فرمایا ہان لیکن یہ بھی غرض ہے کہ تم لوگ ایسے

مقام پر جاتے ہو، جہان کے باشندون کی آوازین قرآن پڑھنے مین شہد کی مکھیون کی طرح گونجتی رہتی ہین، تم اُن کو احادیث مین روک کر قرآن سے غافل نہ کردینا، قرآن مین آمیزش نہ کرو، اور رسول اللہ صلعم سے کم روایت کرو، مین تمھارا شریک ہون، قرظہ جب عراق پہنچے تو لوگون نے کہا ہم سے حدیث بیان کرو، انھون نے کہا ہمکو عمرؓ نے منع کیا ہے (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷)

(۳) ابو سلمہ نے ابوہریرہؓ سے پوچھا کہ کیا تم اسی طریقہ سے عمرؓ کے زمانہ مین بھی حدیثین بیان کرتے تھے انھون نے کہا اگر مین عمرؓ کے زمانہ مین اس طرح حدیثین بیان کرتا تو وہ مجھکو دُرّے سے مارتے (تذکرۃ الحفاظ ج اص)

(۴) عبداللہ بن مسعودؓ، ابو درداءؓ اور ابو مسعودؓ انصاری کو کثرتِ روایت کے جرم مین قید کردیا تھا اور کہا تم لوگ رسول اللہ صلعم سے روایت کرتے ہو (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷)

(۵) حذیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثین بیان کرتے تھے، سلمان فارسی نے کہا تم اس سے باز آؤ ورنہ مین عمرؓ کو لکھونگا، (ابوداؤد)

یا اس قبیل کے دو ایک اور واقعات سے اگر مل سکین، منکرین حدیث یہ نتیجہ نکالتے ہین کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ حدیثون کو قابلِ حجت نہین سمجھتے تھے ورنہ احادیث اور رواۃ کے متعلق یہ مخالفانہ طرزِ عمل کیون ہوتا؟

اوپر کے واقعات مین سے اکثر تذکرۃ الحفاظ مین ضرور ہین، لیکن ان سے حدیث و سنت کے خلاف نتیجہ نکالنا معترضین کی کوتاہیِ نظر اور ان کا قصورِ فہم ہے، جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا کہ ان مین سے بعض روایات سرے سے غلط ہین، یہ ضروری نہین ہے، کہ تذکرۃ الحفاظ کی اس قسم کی ہر روایت قابل قبول ہو، خصوصاً ایسی حالت مین جبکہ صحاح کی مستند روایات مین احادیث و سنت کی اشاعت اور اس کے واجب العمل ہونے کے متعلق احکام اور خلفاء کے احتجاج بالحدیث والسنہ کے ایک دو نہین بلکہ بیسیون واقعات موجود ہین، (اوّل الذکر کی روایتین اوپر گذر چکی ہین اور آخر الذکر کی آیندہ آئین گی) اور بعض روایتون کا مطلب غلط سمجھکر ان سے غلط نتیجہ پیدا کیا جاتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ ان سے مخالفتِ حدیث کا نتیجہ ہی نہین نکلتا

خود حافظ ذہبی بھی اس نتیجہ پر نہین پہنچے ہین، اگر وہ یہ نتیجہ نکالتے تو خود اتنے بڑے محدّث و امام کیون ہوتے، اور مناقبِ محدثین کے بجائے ان کے مثالب لکھتے، پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ حافظ ذہبی نے بہت سے واقعات خلفاء کے احتجاج بالحدیث والسنۃ کے لکھے ہین، ان کثیر واقعات کو چھوڑ کر بعض ایسے مشتبہ واقعات کو لے لینا جن سے بزعم منکرین حدیث، حدیث کی مخالفت نکلتی ہے، کہان تک جائز ہے، اوپر کی روایات سے صرف احتیاط فی الروایۃ ثابت ہوتی ہے جیسا کہ ہر صاحبِ نظر سمجھتا ہے، اور خود حافظ ذہبی بھی یہی سمجھتے ہین، اور یہی سمجھکر ان کو کتاب مین نقل کیا ہے، ان واقعات پر نظر ڈالنے سے پہلے ہم کو احتجاج بالحدیث والسنۃ کے باب مین ابوبکرؓ و عمرؓ کے عمل کو دیکھنا چاہئے،

ان "جدید محدثین" کے علاوہ تمام محدثین اور ائمہ اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ خلفائے راشدین کتاب اللہ کے بعد حدیث وسنت ہی کو رہنما سمجھتے تھے، اسی لئے وہ خلفائے راشدین کہلاتے تھے کہ کسی چیز مین عمل نبوی سے سرِمو تجاوز نہ کرتے تھے، حدیث و طبقات کی کتابین اس قسم کے واقعات سے معمور ہین، خصوصاً شیخین اس بارہ مین اور زیادہ متشدد تھے، حضرت ابوبکرؓ کا دستور العمل یہ تھا کہ جب کوئی صورت پیش آتی تھی تو پہلے کتاب اللہ اس کے بعد سنت رسول اللہ کی طرف رجوع کرتے تھے، مسند دارمی مین ہے،

کان ابوبکر اذا ورد علیہ الخصم نظر فی کتاب فان وجد فیہ مایقضی بینھم قضی بہ وان لم یکن فی الکتاب وعلم من رسول اللہ فی ذلک الامر سنۃ قضی بہ فان اعیاہ خرج فسال المسلمین (مسند دارمی)

ابوبکر کے سامنے جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا تھا تو پہلے کتاب اللہ مین دیکھتے تھے اگر اس مین پاتے تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے اور اگر کتاب اللہ مین نہ ہوتا اور رسول اللہ سے اس بارہ مین کوئی سنت ہوتی تو اسکے مطابق فیصلہ کرتے اگر اس سے بھی حل نہ ہوتا تو مسلمانون سے پوچھتے

علامہ ابن قیم بحوالہ کتاب القضاء ابوعبید لکھتے ہین،

کان ابوبکر الصدیق اذا ورد علیہ حکم

ابوبکر کے سامنے جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا تھا تو پہلے

نظر فی کتاب اللہ تعالیٰ فان وجد فیہا ما یقضی بہ قضی بہ وان لم یجد فی کتاب اللہ نظر فی سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فان وجد فیہا ما یقضی بہ قضی بہ فان اعیاہ ذالک سأل الناس ھل علمتم ان رسول اللہ صلعم قضی فیہ بقضاء فربما قام الیہ القوم فیقولون قضی بہ بکذا وکذا فان لم یجد سنۃ سنہا النبی صلعم جمع رؤساء الناس فاستشارھم فاذا اجتمع رأیھم علی شیٔ قضی بہ۔ (اعلام الموقعین ج ۱ ص ۵۱)

کتاب اللہ میں دیکھتے تھے اگر اس میں فیصلہ کا مواد مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے، ورنہ اگر کتاب اللہ میں نہ ملتا تو سنت رسول اللہ صلعم میں دیکھتے، اگر اس میں فیصلہ کے متعلق کچھ مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے، جب اس سے بھی عقدہ کشائی نہ ہوتی تو لوگون سے پوچھتے کہ تم لوگون کو کچھ معلوم ہے کہ رسول اللہ صلعم نے اس بارہ میں کوئی فیصلہ کیا ہے، بسا اوقات اسکے جواب میں کچھ آدمی کھڑے ہو جاتے اور کہتے کہ اس معاملہ میں رسول اللہ صلعم نے ایسا ایسا فیصلہ کیا ہے، اور جب نبی صلعم کی کوئی سنت بھی نہ پاتے تو سربرآوردہ مسلمانون کو جمع کرکے ان سے مشورہ کرتے اور جب ان کی رائے کسی امر پر متفق ہو جاتی تو اس کے مطابق فیصلہ فرماتے،

بیعتِ خلافت کے بعد آپ نے جو پہلا خطبہ دیا اس مین کتاب اللہ کے بعد سنتِ رسول ہی کو رہنما بنایا،

اما بعد ایہا الناس قد ولیت امرکم ولست بخیرکم ولکن نزل القرآن وسنن النبی صلعم السنن فعلمنا فتعلمنا . . . . . . ایہا الناس انما انا متبع ولست بمبتدع فان احسنت فاعینونی وان زغت فقومونی (طبقات ابن سعد ج ۳ ق اوّل ص ۱۲۹)

اما بعد لوگو! میں تمھارے معاملات کا ولی بنایا گیا ہون مگر تم مین سے بہتر نہین ہون، لیکن قرآن نازل ہو چکا اور رسول اللہ صلعم نے طریقے بتا کر ہم کو سکھا دیا ہے اور ہم سیکھ گئے ہین . . . . لوگو! میں متبع ہون اپنی طرف سے کوئی نئی بات کرنے والا نہین ہون، پس اگر مین اچھا کام کرون تو میری امداد کرو اور اگر ٹیڑھا ہون تو مجھے سیدھا کر دو،

اس پہلی تقریر مین جسمین آپ نے اپنی حیثیت بتائی ہے کہ مین پیرو ہون اپنی طرف سے نئی بات کرنے والا نہین اور کتاب اللہ کے بعد سنت رسول ہی کو رہنما بتایا،

اب حضرت ابوبکرؓ کے اس اصول کی مثالین ملاحظہ ہون،

آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد ہی جبکہ آپ کا جسد خاکی بھی آنکھون سے نہان نہ ہوا تھا، حضرت ابوبکرؓ کو حدیث نبوی کیطرف رجوع کرنے کی ضرورت پیش آئی، آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد صحابہ مین یہ سوال پیدا ہوا کہ جسد اطہر کو کہان دفن کیا جائے، کچھ لوگ کہتے تھے مسجد نبوی مین دفن کیا جائے بعضون کی رائے تھی کہ آپ کے صحابہ کیساتھ دفن کیا جائے، اس موقعہ پر حضرت ابوبکرؓ نے حدیث نبوی سے اس کا فیصلہ کیا، فرمایا مین نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہو کہ جہان پر نبی کی روح قبض ہوتی ہے وہین دفن کیا جاتا ہے، چنانچہ اس حدیث کے مطابق آنحضرت صلعم کا فرش اٹھا کر اسی جگہ قبر کھودی گئی (موطا امام مالک ص ۸۰ مطبوعہ دہلی، وابن ماجہ باب ذکر وفاتہ ودفنہ صلعم ص ۱۱۸)

وفات نبوی کے بعد جب حضرت فاطمہؓ نے میراث نبوی کا مطالبہ کیا تو آپ نے فرمایا،

فقال ابوبکر ان رسول اللہ قال لا نورث ما	ابوبکر نے کہا رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ ہماری وراثت تقسیم
ترکنا صدقۃ انما یاکل آل محمد فی ھذا المال	نہیں ہوتی ہم نے جو کچھ چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے البتہ آل محمد
وانی واللہ لا اغیر شیئا من صدقۃ رسول اللہ	اس مین کھا پی سکتے ہین، خدا کی قسم مین رسول اللہ صلعم کے
صلعم ولا عملن فیھا بما عمل بہ رسول اللہ صلعم	صدقات مین کوئی تغیر نہ کرونگا اور اس مین وہی کرونگا
الخ (مسلم ج ۲ ص ۲، مطبوعہ مصر وبخاری)	جو رسول اللہ نے کیا ہے،

منکرین حدیث کو غور کرنا چاہئے کہ حضرت ابوبکرؓ نے میراث نبوی مین بھی جو حضرت فاطمہؓ کو ملنے والی تھی حدیث نبویؐ پر عمل ضروری سمجھا اور حضرت فاطمہؓ کو صاف جواب دیدیا، ایسی حالت مین اور مسائل کا کیا ذکر ہے، جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے کہ پیش آمدہ مسائل مین آپ تنہا اپنے ہی معلومات حدیث پر اکتفا کرتے تھے بلکہ دوسرون کی قابل اعتماد روایات پر فیصلہ کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ آپ کے پاس ایک عورت اپنے پوتے کی میراث مانگنے آئی، قرآن مین اس کے ترکہ کا ذکر نہین ہے، اسلئے فرمایا کہ قرآن مین تمھارے ترکہ کا کوئی ذکر نہین ہے اور نہ دادی کے ترکہ مین مجھے رسول اللہ صلعم کا کوئی حکم معلوم ہے، مغیرہ بن شعبہ بیٹھے ہوئے تھے، انھون نے کہا مین نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے، آپ دادی کو چھٹا حصہ دلاتے تھے حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا کوئی دوسرا شاہد ہے

محمد بن مسلمہ نے شہادت دی، ان کی شہادت سنکر آپ نے اس عورت کو چھٹا حصہ دلایا، (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۲)

اس قسم کے بیسیوں واقعات ہیں، مثالاً صرف چند لکھ دیئے گئے، مزید کے لیے حدیث کی کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہئے،

حضرت ابو بکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کا بھی یہی طرز عمل رہا، وہ بھی کتاب اللہ کے بعد سنتِ رسول ہی کی طرف رجوع کرتے تھے، بلکہ انھوں نے سنت رسول کے ساتھ سنتِ ابی بکر کو بھی شامل کر لیا تھا، کہ یہ بھی سنت رسولؐ ہی پر مبنی تھی، چنانچہ اس کو ان الفاظ میں واضح فرمایا ہے،

انہ مضی لی صاحبان لی یعنی النبی صلعم وابا بکر عملا عملاً وسلکا طریقًا فانی ان عملت لغیرھا سلک بی غیر طریقھما، (ابن سعد جزو ۳ ق اول ص ۲۷)	میرے دو ساتھی یعنی نبی صلعم اور ابو بکرؓ آگے جا چکے، انھوں نے خاص قسم کے اعمال کئے، اور خاص راستہ پر چلے، اب اگر میں ان دونوں کے علاوہ کوئی تیسرے طریقہ پر عمل پیرا ہوں تو میری وجہ سے ان دونوں کے طریقوں کے علاوہ ایک اور راہ کھلجائیگی

اس میں انھوں نے اپنے لیے عمل رسول، ور عمل ابی بکر کی پیروی ضروری قرار دی،

حافظ ابن القیم حضرت ابو بکرؓ کے طریقہ کو جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے لکھنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

وکان عمر یفعل ذالک فاذا اعیاہ ان یجد ذالک فی الکتاب والسنۃ سال ھل کان ابوبکر قضی فیہ بقضاء فان کان لابی بکر قضاء قضی بہ والا جمع علماء الناس استشارھم فاذا اجتمع رایھم علی شئی قضی بہ، (اعلام الموقعین ج اول ص ۷۱)	اور عمر بھی ایسا ہی (یعنی علی الترتیب کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کی طرف رجوع) کرتے تھے اور جب کتاب اللہ اور سنت رسولؐ اللہ میں بھی کچھ نہ ملتا تو لوگوں سے پوچھتے کہ ابو بکرؓ نے اسمین کوئی فیصلہ کیا ہے اگر ابو بکرؓ کا فیصلہ موجود ہوتا تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے ورنہ پھر صاحب علم بزرگوں کو جمع کرکے ان سے مشورہ لیتے، جس رائے پر سب کا اتفاق ہو جاتا اس کے مطابق فیصلہ کر دیتے،

قضاۃ کو عہدۂ قضا پر مقرر کرتے وقت خاص طور سے کتاب اللہ اور اس کے بعد سنت رسول کے مطابق فیصلوں کی ہدایت کرتے تھے، چنانچہ جب تاریخ اسلام کے مشہور قاضی شریح کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا تو ہدایت کی،

انظر ما تبین لک فی کتاب اللہ فلا تسأل عنہ احدا وما لم یتبین لک فی کتاب اللہ فاتبع فیہ سنۃ رسول اللہ وما لم یتبین لک فیہ السنۃ فاجتہد فیہ رأیک، (اعلام الموقعین ج ۱ ص ۷۱)	جو مسئلہ پیش آئے اسین پہلے کتاب اللہ کو دیکھو جو اس سے تمھارے لیے ظاہر ہو اور کسی سے نہ پوچھو اور جب کتاب اللہ سے ظاہر نہ ہو تو اس مین سنت رسول اللہ کی اتباع کرو اور جب سنت سے بھی ظاہر نہ ہو تو اپنی رائے سے اجتہاد کرو،

چونکہ آپ کے زمانہ مین بکثرت فتوحات ہوئین نئے نئے ملک زیرنگین ہوئے، نئی نئی قومین اسلام کی حلقہ بگوش ہوئین اس لئے آپ نے ان ملکون کے عمال کو انتظام ملکی کے ساتھ اہل ملک کی دینی اور سنت نبوی کی تعلیم کا بھی حکم دیا، چنانچہ آپ نے اپنی شہادت کے وقت خدا کو اپنے جن اعمال پر شاہد بنایا تھا ان مین ایک تعلیم سنت رسول بھی تھی،

قال اللھم انی اشھدک علی امراء الامصار فانی انما بعثتھم لیعلموا الناس دینھم وسنۃ نبیھم ویعدلوا علیھم ویقسموا فیئھم بینھم ویرفعوا الی ما اشکل علیھم من امرھم، (ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۲۴۳)	(عمر نے) کہا خدایا مین تجھکو ملکون کے حکام پر گواہ ٹھہراتا ہون کہ مین نے ان کو اس لیے بھیجا تھا کہ وہ لوگون کو انکا دین اور ان کے نبی کی سنت سکھائین اور ان مین انصاف کرین اور مال غنیمت کا حصہ تقسیم کرین اور انھین جو مشکل پیش آئے اس کو میرے سامنے پیش کرین،

امراء اور عمال کے علاوہ علماء صحابہ کو اشاعت حدیث کے لیے مختلف ملکون مین بھیجتے تھے، چنانچہ فقہ الامت عبداللہ بن مسعود کو ایک جماعت کے ساتھ کوفہ معقل بن یسار، عبداللہ بن مغفل اور عمران بن حصین کو بصرہ، اور عبادہ بن صامت کو شام روانہ کیا، اور امیر معاویہ والی شام کو لکھا کہ یہ لوگ حدیث سے سر مو

تجاوز نہ کرنے پائیں (ازالۃ الخفا ج ۲ ص ۶)

اوپر کی روایات احتجاج بالحدیث والسنہ کے بارہ مین حضرت عمرؓ کے اصول کی تھین، اب واقعات کی صورت مین ان کی مثالین ملاحظہ ہون،

شیبہ راوی ہین کہ ایک مرتبہ عمرؓ نے جبکہ وہ مسجد (کعبہ) مین میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے، مجھ سے کہا کہ مین نے ارادہ کرلیا ہے کہ تمام سونا چاندی مسلمانون مین تقسیم کردونگا اور اس گھر (کعبہ) مین کچھ نہ رکھونگا مین نے کہا تم کو اس کا کیا حق ہے انھون نے کہا کیون مین نے کہا اس لئے کہ تمھارے دونون ساتھیون (رسول اللہؐ اور ابوبکرؓ) نے ایسا نہین کیا، عمرؓ نے کہا مین انھین دونون کی اقتدا کرتا ہون، (بخاری باب الاقتدا بسنن رسول اللہ صلعم ج ۲ ص ۱۰۸۱)

اوپر معلوم ہوچکا ہے کہ حضرت عمرؓ علی الترتیب کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، سنتِ ابوبکرؓ اور اجماع صحابہ کے مطابق فیصلہ کرتے اور سب آخر مین اجتہاد کرتے تھے، لیکن اجتہاد کی صورت مین فیصلہ کے بعد اگر سنت رسول اللہ کا پتہ چل جاتا تو فیصلہ پلٹ دیتے، ابن مسیب راوی ہین کہ عمر بن الخطاب نے ایک مرتبہ انگلیون کی دیت کے بارہ مین کوئی فیصلہ کیا اس کے بعد اس بارہ مین ان کو آنحضرت صلعم کے ایک فرمان کا جو آپ نے ابن حزم کو لکھا تھا، حوالہ دیا گیا تو اپنا پہلا فیصلہ منسوخ کردیا، (سیرت ابن خطاب ابن جوزی ص ۱۲۵)

اسی طریقہ سے ایک مرتبہ ایک مجنون زانیہ عورت کو سنگسار کرنا چاہا، حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا مین نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے کہ تین شخص مرفوع القلم ہین، سونے والا جبتک بیدار نہ ہوجائے، بچہ جب تک بالغ نہ ہوجائے، مجنون جب تک صحیح نہ ہوجائے، اور سمجھنے لگے" یہ حدیث سنکر حضرت عمرؓ نے عورت کو چھوڑدیا (مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۱۴۰)

یہی نہین کہ آپ مسائل اور احکام مین سنتِ نبوی کو دلیلِ راہ بناتے تھے، بلکہ بعض ان سنتون مین جن سے بظاہر کوئی فائدہ متصور نہ ہوتا محض سنت رسول ہونے کی وجہ سے ان پر عمل کرتے تھے، حجر اسود کا بوسہ لینا ارکانِ حج مین نہین ہے، بلکہ محض سنت ہے، اور ایسی سنت جس سے بظاہر کوئی غرض بھی

مقصود نہین، حضرت عمرؓ محض سنت کے خیال سے بوسہ دیتے تھے، اور کوڑا مار کہتے کہ مین جانتا ہون کہ تو کسی کو کوئی فائدہ نہین پہنچا سکتا، لیکن رسول اللہ نے بوسہ لیا ہے، اس لیے مین بھی لیتا ہون، (مسلم و بخاری کتاب المناسک)

اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جب کوئی نئی صورت پیش آتی تھی تو مجمع عام مین کھڑے ہوکر پوچھتے تھے کہ اس صورت کے متعلق کسی کو کوئی حدیث معلوم ہے، تکبیر جنازہ، غسل میت، جزیہ مجوس، اور اس قسم کے صدہا مسائل کے متعلق آپ نے صحابہ سے پوچھ کر احادیث کا پتہ لگایا، جنکی تفصیل حدیث کی کتابون مین مذکور ہے، البتہ خبر احاد کو بغیر تائیدی شہادت کے نہ قبول کرتے تھے، اس پر آیندہ بحث آئیگی، ایسی حالت مین یہ دعویٰ کہانتک صحیح ہے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ حدیث کو قابلِ حجت نہ سمجھتے تھے،

اس تفصیل کے بعد تذکرۃ الحفاظ کی ان روایات کی توضیح و تنقید کیجاتی ہے، جنکو منکرین حدیث اپنی تائید مین پیش کرتے ہین، ناظرین کو ان مخالف روایات کو جو اوپر گذر چکی ہین پیش نظر کر لینا چاہیئے،

۱۔ حضرت ابوبکرؓ نے لوگون کو روایتِ حدیث سے اس لیے نہین روکا تھا کہ وہ ان کو قابلِ حجت نہین سمجھتے تھے، بلکہ ان کی تشریح کے مطابق اس کا سبب یہ تھا،

انکم تحدثون عن رسول اللہ صلعم احادیث تختلفون فیہا والناس بعدکم اشد اختلافاً فلا تحدثوا عن رسول اللہ شیئاً فمن سألکم فقولوا بیننا و بینکم کتاب اللہ الخ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳)	تم لوگ رسول اللہ صلعم سے ایسی حدیثین بیان کرتے ہو کہ جنمین اختلاف کرتے ہو، جب تمھارا یہ حال ہے تو تمھارے بعد آنے والون مین اس سے زیادہ اختلاف ہوگا، اس لیے رسول اللہ صلعم سے کوئی حدیث روایت نہ کرو، جو شخص تمسے پوچھے اس سے کہدو کہ ہمارے تمھارے درمیان کتاب اللہ ہے،

اولاً یہ روایت مرسل ہے جیسا کہ حافظ ذہبی نے تصریح کر دی ہے، فقط ایک تابعی کا بیان ہے، پھر اس مین اس ممانعت کا سبب خود بیان کر دیا ہے کہ اس کا سبب مسلمانون کو اختلاف سے بچانا ہے نہ کہ حدیث کا انکار اور اس کا ناقابل حجت ہونا، واقعہ یہ ہے کہ بعض لوگ بلا امتیاز ہر قسم کی حدیثین بیان کرتے تھے، جو

باہم مختلف ہوتی تھین، اس سے مسلمانون مین اختلاف پیدا ہونے کا خطرہ تھا، اس لیے عوام کو روایتِ حدیث کی ممانعت کردی تھی لیکن اس سے روایتِ حدیث کا دروازہ بند کرنا مقصود نہ تھا، ورنہ وہ خود حدیثون سے کیون تمسک کرتے حافظ ذہبی اس روایت کے بعد ہی اپنی راے لکھتے ہین،

فھذا المرسل یدلک ان مراد الصدیق التثبت فی الاخبار والتحری لاسد باب الروایۃ الا تراہ لما نزل بہ امر الجدۃ ولم یجدہ فی الکتاب کیف سال عنہ فی السنن فلما اخبرہ الثقۃ ما اکتفی حتی استظھر بثقۃ اخر ولم یقل حسبنا کتاب اللہ کما تقولہ الخوارج (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۳)

اس مرسل روایت سے معلوم ہوتا ہو کہ اس سے ابوبکر صدیق کا مقصد حدیثون کی تصدیق اور توثیق تھی نہ حدیثون کا دروازہ بند کرنا، تم نے نہین دیکھا کہ جب ان کے پاس دادی کے ترکہ کا معاملہ آیا (اسکا واقعہ اوپر گذر چکا ہے) اور کتاب اللہ مین انھون نے نہین پایا تو کیسے اس مسئلہ مین رسول اللہ کی سنت دریافت کی، اور جب ایک ثقہ نے ان کو خبر دی تو اسکو کافی نہین سمجھا، جبتک دوسرے نے تصدیق نہین کی اسوقت خوارج کی طرح انھون نے یہ نہین کہا کہ ہمارے لئے کتاب اللہ کافی ہے،

ایسی حالت مین اس روایت سے جو مرسل ہے، حضرت ابوبکرؓ کے انکار حدیث کا نتیجہ کس طرح درست ہو، اس کی صحت کی حالت مین صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے عوام کو جو بلا امتیاز ہر طرح کی حدیثین روایت کرتے تھے، اختلاف کے خطرہ سے روکا تھا،

۲- دوسری روایت یہ ہے کہ آپ نے اپنا لکھا ہوا پانسو حدیثون کا مجموعہ جلا دیا تھا، اولاً یہ روایت ہی صحیح نہین ہے اس کا راوی ابراہیم بن عمر بن عبید اللہ التیمی مجہول ہے، رجال کی کتابون مین اس کا ذکر ہی نہین جسکا راوی ایسا مجہول ہو اسکی روایت کا کیا پایہ ہو سکتا ہے، خود حافظ ذہبی بھی جنھون نے بہ حیثیت واقعہ نگار یہ روایت نقل کی ہے اسے قابلِ اعتبار نہین سمجھتے اور آخر مین لکھتے ہین کہ "لا یصح ذالک" یہ روایت ہی صحیح نہین ہے، (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵) پھر اس سے استدلال کیا، اس علمی خیانت کو دیکھیے کہ

منکرین حدیث اوپر کا واقعہ تو ذہبی سے نقل کرتے ہیں، اور آخر کا ٹکڑا جس میں اس روایت کے عدم صحت کا ذکر ہے، چھوڑ دیتے ہیں، لیکن بالفرض اگر اس کی صحت تسلیم بھی کر لی جائے تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت ابوبکر حدیثوں کو قابلِ حجت نہیں سمجھتے تھے اگر وہ ایسا سمجھتے تھے تو وہ پہلے ہی کیوں لکھتے، اس کا سبب خود انھیں کی زبان سے یہ تھا،

خشیت ان اموت وھی عندی فیکون فیھا احادیث عن رجل قد ائتمنتہ ووثقت ولم یکن کما حدثنی، (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵)	مجھے یہ خوف معلوم ہوا کہ میں مرجاؤں اور یہ مجموعہ میرے پاس رہجائے اور اس میں ایسی حدیثیں ہوں جن کو میں نے ایسے آدمیوں سے لیا ہو جنھیں میں امین اور قابل وثوق سمجھتا ہوں اور وہ درحقیقت ایسے نہ ہوں،

اس تشریح سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپنے اس لئے نہیں جلایا تھا کہ سرے سے حدیث ہی کے منکر تھے، بلکہ آپ کو ان کے راویوں پر پورا اعتماد نہ تھا، ایسی حالت میں ان کا جلادینا ضروری معلوم ہوا، لیکن یہ واقعہ ہی صحیح نہیں ہے، اور خود اس عبارت میں "احادیث" اور "وثوق" کے دو لفظ ایسے ہیں جو ان معنوں میں قرن اول میں مستعمل نہ تھے، اس سے یہ روایت سراسر ناقابل اعتبار ہوجاتی ہے،

حضرت ابوبکرؓ کی مخالفت حدیث کی بنیاد انھیں دو حصوں میں قائم کیجاتی ہے جس کی حقیقت ظاہر کردی گئی،

خطبات مدراس

مولانا نے ۱۹۲۶ء میں مدراس میں سیرت نبویؐ کے مختلف پہلوؤں پر آٹھ خطبے دلکش زبان میں دیئے تھے جو نہایت مقبول ہوئے اور مسلمانوں نے ان کو بے حد پسند کیا، ان آٹھ ٹکڑوں میں نہایت موثر الفاظ میں اور تاریخی دلائل کیساتھ آنحضرت صلعم کی سیرۃ مبارکہ اور آپکی تعلیمات کا عطر اور خلاصہ پیش کیا گیا ہے، یہ اس لائق ہیں کہ مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں میں ہدیۃً تقسیم کئے جائیں، اور عربی مدرسوں اور مکتبوں اور انجمنوں میں ان کو پڑھایا جائے، ضخامت ۱۸۵ صفحے، قیمت: عہ، "منیجر"

علی عادل شاہ ثانی المتخلص بہ شاہی کا اردو کلیات

۱۰۶۷ھ تا ۱۰۸۳ھ

از

مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی، مؤلف "یورپ مین دکھنی مخطوطات" حیدرآباد دکن

"مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی مؤلف "یورپ مین دکھنی مخطوطات" اردو کی ابتدائی تاریخ کی گمشدہ کڑیون کی تلاش و جستجو مین سرگردان رہتے ہین، موصوف اس سے پہلے وجہی، نظامی اور ابراہیم عادل شاہ کی مثنویون کو پہلی مرتبہ ان صفحات مین روشناس کر چکے ہین آج وہ سلطنت عادل شاہی کے ایک تاجدار سلطان علی عادل شاہ کے کلیات کو پہلی مرتبہ روشناس کر رہے ہین، امید ہے کہ اسے بھی دلچسپی سے دیکھا جائیگا؛

"سید ریاست علی ندوی، سب اڈیٹر معارف"

یہ ہمین معلوم ہے کہ بیجاپور کے آٹھوین حکمران سلطان علی عادل شاہ ثانی کا تخلص شاہی تھا اور وہ عموماً اردو زبان مین طبع آزمائی کیا کرتا تھا، مگر آج تک اس کے کلام کے متعلق کافی تفصیلات سے آگاہی نہین تھی، اس کی ایک مثنوی کے متعلق ہم نے ایک علحدہ مضمون لکھا ہے،

آج سلطان کے کلیات کا ناظرین سے تعارف کرایا جاتا ہے، اس کا ایک مخطوطہ ہم کو بڑی کوشش سے دستیاب ہوا تھا، اور اب وہ دفتر دیوانی و مال سرکار نظام (حیدرآباد) کے کتب خانہ[1] مین محفوظ ہے،

---

[1] یہ دفتر سرکار آصفیہ حیدرآباد کا ہسٹاریکل ریکارڈ آفس ہے، اس مین فارسی عربی اردو اور انگریزی مخطوطات کا کافی ذخیرہ جمع کیا گیا ہے جس مین ایک بڑا حصہ نایاب اور کمیاب مخطوطات کا بھی ہے،

اس کلیات کے تعارف سے پیشتر خود سلطان علی عادل شاہ ثانی کی سوانح زندگی کو مختصراً بیان کرنا بے محل نہ ہوگا۔ بیجاپور کے عادل شاہی حکمرانوں میں سلطان علی عادل شاہ ثانی آٹھواں تاجدار ہے، جو سلطان محمد عادل شاہ کا اکلوتا چشم و چراغ تھا۔ ۱۰ ربیع الثانی ۱۰۴۸ھ کو بیجاپور میں پیدا ہوا چونکہ سلطان محمد کے اس سے پہلے کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی اس لیے اس کے تولد پر بڑی خوشی منائی گئی، غربا کو خیرات تقسیم ہوئی، علماء شعراء اور امرا کو جاگیر و مناصب سے سرفراز کیا گیا شعرا نے قصیدے پیش کئے، اور تاریخیں نکالیں، منجملہ اُن کے خواجگی آقا نے جو قطعہ موزوں کیا تھا، اس کا مصرعہ تاریخی حسب ذیل تھا:۔

مولود شہزادہ گفت کوکب شوکب رسید

خدیجہ سلطان شہر بانو جو سلطان محمد عادل شاہ کی ملکہ اور سلطان محمد قطب شاہ والی گولکنڈہ کی دختر تھی، اس نو مولود کو اپنے آغوش میں لیکر تعلیم و تربیت میں مصروف ہوئی، لائق معلم اور قابل مؤدب شہزادے کی تعلیم و تدریس کے لیے مامور کئے گئے، اس زمانہ کی سوسائٹی میں حکمرانی کی قابلیت حاصل کرنے کے لیے جس نصاب کو ختم کرنا ضروری تھا اس کا باحسن وجوہ انتظام عمل میں آیا، اس اہتمام اور انتظام علمی ماحول، قابل اور صاحب تدبیر ماں کی تربیت اور نگرانی کا اثر تھا کہ شہزادہ علی اپنے زمانہ کا نامور ادیب، بلند پایہ شاعر، قابل مدبر اور فنون جنگ میں آزمودہ کار سپہ سالار ثابت ہوا،

باپ کے انتقال پر محرم ۱۰۶۷ھ میں انیس سال کی عمر میں سلطنت کی باگ ہاتھ میں لی، درباری شاعر عبدالغنی نے

نوبت شاہی زدہ بعد محمد علی

سے تاریخ نکالی ہے،

محمد عادل شاہ کے زمانہ ہی میں سلطنت عادل شاہی کا شیرازہ درہم برہم ہونے لگا تھا، مغلیہ شاہنشاہی کی حکمت عملی اب اس امر کی مقتضی تھی کہ دکن کو بھی اپنی سلطنت کا ایک جزو بنا لے، چنانچہ شاہجہان کی جانب سے اورنگ زیب نے حملہ کرکے بیدر و کلیانی وغیرہ پر قبضہ کر لیا، اور خود بیجاپور کی باری تھی کہ شاہجہان کی علالت کی

خبر آئی، اورنگ زیب نے عارضی طور پر صلح کر لی،

یہ وہ زمانہ ہے جبکہ سلطنت عادل شاہی مین اسباب زوال اپنا کام کر رہے تھے، ارکان و عمائد حکومت عیش پرستی کے خوگر ہو چکے تھے، نظم و انتظام کی چولین ڈھیلی پڑ رہی تھین،

اورنگ زیب سے صلح کے بعد عادل شاہی دربار نے ابھی سنبھالا نہین لیا تھا کہ اسی اثنا رمین سیواجی نے حکومت کے خواب دیکھنے شروع کئے، عادلشاہی سپہ سالار افضل خان کا سیواجی کے ہاتھون دھوکہ سے مارا جانا تاریخ کا ایک غمناک اور درد انگیز واقعہ ہے، اس جرم کی سزا دینے کے لیے سدی جوہر المخاطب صلابت خان روانہ کیا گیا، صلابت خان سیواجی کی سازش کا شکار ہو گیا اور دونون شیر و شکر ہو گئے، اب خود سلطان نے فوجکشی کی، سیواجی کا فرار ہونا صلابت خان کا قلعہ پنالہ مین محصور ہو کر طالب عفو ہونا اور پھر سرتابی کرنا اور بالآخر شکست کھا کر انتقال کرنا سب کچھ تاریخ کے مشہور واقعات ہین تفصیل کی ضرورت نہین،

علی عادل شاہ کے مصائب کا سلسلہ اسی پر ختم نہین ہوا، سلطنت عادل شاہی اعدار کے نرغے مین تھی لیکن سلطان نے اپنی فراست و دانشمندی اور قابلیت کے بل بوتے پر ان مشکلات پر غالب آنے کی کوشش کی، چنانچہ سلطنت مین کچھ اضافہ بھی ہوا، ملیبار اور بدنور وغیرہ فتح ہوئے، سلطان نے کرناٹک کے جانب توجہ کی تھی کہ سیواجی نے پھر سر اٹھایا، اورنگ زیب کے حسب خواہش علی عادل شاہ نے سیواجی کے قلع وقمع پر کمر باندھی، دربار مغلیہ سے بھی جے سنگھ کی سپہ سالاری مین فوج روانہ ہوئی، ابھی فوج آئی نہین تھی کہ سیواجی عادل شاہی لشکر سے مقابلہ کی تاب نہ لا کر پونہ کی جانب فرار ہو گیا، مغلیہ فوج نے پونہ کا محاصرہ کر لیا، سیواجی کی سازش جے سنگھ پر بھی کارگر ہو گئی، دونون مل کر بیجاپور پر حملہ کے لیے روانہ ہوئے، دو سال کی مسلسل ناکامی کے بعد مغلیہ فوج واپس ہو گئی، اس کے بعد سیواجی نے پھر ہاتھ پیر نکالے، لیکن صلح ہو گئی،

اب خود سلطان کا پیمانۂ عمر بھی لبریز ہو گیا اور پینتیس[۳۵] سال کی بھری جوانی مین سولہ[۱۶] سال کے حکومت کے بعد سفر آخرت اختیار کیا، "پادشہ دین علی کرد وطن برجنان" تاریخ وفات ہے (۱۰۸۳ھ)

سلطان علی عادل شاہ ایک منصف مزاج، دادگستر اور رعیت پرور حکمران تھا، علم و فضل کا قدردان اور خود بھی ذی علم تھا، نہایت خوش مزاج، رنگین طبع اور لطیفہ گو، بذلہ سنجی مین مہارت تامہ رکھتا تھا، شعر و سخن مین ید طولیٰ حاصل تھا، علماء و فضلا اور شعراء کا قدردان تھا اُس کے اسی انہماک کا نتیجہ تھا کہ اس کے زمانہ مین گھر گھر شعراء شاعری کا چرچا تھا اور ہر طرف علمی چہل پہل تھی،

سلطان کو فنون لطیفہ سے اچھا ذوق تھا، شاعری اور موسیقی مین مہارت تھی، عمارات سے دلچسپی تھی، متعدد قصر و محل تعمیر کئے تھے،

اس کی علمی قدردانی اور ذوقِ شاعری کے متعلق عالمگیری مورخ خافی خان لکھتا ہے:-

"بادشاہ بود باہوش سپاہ دوست و در سخاوت و شجاعت و وسعت خلق مشہور، فضلاء و صلحا را دوست داشتے و شاعران را حرمت نمودے بخصوص در حقِ شاعرانِ ہندی زیادہ مراعات می فرمود"

اسی طرح ابراہیم زبیری نے بساتین السلاطین مین لکھا ہے:-

"چون طبع ہمایون بادشاہ اکثر میل بجانب لغت خاص خویش یعنی زبان دکھنی داشت برطبق الناس علی دین ملوکہم شعرائے ہندی گو بسیار از خاک بیجاپور برخاستہ اند، خانہ بخانہ ہنگامہ شعر تازہ گوئی گرم داشتہ اند" (ص ۴۳۰)

قاضی نوراللہ جو اسی عہد کا مورخ ہے، اپنی کتاب تاریخ علی عادل شاہ مین لکھتا ہے:-

"این بادشاہ ظل اللہ را کہ در روز ازل از استاد و علمنا من لدنا علما کسب کمالات کونی والی و فضائل ظاہری و باطنی در مدرسہ خلق الانسان علمہ البیان کردہ کرسی نشین قرب خالق ذوالجلال و صور گزین جوار قادر متعال بود، گنج لیاقت و استحقاق سبب علیت ظہور ند کور خداوند علی الاطلاق در ذات عظیم المرتبت رفیع المنزلت آن نور سراپا

سرور ودیعت نہادہ"

ان تفصیلات سے جس طرح یہ واضح ہے کہ سلطان کی علمی قابلیت مسلمہ تھی اور وہ علماء و فضلاء کا قدر دان تھا یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کو ہندی یا بہ الفاظ دیگر اردو شاعری سے بھی خاص شغف تھا، یہی وجہ تھی کہ اس کے دربار میں بیسیوں شعرائے نامدار جمع تھے جنمین نصرتی، ہاشمی، مرزا وغیرہ مشہور ہین، نصرتی ملک الشعرا تھا، اس کی تصنیفات گلشن عشق اور علی نامہ سے سلطان کے حالات پر جسطرح روشنی پڑتی ہے وہ اب عام طور سے معلوم ہے، اس کی صراحت اردو شہ پارے اور یورپ مین دکھنی مخطوطات سے ہو سکتی ہے، یہان اُن کی تفصیل کا موقع نہین مگر اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ نصرتی جیسا بلند پایہ شاعر خود سلطان کا خوشہ چین اور اسی کا شاگرد تھا،

یہ امر قابل افسوس تھا کہ تا حال سلطان کا کلام گوشۂ گمنامی مین تھا، مگر اب نہایت مسرت کیساتھ سلطان کے کلیات کو علمی دنیا کی خدمت مین پیش کیا جاتا ہے،

زیر بحث کلیات کے (۲۴۰) صفحے ہین، فی صفحہ چھ سطر ہین، خط نسخ نہایت پاکیزہ لکھا ہوا ہے، اعراب بھی دیئے گئے ہین، مطلا جدول ہے،

تمام اصناف سخن یعنی قصیدے، مثنویان، غزل، مخمس، مثمن، رباعی، فرد، اسمین شامل ہین، لیکن پہلے اس امر کی بھی صراحت ضروری ہے کہ اس کلیات کو سلطان علی عادلشاہ ثانی المتخلص بہ شاہی کا کلیات قرار دینے کے کیا وجوہ ہین،

(الف) کلیات مین متعدد جگہ شاہی تخلص آیا ہے اور یہ معلوم ہے کہ شاہی علی عادلشاہ ثانی ہی کا تخلص تھا،

"روزے علی عادلشاہ مرزان کا را بحضور طلبیدہ مدارت و عنایات بد و نمود و تکلف نمود کہ زبان را بمدح بادشاہ آشنا سازد، مرزان گفت زبانے راکہ درحمد و نعت و منقبت وقف گردیدہ درحکم من نماندہ بادشاہ مکرر تکلیف نمود ناچار یک دو مرثیہ بزبان سلطان گفتہ بجائے اسم خویش

تخلص علی عادل شاہ کہ شاہی بود بہ قسمے داخل نمودہ کہ ذو معنی واقع شدہ"۔ (بساتین السلاطین ص ۳۴۴)

(ب) اشعار ذیل اس امر کا ثبوت پیش کرتے ہیں کہ یہ علی عادل شاہ ہی کا کلیات ہے،

تیرا یاد دن رات شاہی کا کاج ترے فیض سوں ہے اُسے تخت و تاج

(ص ۱۲)

مظفر علی شاہ کے ہاست کا اچک تیر لاگیا نشان کے پلک

(ص ۱۵۹)

لاکھ سوں بھوں چپٹ بتوت سوں سیدہیں نباوے بعید پر ذنگ گت علی عادل سیوک مرتضیٰ ترت بجاوے

(ص ۲۱۹)

سلطان کی کنیت ابو المظفر ہونے کی تصدیق نہ صرف تاریخوں سے ہوتی ہے بلکہ نصرتی کے ذیل کے اشعار سے بھی اس کا ثبوت فراہم ہوتا ہے،

علی عادل شہ غازی شہنشہ بو المظفر کون دیا ہے جس خدا ایسا کہ تھا جیسا سکندر کون

الٰہی سور یو نت ان کو عالمگیر ہے جگ میں تلک جم فتح و نصرت کے یو شاہ بو المظفر کون

ج :۔ کلیات کے عنوانات میں صراحت کی گئی ہے، "حضرت شاہی فرمودند"

د :۔ شرف برج اور بادشاہ محل کی تاریخیں ۱۰۷۲ھ و ۱۰۷۳ھ کی برآمد کی گئی ہیں، اس زمانہ میں علی عادل شاہ ثانی ہی حکمران تھا،

ﮪ :۔ شرف برج کی تاریخ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس تاریخ کا مصنف خود سلطان ہے،

و :۔ علی داد محل کی تعمیر اسی سلطان نے کی تھی اس کے قصیدے کا طرزِ بیان اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہی اس کا بانی ہے،

ان تفصیلات سے اس امر کی بخوبی تصدیق ہو جاتی ہے کہ یہ کلیات سلطان علی عادل شاہ ثانی ہی کا ہے، ایک اور امر کی صراحت بھی ضروری ہے کہ اس کلیات کی ترتیب کب ہوئی؟ کلیات کے خاتمہ پر کوئی تاریخ درج نہیں ہے مگر اس میں بادشاہ محل کی تاریخ ۱۰۷۳ھ درج ہے، اس سے واضح ہے کہ اس سنہ کے بعد ہی اسکی ترتیب ہوئی ہوگی،

کلیات کا کاغذ نہایت عمدہ زرافشان ہے۔ اور خط بھی نہایت پاکیزہ ہے، قیاس ہوتا ہے کہ شاید شاہی کتب خانہ ہی کا نسخہ ہو،

قصائد | دکھنی قصائد کی بنا ر فارسی پر قائم ہوئی ہے اس لیے جو لوازم فارسی قصائد کے ہین وہی دکھنی قصائد مین نظر آتے ہین، تمہید، گریز، مدح، تعریف اور دعا، قصیدے کے اجزا ہوتے ہین، دکھنی قصائد مین نصرتی کے قصیدے خاص طور پر قابلِ ذکر ہین، جو تسلسلِ مضمون اور واقعہ نگاری کی حیثیت سے ممتاز ہین،

زیر بحث کلیات مین شاہی کے چھ قصیدے ہین، پہلا قصیدہ حمد مین ہے، دوسرا نعت مین، تیسرا منقبت حضرت علیؓ مین، چوتھا منقبت دوازدہ امام مین، پانچوان حوض علی داد محل اور باغ کی تعریف مین، اور چھٹا چار در چار کے عنوان سے ہے؛ پہلے قصیدہ مین ابتدائی ورق نہ ہونے سے چند شعر کم ہین، موجودہ تعداد ۲۷ ہے، جو اشعار موجود ہین ان مین ابتدائی اشعار حسب ذیل ہین:۔

عقل کا مکتب ہوا فہم کے پڑھنے بدل / عقل معلم اپن قصہ سکھایا کہن ،
عقل خبردار ہے عقل ہمہ کار ہے / عقل کا جاسوس ہو مکہ یہ اچھے یو کرن
عقل کا موتی مگر مغز کے طبلے بہتر / خوب دساوے جھاک در جگ در عدن
عقل کسوٹی ہوئی طبع کے کسنے بدل / بوجھ رکھیا ہے صراف قلب کھرا جیو کنچن

اسی طرح عقل کی تعریف کرنے کے بعد:۔

خاک کی پتلی بنا روح سے تن مین بھرا / جال چلا کر اول آپ سکھایا کمن
آب و آتش ملا خاک و ہوائے کلا / چار عناصر لگا دیہ سنوار یا ہمن
دور پھرین جو تمام سجدہ کرین صبح و شام / لیکہ ستاریان سنگات چاند سورج ہور گگن
نور کا جھلکاٹ دسے حور پری لک سنوا / سات طبق سرک کے پور رکھیا ذوالمنن

دوسرا قصیدہ جو نعت مین ہے پچاس شعر کا ہے، یہ بہاریہ قصیدہ ہے، تمہیدی شعر ملاحظہ ہون:۔

دیکھو نور وزرجنجل پو بہارستان دیکھایا ہے   برگین پھل و پھولان مین پون کے ہت کھلایا ہے
سرک کی ورج کی کرسی سنواریا دول ہو دن کر   چندر ناری بلانے گھر بسنت سارا بنایا ہے
براتی سب بلایا ہے شرف اپنا دیکھایا ہے   زری کسوت سراپا کر سورج نوشہ ہو آیا ہے
اور کج جل تھل بھرے حوضان نہین ہر جا نو بھوین پہ   چندر کا مکھ دیکھانے تین سرج ارسیان منگایا ہے

گریز یون ہے،

دو بولیا باغ مالی سون بڑا ہے نانون سوکس کا   کھیا وو اسم احمد کا جنے دین آپ نیایا ہے
محمد شاہ مرسل کا سنگیا جب نعت کہتے مین   مٹھائی پا کر من میرا یو مضمون چن کر لیایا ہے
محمد سا نہین پیدا کیا کرتار تر جگ مین   اسی کے عشق تین سو نسار تر جگ کا برایا ہے
فرشتان کا نہ تھا پھیرا تد ان تھا نور سو تیرا   ترے احکام محشر لگ جگت کے سر چڑھایا ہے
بڑا تج دین کا کس ہے دو جے دین سب ہوئے پس ہر   ترے انگشت کے کس نین چندر دو کھنڈ گرایا ہے

تیسرا قصیدہ منقبت حضرت علیؓ مین ہے، اس کے پچاس شعر ہین، تمہید:۔

ارے کلال مجکون پیالا پلا کیا کا   تا مست ہو کر دیکھون مکڑا علی پیا کا
پیو جیو کا گسائین پیو سون پرت لگائین   پینا شراب پیول پانی ارت پیا کا

گریز:۔

شاہ نجف ولی ہے تس نانون سو علی ہے   وو رازدان احمد سلطان اولیا کا
جس ذات مین محبت کرنا اپچھے علی کی   حیران سدا پرے دو جیون سنگ آسیا کا
تج شہ جوان آگین مغلوب ہین عدو سب   تون شیر ہے ازل تھین موصوف انبیا کا

تلوار کی تعریف ملاحظہ ہون:

تج تیغ کی جھلک تھین بجلی چھپی گگن مین   شمشیر زن تھین ہے سردار اصفیا کا

تج تیغ تیز آگین او سان سب لبریا — پانی گیا ہے مکھ تھین چیت بھول بیریا کا

خاتمہ:۔

شاہی ہوا ہے عاشق سن نانون مرتضیٰ کا — سایا او سیج کا ہے تن سیس پر دیا کا

چوتھا قصیدہ دوازدہ امام کی منقبت مین ہے اس کے (۲۰) شعر ہین، تمہید:۔

مج دل کے رسے میدان پر جب عشق کے فوجان چڑے — تب ہوش کے راوت جتی مخمور ہو سب خود پڑے

جو عشق کے سلطان کا فرمان کہت مین آئیا — اقبال ہو پایان پو دو ضدت بدل نس دن کھڑے

امام حسین علیہ السلام کی تعریف مین کہتا ہے:۔

سارے جہان مین نین ہوا تج سار کا شمشیر زن — جس پر کیا یک وار توں دو دھڑ برابر ہو پڑے

تج کھڑک کی ہور علم کی تعریف مین کیون کر سکون — حق کی عنایت تھے او یک پو دو صفت تج ہٹ چڑے

پھر پھر ہوا لازم مجے تعریف کہنا شاہ کی — تو مطلع ثانی کیا رات شوق سون ہر یک پڑے

نا بولنے کج جان تے تھے طبع کے جو گھر پڑے — تر لوک مین شیانے دسے جب درس مین شہ کے چڑے

پانچوان قصیدہ حوض علی داد محل اور باغ کی تعریف مین ہے اس قصیدہ کے (۵۹) شعر ہین یہ لامیہ قصیدہ ایک زبردست قصیدہ ہے، اسی بحر اور ردیف مین نصرتی نے بھی ایک قصیدہ لکھا ہے، محسن کاکوری کا وہ مشہور قصیدہ نعت بھی جسکا پہلا مصرعہ "سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل" ہے، اسی بحر مین ہے بسلطان نے علی داد محل کو ۱۰۶۹ھ مین تعمیر کیا تھا اس کا باغ بھی مشہور و معروف تھا،

دسے مج نین مین اس حوض پہ چند نا پو نجھل — دھڑیا ہے چاندنی جیونیکہ اپس تکہ کے آ کل

صفائی دیکھ کر اس حوض کی چند ردائم — چلے آکاس پہ ات شوق سون امرت تے ادبل

پریان اچرج ہو کھیان دیکھ کہ اس حوض کہ تین — اچھے امرت تے بھریا حوض پو سمدر تے ڈکل

علی داد محل کی تعریف:۔

کسوا یا اٹھوان سمدر بھر یا جب نیر سون حوض — سزاوار اس کے آئینگے ہے یو عـلی دا د محل

پایا یو اچھے اس قصر کا پا تا ل تلک — طاق کسریٰ ہوے معراج اسے زہ کے اکل

باغ کی تعریف:-

مقدم دیس و نس کا بیان کم زیا دت کر کے — بو لیا ہون یہان تے ہین تعریف کچ یک باغ بدل

. . . .

بھرے ہین باغ کے تختے گلان ہر جنس تے کے — خصوصاً ریو ینی تس مین یو دسا دی جنجـل

. . . .

دسے شربت کے یو کوزے جتے ناریل کے کپر — میٹھے کئی نیر کے چشمے تے بھر یا ہے منجـل

نارنگی رنگ کا ہوس دہر لگی ایا باغ سینے — رنگا ئے تن کو ن سراسر دیکھو ہور رنگ رس مین سگل

خاتمہ:-

یہلا ن پھو لان سون عمارت کی ہوئی جب یو صفت — بھرے معنی سون یک یک بول دسا وے افضل

دکھانے طبع کی قوت شاہی اس بحر منے — بندھیا ہر بیت مین کئی لفظ یو صنعت کے نول

جان ہور دل تھے اچاہات دعا منگتا ہے — تا اچھے امن مین سکھ چین تے یو خلق سگل

جو لگون نور سون دن کرا چھے ہور چاند وگگن — جو لگون زہرہ ہے زاہرا چھے ہور پر زحل

مشتری سعد ہے جو لگ وعطارد ہے دبیر — جو لگون پانچو منے آکاس پہ دستا ہے منگل

جو لگون رات دن دُپہر گھڑی جشن منے — بجو انند سون اس گھر مین سدا تا ل منڈل

یہ چھٹا قصیدہ چار در چار کے عنوان سے ہے اس کے (۱۹) شعر ہین پہلا شعر حسب ذیل ہے:-

دیکھو اجھنا لکیا ہے یو بن نوی کلان سون بھر یا ہے سالا — سر و صنوبر سینگے بیلان پہلے مین پھولان اچھے مکارا

مثنویاں دکھنی شعرا طویل مثنویان لکھنے کے عموماً عادی تھے جہان تک ہماری معلومات ہین ان کے سا

سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ دکن مین کسی غیر مسلسل نظم کے بجائے مسلسل نظم (مثنوی) کا وجود ہی پہلے ہوا ہے،
دکھنی شعرا کی اکثر مثنویان فارسی سے ترجمہ ہوئی ہین مگر ایسی مثنویان بھی لکھی گئی ہین کہ جنکو مصنف
کی دماغی اپج قرار دیا جاسکتا ہے، مثلاً وجہی کی قطب مشتری اور نصرتی کا علی نامہ وغیرہ،
شاہی کی ایک نامکمل طویل مثنوی (بدیع الجمال) کے متعلق ہم نے ایک علحدہ مضمون لکھا ہے، اس
کلیات مین بھی سلطان کی تین مثنویان ہین جنمین سے ایک بہتر شعر کی مثنوی خیبر نامہ کے نام سے لکھی گئی ہے،
دو اور مثنویان سات سات شعر کی ہین،
خیبر نامہ مین جنگِ خیبر کے حالات ہین، زیادہ تر واقعات نہایت صداقت کیساتھ نظم کئے گئے ہین،
یہ مثنوی واقعہ نگاری کا اچھا نمونہ ہے، مختصراً انتخاب پیش ہے:-

اوّل حق کی توحید سون کر سخن ٭ پچھین خوش ادا سون بیان کر بچن
تجے ہے سزاوار حمد و ثنا ٭ ترے حکم سون ہے نہنا ہور بڑا
اتا ایک قصہ سنون جنگ کا ٭ کہ وو جنگ تھا دین کے ننگ کا
اتھا ایک خیبر کا قلعہ بکل ٭ بڑے بھر کلان پر اکل ستے اٹل
سلح ظاہری باطنی سون سنوار ٭ عنایت کئے شاہ کون ذوالفقار
روانا ہوے جنگ کے تئین نامدار ٭ دو شاہ ولایت ادھک کام گار
چلے شہ وہین کفر کون توڑنے ٭ او جاسٹ پتھر کے بتان پھوڑنے
جو مرحب نے دیکھا برا در کتین ٭ کھیا وو گیا تو لڑون گا ج یین
زرہ باندھ دوہری بندھا دو فرنگ ٭ رکھیا دل مین جب شہ سون کرنے جنگ
لیا ہات بھالا جو تھا تیں من ٭ شتابی سون آکر کھڑا بیچ رن
جو دیکھا نظر بھر شہنشہ کا مون ٭ دو بولیا سخن یو اپس بوج سون

کہ سپنے مین دیکھیا ہون مین رات شیر کیا پھاڑ پنجے سون آپس کون زیر
وہی شیر دستا ہے مج آج یو غصے سون کرے گا مگر دہر کون دو
شہنشہ نے مرحب کون بگی بلک دو شق کر سٹے سیس تھی پا تلک

. . . .

یہودی جتے تھے ہوے سرنگون غنیمت لگی ہات حد سون فزون
فتح کر قلعے کون شہنشاہ سور پھرے لیکہ لشکر پیمبر حضور
پیمبر خبر سنکہ خوش حال دل ہوئے توانگے آعلی شہ سون مل

. . . .

تیرا یاد دن رات شاہی کا کاج
ترے فیض سون ہوا اُسے تخت و تاج

ایک دوسری مثنوی بھی ملاحظہ ہو:۔

سونے کی صراحی سونے کا ہی جام سونا گھول پتی ہے بھر بھر مدام
چندر مکھ سکی کا ادھک پیار کا سونے کا ہے سیس پھول سرج سار کا
سونے کیان کلیان کرکرن مین بڑی سونے کی زنجیر گلے مین دھری
سینا ہے سکی کا سونے سار کا سونا ہور موتی گلے ھار کا
سونے کا زرنیا سونے کا ہے آنگ سونے کا ہے ٹیکا سونے کا ہے مانگ
سو دھن جب سنواری ہے بیجن کا نگ سونا آسرن لک دہریا سیس پگ
کرم تج پہ شاہی کا دستا ہے آج
سونے کا انجل ادت کرتی ہے لاج

غزلیات | مثنویوں کے بعد غزلیات مین جنکی تعداد (۱۸) ہے، ان کے اشعار کی تعداد پانچ سے چودہ تک ہے، اشعار کی کل تعداد (۱۳۹) ہے نمونہ ملاحظہ ہو،

سارے جہان کے پارکھی پر کھون رتن کیونکر کہو ۔۔۔ یاقوت ہور مرجان مین کوہے رتن برتر کہو

بولے جہان کے پارکھی ہمنا نہ آوے بولنا ۔۔۔ تمنا سہاتا بولنا اے شاہ بحر و بر کہو

بولیا سو ہون نت مین فکر تے یو دو رتن کا فرق کر ۔۔۔ گر کچ اچھے انصاف تو اس بول کون خوشتر کہو

مرجان مین صافی نہین یاقوت مین صافی اچھے ۔۔۔ جس ذات مین صافی اچھے اس ذات کون بہتر کہو

یاقوت ہور مرجان کی شاہی لکھیا ساری غزل

سنکر جگت کے شاعران اس شعر کون افسر کہو

خوش بہانت ہو پیاری آتی انگن مین جم جم ۔۔۔ نت پیم مین لٹکتے دستی نین مین جسم جم

پھولی ہون ات خوشی سون ہو باغ باغ من مین ۔۔۔ جب ہاتھ ملا کر پھرتے چمن مین جسم جم

درد ستے ہوا ہے یچ کر مین تج کل نہین دیکھا ۔۔۔ ہوا بے کل تیا مین کل کہ یک تل کل نہین دیکھا

تمارے حسن کی خوبی مقابل جب چندر سون ہوئی ۔۔۔ تدانتی مین کلنکے کون کدھن نرل نہین دیکھا

چل خوشش سہادے کمان کے اوپر ۔۔۔ کمان پدمنی سے چلا ہے الگ

مظفر علی شاہ کے ہات کا ۔۔۔ اچک تیر لاگیا نشان کے پلک

ابرو کمانان کھینچ کر مارے پلک کے تیر سون ۔۔۔ زخمی ہوا دل کا ہرن لاگیا نشان تج ہات کا

تج بال کالے دیکھ کر بادل پھرین حیران ہو ۔۔۔ تج بھال ہور ینلک کنے کیا چاند ہور کیا سورہے

ریختہ | شمالی ہند مین ایک زمانہ تک اردو زبان ہی کا نام ریختہ تھا اور پھر نظم کو بھی عام طور سے ریختہ کہا جاتا تھا، بخلاف اس کے دکن مین اردو زبان کو کبھی ریختہ نہین کہا گیا اور نہ عام طور سے نظم کو ریختہ کا نام دیا گیا، البتہ ولی کے زمانہ سے نظم ریختہ کے نام سے بھی موسوم ہونے لگی ہے

یہ ریختہ ولی کا جاکر اُسے سُنا دو   رکھتا ہے فکر روشن جو انوری کے مانند

ہمارا خیال ہے ولی نے بھی اسکو شمالی ہند کے سفر کے بعد ہی اختیار کیا ہوگا، کیونکہ دکن مین ریختہ سے مراد صرف وہ اشعار تھے جنمین مصرعے فارسی اور اردو ترکیبون سے مرکب ہوتے تھے، چنانچہ زیر تبصرہ کلیات مین ایک غزل ایسی موجود ہے اور اسکو ریختہ کے عنوان کے تحت لکھا گیا ہے، اس غزل کے بعض اشعار ملاحظہ ہون،

دیدم نظر بھر روپ جو اس شوخ چنچل مستانہ را   گفتم بیا مندر منے، روشن کگن کاشانہ را

نامان کر اس بول کون انچل جھنک کے دے جب چلی   اختم سون بولی مجھے بامن مگو افسانہ را

تس کے فراقون یون وگلزار سب انگار ہو   یو دل معلم ہو مرا دیوے سبق پروانہ را

موزون متفاعولنے ہریک کون کان طاقت اچھے   اجرج کہیا شاہی غزل سننے بدل فرزانہ را

ریختی | ریختی کا موجد ہاشمی بیجاپوری متصور ہوتا ہے جو اسی علی عادل شاہ کے زمانہ مین تھا، زیر بحث کلیات مین بھی ایک غزل ایسی موجود ہے جسکو ریختی سے موسوم کرنا غیر درست نہ ہوگا، وہ اگرچہ اس کلیات مین غزلون کے تحت مین درج ہے، اگر عورتون ہی کی زبان مین ہے، یہ پوری غزل حسب ذیل ہے،

پیو سات سیج رہنا لذت اسے کہتے ہین   آپ سیج پہر رہنا صنعت اسے کہتے ہین

پیو نین کے نگر مین لالن وطن کئے جب   تب انجمن کے لوگان خلوت اسے کہتے ہین

مین جھاؤن ہو پیا سنگ لاگے رہی ہون دائم   یک تل جدا نہ ہونا وصلت اسے کہتے ہین

گل ہور گلاب میانے نہین کچ فرق ازل تے   یون پیون سون مل رہی ہون الفت اسے کہتے ہین

ہت جور جیت بھلائے مین آپنی پیا کون   عاقل جہان کے بولین حکمت اسے کہتے ہین

سوتن مین پیو مجکون جب سیج مین آئیں کے   بھو مان دے بلا دے عزت اسے کہتے ہین

چارون پہر پیا سنگ کئے بھانت کر دن کے   سنجوگ ہو رہی ہون عشرت اسے کہتے ہین

الن کی جا وتھی مین پوری پروکہ انجھیا   تر لوک مین پیوا نے شہرت اسے کہتے ہین

روون دون رین کری مین شاہی کا ناون لینے پھر پھر دونا نون نسیا راحت اسے کہتے ہین

مخمس غزلون کے ساتھ ایک مخمس بھی ہے، یہ نظم شاعر کے پرواز خیال اور زور بیان کی اچھی مثال ہے، ذیل مین اس کا کچھ نمونہ بھی پیش کیا جاتا ہے:-

کوئی جاؤ کہو مج ساجن سات مین نیہ بندی تون کیتا گھات
دل مرا اپنے سات کیا مج برہے مین دن رات کیا
دل داری کا نا بات کیا سب بسرا اسکہ ہے ہات کیا
کئے مج سون ایسی دہات کیا
کوئی جاؤ کہو مج ساجن سات مین نیہ بندی تون کیتا گھات
پیو مورت دیکھو سپنے مین جب جاگو تب رہون سپنے مین
لا دیپک برہا اپنے مین تن جائے جھک جھک جپنے مین
آرام اچھے مج کھپنے مین،
کوئی جاؤ کہو مج ساجن سات مین نیہ بندی تون کیتا گھات
تج یاد کر تل ملتی ہون لہو تیل سنے دل تلتی ہون
تن موم بتی ہو جلتی ہون اس جلنے سون نا ٹلتی ہون
سب رین برہ مین گلتی ہون
کوئی جاؤ کہو مج ساجن سات مین نیہ بندی تون کیتا گھات
کوئی آ دسنو رے میرا حال پیو کیا مج سون جو کوتال
مین جگ تے نت اٹھ انجو دہال کل پتی آنسو موتی مال
مج یک یک پل ہے لک لک سال

کوئی جاؤ کہو مج ساجن سات ۔۔۔ مین نیہ بندی تون کیتا گھات

مثمن | اس کلیات مین ایک مثمن بھی ہے جو حضرت سید محمد حسینی گیسو دراز کی مدح مین ہے، اس کے بعض شعر ملاحظہ ہون،

تس رین محفوظ ہوات شوق سون کیتے بجن ۔۔۔ مدح مین اس ذات بابرکات کے کہو لیا رسن

طبع مج بولیا مثمن خوش عبارت خوش وزن ۔۔۔ حق کیا قدرت سون عالم تس مین یک روشن بدن

سو محمد ہے حسینی سید قطب دکھن ۔۔۔ اس زمین کے کیا اچھے طالع جو کیتا ہے وطن

کہان سو یو دہرت ہور تس مین تون ہی جیون رتن ۔۔۔ جن لقب پایا ہی اپنی پیر سے گیسو دراز

رباعی | رباعی صرف ایک ہے،

سب دیس گیا ہے دھن تے لڑتے لڑتے ۔۔۔ کھٹ رات گئی ہے پانون پڑتے پڑتے

کیا یکہ من کا اد نج لاگتا ہے تجے ۔۔۔ رہے پانون سرے پرت کے چڑتے چڑتے

راگنیان | اس کے بعد متعدد راگنیان ہین، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ابراہیم عادل شاہ ثانی موسیقی کا ماہر تھا اور اپنی یادگار مین نورس[1] جیسی کتاب راگنیون کے متعلق چھوڑی ہے اسی طرح اس کے پوتے علی عادل شاہ کو بھی موسیقی مین کافی مہارت حاصل تھی ۔

سوہلا درمقام رام کلی | منجملہ متعدد راگ اور راگنیون کے ایک کا نمونہ پیش ہے ۔

آج راج ہے راج ہی راج ہی سائین گھر راج ہی ۔۔۔ سکھیان سکھیان مل گاؤ سوہلا سوہلا کاج ہے

ہن آیو بھنی اور ساجن سیج سیج ساجن ہے ۔۔۔ مدن روپ نرنارن کو سر سرتاج ہے

تاریخین | دو فارسی تاریخین بھی اس کلیات مین شامل ہین ایک شرف برج جسکا سال تعمیر ۱۰۷۱ھ ہے اور دوسری تاریخ بادشاہ محل کی ہے، جس کی تعمیر ۱۰۸۱ھ مین ہوئی تھی،

---

[1] نورس کے متعلق ہمارا ایک مضمون معارف جلد ۲۹ نمبر ۲ مین شائع ہو چکا ہے،

پہلی | اس کلیات مین دو ایک پہلی بھی مذکور ہین ناریل کی پہلی حسب ذیل ہے :-

میانے ملائی بہتر رس آس پاس بہوت دس

سلطان علی عادل شاہ کے کلام کا نمونہ جو مختلف اصنافِ سخن مین ہے پیش ہو چکا ہے اس سے سلطان کی قوتِ بیان اور ذوقِ سخن کی تصدیق ہوتی ہے،

اسکے قصیدے جہان ادق اور مشکل بحرین ہین، وہان آسان اور سہل بھی ہین، اس سے شاہانہ طمطراق رعب و داب کا اظہار ہوتا ہے، مثنویون سے واقعہ نویسی اور مرقع نگاری کی تصدیق ہوتی ہے، اس کی غزلین رنگین خیالی عاشقانہ مضمون آفرین تخیل کی پرواز کو ظاہر کرتی ہین، تشبیہ اور استعارہ کو بھی کلام مین لا یا گیا ہے، مگر وہ بھی عام فہم، اس کے عاشقانہ کلام کو اگر زمانہ مابعد بلکہ آج کل کے کلام سے ملایا جائے تو زیادہ فرق سوائے زبان کی صفائی اور تخیل کی پرواز کے اور کچھ نظر نہین آتا،

معشوق کی وہی زلفِ سیاہ، رخسارِ گلگون اور چشمِ فتان کی تعریف ہے، اس کی ترچھی نظر سے عاشق گھائل ہوتا اور تیرِ نظر سے اس کا دل مجروح ہوجاتا ہے، شراب ناب سے سیری نہین ہوتی، معشوق چاند سے زیادہ حسین شمع سے زیادہ روشن ہے، اس کا حسن سمندر کی طرح بے پایان گیسو شام کی طرح سیاہ گال سحر کی طرح سپید ہین،

کبھی معشوق اپنے عاشق کے ساتھ جانے کے لیے بے قرار ہے، اس کو جدائی اور فراق کے زمانہ مین نیند نہین آتی، ان کو چین ملتا ہے اور نہ رات کو آرام، پیا کے سوا کوئی ساتھی نہین، دل لہو کے تیل میں تن اور موم کی طرح جلتا ہے، اور وہ جدائی کے صدمہ سے گھل کر دبلی ہو جاتی ہے، کوئی اس کے حال کو سننے والا نہین، اس کے آنسو موتی کے طرح نکلتے ہین، جدائی مین ایک ایک پل سال معلوم ہوتا ہے، عاشق کے بغیر دکھ بھاری اور دنیا اندھیری ہے،

اس طرح کے خیالات اور مضامین وہی ہین جو شعرائے مابعد کے کلام مین بھی نظر آتے ہین، اس سے

ظاہر ہے کہ عاشقانہ کلام مین زیادہ فرق نہین ہے،

یہ ہم کو معلوم ہے کہ سلطان نے دولت کے دامن مین آنکھ کھولی، ہوش آیا تو عیش ونشاط کا چرچا سنا اور جوان ہوا تو ساغر وجام کا دور دیکھا، اس وقت بیجاپور کی معاشرت مین سادہ زندگی، بلند مشربی اور عالی دماغی کا وجود نابود ہو رہا تھا، عالی شان قصرون کی زیبایش کے لیے سونے کو پانی کی طرح کام مین لایا جا رہا تھا، ساقیانِ مہ وش اور زاہد فریب رانیان زینتِ محفل ہوتی تھین، اس لحاظ سے کلام کا رنگین خیالی اور عاشقانہ مضمون آفرینی سے مملو ہونا ناگزیر تھا،

اردو یا دکھنی شاعری کے وجود کو زیادہ عرصہ نہین ہوا تھا، عام طور سے سادگی اور صفائی عام فہمی لوازمِ سخن تھے، سلطان کا کلام بھی ان امور سے خالی نہین ہے،

بہرحال سلطان کا کلیات ایک بیش بہا خزانہ ہے جس مین قیمتی موتی محفوظ ہین، خدا کرے یہ زیور طبع سے آراستہ ہو جائے۔

پٹنہ کے چند آثار

از
جناب عبدالاحد شرف الدین پوری پٹنہ

صوبہ بہار میں راجگیر ایک ایسا مقام ہے، جہاں کی ایک عمارت کا نہ دنیا کی عمارتوں میں قدامت کے اعتبار سے تیسرا ہے، چنانچہ مسٹر مبیرس نے اپنی کتاب ان دی ٹرالیس آف جوان چوانگ (ص ۱۹۲۳ء) میں اور ڈاکٹراس ڈمینس نے بودھسٹ انڈیا میں یہاں کے قدیم شہر اور قلعہ اور اس کی پرانی فصیل کو قدامت میں نہ صرف ہندوستان، بلکہ ساری دنیا میں تیسری عمارت قرار دیا ہے، اور پتھر کی ایک مسلم دیوار قلعہ کی عمارت کے بعض حصص آج بھی موجود ہیں،

راجگیر کے بعد صوبہ بہار کا موجودہ دارالحکومت پٹنہ جو عہد قدیم میں پاٹلی پتر تھا، نہ صرف صوبہ بہار بلکہ ساری مملکت ہند کا دارالسلطنت تھا، جس کے حدود حکومت سرحد افغانستان تک وسیع تھے چنانچہ راجہ چندر گپت کے عہد ۳۲۱ ق م سے بھی پہلے سنہ ۵ ق م میں راجا بھیم بہار کے بیٹے راجہ اسات سترو نے اول اول اپنا دارالحکومت راجگیر سے یہاں منتقل کیا، اور اسکا نام پاٹلی پتر رکھا،

اس کے بعد عہد اسلامی میں جب شاہزادہ عظیم الشان ۱۶۹۷ء میں پاٹلی پتر آیا، اور اس نے اس شہر سے دلچسپی لی اور اسی زمانہ میں شہنشاہ اورنگ زیب کے حکم سے اس کا نام اپنے نام پر عظیم آباد رکھا، شہر کو اپنی شرف قدامت سے عہد قدیم سے مرکزیت حاصل تھی اس شاہزادہ عظیم الشان نے اپنی توجہ سے عہد اسلامی میں بھی اس کو پررونق بنا دیا، اور رفتہ رفتہ عہد اسلامی میں مشرقی ہند کا ایک پر عظمت شہر بن گیا جسکی چند نشانیاں آج بھی جابجا کھڑی، عہد رفتہ کی یاد تازہ کرتی ہیں، ذیل میں یہاں کے چند آثار پیش ہیں،

بیگو حجّام کی مسجد

یہ مسجد سلطان علاء الدین حسین شاہ بنگالی کی یادگار ہے، اون کے حکم سے ناظر خان نے سنہ ۹۱۷ھ مین تعمیر کرائی جو مسجد کے کتبہ مین درج ہے، اس مسجد مین ایک دوسرا کتبہ بھی موجود ہے، جو بیگ محمد نے لگوایا ہے، اس مسجد کے مصلے اور فرش مین چینی کے کام کی اینٹین اور سنگ رخام کے ٹکڑے لگے ہوئے ہین، ہندوستان مین چینی کے کام کی اس طرح کی اینٹین دہلی اور گوڑ نگر (بنگال) کی بعض عمارتون کے سوا کہین نظر نہین آتین، اس مسجد کا شمار یہان کی نادر عمارتون مین ہے،

خواجہ کلان تھانہ کے آگے سڑک کے جانب شمال چند گز کے فاصلہ پر ہے،

پتھّر کی مسجد

جہانگیر کے عہد کی یادگار گزری محلہ مین مرزا معصوم کی ایک مسجد معلوم ہے، اوس کے علاوہ جہانگیر کے بیٹے پرویز شاہ کی بنائی ہوئی ایک دوسری مسجد ہے، جو پتھر کی مسجد کے نام سے موسوم ہے، بلکہ اسی نام سے وہ محلہ بھی یاد کیا جاتا ہے، کتبہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس مسجد کے لئے پتھر مجھولی سے لائے گئے تھے عمارت بالکل سادہ اور نقش و نگار سے معرا ہے، پتھر بھی کچھ قیمتی نہین اس کا کتبہ مسجد کے بیرونی محراب پر کندہ ہے، جس کا پتھر بالکل سیاہ ہے، اور حوادث روزگار سے کچھ مجروح بھی ہوگیا ہے، وہ کتبہ حسب ذیل ہے،

اللہ اکبر

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

در عہد نور چشم جہانگیر بادشاہ	پرویز شاہ عادل و باذل بوتل وداے
کیخسرو زمانہ و جمشید سلطنت	بر تخت مملکت چو سکندر جہان کشائے
کرد این بنائے خاص نظر خوشکی کہ ہست	در پیر دی شیخ محمد چوگوہ پائے، (؟)

مسمار ساخت قلعہ مجوفی و بیت کدہ	وز سنگ و چوب بتکدہ شد این نکو بنا
کردم سوال سال بنائش ز پیر عقل	گفتا بگو خرامی خیر المقام جائے

نواب سیف خان کی مسجد اور مدرسہ

شاہجہان کے عہد میں نواب[1] سیف خان حاکم صوبہ بہار نے ۱۰۳۸ھ میں ایک عالیشان مدرسہ اور اسی کے پہلو میں ایک طویل و عریض مسجد لب دریا تعمیر کرائی، مدرسہ کی عمارت آفات زمانہ کے نذر ہوگئی، لیکن اسکی یاد اس محلہ سے جو آج بھی مدرسہ کے نام سے موسوم ہے، ابھی تک تازہ ہے، مدرسہ کی مسجد کی عمارت اچھی حالت میں پرفضا مقام پر موجود ہے، اس کے کتبے بحروف امتداد زمانہ سے مٹ گئے، صرف چکنا پتھر باقی رہ گیا ہے،

عیدگاہ

یہ عیدگاہ، گلزار باغ افیون کوٹھی کے متصل ہے، اس کے کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی نواب سیف خان نے ۱۰۳۸ھ میں اس کو بھی تعمیر کرایا تھا،

خواجہ عنبر کی مسجد

نواب شائستہ خان کے خواجہ سرا خواجہ عنبر نے یہ مسجد ۱۰۰۰ھ میں تعمیر کرائی، جو اس وقت اچھی حالت میں پٹنہ سیٹی کے صدر ڈاکخانہ کے سامنے موجود ہے،

دارالعدل

دارالعدل پر ذیل کا کتبہ ہے:۔

بندہ نواب فخر الدولہ ممدوح زمان،	آن کہ در نامش حسن را با علی باشد کران
ساخت دارالعدل جا کو نا بر حسب داد	در ہزار یک صد چہل و دو شمر د تاریخ آن ۱۱۴۲ھ

[1] نواب سیف خان کا اصل نام مرزا صافی تھا، یہ ممتاز محل کی بڑی بہن کے شوہر تھے، اس حیثیت سے یہ شاہ جہان کے ہم زلف تھے،

اس کتبہ کو خواجہ کلان تھانہ کے کانسٹبلوں نے قبر کا کتبہ سمجھکر تھانہ کے صحن مین ایک بوسیدہ قبر پر لگادیا تھا، کچھ دنون کے بعد وہ اوس قبر سے بھی علحدہ ہوگیا، اور پتھرون کے ڈھیر مین ایک سائبان مین پڑا ہوا تھا، اتفاقاً مولوی فصیح الدین صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ ساکن پٹنہ سٹی کی نظر اوس پر پڑی، دراون کی کوششون سے انسپکٹر جنرل پولس نے اس کتبہ کو تھانہ کی دیوار مین لگوادیا، جہان اس وقت موجود ہے؛

داود خان قریشی کے زمانہ مین جب دار العدل بنا تو اس وقت دوسرا کتبہ اس پر لگایا گیا تھا اس سے قیاس ہوتا ہے کہ پہلا دار العدل اسی خواجہ کلان تھانہ کے پاس تھا، یہ کتبہ بھی پہلے کتبہ کے پہلو مین دیوار مین لگا ہوا ہے، اس مین صرف یہ شعر لکھا ہے،

بہر عدل و داد مظلومان ز دست ظالمان ساخت دار العدل جعفر بندۂ داؤد خان،

مقبرہ پدر نواب سعادت خان،

محلہ دھولپورہ سے کچھ اور جانب جنوب سنگین چہار دیواری کے اندر نواب سعادت علی خان کے والد کا مزار ہے، یہ برہان الملک نواب وزیر اودھ بانی شہر فیض آباد کے دادا تھے، ۱۱۵۵ھ مین محمد شاہ بادشاہ دہلی نے نواب صفدر جنگ کو علی وردی خان کی امداد مین مرہٹون سے لڑنے کیلئے عظیم آباد بھیجا، اثنائے قیام مین نواب صفدر جنگ تنہا اپنے جد مادری کے مزار کی زیارت اور فاتحہ کے لئے مقبرہ مین تشریف لائے، یہ جگہ مقبرہ پدر سعادت خان کے نام سے مشہور ہے[1]

مقبرہ نواب ہیبت خان،

زین الدین احمد خان احترام الدولہ بہادر ہیبت جنگ نواب علی وردی خان صوبہ دار بنگال و بہار کے بھتیجے اور داماد تھے، اپنے خسر کے بنگال جانے پر خاص بہار کے گورنر مقرر ہوئے، شمشیر خان اور سردار خان وغیرہ دربھنگہ کے پٹھان جاگیر دارون نے

[1] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۱۲

نواب علی وردی خان کی ملازمت ترک کرکے پٹنہ پر اچانک قبضہ کرلیا، اور نواب ہیبت جنگ کو عمارت چہل ستون میں جو مدرسہ کی مسجد کے قریب تھی، دھوکہ سے قتل کر ڈالا، یہ واقعہ ۱۷۴۸ء میں پیش آیا، صاحب سیر المتاخرین یہ واقعہ اس طرح بیان کرتا ہے :۔

"زشید نارشید کنارے از کمر کشید و بر سینہ ہیبت جنگ زد، اما چون دستش لرزان بود کارے نکرد، و محمد عسکر خان متارن این حال فریاد کرد کہ ہان دہان این چہ نمک حرامی است درین گرے ہیبت جنگ نظر بالا کرد واین حالت دیدہ، دست بقبضہ شمشیرے کہ روبرو داشت دراز ساخت، مراد شمشیر خان تیغہ کہ در دست داشت کشیدہ بجان بقوت زد، کہ از شانہ ہیبت جنگ گذشتہ تا بہی گاہ حمایل بریدو ہیبت جنگ مردہ بر تکیہ مسند افتاد"۔

نواب ہیبت جنگ کی لاش میر حیدر علی کوتوال شہر کی اجازت سے سید محمد اصفہانی لائے، اور تکفین کے بعد محلہ بیگم پور میں مرحوم ہی کی زرخرید زمین میں دفن کیا،

یہ مقبرہ ریلوے اسٹیشن پٹنہ سٹی سے دکن پچھم سو گز کے فاصلہ پر بڑی چہار دیواری کے اندر ہے، اس میں تراشے ہوئے پتھر کی خوشنما جالیاں لگی ہوئی ہیں،

میر اشرف کی مسجد

یہ مسجد اس لحاظ سے خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ اس کے فرش کی اینٹوں پر سفال کا کام ہے، مسجد کا زمانہ تعمیر ۱۱۸۷ھ ہے، اس طرح اس مسجد کی تعمیر پر ۱۶۰ سال گذر چکے، مگر فرش کے کام میں مطلقاً فرق نہیں آیا ہے، چمک دمک بعینہٖ موجود ہے، اس مسجد پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے :۔

چون بعہد خجستہ حامی دین ؛ شاہ عالم بہادر با داد،
مسجد ہمچو کعبۂ اشرف ؛ معدن فیض خوش شد بنیاد
یا الٰہی بہ بانیش رحمت ؛ کس کہ باعث شدہ بخیر مباد
بہر تاریخ گفت ہاتف غیب ؛ تا جہان اشرف المساجد باد
۱۱۸۷ھ

۱؎ گورنمنٹ گزیٹیر ص ۱۲، ۲؎ سیر المتاخرین ج ۲ ص ۹، ۳؎ ایضاً ج ۲، ص ۵۶۳،

گولکپور کی ایک مسجد

یہ مسجد محلہ گولکپور میں اچھی صورت میں موجود ہے، دیواریں سنگین اور پائدار ہیں، کسی خاص نام سے یہ مسجد مشہور نہیں، یہاں کے باشندے اسے شیعوں کی مسجد کہکر محلہ کی دوسری مسجدوں سے امتیاز دیتے ہیں، کیونکہ آج کل یہ اسی جماعت کے قبضہ میں ہے، مسجد کے بانی کا نام شادمان تھا، ان کے متعلق کوئی تاریخی علم حاصل نہ ہوسکا، مسجد کو تاریخی استناد یہ حاصل ہے، کہ اس میں شاہ فرخ سیر تاجدار پٹنہ نے نماز ادا کی، نہیں معلوم شادمان کا عہد فرخ سیر سے کس قدر پہلے ہے، فرخ سیر کے ۱۲۵ سال بعد اس مسجد کو شکستہ حال دیکھکر ایک بزرگ ذوالفقار علی نامی نے اسے مرمت اور درست کرایا، اور بعض چیزوں کا اضافہ بھی کیا، یہ حالات مسجد کے ایک کتبہ سے معلوم ہوتے ہیں، جو مسجد کے اندرونی در پر ایک سفید پتھر پر کندہ ہے[1]۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم،

این مسجدیکہ بانیش شادمان نام کردہ نماز دروی فرخ سیر شہنشاہ

بوسیدہ شکستہ رفتہ وہ بود چندے بازش درست کردہ یک متقی ذی جاہ

بہ ذوالفقار سازی لفظ علی چو منضم بانی تو نام پاک آن سید حق آگاہ

تاریخ چون بجستم ای شاد بہر انشا ہاتف بگفت با من ترمیم کعبۃ اللہ

شاہ فرخ سیر کی تاریخ پیدائش ۹ رجب ۱۰۹۵ھ ہے، وہ ۲۰ سال کی عمر میں صوبہ بہار آیا، اسی سال ۱۱۲۳ھ اوائل ذی الحجہ میں تخت سلطنت پر پٹنہ (عظیم آباد) میں جلوہ افروز ہوا، اور اپنے نام کا سکہ اور خطبہ جاری کیا، پٹنہ میں چار یا پانچ مہینے کی اقامت کے بعد جہاندار شاہ سے لڑنے کیلئے اکبرآباد روانہ ہوا، اس کے بعد پھر تا حیات شاہ فرخ سیر کے پٹنہ آنے کا پتہ نہیں چلتا، اس لئے اواخر ۱۱۲۲ھ یا اوائل ۱۱۲۳ھ میں اپنے زمانۂ قیام پٹنہ میں شاہ فرخ سیر نے اس مسجد میں نماز پڑھی، اس لحاظ سے اس مسجد کی تعمیر کو اگر فرخ سیر ہی کے زمانہ سے شمار کیا جائے، ۲۲۰ سال ہوچکے ہیں،

---

[1] اسی مضمون کا ایک دوسرا کتبہ مسجد کے صدر دروازہ پر بھی ہے،

اسلام اور تکمیلِ اخلاق

اِنّما بُعِثتُ لاُتمّم مکارمَ الاخلاق

از مولانا عبد السلام صاحب ندوی،

اسلام کا یہ دعویٰ ہو کہ دنیا کی مختلف قومون مین جو اخلاقی اجزا ناتکمل طور پر پائے جاتے تھے، اسلام نے اونکو مکمل کر دیا ہے

چنانچہ خود رسول اللہ صلعم نے اپنی رسالت کا یہ مقصد بتایا ہو :-

انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق.

یعنی مین اس غرض سے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہون کہ فضائلِ اخلاق کی تکمیل کرون،

اب ہمین غور کرنا چاہئے کہ تکمیلِ اخلاق کی کسقدر صورتین ممکن ہین.

(۱) تکمیلِ اخلاق کی ایک صورت تو یہ ہو کہ زندگی کے کسی خاص شعبے یا زندگی کے تمام شعبون مین اخلاق کی جو مقدار پائی جانی چاہئے وہ کسی قوم یا کسی مذہب مین کم ہو، اس صورت مین تکمیلِ اخلاق کے معنی یہ ہین کہ یہ مقدار پوری کر دی جائے،

(۲) اسکے بالکل برعکس دوسری صورت یہ ہو کہ ان شعبہای زندگی مین اخلاق کی جسقدر مقدار درکار ہے، وہ کسی قوم یا کسی مذہب مین اس سے زیادہ ہو مثلاً دنیا کے تمام مذاہب نے یہ تعلیم دی ہے، کہ انسان کو دنیا اور دنیا کے لذائذ مین زیادہ منہمک نہین رہنا چاہئے، لیکن اس تعلیم نے ترقی کرکے رہبانیت کی شکل اختیار کرلی، اور دنیا مین ہزارون راہب ہزارون جوگی، اور ہزارون بہت سیلا ہوگئے، جو تجارت، ملازمت، زراعت غرض دنیا کے تمام جائز پیشون کو چھوڑ کر جنگلون اور پہاڑون مین زندگی بسر کرتے ہین، اور دنیا کی ترقیون کو نقصان پہنچاتے ہین، اب اس صورت مین تکمیلِ اخلاق کا مفہوم یہ ہوگا، کہ اس بڑھی ہوئی مقدار کو گھٹا دیا جائے،

فلسفۂ اخلاق کی اصطلاح مین پہلی صورت کا نام تفریط اور دوسری صورت کا نام افراط ہو، جسکے معنی یہ ہین کہ اسلام نے جو تعلیم

اخلاق قائم کیا ہی، وہ افراط و تفریط کے درمیان ہے اور اسی درمیانی صورت کا نام فلسفۂ اخلاق کی اصطلاح مین اعتدال اور شریعت کی اصطلاح مین صراطِ مستقیم ہے،

(۲) تکمیلِ اخلاق کی ایک صورت یہ ہی کہ زندگی کے تمام شعبون مین جن فضائلِ اخلاق کی ضرورت ہی، اون مین بعض شعبے انکے مناسب اخلاقی اجزا سے خالی ہون مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چونکہ متاہلانہ زندگی بسر نہین کی، اسلئے اون کے قائم کردہ نظامِ اخلاق سے یہ معلوم نہین ہو سکتا کہ خانگی زندگی مین انسان کو کن فضائلِ اخلاق کی ضرورت ہی،

اسی طرح جوگیون اور راہبون کی بے تعلق زندگی معاشرتی نظامِ اخلاق کے اجزا سے خالی ہوتی ہی اور اس صورت مین تکمیلِ اخلاق کے معنی یہ ہین کہ زندگی کے تمام شعبون کی مناسب تقسیم کیجائے اور ہر شعبے کو اس کے مناسب اخلاق کا حصہ دیا جائے،

اسلام نے ان تینون طریقون سے نظامِ اخلاق کی تکمیل کی ہی جسکی تفصیل سے پہلے یہ بتانا ضروری ہی کہ اسلام کا اخلاقی نظریہ کیا ہے،؟ اور اوس نے کون سی اخلاقی تھیوری قائم کی ہے ؟،

اس وقت تک جو اخلاقی نظریے قائم ہوئے ہین اون مین سے

(۱) ایک نظریہ یہ ہی کہ کسی فعل کی برائی اور بھلائی کوئی عقلی اور روحانی چیز نہین ہی بلکہ اوسکا دار و مدار صرف قانونِ سلطنت پر ہی یعنی بادشاہ جس فعل کو ممنوع قرار دیدے، وہ بداخلاقی کی فہرست مین شامل ہی اور جسکو جائز رکھے وہ خوش اخلاقی کے سلسلے مین داخل ہی، اس نظریہ کے رو سے گویا اخلاق اور قانون ایک ہی چیز ہین لیکن اسلام اس نظریہ کی تائید نہین کر سکتا، کیونکہ اس سے شراب کی تجارت، یا طوائفون کا پیشہ جسکی موجودہ سلطنتون نے اجازت دی ہے جائز ہو جاتا ہی،

(۲) دوسرا نظریہ یہ ہے کہ افعال کے حسن و قبح کا معیار ایک خاص طرح کی موزونیت و مناسبت ہی جو عمل کو اون کے مختلف حصون کے درمیان معلوم ہوتی ہی، مثلاً کوئی وعدہ کرنا اور پھر اوسے پورا کرنا، ان دونون افعال کے درمیان بداہتہ ایک طرح کی موزونیت یا مناسبت پائی جاتی ہی، اسلام اس نظریہ کا نہ موافق ہی نہ مخالف،

(۳) تیسرا نظریہ یہ ہی کہ ہر نیک کردار کا لازمی نتیجہ حصولِ مسرت ہی، اسلئے جو لوگ بداخلاقی مین مبتلا ہوتے ہین، اون کو اس کا علم نہین ہوتا کہ اونھین بجائے مسرت کے رنج و غم حاصل ہوگا، اس لحاظ سے نیک کرداری کا معیار تعداد علم ٹھہرتی ہی یعنی جس قدر کسی

شخص کا علم ناقص یا کامل ہوگا، اسی نسبت سے وہ نیک کردار یا بد کردار ہوگا، قرآن شریف کی ایک آیت میں ہو کہ خدا سے صرف وہ بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں اس لئے اگر اس آیت کے مفہوم کو زیادہ وسیع کیا جائے تو اسلام اس نظریہ کا موید ہے،

(۴) چوتھا نظریہ یہ ہو کہ اخلاق کی بنیاد تمامتر خود غرضی پر ہو یعنی جب لوگوں نے دیکھا کہ بعض افعال سے اوس کے کرنیوالے کو نقصان پہنچتا ہو، تو اون افعال سے بچنے کیلئے اونھوں نے ان کو بداخلاقیوں کا لقب دیا، اور اون کے مقابل افعال کو اعمال حسنہ قرار دیا، اسلامی نظام اخلاق کا نتیجہ بھی یہی ہو، لیکن وہ تمام تر خود غرضی کی تعلیم نہیں دیتا، بلکہ فضائل اخلاق کو نجات اخروی کا ایک ذریعہ قرار دیتا ہو،

(۵) پانچواں نظریہ یہ ہے کہ افادہ یا سودمندی اصل معیار اخلاق ہو، جو افعال خود فاعل و نیز عام جماعت کے حق میں مفید ہوتے ہیں، وہ اخلاقاً بھی محمود و مستحسن ہیں، اور جن سے اس کے برعکس نتائج پیدا ہوتے ہیں وہ قبیح و مذموم ہیں، یہ نظریہ بھی اوسی فلسفہ خود غرضی کی ایک مہذب شکل ہو، اور اسلامی نظام اخلاق کے نتائج سے قریب تر ہے،

(۶) چھٹا نظریہ یہ ہو کہ صرف وہ افعال نیک و محمود ہیں، جو عملاً تمام دنیا میں عالمگیر ہو سکتے ہیں، چوری قتل، دروغگوئی، بدعہدی اس بنا پر معیوب ہیں کہ یہ عالمگیر ہو ہی نہیں سکتے، اور اگر انھیں عالمگیر کیا جائے، تو موجودہ نظام عالم دفعۃً درہم برہم ہو جائے، یہ نظریہ جرمنی کے مشہور فلاسفر کینٹ کا ہو، اور عملی طور پر اسلام کا نظام اخلاق بالکل اسکے مطابق ہے، کیونکہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہو، اسلئے اس نے اپنے نظام اخلاق میں وہی اجزاء شامل کئے ہیں، جو عالمگیر ہونیکی صلاحیت رکھتے ہیں، اور دنیا کی تمام قومیں اونکی پابند ہو سکتی ہیں، باقی خاص خاص ملکوں یا خاص خاص قوموں، یا خاص خاص شہروں کے مخصوص اخلاق اگر سوسائٹی کیلئے مضر نہیں ہیں، تو اسلام اونکو ناجائز نہیں قرار دیتا، لیکن درحقیقت وہ اسلامی نظام اخلاق کے حقیقی اجزاء نہیں ہیں، بلکہ بیرونی چیزیں ہیں،

(۷) ساتواں نظریہ یہ ہو کہ نیکی کا اصل الاصول افراط و تفریط سے بچ کر قوائے فطریہ کا اعتدال کیساتھ استعمال کرنا ہو، مثلاً اگر ہم اعتدال کے ساتھ روپیہ صرف کریں تو وہ سخاوت ہو، اور اگر افراط یا تفریط سے کام لیں تو یہ اسراف یا بخل ہو، اور دونوں یکساں طور پر معیوب ہیں، یہ ارسطو کی تھیوری ہو، اور اسلام بھی اسکی تائید کرتا ہو، چنانچہ قرآن مجید میں مسلمانوں کا اخلاقی وصف یہ بتایا گیا ہے،

والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذالک قواما ۔ (فرقان ع ۶)

یعنی خدا کے بندے وہ ہیں جو خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور تنگی کرتے، بلکہ انکا خرچ افراط اور تفریط کے

(۸) آٹھواں نظریہ یہ ہے کہ خود انسانی فطرت میں ایک حاسۂ اخلاقی یا ضمیر موجود ہے، جس کا کام یہ ہے کہ وہ افعال کی برائی یا بھلائی کو بتلاتا رہتا ہے، اور اس فیصلہ میں عقل و استدلال کو دخل نہیں ہوتا، اس نظریہ کے رو سے افعال کی برائی یا بھلائی ایک روحانی اور وجدانی چیز ہے، اور اسی لحاظ سے حکماء میں جو لوگ روحانی طریقہ پر فلسفیانہ زندگی بسر کرتے تھے، اونھوں نے یہی نظریہ اختیار کیا ہے، اور ہمارے صوفیۂ کرام کا میلان بھی اسی طرف پایا جاتا ہے، اور اسلام کا حقیقی اخلاقی نظریہ یہی ہے چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

لا اقسم بیوم القیامۃ ولا اقسم بالنفس اللوامہ، (قیامہ) یعنی میں قسم کھاتا ہون روز قیامت کی، اور قسم کھاتا ہون انسان کے اس روح کی جو برے کامون پر اسکو ملامت کرتی ہ

یہی نفس لوامہ ہے جس کو آپ کانشنس یا ضمیر بھی کہہ سکتے ہیں،

اس کے چند آیتون کے بعد ارشاد ہوتا ہے،

بل الانسان علی نفسہ بصیرۃ ولو القی معاذیرہ۔ خود انسان اپنے نفس کی خبر رکھتا ہو گو وہ اپنی تئین بے گناہ ثابت کرنے کیلئے کتنے ہی حیلے کیا کرے،

انسان ایک جرم کرتا ہے، اور اس حالت میں اگر اس کا ضمیر مردہ نہیں ہو گیا ہے، تو اس کا نفس لوامہ اوس کو ملامت کرتا ہے، اب وہ حیلے تراشتا ہے، کہ میں نے اگرچہ رشوت لی ہے، لیکن اس میں معذور ہون کیونکہ میری تنخواہ میری ضروریات کے لئے کافی نہیں، عملاً یہ حیلہ اوس کی تسکین کے لئے کافی ہے لیکن بایں ہمہ اوس کا ضمیر مطمئن نہیں ہوتا، اور وہ بتاتا ہے کہ رشوت خواری ایک اخلاقی بلکہ قانونی جرم ہے، حدیث سے بھی اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے چنانچہ ایک صحابی نے رسول اللہ صلعم سے نیکی اور بدی کی حقیقت دریافت کی تو آپ نے فرمایا،

البر حسن الخلق والاثم ما حاک فی صدرک وکرھت ان یطلع علیہ الناس۔ (صحیح مسلم) یعنی نیکی حسن خلق یعنی کیرکٹر کے تناسب اور موزونیت کا نام ہے، اور گناہ وہ ہے جو تمھارے دل میں کھٹکے اور تم اوسکو پسند نہ کرو کہ لوگ اوسکو جانیں یعنی تم اوسکے اخفاء

یہان تک تو فلسفہ مذہب اسلام کا ساتھ دیتا ہے، یا یون کہئے کہ اسلام فلسفہ کی تائید کرتا ہے، لیکن اسلام کا قدم اب آس سے آگے بڑھتا ہے، اور ایک دوسرے ضمیر کی طاقت سے نظامِ اخلاق کو مستحکم کرتا ہے یعنی یہ کہ اگر بالفرض کسی شخص کا ضمیر مردہ ہو جائے، اور وہ برائی بھلائی کی تمیز نہ کرسکے، تو دوسرون کا اخلاقی فرض یہ ہے کہ وہ اس اندھیرے مین اوس کو اپنے ضمیر کا چراغ دکھلاکر اوس کو بُرے کامون سے روکین شریعت کی اصطلاح مین اسی کا نام احتساب ہے، اور پولیس کا پورا محکمہ اسی اصول پر قائم ہے، چنانچہ حدیث شریف مین آیا ہے،

من رای منکم منکرا فلیغیر بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ و ذالک اضعف الایمان	یعنی تم مین سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے، تو اوس کو اپنے ہاتھ سے مٹا دے، لیکن اگر اوس مین ہاتھ سے مٹانے کی طاقت نہ ہو تو زبان سے مٹائے یعنی اوسکو نصیحت کرے کہ وہ اسکام سے باز آئے، اگر زبان سے مٹانے کی طاقت بھی نہ ہو تو اوسکو دل سے مٹائے یعنی دل سے اسکو برا سمجھے لیکن محض دل سے برا ما

لیکن نظامِ اخلاق کے قائم رکھنے کیلئے صرف یہی کافی نہین، انسان بہت سے مواقع پر اخلاقی جرائم کرتا ہے، اور وہان کوئی روک ٹوک کرنے والا نہین ہوتا، اس لئے ایک اور اعلیٰ تر ضمیر کی ضرورت ہوتی ہے، جو قوم مین ایک ایسی اخلاقی روح پیدا کردے، جو خود تمام برائیون سے روک دے، اسی اعلیٰ ترین ضمیر کا نام پیغمبر ہے، اور جب تمام قوم گمراہی مین مبتلا ہو جاتی ہے، اور کسیکو کوئی برا بھلا کہنے والا نہین رہتا، تو پیغمبر جو سراپا روح، سراپا ضمیر اور سراپا ایمان ہوتا ہے، اٹھتا ہے، اور اپنے آپ کو ہر قسم کے خطرات مین مبتلا کرکے پوری قوم کو برائیون سے روکتا ہے، دنیا کے تمام پیغمبر اسی قسم کا قومی ضمیر تھے، لیکن اس قسم کا سب سے بڑا ضمیر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قالب مین نمودار ہوا، جس نے اور پیغمبرون کی طرح صرف ایک قوم اور ایک ملک کی گمراہی دور نہین کی، بلکہ تمام دنیا کو اپنے ضمیر کی روشنی سے گمراہیون کے تیرہ و تار غار سے نکالا، اب نظامِ اخلاق کے لئے بدیہی طور پر تین ضمیرون کی ضرورت ثابت ہو گئی، ایک ہر شخص کا ذاتی ضمیر، دوسرا قومی ضمیر، تیسرا پیغمبر کا ضمیر، لیکن یہ تینون ضمیر اسی زمین اور اسی دنیا مین رہتے ہین، اور بہ ترتیب اپنا اپنا اخلاقی فرض ادا کرتے ہین، لیکن اس عالم سے اوپر اسلام چند اور ضمیرون کی ترتیب دیتا ہے، چنانچہ حدیث شریف مین

آیا ہے کہ خداوند تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے، تو جبرئیل کو بلا کر کہتا ہے، کہ مین فلان شخص سے محبت کرتا ہون، تم بھی اوس سے محبت کرو، تو اب جبرئیل بھی اوس کی محبت کرنے لگتے ہین، پھر وہ آسمانون کے اندر پکار کر کہتے ہین کہ خداوند تعالیٰ فلان شخص کو محبوب رکھتا ہے، تم بھی اوس کو محبوب رکھو، تو اب آسمانون کے فرشتے بھی اوس کو محبوب رکھنے لگتے ہین، پھر اوس شخص کو دنیا مین حسنِ قبول حاصل ہوجاتا ہے، اس کے برعکس جب خدا کسی بندے سے بغض رکھتا ہے، تو جبرئیل سے بلا کر کہتا ہے، کہ مین فلان شخص سے بغض رکھتا ہون، تم بھی اوس سے بغض رکھو، تو اب جبرئیل بھی اوس سے بغض رکھنے لگتے ہین، پھر آسمانون کے اندر پکار کر کہتے ہین کہ خدا فلان شخص سے بغض رکھتا ہے، تم بھی اوس سے بغض رکھو تو آسمانون کے فرشتے بھی اوس سے بغض رکھنے لگتے ہین، پھر تمام دنیا کے لوگ اس سے بغض رکھنے لگتے ہین،

یہ فرشتون کا ایک مرتب گروہ ہے، جس کا کام یہ ہے، کہ جو لوگ اپنی اخلاقی اصلاح کرتے ہین، اور لوگون کو اخلاقی اصلاح پر آمادہ کرتے ہین، وہ اون کو شب و روز دعا مین دیتا رہتا ہے، اور اس دعا کی وجہ سے اون پر برکتین نازل ہوتی رہتی ہین، لیکن جو لوگ دنیا مین فتنہ و فساد پھیلاتے ہین، وہ ان پر لعنت بھیجتا ہے، اور اوس کی لعنت اون کے لئے حسرت و ندامت کا سبب بن جاتی ہے، یہ گروہ خدا اور خدا کے بندون کے درمیان سفارت کا کام کرتا ہے، اور انسانون کے دلون مین الہامی طریقے پر نیکی کا جذبہ پیدا کرتا ہے، اس گروہ کو شریعت کی اصطلاح مین، رفیق اعلیٰ، ندی اعلیٰ یا ملاء اعلیٰ کہتے ہین،

ان فرشتون کو تمام دنیا سے وہی نسبت ہے، جو ہمارے دماغ کو ہم سے ہے، ہم ایک جلتے ہوئے پتھر پر پاؤن رکھتے ہین، تو سوزش کا اثر اعصاب کے ذریعہ سے ہمارے دماغ تک پہنچتا ہے، اور ہم بے قرار ہوجاتے ہین، اسی طرح خداوند تعالیٰ نے نوعِ انسان کی اصلاح کے لئے فرشتون کا ایک ذکی الحس گروہ متعین کر دیا ہے، کہ جب کوئی شخص کوئی نیک کام کرتا ہے، تو اون کو مسرت محسوس ہوتی ہے، اور اس مسرت کا اثر خود اوس شخص پر اور نیز تمام لوگون پر پڑتا ہے، اور وہ اوس کو محبوب رکھنے لگتے ہین، اور جب کوئی شخص بُرائی کرتا ہے، تو یہ فرشتے اوس سے نفرت کرنے لگتے ہین، اور اوس نفرت کا اثر اوس شخص پر اور نیز تمام دنیا پر پڑتا ہے، اس لئے

اوس شخص کو خود اپنی ذمت سے نفرت پیدا ہوتی ہے، اور تمام لوگ بھی اوس سے نفرت کرنے لگتے ہیں، افلاطون بھی ہر نوع کے لئے فرشتون کا ایک گروہ تسلیم کرتا ہے، جس کو رب الانواع کہتے ہین، غالباً ان رب الانواع سے اس کی مراد یہی فرشتے ہین،

لیکن ان تمام ضمیرون سے اعلیٰ تر ایک اور ضمیر بھی ہے یعنی خود خداوند تعالیٰ کو برائیون اور گنا ہون سے اس قدر نفرت ہے، کہ وہ اون کو کسی حالت مین برداشت ہی نہین کر سکتا، اسی طرح اچھے کام کرنے سے جو مدح و ستایش حاصل ہوتی ہے، اوس کا بھوکا بھی خدا سے زیادہ کوئی نہین، چنانچہ ایک حدیث مین آیا ہے:-

ما من احد اغیر من اللہ من اجل ذلک حرم الفواحش. وما احد احب الیہ المدح من اللہ.	یعنی کوئی شخص خدا سے زیادہ غیرت مند نہین، اور اسی غیرت کی وجہ سے اوس نے بدکاریون کو حرام کر دیا ہے، نیز کسی کو خدا سے زیادہ تعریف بھی محبوب نہین.

ضمیر و نکایہ مرتب سلسلہ زیادہ تر شخصی کام کرتا ہے یعنی جب دنیا مین کوئی شخص برا یا بھلا کام کرتا ہے، تو وہ اسکو محسوس کرتا ہے، اور محسوس کرنے کے بعد اپنے اخلاقی فرائض انجام دیتا ہے، لیکن مجموعی طور پر تمام دنیا کے اخلاقی جائزہ لینے کے لئے ایک اور عام اور کلی ضمیر کی ضرورت ہے، جو بہ یک وقت تمام برے اعمال کی سزا اور تمام اچھے اعمال کی جزا دے، اسی عام اور کلی ضمیر کا نام قیامت ہے، جو بہ یک وقت ہر شخص کے اعمال کا جائزہ دے گی اور اس حیثیت سے قیامت کو ایک ایسے پیغمبر سے مشابہت حاصل ہے، جو اپنی عالمگیر رسالت کی وجہ سے قیامت ہی کی طرح تمام دنیا کا آخری ضمیر ہو، اور ایسا پیغمبر محمد رسول اللہ صلعم کے سوا آج تک دنیا مین مبعوث نہین ہوا یہی وجہ ہے، کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے، کہ مجھ مین اور قیامت مین اس قدر قربت حاصل ہے، جس قدر ہاتھ کی انگلیون مین اتصال ہوتا ہے یعنی آپ دنیا کے سب سے آخری ملامت کرنیوالے ہین، اسکے بعد دنیا کی ملامت کیلئے کوئی دوسرا اخلاقی ضمیر قیامت کے سوا پیدا نہ ہوگا، اسی مناسبت سے خداوند تعالیٰ نے سورہ قیامہ مین قیامت کے ساتھ نفس لوامہ کی بھی قسم کھائی ہے، کیونکہ قیامت اور نفس لوامہ کے

ایک ساتھ ذکر کرنے سے ثابت ہوتا ہے، کہ ان دونوں کے درمیان کوئی نسبت یا لگاؤ ہے، کیونکہ قیامت نفس کلی کی ملامت کرنے والی ہے، اس لئے کہ تمام دنیا ایک شخص واحد ہے، اور اوس کی رفتار ایک شخص کے حالات کی طرح یکسان طور پر پائی جاتی ہے، اس لئے جس طرح ہر انسان مین ایک نفس لوامہ ہے، جو اس کے گذشتہ اعمال پر ملامت کرتی ہے، اسی طرح تمام دنیا کیلئے بھی ایک نفس لوامہ ہونا چاہئے، جو دنیا کے تمام اعمال پر ملامت کرے،

اس تفصیل سے دو باتین نہایت بدیہی طور پر ثابت ہوئین،

(۱) ایک تو یہ کہ اگر آپ کو کوئی روحانی نظام اخلاق قائم کرنا ہو، تو اوس کے لئے مذہب کے پورے سلسلے کو ماننا پڑیگا، اور خدا، فرشتے، پیغمبر، قیامت سب کے سب اوس کے لازمی جزو قرار پائین گے، الحاد اور بے دینی درحقیقت ایک سلبی نظام ہے، بلکہ درحقیقت وہ کوئی نظام ہی نہین، دنیا مین صرف مذہب نے نظام اخلاق کو قائم کیا ہو، اور اوسی نے نظام اخلاق کو قائم رکھا ہے، آج تک اخلاق کی اصلاح الحاد اور بیدینی سے نہین ہوئی ہے، بلکہ ہمیشہ مذہب سے ہوئی ہے،

(۲) دوسرے یہ کہ مختلف فلاسفرون کے یہان جو اخلاقی نظریے منتشر طور پر پائے جاتے ہین، اسلام نے ان مین تمام قابل قبول نظریون کو جمع کر لیا ہے، اس لئے یہ بھی نظام اخلاق کا ایک تکمیلی پہلو ہے، جس کا اسلام نہایت بلند آہنگی کے ساتھ مدعی ہے،

تابشِ سہیل

مولینا اقبال احمد خان صاحب سہیل ایم اے ایل ایل بی (علیگ) کے اردو اور فارسی کلام کا "دیوان" بے نظیر ازہ" مرتب کیا جا رہا ہے اس مجموعہ کے ساتھ ڈاکٹر ذاکر حسین خانصاحب ایم اے پی ایچ ڈی (علیگ) شیخ الجامعہ دہلی کا مقدمہ اور مولینا کے سراپا سیرت اور سوانح پر جناب رشید احمد صدیقی ایم اے (علیگ) پروفیسر مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کا ایک مضمون بھی ہوگا،

مولینا کے تمام دوستون سے درخواست ہے، کہ اگر اون کے پاس مولینا کی کوئی نظم موجود ہو، تو براہ کرم ذیل کے پتہ پر بھیجدین،

نیاز احمد صدیقی ایم اے علیگ شبلی منزل اعظمگڈھ

تلخیص و تبصرہ

وسط ایشیا مین اہم انکشافات،

ڈاکٹر ہیڈن ([illegible]) تقریباً نصف صدی سے وسط ایشیا کے ریگستانون مین ان مقامات کی تلاش و تحقیق مین مصروف ہین، جن سے اب تک تاریخ و جغرافیہ کے صفحات خالی تھے، اس سلسلہ مین حال کے نہایت اہم انکشافات کا ذکر انھون نے نیویارک ٹائمز کے ایک مقالہ مین کیا ہے، جو بمبئی کرانکل (ہفتہ وار) مین آیا ہے، اس کا خلاصہ درج ذیل ہے،

سائنس کا خیال ہے کہ انسان عہد قدیم کی تاریکی سے اول اول وسط ایشیا کے کسی حصہ مین نمودار ہوا، اور وہان سے نکلکر اس کی اولاد مختلف نسلون اور قومون کی شکل مین تمام دنیا مین پھیل گئی، تعجب ہے کہ اُن مقامات سے جو بنی آدم کے آبائی مسکن سے انتہائی فاصلہ پر واقع ہین، حتیٰ کہ قطبین کے حالات سے بھی آج ہم اُس سرزمین کی بہ نسبت زیادہ واقف ہین، جو نسل انسانی کا گہوارہ اور حیاتِ انسانی کا سرچشمہ ہے، جس سرزمین پر ہماری زندگی کی ابتدا ہوئی اس کی جگہ نقشہ مین ہنوز خالی ہے،

حال مین یعنی اس پشت کے اندر ہی ہم نے وسط ایشیا مین جا کر ان نشانات کا پتہ لگانا چاہا، جن سے نوعِ انسانی کی تاریخ کے ابتدائی ابواب مدون کئے جا سکین، وہان زمانہ قبل تاریخ کے حالات معلوم کرنے کی کوشش مین ہم کو ایک دوسرے راز سے واقفیت ہوئی جو نسبتہً بہت بعد کا ہے، تاہم ہماری مغربی تہذیب سے زیادہ قدیم ہے، یعنی اہل چین اور ان کے وحشی ہمسایون کے ابتدائی حالات، چنانچہ وہان ہم زمانہ قبل تاریخ کے ساتھ ہی عہد تاریخ کے ابتدائی دور کا بھی سراغ لگا رہے ہین، اور یہ کہنا مشکل ہو کہ ان مین سے کون زیادہ دلچسپ ہے،

مین نے تقریباً نصف صدی مشرق بعید مین تلاش و تحقیق مین صرف کر دی ہے، اور ۱۹۲۷ء سے اس عظیم الشان وفد

کی قیادت کر رہا ہون، جو ایشیا کے نامعلوم حصون کی دریافت پر مامور کیا گیا ہے، ہماری تفتیش و جستجو نے پانچ سال کے ان پردون کو بہت کچھ اٹھا دیا ہے، جن سے اُس برّاعظم کا اندرونی حصہ چھپا ہوا تھا، جو کچھ ہم نے ابتک معلوم کیا ہو، دس کی جلدون کو پر کرد ینے کے لئے کافی ہے، تاہم ابھی اس سے بہت زیادہ نہ معلوم کرنا ہے، یہ خطہ جو ابتک غفلت اور بے توجہی کا شکار تھا معلومات کا ایک غیر محدود ذخیرہ ہے، جس سے تحقیق کرنے والے بہت کچھ حاصل کر سکتے ہین، ہم نے تو بمشکل ابھی اس معدن کی سطح صاف کی ہے،

مشرقی نصف کرہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہو گا کہ چین کے شمال مغرب مین صحرائے گوبی واقع ہے، اور اس کے مغرب مین ترکستان کے ریگستان مین، یہ سلسلہ مغرب کی جانب بڑھتا ہوا فارس، فلسطین، عرب، اور سینا سے گذر کر ریگستان لیبیا اور صحرائے افریقہ سے مل گیا ہے، بحر الکاہل سے بحر اوقیانوس تک ایک منطقہ حارہ تمام دنیائے قدیم سے گذرتا ہوا چلا گیا ہے، ہمارا وفد جو کئی جماعتون مین تقسیم ہو گیا ہے، ۱۹۲۲ء سے اس منطقہ کے سب سے کم معلوم حصہ کی دریافت و تحقیق مین مصروف ہے، یعنی وہ حصہ جو تبت کے شمال اور سائبریا کے جنوب مین واقع ہے، ہم نے کچھ کام منگولیا کے اندرونی حصہ مین کیا ہے، کچھ چینی ترکستان مین اور کچھ شمالی تبت مین،

ہمارا قافلہ پہلے صحرائے گوبی کی طرف روانہ ہوا، یہ سفر اُن سفرون کی پہلی کڑی تھا جن کا سلسلہ پانچ سال تک قائم رہا، مہینون ہم چٹیل میدانون مین دشت پیمائی کرتے رہے، لیکن تقریباً ہر میل پر ہمین ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہزارون سال قبل جب تاریخ کی ابتدا بھی نہین ہوئی تھی، یہان انسانون کی آبادی تھی، اور لوگ اس راستہ سے آمد و رفت رکھتے تھے، یہ زمینین اگرچہ سنگلاخ اور بے آب و گیاہ ہین، تاہم یہی وسط ایشیا سے گذرنے کا راستہ ہین،

جس ریگستان مین ہمارے خیمے نصب تھے، اُسی مین چین کے تاجر بھی حضرت سلیمانؑ کے زمانہ مین اپنے خیمے نصب کرتے تھے، اسی مقام سے سنہ عیسوی سے قبل قدیم ریشم کی سڑک گذرتی تھی، جو دنیا کی سب سے بڑی اور سب سے پرانی سڑک تھی، اور قافلے مغرب کی جانب سال سال بھر کے سفر پر چین سے تاتار اور ربڈن کے لئے روانہ ہوتے تھے، جہان سے اُن کا قیمتی ریشمی سامان جہازون کے ذریعہ سے روما جاتا تھا، یہ ریشم کی سڑک آج ریگ کے تودون مین دفن ہے، تاہم بے شمار علامتون سے اس کے وجود کا پتہ لگتا ہے، اس سڑک کے کنارے کنارے قلعہ بند شہرون کا سلسلہ تھا جن کے سپاہی تاجرون کی حفاظت شمال کی قوم ہن کے حملون سے کرتے رہتے تھے، ہمین ان قدیم قلعون کے دیوارین ملتی ہین اور ریت کھودنے کے بعد ان دیوارون کی جڑ مین دو ہزار قبل کے مخطوطات ملتے ہین، چنانچہ

صحرائے گوبی مین ایک مقام پر جہان پہلے کوئی شہر آباد تھا ایک شکستہ مینار کے نیچے ہم نے ایسی ہزارون یادگارین پائین، ایک فٹ لمبی پتلی پتلی تختیان جو ایک ہرکارہ ایک مقام سے دوسرے مقام تک آسانی سے لیجا سکتا تھا، چمڑے کے تسمون سے بنڈلون مین بندھی ہوئی تھین، ان بنڈلون کی گرہون مین بیس صدیان گذر چکی تھین، ریگستان کی خشکی نے اُن چینی حروف کو ایک محفوظ رکھا تھا، جو تختیون پر لکھے ہوئے تھے، ہمارے اسٹاف کے ارکان نے جو چینی زبان تاریخ اور رسوم وغیرہ سے واقفیت رکھتے ہین، زمانہ قدیم کے ان پیغامات مین سے بعض کا ترجمہ کیا ہے، چنانچہ ان مین سے کسی بنڈل پر اسلحون اور پوشاک کی رسید لکھی ہوئی ہے، کسی پر ایک نوجوان سپاہی کے فوج مین داخل کرنے کے احکام اور اس کا نام، عمر، وطن اور پیشہ درج ہے، ایک پر یہ حکم لکھا ہوا ہے، "تم کو ہدایت کی جاتی ہے کہ آج شب مین تین سو تیر انداز شہر کے نوین پھاٹک کی حفاظت کے لئے تیار رکھو" آج یہ شہر صدیون کی تباہی اور بربادی کے بعد تقریباً نابود ہوگیا ہے، لیکن کسی زمانہ مین ضرور ایک اہم شہر رہا ہوگا، کیونکہ اس حکم سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس مین کم سے کم نو پھاٹک تھے، دوسرے پر درج ہے "تمکو اطلاع دیجاتی ہے کہ شہزادہ لو عنقریب تمہارے صدر مقام پر پہونچین گے، ان کے ساتھ پچیس سوار ہون گے، تمہارے ذمہ ان کی اور ان کے ساتھیون کی خوراک اور قیام کا انتظام ہے" ان تختیون سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ خشک اور ویران مقام حضرت مسیح سے دو سو برس پہلے ایک مرتب اور آباد شہر تھا، تختیون کے علاوہ اور بھی سیکڑون چیزین ہم نے قدیم ریشم کی سڑک کے کنارے ریگستان سے کھود کر نکالی ہین، اس سڑک پر کبھی بڑے بڑے تجارتی قافلے چین سے کاشغر، نیشاپور اور شام کو جایا کرتے تھے،

اسی خطہ سے ہو کر قدیم چینی زائرین پامیر اور ہندوستان کا سفر کرتے تھے، انہی مین فاضل ہیان سانگ مشہور چینی سیاح (تقریباً ۶۳۰ء) بھی تھا، اسی راستہ سے تقریباً ۱۲۷۵ء مین مارکوپولو بھی قبلائی خان کے دربار مین قسمت آزمائی کرنے گیا تھا، اُس کی یاد کے احترام مین ہم نے اپنے لشکر کی سڑک کا نام "مارکوپولو سڑک" رکھا تھا، مارکوپولو سے پیشتر اہل چین مغرب کے متعلق بہت کچھ واقفیت رکھتے تھے، لیکن مغرب کو چین کے متعلق براہ راست کچھ بھی واقفیت نہ تھی،

اس ریگستان کی ہوائین اتنی تیز ہین کہ آدمی بمشکل اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھا رہ سکتا ہے، ریگستانی طوفان سیاہ دیوارون کی طرح آسمان مین اُٹھتے ہین، اور روشن دن کو تاریک رات بنا دیتے ہین، بہت کم خیمے، ان طوفانون مین قائم رہ سکتے ہین،

معمولی دنوں میں بھی ہواؤں کا شور ایسا رہتا ہے کہ سننے والوں کو بعض اوقات انسانی آواز کا دھوکہ ہوجاتا ہے، مارکو پولو کا بیان ہے کہ جو لوگ ان ریگستانوں میں گم ہوجاتے تھے ان کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کے ساتھی ان کا نام لے کر پکار رہے ہیں، ہم کو بھی کئی بار اس کا تجربہ ہوا ہے،

وسط ایشیا ماہر اثریات اور مورخ کے لئے ایک باغ ارم ہے یہاں ان فوجی دیواروں کا بھی پتہ لگتا ہے جن کا کوئی نشان نقشہ میں نہیں ملتا، یہ دیواریں موجودہ دیوار چین کے سیکڑوں میل آگے، شمال کی جانب چلی گئی ہیں، اور اس سے سیکڑوں برس زیادہ قدیم ہیں، یہاں تفتیش کرنے والا خارا خوتو (Khara Khoto) اور لولان (Lou-lan) جیسے فراموش شدہ شہروں کی ویران سڑکوں پر چل سکتا ہے، جس کا نام معلوم کرنے کیلئے بھی اس کو ہزاروں برس پیشتر کے چینی نقشوں کا مطالعہ کرنا پڑے گا، لولان کی دریافت ہمارے انکشافات میں نہایت درجہ اہم اور حیرت انگیز ہے،

دو ہزار سال قبل کے چینی نقشوں سے معلوم ہوتا ہے کہ لولان دریائے تارم کے دہانہ کے قریب واقع تھا، مشرقی ترکستان کا یہ خاص دریا جھیل لوپ نور میں گرتا تھا، یہ شہر اس جھیل سے اس قدر نزدیک واقع تھا کہ جھیل کا دوسرا نام ہی بحر لولان (Lou-lan Lake) پڑ گیا، اس زمانہ میں یہ شہر بہت آباد اور خوشحال تھا اور چین اور کاشغر کے درمیان ریشم کی سڑک پر ایک اہم مقام تھا، صدیوں لوپ نور چینی جغرافیہ دانوں کے علاوہ اور تمام جغرافیہ دانوں کی نظر سے پوشیدہ رہی،

سنہ ۱۹۰۱ء میں میں نے شہر لولان کے کھنڈر دریافت کئے، کھودائی کے بعد وہاں لکڑی اور کاغذ پر ایسے مخطوطات دستیاب ہوئے، جن سے اس امر میں شبہ باقی نہ رہا، کہ یہ شہر لولان تھا، اور سنہ ۲۶۴ء میں یہ ایک آباد اور خوشحال شہر تھا، لیکن بحر لولان اب ساٹھ یا اسی میل کے فاصلہ پر تھا یا ایک بڑا معمہ تھا، مجھے اس بات کا کافی ثبوت ملا کہ ایک وسیع جھیل جو ممکن ہے ۵۰ میل چوڑی رہی ہو، ایک زمانہ میں شہر کی دیواروں کے پاس ہی واقع تھی، یہ جھیل اب خشک ریگستان تھی، اسی سے ملی ہوئی پانچ سو فٹ چوڑی ایک دریا کی تہ بھی تھی، یہ بھی بالکل خشک تھی،

میں نے یہ نظریہ قائم کیا کہ قدیم نقشے درست تھے، لوپ نور ایک رواں جھیل تھی، اور سنہ ۲۶۰ء کے بعد اس نے اپنا مقام

تبدیل کردیا تھا، میرے نزدیک یہ بات واضح تھی کہ دریائے تارم کی قدیم تہ جو چوڑی اور پھیلی تھی، مٹی نباتات اور ریت سے بھر گئی تھی، اور تارم نے ایک دوسرا راستہ اختیار کرکے ایک دوسری جھیل بنالی تھی جسکی وجہ سے لولان کی قدیم جھیل خشک ہوکر غائب ہوگئی

لولان کا قدیم شہر آج پھر آباد ہورہا ہے، دریائے تارم کے کنارے پھر پیداوار نظر آرہی ہے،

یہ صرف چند کارنامے ہیں اُن کارناموں میں سے جو ہمارے وفد نے وسط ایشیا میں انجام دیے ہیں، ہم محسوس کرتے ہیں، کہ ہم نے اُس میدان میں بہت کچھ حاصل کرلیا ہے، جو ازروئے سائنس ہماری مہم سے پہلے تقریباً نامعلوم تھا، ہم نے چین کی قدیم تاریخ کے متعلق بیش قیمت معلومات حاصل کئے ہیں، ہمارے ماہر اثریات ڈاکٹر فوک برگمن (Dr Folke Bergman) نے زمانۂ حجریہ جدید کے پچاس ہزار نمونے جمع کئے ہیں ڈاکٹر ڈیوڈ ہمل (Dr David Hummel) نے بے شمار پودے اور حشرات الارض اکٹھا کئے ہیں، ہماری دو جماعتوں نے جو شمالی تبت کے کوہستانوں میں تفتیش و تحقیق میں مصروف تھیں ایک وسیع خطا کو دریافت کیا ہے، جسکی جگہ نقشہ میں ابتک خالی تھی، ہماری ایک جماعت نے جنوبی سنگاری کی قیمتی معلومات حاصل کئے ہیں،

مختصر یہ کہ ہم ایک وسیع خطۂ زمین کو جو بحر الکاہل سے بحر کیسپین تک پھیلا ہوا ہے، اور اب تک دنیا کے چند نامعلوم حصوں میں شمار کیا جاتا تھا، سائنس کی آنکھوں کے سامنے لارہے ہیں، ہم نہیں کہہ سکتے کہ ابھی اور کس قدر معلوم کرنا ہے لیکن لیکن گذشتہ پانچ سال کے واضح تجربہ کی بنا پر اتنا جانتے ہیں کہ اُن ویران مقامات میں دنیائے علم کیلئے بیش بہا اکتشافات تقریباً ہر دفعہ ہوتے رہتے ہیں،

"ع ز"

یورپ کی قدیم ترین یونیورسٹی سالرنو

جنوبی اٹلی میں سالرنو ایک بحری بندرگاہ ہے، جو قرون وسطیٰ میں ایک صحت گاہ ہونے کے ساتھ ایک علمی مرکز بھی تھا جہاں بہت سے مشہور اطبا رہتے تھے، اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یورپ میں سب سے پہلے طب کی یونیورسٹی یہیں قائم ہوئی، اگرچہ مورخین نے اس کی طرف بہت کم توجہ کی تاہم پروفیسر کارل سدھوف نے جو تاریخ طب کے بہت بڑے

عالم ہین اس موضوع پر بہت سے تاریخی ماخذ سے روشنی ڈالی ہے، اس کے بعد اور تمام مورخین نے اس یونیورسٹی کے متعلق تحقیقات کی اور اس تحقیقات کا خلاصہ مارچ ۱۹۳۲ء کے الہلال مین شایع ہوا ہے، جس کو ہم ناظرین معارف کی دلچسپی کے لیے درج کرتے ہین،

"چھٹی صدی عیسوی مین اٹلی ایک میدان کارزار بنی ہوئی تھی، اور شمالی جانب سے اوس پر حملے ہو رہے تھے، اس کے بعد گاتھک کا اقتدار جاتا رہا، اور جنوبی اٹلی بازنطینی حکومت کے زیر اثر آگیا، اس وقت اگرچہ اٹلی مین عام طور پر یونانی زبان رائج تھی، لیکن بازنطینی اقتدار کے زوال کے بعد دوسری زبانین رائج ہوئین، اور متعدد مقامات پر لاطینی زبان رائج ہوگئی، پھر جب آٹھوین صدی مین مسلمانون نے ان ممالک کو فتح کیا تو یونانی کی جگہ مختلف مقامات مین عربی نے لیلی، اسی طرح جنوبی اٹلی مین بہت سے یہودی بھی رہتے تھے، اور اونھون نے اور علوم یعنی لاطینی، یونانی اور عربی کے مقابل مین عبرانی علوم کی اشاعت کی، اس کے بعد مسلمانون نے آٹھوین صدی مین بتدریج سسلی پر حملہ کیا، اس کے بعد نوین صدی مین اٹلی کی سرزمین پر تاخت کی اور رفتہ رفتہ جنوبی اٹلی پر قابض ہوگئے، اور نیپلز اور سالرنو اون کے قبضہ مین آگئے، اس کے بعد ۸۸۳ء مین مونٹ کاسینو بھی مسلمانون کے زیر اقتدار آگیا، اور اب اٹلی مین مسلمانون کی فوجی جدوجہد مکمل ہوگئی،

اب ہم کو جنوبی اٹلی مین رہبانیت اور کلیسا کی زندگی کی تاریخ بھی پیش نظر رکھنی چاہیے، سب سے پہلے سینٹ بنیڈکٹ (۴۸۰-۵۴۳) نے مونٹ کاسینو مین ایک بڑا کلیسا قائم کیا، جس کے ساتھ لاطینی کتابون کا ایک بہت بڑا کتبخانہ بھی تھا، اس کے بعد اور بہت سے رہبانون نے اس کی تقلید کی، اور جنوبی اٹلی کے تمام شہرون مین جن مین سالرنو بھی تھا، بہت سے گرجے قائم کئے، سینٹ بنیڈکٹ نے جو نظام قائم کیا تھا، اوس کے روسے رہبانون کے لئے علمی بحث و تحقیق بھی ضروری تھی، اس لئے ان اطراف مین ایک خاص لاطینی زبان جسکو [illegible] کہتے تھے، رائج ہوگئی، اور اس مین بہت سی کتابین لکھی گئین جن مین بعض فن طب پر تھین، اگرچہ قدیم یونانی زبان بھی، تو ن رائج رہی، بلکہ متعدد یونانی گرجے بھی بالخصوص روسانو مین قائم تھے، تاہم جس فضا مین یونانی اور لاطینی رہبان زندگی بسر کر رہے تھے، وہ لغوی مباحث اور مذہبی نزاعات کے شور و غل سے گونج رہی تھی، اس لئے علمی خیالات کو ترقی نہ ہوسکی، لیکن جب عربون نے اس ملک کو فتح کیا تو عربی علوم و فنون کی اشاعت ہونے لگی، اور لوگون نے

مون علوم کی طرف توجہ کی، جنکو اہل عرب اپنے ساتھ لائے تھے، سالرنو مین پہلے ہی سے بڑے بڑے تجربہ کار اطبا، موجود تھے، اور انھون نے اپنے شاگردون کے فوائد کے لئے اپنے تجربات قلمبند بھی کر لئے تھے، ان کی قدیم ترین کتابین سنہ ۱۰۰۰ء مین لکھی گئی تھین، لیکن ابتدا مین یہ اطبا اپنی کتابون پر جو لاطینی زبان مین یونانی علوم کا ترجمہ تھین اپنے نام نہین لکھتے تھے، سالرنو مین خاص قسم کی علمی اور طبی کتابین گیارہوین صدی کے نصف اخیر مین شائع ہوئین، اور اطبائے سالرنو مین جاریوپنتوس المتوفی سنہ ۱۰۵۰ء اور الفانوس المتوفی سنہ ۱۰۸۵ء نے طبی کتابین لکھین، لیکن مشاہیر سالرنو کے زمانے مین جس شخص نے قرون وسطی کے ابتدا مین یورپ مین عربی علوم منتقل کئے وہ قسطنطین افریقی تھا جس نے سنہ ۱۰۸۷ء مین وفات پائی، وہ حکمت و فلسفہ کا شیدائی تھا، اس غرض سے اپنے اصلی مولد قرطاجنہ کو چھوڑ کر بابل گیا، اور وہان کلدانی عربی اور ایرانی طب و حکمت مین تعلیم حاصل کی، پھر ہندوستان آیا، اور یہان ہندوؤن کے علوم و فنون سیکھے، اسی طرح حبشہ اور مصر مین گیا، اور وہان کے علوم کی تعلیم حاصل کر کے ۳۹ سال کے بعد اپنے وطن کو واپس ہوا، لیکن اسکے علم و فضل پر اسکے ہموطنون نے حسد کیا، اسلئے وہان سے بھاگ کر سنہ ۱۰۷۵ء مین سالرنو چلا گیا، اور وہان بھیس بدل کر گمنامی کی زندگی بسر کرنے لگا، حسن اتفاق سے ایک مشرقی امیر نے جو وہان آتا جاتا رہتا تھا، اوسکو پہچان لیا، اور لوگون کو اس کے علم و فضل سے روشناس کرایا، اور اب وہان کے شرفا مین اس کا درجہ بہت بلند ہو گیا، لیکن چند ہی دنون کے بعد وہ مونٹ کاسینو کے گرجے مین چلا گیا، اور راہب ہو کر مختلف اجنبی زبانون کی کتابون کے ترجمے مین مشغول ہو گیا، اور مشرقی قومون کے بہت سے علوم کا ترجمہ کیا، لیکن وہ ان ماخذون کا اظہار نہین کرتا تھا، جن سے ترجمہ کرتا تھا، اور ان مصنفون کا نام نہین بتاتا تھا، جنکی کتابون کے اس نے ترجمے کئے تھے، بلکہ ترجمہ شدہ کتابون کو خود اپنی طرف منسوب کرتا تھا، لیکن اس کی ترجمہ کردہ کتابون پر غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ سب کی سب عربی کتابون سے ماخوذ ہین، اور وہ صرف یہی عربی زبان جانتا تھا، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ عربی طب کے اس ترقی یافتہ دور سے جب کہ دسوین صدی کے آخر اور گیارہوین صدی کی ابتدا مین قانون شیخ تمام مشرق مین رائج تھی، بالکل ناآشنا تھا، اس لئے اس کے علم طب کا ماخذ صرف وہ عربی طب ہے جو یونانی سے بذریعہ ترجمہ کے عربی زبان مین آیا تھا، اور اس نے شمالی افریقہ مین اس سے واقفیت حاصل کی تھی، اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مشرقی ممالک مین اس کی سیاحت کا واقعہ محض ایک فرضی افسانہ ہے، لیکن اس سے انکار نہین ہو سکتا کہ یورپ مین سب سے پہلے اسی نے عربی طب کو روشناس کرایا، اور اسی کے

ذریعہ سے اسلامی طب سالرنو کے مدرسہ مین داخل ہوا، اور وہان کے اطبا اوسکی تعلیم مین منہمک ہوگئے، اس امر کا خاص طور پر لحاظ رکھنا چاہئے، کہ آٹھوین صدی سے قرون وسطی کے اخیر تک دنیا کی فلسفیانہ علمی اور سیاسی سیادت واقتدار کی باگ اسلام کے ہاتھ مین تھی، اس لئے قسطنطین نے عربی علوم کے ترجمہ کی جو خدمت انجام دی، وہ گویا یورپ مین اسلامی علوم وفنون کی ایک جدید تبلیغ تھی، اس لئے مدرسہ سالرنو پر بھی اسکا بہت بڑا اثر قائم ہوگیا، اور وہ بہت جلد ترقی کرکے یورپ مین طبی تعلیم کا بہت بڑا مرکز ہوگیا، اور جب نارمنون نے سنہ ۱۰۷۵ء مین سالرنو کو فتح کیا تو اس کو گویا ایک یونیورسٹی بنا دیا، اور تقریباً ڈیڑھ سو برس تک اسی حیثیت سے اوس کی شہرت قائم رہی، خود نارمن سلاطین عربی علوم وفنون کی اشاعت کی حوصلہ افزائی کرتے تھے، چنانچہ تیرہوین صدی کی ابتدا کی ایک تصویر ملی ہے، جو اردو مین بھی شائع ہوچکی ہے، اس مین یہ دکھایا گیا ہے، کہ نارمن بادشاہ ولیم ثانی المتوفی سنہ ۱۱۸۹ء کے بستر علالت کے پیچھے مین ایک عربی طبیب ہاشم نامی کھڑا ہوا ہے،

سالرنو کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ فریڈریک ثانی نے اوس کی یونیورسٹی کو اطبا کے امتحان اور جنوبی اٹلی مین اون کو طبابت کرنے کی اجازت دینے کا حق عطا فرمایا، اور یورپ کے تمام اطراف سے وہان بکثرت مریض علاج کے لئے آتے تھے،

تاریخ صقلیہ جلد اول

(از مولوی سید ریاست علی صاحب، ندوی)

مسلمانون نے سسلی پر ڈھائی سو برس تک حکومت کی، اور اسپین کی طرح اسکو بھی اسلامی خیر وبرکت کا سرچشمہ بنادیا، اور تقریباً پانچسو برس تک اس سے وابستہ رہے، مگر افسوس ہے کہ اسکی کوئی تاریخ اردو انگریزی مین کیا عربی مین بھی موجود نہ تھی چھ سات برس کی مسلسل محنت اور تلاش وتحقیق کے بعد دو ضخیم جلدون مین اوسکی تاریخ مرتب کی گئی ہے جنمین سے پہلی جلد اب شایع ہوگئی ہے، جو سیاسی سرگذشت پر مشتمل ہے، اسمین صقلیہ کے جغرافی حالات، سسلی، اٹلی وجزائر سسلی پر اسلامی حملون کی ابتدا، اسلامی حکومت کا قیام عہد بعہد کے دورون کا عروج، اسلامی حکومت کے خاتمہ اور صقلیہ وجزائر صقلیہ مین مسلمانون کے مصائب اور جلاوطنی کا تفصیلی مرقع دکھایا گیا ہے، ضخامت مجموعی ۴۶۵ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلی، قیمت :- للعہ

"منیجر"

اخبار علمیہ

ایک عجیب و غریب مقبرہ،

آسٹریا اور اٹلی کے حدود کے درمیان ایک مقبرہ ہے جسمین ۲۰ ہزار اٹالین کی قبرین ہین اور یہ وہ لوگ ہین جو ان معرکون مین قتل ہوئے ہین، جو جنگ عظیم مین آسٹریا اور اٹلی کے درمیان ہوئے اس مقبرہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ہر قبر پر ایسی علامتین قائم کی گئی ہین جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب قبر کا کام کیا تھا؟ مثلاً درزی کی قبر پر سوئی اور دھاگے کا نشان ہے، اور حجام کی قبر پر قینچی اور کنگھی کا، اسی طرح ہر شخص کی قبر پر مخصوص علامتین ہین،

انڈون کے پہچاننے کا آلہ،

بڑے بڑے تجارتی کارخانون مین انڈون کی شناخت کے لئے بڑے بڑے تجربہ کار لوگ رکھے جاتے ہین، جو صرف دیکھکر یا ہاتھ مین لیکر بُرے بھلے انڈون کی شناخت کر لیتے ہین لیکن ایک ماہر فن نے اب ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے، جو ان تجربہ کار لوگون سے بہتر طریقہ پر انڈون کی شناخت کر سکتا ہے، چنانچہ ایک تجربہ کار نے چند انڈون کو خراب قرار دیا تھا لیکن اس آلے کے ذریعہ سے معلوم ہوا کہ وہ اچھے ہین، انڈے توڑے گئے تو معلوم ہوا کہ آلے کی شناخت صحیح تھی،

موتی کی شناخت کا آلہ

لندن مین جمعیت علوم طبعیہ کی تیسوین نمائشگاہ مین ایک ایسے آلے کی نمائش کی گئی جس سے اکسریز کے ذریعہ سے کھرے

کھوٹے موتیون کی شناخت ہو سکتی ہے،

ایک عجیب آدمی،

نیویارک مین ایک عجیب وغریب شخص ہے، جس کو درد، دکھ کا مطلق احساس نہین ہوتا اطبا، نے اس کے مادی وجوہ معلوم کرنے کے لئے متعدد تجربے کئے، لیکن اون کو کامیابی نہین ہوئی،

غالبًا اسکی وجہ یہ ہے کہ دماغ کے جو اعصاب اس قسم کی تکلیفون کا احساس کرتے ہین، وہ ماؤف ہو گئے ہین لیکن اس کا تجربہ اوس کے مرنے کے بعد اوس کے دماغ کی تشریح سے کیا جا سکتا ہے،

خون کا تعلق قرابت سے،

دو انگریزی ڈاکٹرون نے مصر مین بعض حیوانات پر جو تجربے کئے ہین، اون سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف خون کی جانچ سے دو شخصون کے درمیان قرابتداری کے تعلقات معلوم ہو سکتے ہین، کیونکہ خاص خاص مادے خون مین مختلف کیمیاوی فعل کرتے ہین لیکن اس فعل کی یکرنگی صرف والدین، انکی اولاد اور اون کے قریبی رشتہ دارون مین قائم رہتی ہے، لیکن جن لوگوں مین قرابتدارانہ تعلقات نہین ہوتے، اون کے خون مین اسکی یکرنگی قائم نہین رہتی، بلکہ سخت اختلاف ہو جاتا ہے،

بلی کا جسمانی ارتقار

عام طور پر علما، کا خیال تھا کہ بلی درحقیقت چیتے سے پیدا ہوئی ہے جس کے دانت تلوار کے پھل کے مشابہ تھے، لیکن اس نظریہ پر اون کے پاس کوئی یقینی دلیل نہین تھی لیکن ایک علمی جماعت کو اثنائے تحقیقات مین بلی کی ایک ایسی کھوپڑی دستیاب ہوئی ہے جو قدیم چیتے اور موجودہ بلی کی درمیانی کڑی ہے، اور اس سے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے،

کوئلے کا غبار

جو لوگ پتھر کے کوئلون کی کان مین کام کرتے ہین، اون کا خیال ہے کہ اس کوئلے کا غبار صحت کے لئے مضرت، اور پھیپڑے کے امراض پیدا کرتا ہے، لیکن کیمبرج یونیورسٹی کے ایک پروفیسر نے اس کے خلاف رائے قائم کی ہے، اُن کا خیال ہے کہ یہ غبار صحت کے لئے مفید ہوتا ہے، کیونکہ اس سے پھیپڑون کی حرکت بڑھ جاتی ہے، اور وہ بکثرت بلغم خارج کرنے لگتا ہے، معمولی غبار پھیپڑون سے لپٹ کر رہ جاتا ہے، اور بلغم خارج نہین کرتا، لیکن جب کوئلے کا غبار پھیپڑون مین پہنچتا ہے تو اس کے ساتھ معمولی غبار بھی لپٹ کر بلغم کے ساتھ نکل آتا ہے، اس لئے اگر پتھر کے کوئلے کا غبار نہ ہو تو بلغم نہ نکل سکے، اور جب تک بلغم نہ نکلے گا، پھیپڑا معمولی غبار سے صاف نہ ہوگا،

خاندان کی سب سے چھوٹی اولاد

عام خیال ہے، کہ قدیم زمانے کے انسان نہایت تنومند اور دراز قد ہوتے تھے، لیکن ایک پروفیسر نے یہ تجربہ کیا ہے کہ عقلی اور جسمانی حیثیت سے خاندان کی سب سے چھوٹی اولاد اور بڑی اولاد مین کیا نسبت ہے؟ تو معلوم ہوا کہ خاندان کی سب سے چھوٹی اولاد خاندان کے اور ممبرون سے زیادہ طویل القامت جسیم اور ذہین و عقلمند ہوتی ہے، اوس نے اٹھائیس ہزار بچون پر جن مین مرد، عورت، امریکن، یورپین اور جاپانی سب شامل تھے، یہ تجربہ کیا، اور نتیجہ کی یکسانی ہر جگہ قائم رہی، اس سے پہلے نظریہ کی غلطی ثابت ہوتی ہے، اور یہ نظریہ قائم ہوتا ہے کہ ہر نسل دوسری نسل سے زیادہ طویل القامت اور تنومند ہوتی ہے،

تمدن اور حواس

تمدنی ترقی کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اس سے انسان کے حواس ضعیف ہو جاتے ہین، اس لئے تمدن انسان کے حواس وحشی قومون سے ضعیف ہوتے ہین، اور جانورون کے حواس وحشی آدمیون سے بھی زیادہ قوی ہوتے ہین،

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان جس قدر ترقی کریگا، اوس کے حواس ضعیف ہوتے جائیں گے، حال میں ایک امریکن عالم نے یہ تجربہ کیا ہے، کہ متمدن شہروں میں سڑکوں پر جو شور و غل ہوتا ہے، اس سے قوت سامعہ بتدریج ضعیف ہو رہی ہے، اور بہراپن عام طور پر پھیل رہا ہے، جو رفتہ رفتہ آیندہ نسلوں میں ایک موروثی چیز ہو جائیگا، اور ان میں قوت سامعہ بالکل مفقود ہو جائیگی،

بولنے والی گھڑی،

پیرس میں ایک عجیب و غریب گھڑی نصب کی گئی ہے، جو ٹیلیفون پر سوال کرنے سے خود وقت بتا دیتی ہے، اس گھڑی کا سلسلہ میں ٹیلیفون سے ملا ہوا ہے، جو ایک ہی وقت میں بیس آدمیوں کو وقت بتا دیتی ہے،

زلزلہ پیدا کرنے والا آلہ،

ایک امریکن نے ایک عظیم الشان آلہ ایجاد کیا ہے، جو بوقت ضرورت زمین میں زلزلہ خیز حرکت پیدا کر سکتا ہے اس آلہ کے ایجاد کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جدید عمارتوں کے مکمل ہونے سے پہلے یہ تجربہ کر لیا جائے کہ وہ زلزلہ کے مقابلے کی کس قدر طاقت رکھتی ہیں۔

آنتوں کے دیکھنے کا آلہ

ایک جرمن ڈاکٹر نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے جسکو ایک انسان جب نگل لیتا ہے، تو اس کے ذریعہ سے پیٹ کی تمام آنتیں نمایاں ہو جاتی ہیں،

نطق پیدا کرنے والا آلہ،

بعض لوگ آپریشن یا کسی جسمانی صدمہ کے پہنچ جانے سے بول نہیں سکتے، لیکن ایک فرنچ نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے جسکے ذریعہ سے ان کی قوت گویائی عود کر آسکتی ہے، یہ ایک چھوٹا سا آلہ ہے، جو ایک نلکی میں لگا رہتا ہے، مریض اپنا منہ اس پر رکھکر بولنا چاہتا ہے تو اس کے منہ سے صرف ہوا نکلتی ہے، لیکن یہ آلہ اس ہوا کو الفاظ کے قالب میں بدل دیتا ہے جس سے جملے بآسانی سمجھ میں آجاتے ہیں،

ادبیات

خونِ جگر

از

حضرت جگر، مرادآبادی

کوئی کمی نہ اسے غمِ اشک آفرین رہے
یہ آستین رہے، کبھی یہ آستین رہے

کچھ اس ادا سے آج وہ پہلو نشین رہے
جبتک ہمارے پاس رہے ہم نہین رہے

ایمان و کفر اور نہ دنیا و دین رہے
اے عشق شاد باش کہ تنہا ہمین رہے،

میری زبان پہ شکوۂ دردآفرین رہے
شاید مرے حواس ٹھکانے نہین رہے،

جب تک الٰہی جسم مین جانِ حزین رہے
نظرین مری جوان رہین، دل حسین رہے،

یارب کسی کے رازِ محبت کی خیر ہو،
دستِ جنون رہے نہ رہے، آستین رہے،

تاچند جوشِ عشق مین، دل کی حفاظتین
میری بلا سے، اب وہ جنونی کہین رہے،

مجھ کو نہین قبول دوعالم کی وسعتین،
قسمت مین کوئے یار کی دو گز زمین رہے،

جا اور کوئی ضبط کی دنیا تلاش کر،
اے عشق اب تو ہم ترے قابل نہین رہے

دورِ غمِ فراق کے یہ سخت مرحلے،
حیران ہون مین، کہ پھر بھی تم اتنے حسین رہے،

اے عشق نالہ کش، تری غیرت کو کیا ہوا
ہے ہے، عرق عرق، وہ تنِ نازنین رہے،

اللہ ری چشمِ یار کی معجز بیانیان، ہر اک کو ہے گمان کہ مخاطب ہمین رہے

ذات و صفاتِ حسن کا عالم نظر مین ہے، محدود سجدہ کیا مرا ذوقِ جبین رہے،

کس درد سے کسی نے کہا آج بزم مین، اچھا یہ ہے، "وہ ننگِ محبت" یہین رہے،

اس عشق کی تلافیِ مافات دیکھنا،

رونے کی حسرتین ہین جب آنسو نہین رہے

راحت کدہ

از

جناب عبد السمیع صاحب پال آثر صہبائی، ایم اے ایل ایل بی وکیل سیالکوٹ

دل کہ تمھارے عشق مین درد سے آشنا ہوا، ریزۂ سنگ تھا مگر گوہرِ بے بہا ہوا،

میرا سرِ جنون پسند دیر و حرم مین تھا بلند، تیرے حضور مین مگر شوق سے ہے جھکا ہوا،

فصلِ بہار آگئی، سارے جہان پہ چھا گئی، میرا دلِ حزین مگر سوگ مین ہے پڑا ہوا،

دل کہ ریاضِ طور تھا میکدۂ سرور تھا، آج وفورِ یاس سے خاک مین ہے ملا ہوا،

ٹوٹ گیا ہے سازِ دل فاش ہوا ہے رازِ دل، سوزِ شکستِ آرزو نالون مین ہے بھرا ہوا،

بحرِ جہان ہے بیکران زیست حبابِ ناتوان، موجِ فنا ہوئی روان دم مین وہین ہوا ہوا،

"راحت جان"! ترا اثر سب ہوا ہے بے خبر، اک ترا ذکر ہے مگر تارکِ ماسوا ہوا،

باب التقریظ والانتقاد

"قرونِ وسطیٰ مین ہندوستانی تہذیب"

از

رائے بہادر، مہامہوپادھیائے گوری شنکر ہیراچند اوجھا،

اس وقت ہندوستانی اکاڈمی الہ آباد جن طریقون سے ہندوستانی زبان کی خدمت کررہی ہے، ان مین اوس کے سالانہ علمی لکچرون کا سلسلہ جو وہ ہرسال ملک کے برگزیدہ مصنفون اور انشا پردازون سے دلاتی ہے نہایت اہم ہے متعدد لکچر کتاب کی صورت مین شایع ہو چکے ہین جن سے ہندوستانی علوم وفنون، مذہب اور تاریخ کے متعلق نہایت وسیع لٹریچر فراہم ہوگیا ہے، کتاب زیرِ نظر بھی ان تین خطبون کا مجموعہ ہے جو رائے بہادر مہامہوپادھیائے گوری شنکر ہیراچند اوجھا نے ہندوستانی اکاڈمی کے جلسہ مورخہ ۲۳، ۲۴ اور ۲۵ ستمبر ۱۹۲۸ء کو دلوائے، یہ خطبے اگرچہ ہندی زبان مین دئے گئے تھے، لیکن اکاڈمی نے ان کا نہایت سلیس اردو ترجمہ ایک کتاب کی صورت مین شائع کیا ہے، جس سے اردو دان طبقہ بھی اون سے فائدہ حاصل کرسکتا ہے،

مقرر نے تمہید مین اون کتابون کی فہرست دی ہے، جن سے ان خطبون کو مرتب کیا گیا ہے، اور اس کو پڑھ کر یہ معلوم ہوتا ہے، کہ ہندوستانی تہذیب پر جن کتابون سے مدد لی جاسکتی ہے، ان سب سے مقرر نے فائدہ اوٹھایا ہے،

پہلی تقریر اون مذاہب پر ہے، جو قرونِ وسطیٰ مین ہندوستان مین پیدا ہوئے اور ترقی کی، اسی سلسلے مین لکچرار نے اس دور کی معاشرت کو بھی لیا ہے، اور پوشاک، زیور، غذا اور اخلاق وعادات کی تفصیل کی ہے، اور جابجا ان کے تغیر وتبدل کے اسباب وعلل بھی بیان کئے ہین مثلاً غذا کے متعلق لکھا ہے، کہ مہاتما بودھ کے قبل گوشت کا بہت رواج تھا، جین اور بودھ دھرم کے

انھین سے رفتہ رفتہ اس کا رواج کم ہوتا گیا، پردہ کے متعلق لکھا ہے کہ اس زمانہ مین پردہ کا رواج نہ تھا، مسلمانون کے آنیکے بعد پردہ کا رواج شروع ہوا، غرض مذہب و معاشرت کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے، اس کے تغیر و تبدل اور عروج و زوال کی پوری تاریخ مستند حوالون سے بیان کر دی ہے،

اس تقریر کا ترجمہ ۴۸ صفحون مین ختم ہوا ہے، اس کے بعد دوسری تقریر اس دور کی ادبیات پر ہے، اور اس سلسلے مین مقرر نے علوم و فنون کی تمام شاخون پر نہایت تفصیل کے ساتھ اظہار خیال کیا ہے، بالخصوص فلسفہ کی تمام شاخون پر نہایت تفصیل سے گفتگو کی ہے، اسی سلسلہ مین تعلیم کی وسعت کا بھی ذکر کیا ہے، اور متعدد کالج، یا دار العلوم یا یونیورسٹیون کا ذکر کیا ہے، مقرر نے اگرچہ ان تقریرون مین کہین تعصب اور بیجا طعن و تعریض سے کام نہین لیا ہے، تاہم نالندہ کے دار العلوم اور جامع مکرمشلا کے متعلق اگر یہ فقرے:-

مسلمانون کے زمانہ مین اس یادگار اور نیفیض بار جامعہ کی ہستی خاک مین مل گئی ۔

"یہ جامعہ بھی مسلمانون کے زمانہ مین غارت ہوا"،

ان کی زبان سے نہ نکلتے تو بہتر ہوتا، نالندہ سے مقصود اگر بہار ہے، تو یقیناً نالندہ کی تباہی اسلامی فتوحات کا نتیجہ ہے مگر مکرمشلا کی نسبت کوئی تاریخی شہادت ہماری نظر سے نہین گذری ہے، یہ تقریر پہلے سے زیادہ طویل ہے، اور تقریباً ڈیڑھ سو صفحات مین ختم ہوئی ہے، اس کے بعد تیسری تقریر نظام سلطنت اور صنعت و حرفت پر ہے، اور اس مین ہندوستانی تجارت، مالیات اور فنون لطیفہ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے، اور ہر تقریر مین جا بجا تصویرین اور نقشے دئے گئے ہین، پوری کتاب کی ضخامت ۲۳۶ صفحون کی ہے، اور عمدہ ٹائپ مین شائع ہوئی ہے، اور ہر حیثیت سے دلچسپ، پر از معلومات اور دلآویز ہے، "ع"

عرب و ہند کے تعلقات

عرب و ہند کے علمی، تجارتی، مذہبی تعلقات و روابط پر وہ پانچ خطبے جو مولانا سید سلیمان ندوی نے ہندوستانی اکاڈمی الہ آباد مین دیے، وہ خوبصورت اردو ٹائپ مین مجلد شائع ہوئے ہین، قیمت للعہ ضخامت ۴۰۲ صفحے ۔

"منیجر"

مطبوعاتِ جدیدہ

تاریخ تختِ طاؤس

از مولوی محمد عبداللطیف خانصاحب قادری، گشتہ معلم گورنمنٹ ہائی اسکول مین پوری (یو۔پی) ناشر، اے صاحب منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز پبلشر بک سیلر لاہور قیمت مجلد ۱۲؍

تاریخ تختِ طاؤس میں جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، شاہجہانی تختِ طاؤس کی مفصل سرگذشت بیان کی گئی ہے لیکن یہ مجموعہ صرف اسی تخت کی تاریخ پر مشتمل نہیں، مصنف نے "متن" و "حواشی" کے دو طریق تحریر مستقل طور پر قائم کئے ہیں، متن میں تو تخت کی ساری سرگذشت کے ساتھ عہد شاہجہانی کے فنون جمیلہ کی گویا اجمالی سرگذشت درج کی گئی ہے، اور پھر عہد شاہجہانی سے دور حاضر تک اس تخت پر جو ادوار گذرے، اور بعد میں اس کے جو ہمنام تخت بنے، ان سب کو تفصیل سے بیان کیا ہے، اور حواشی میں متن کے مندرجہ تاریخی اشخاص مقامات آثار سالانہ جشن و رسوم، اور مختلف تاریخی الفاظ و اصطلاحات کی تشریح کی گئی ہے، اور اس طرح تخت طاؤس کی مختصر سرگذشت کا مجموعہ ۲۰×۳۰ تقطیع کے ۱۶۴ صفحوں میں پھیل گیا ہے،

لیکن اس میں شبہ نہیں کہ مصنف نے اس تخت کے ایک ایک جز پر اس تحقیق تفصیل اور جزئی استقصا سے نظر ڈالی ہے جو اہم سے اہم تاریخی مباحث پر ڈالی جا سکتی ہے، اگرچہ مختلف روایتوں کے بعد نقد و جرح میں کہیں کہیں وہ مباحث تشنئی بحث ثابت نہیں ہوئے ہیں، کہیں دور حاضر میں کسی رسالہ میں کسی شائع شدہ مضمون کے اقتباس سے کسی مستند ماخذ کی روایت کا رد کیا گیا ہے، اور نیز جزئی استقصا، کے تخیل سے کہیں کہیں حواشی کا تعلق متن سے اس قدر دور کا نظر آتا ہے، کہ اگر وہ موجود نہ ہوتے تو کسی پڑھنے والے کو جستجو نہ ہوتی، اسی طرح حوالوں کی بہتات ہے، اور کہیں کہیں وہ حوالے خود محتاج حوالہ ہیں، مثلاً کہیں کہیں حوالہ میں محض ماخوذ از مضمون خود شائع شدہ در جریدۂ فلاں ہے، اور کہیں یہ نظر آتا ہے، کہ ہر مطبوعہ ورق کو لائق استناد سمجھ لیا گیا ہے،

حالانکہ آسانی سے مستند ماخذون سے رجوع کرکے تحقیق کرلیجا سکتی تھی، مثلاً نادر شاہ کے سوانح "بڑی جنتری" سے ماخوذ ہین، عام ازین کہ جو واقعات درج ہین، وہ صحیح کیون نہ ہون لیکن مستند ماخذون کو چھوڑ کر غیر مستند ماخذون سے اوسکو جمع کر دینا، اس وقت نظر کے اقتضار کے خلاف ہے، جو ترتیب کتاب کے وقت مصنف کے پیش نظر رہی ہے، اور دوسری طرف مصنف نے کسی مورخ کے محض ایک جملہ یا لفظ پر مضمون مین بحث کی ہے، لیکن اس کے یہ معنی بھی نہین ہین کہ تخت طاؤس وغیرہ کے اصل فارسی ماخذون کی طرف رجوع نہین کیا گیا، مصنف نے عہد شاہجہان کے قریب سے قریب فارسی ماخذون سے فائدہ اوٹھانے کی کوشش کی، تاہم شکایت صرف یہ ہے کہ ہر رطب و یابس کو ماخذ بنا لیا،

لیکن بہرحال ان فروعی خردہ گیریون کو نظر انداز کرکے یہ کتاب دلچسپ اور لائق مطالعہ ہے، اور مصنف کی ذہنی استعداد اور تحقیق و تلاش کے رجحانات کی آئینہ دار ہے، اور عام ازین کہ موضوع کتاب پر مستزاد ہو لیکن خصوصاً عہد شاہجہانی اور عموماً مغلی عہد کے فنون جمیلہ تعمیرات، مصوری اور نقاشی کا ایک خوشنما گلدستہ ہے، جس سے ہندوستان کی اسلامی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے لطف اندوز ہو سکتے ہین،

کتاب کے آغاز مین جناب سید ظہیر الدین صاحب علوی ایم اے، وکیل فرخ آباد کا ایک "تبصرہ و تعارف" بھی ہے، لیکن اس کے اکثر مباحث بے محل ابلا ضرورت، اور تنقیدین غیر صحیح ہین مصنف نے کتاب کے اشخاص، مقامات اور ماخذون وغیرہ کی مفصل فہرست (انڈکس) ابتدا مین منسلک کر دی ہے،

جامع اللغات

مرتبہ جناب خواجہ عبدالمجید صاحب بی اے، ناشر جامع اللغات کمپنی گوبند رام اسٹریٹ لاہور،

جامع اللغات اگرچہ اردو کا لغت ہے، لیکن اس کی تدوین اس نقطۂ نظر سے عمل مین آئی ہے، کہ اون الفاظ، لغات و محاورات ضرب الامثال اور مقولون کو یکجا کیا جائے، جو اردو یا ہندوستانی بولنے والون مین سے کسی نہ کسی طبقہ کی زبان پر ہین، اور وہ اردو تحریرون مین صحیح یا غلط طور پر لکھے بھی جاتے ہین، اسی لئے کتاب کا نام جامع اللغات اردو و السنہ متعلقہ، رکھا گیا ہے، اور اسی مناسبت سے اس مین اردو الفاظ و محاورات کے ماسوا ہندی، سنسکرت، فارسی و عربی، پنجابی اور انگریزی کے ایسے بکثرت الفاظ اور محاورے بھی درج ہین، جن کا استعمال اگرچہ صحیح اردو مین جائز نہ ہو تاہم وہ اردو کے رسالون اخبارون اور کتابون مین کسی نہ کسی طرح

مستعمل ہین، الفاظ و محاورات کے علاوہ اشخاص و مقامات وغیرہ کے نام اور ان کی تشریحین بھی درج ہین، کارکنان کتاب نفاس کی اشاعت کا ماہانہ انتظام کیا ہے، گویا جامع اللغات ۲۰×۲۶/۴ تقطیع کے ۸۰ صفحون کا ایک ماہانہ رسالہ ہے، جس کا ہر پرچہ یا لغت کا ہر حصہ عمدہ سپید چکنے کاغذ پر چھپتا ہے، اس وقت تک دو پرچے یا حصے ہمین موصول ہوسکے ہین جن مین آخری لفظ آزور دشتہ ہے،

اس لغت کی مدد سے محض ایک اردو دان، اردو کی ان تحریرون کو آسانی سے پڑھ سکتا ہے، جو "ہندوستانی زبان" کے بجائے "ہندوانی زبان" مین ہوتی ہین، نیز انگریزی زبان کے بھی ایسے الفاظ ملجاتے ہین، جو اردو مین بے تکلف لیکن بلا ضرورت استعمال کیے جاتے ہین، مثلاً اڈمشن، (داخلہ) لیکن اگر کتاب کو استقصا سے دیکھا جائے، تو شاید مسامحات سے بھی خالی نہ ہو، مثلاً ابو المعالی کے ضمن مین ایک ترک شاعر، ایک ایرانی شاعر، اور مصنف تحفۃ القادریہ کا تذکرہ موجود ہے، لیکن اس کنیت سے زیادہ شہرت امام الحرمین ابو المعالی عبد الملک الجوینی کو حاصل ہے، ان کا تذکرہ موجود نہین، اسی طرح امام ابو الحسن اشعری کو "ایک مصنف جس نے تقریباً چار سو کتابین تصنیف کین" بتانے کے بجائے یہ کہا جاسکتا تھا "مذہب اشاعرہ کے بانی ہین ان کی کلام و عقائد مین بکثرت کتابین ہین" مگر ان کی ذات کا نمایان وصف مذہب اشاعرہ کا بانی ہونا ہی ہے، مگر ایسے مسامحات کو محض خردہ گیری ہی کہا جاسکتا ہے جس کا اندازہ کہین کہین نظر ڈال لینے سے ہوا، بعض اور محاورون اور ضرب الامثال مین جو اجنبیت ہمین نظر آتی ہے، اون پر خاموش ہونا پڑتا ہے، کہ کسی نہ کسی اردو تحریر مین بہرحال ان کا استعمال ہوا ہوگا، ورنہ مصنف کو ان اوراق مین انھین جگہ دینے کی کیا ضرورت پیش آتی، اور اس تصریح کی بھی شاید ضرورت نہ ہو کہ مفرد الفاظ و محاورات مین اردو کے علاوہ زیادہ الفاظ ہندی اور سنسکرت زبانون کے ہین، کہ انھی زبانون کے نامانوس الفاظ ہمارے برادران وطن کے ایک طبقہ کی کرمفرمائی سے اردو مین، اردو دانون کی طلب و خواہش کے بغیر ٹھونسے جاتے ہین، بہرصورت مرتب کتاب جناب خواجہ عبد المجید صاحب لائق صد ستایش ہین، کہ وہ اپنی انفرادی کوششون اور ذاتی ذمہ داری سے سالہا سال کی دیدہ ریزی کے بعد یہ مجموعہ تیار کرسکے ہین، اور یقیناً اس کی موجودگی سے ہر قسم کی اردو تحریرین پڑھ لیجاسکتی ہین، اور نیز صحیح اردو کے لغات و محاورات کے معنی و تشریح کے علاوہ اگر دوسری زبان سے آئے ہین، تو اوس زبان مین اون کے حقیقی معنی کی طرف بھی رہنمائی کرسکتی ہے، اور اشخاص و مقامات اور بعض اصطلاحات کا حل بھی ملسکتا ہے، اور مجموعی حیثیت سے شاید وہ کلیۃً واقعی جامع اللغات ثابت ہو،

اچھی باتین، ازمولانا سعد الدین انصاری ندوی، ناشر مکتبہ جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی چھوٹی تقطیع کے ۱۸۲ صفحے قیمت ۴ر

اچھی باتین" دراصل بچون کے لئے آیات قرآنی کی تعلیم کا مجموعۂ اسباق ہے، مثلاً مرتب نے کسی ایک آیت کو لیا، اوس آیت اور بچون کے ذوق کے مناسب حال، اوپر عنوان قائم کیا، آیت کے پہلو مین سلیس اور آسان زبان مین اردو ترجمہ درج کیا، اس کے نیچے تفسیر کا عنوان ہے جسمین آیت کے مطالب کی تشریح بچون کے ذوق اور فہم کا لحاظ رکھکر موثر انداز مین کی ہے، اس طرح ایک ایک آیت کا ایک ایک سبق ایک ایک صفحہ مین التزام سے درج ہے، آیتون کے انتخاب مین لحاظ رکھا ہے، کہ وہ بچون کے لئے موثر ہون، اور ان کی تعلیم و تربیت کا بھی کام دین، اسلامی مدارس کیلئے اگر ایسے ہی رسالے ترتیب دئے جائین تو نہ صرف مفید دینی خدمت ہو، بلکہ مسلمان بچون کی تعلیم و تربیت آغاز ہی سے صحیح طریق پر انجام پائے،

سرکارِ دوعالم، مولفہ مولوی محمد حسین حسان صاحب ندوی، ناشر مکتبہ جامعہ ملیہ قرولباغ دہلی، حجم ۱۲۹ صفحے تقطیع چھوٹی، قیمت ۸ر

مولوی محمد حسین صاحب حسان ندوی نے بچون کیلئے آنحضرت صلعم کی سیرت سلیس اور آسان زبان مین لکھی ہے، واقعات کو مختصر انداز بیان مین سمجھایا ہے، اور اخلاق نبوی کے بیان کو زیادہ جگہ دی ہے، سیرت نبوی مین جو مختصر رسالے بچون کے لئے لکھے گئے ہین، اون مین اس رسالہ کو نمایان حیثیت حاصل ہے، بچون کیلئے اس کا مطالعہ مفید ہوگا،

مُعینُ اللبیب فی قصائدِ الحبیب مرتب مولٰنا محمد اعزاز علی صاحب ناشر، ناظم کتب خانہ اعزازیہ دیوبند، سہارنپور، حجم ۰ صفحے، قیمت درج نہین،

مولٰنا حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم مہتمم دار العلوم دیوبند، دورحاضر کے فاضل مین تھے، زیر تبصرہ رسالہ انہی کے چند عربی قصائد کا مجموعہ ہے جس کے دو حصے ہین، پہلے حصہ مین مختلف نظمین، دعائے مضطر، شمائل و معجزات نبوی، فضائل مدینہ منورہ اور عروج و زوال اسلام پر ہین، اور دوسرے حصہ مین مختلف اکابر و علما، مولانا محمود الحسن صاحب مرحوم اور مولانا احمد حسین صاحب مرحوم وغیرہ کی شان مین مرثیے اور قصائد ہین، اور اسی طرح چند قصائد حضور نظام آصفجاہ کی شان مین بھی ہین توقع ہے کہ عربی علم ادب سے ذوق رکھنے والے اہل علم اور مدارس عربیہ کے طلبہ اس سے مستفید ہون گے،

"س"

جلد ۳۱ | ماہ صفر المظفر ۱۳۵۲ھ مطابق ماہ جون ۱۹۳۳ء | عدد ۶

مضامین

شذرات

تبلیغ دین مسلمانون کا فریضہ ہے، لیکن اس فرض کو ہم کہانتک ادا کر رہے ہین، اسکا جواب بجز ندامت اور اعتراف قصور کے ہم کیا دیسکتے ہین، آجکل کی دنیا مین تبلیغ کی سب سے منظم شکل اخبارات و رسائل ہین، ہمارے ادبی و علمی رسالے تو شائد ہزارون ہون، لیکن ہمارے مذہبی رسالون کی تعداد مشکل سے چند ہوگی، اور خصوصاً ہمارے صوبہ مین تو ایک بھی ایسا مذہبی رسالہ نہین ہے جس مین دین و مذہب کے متعلق اعلیٰ مضامین اور مسلمانون کے دینی و تمدنی و اخلاقی اصلاحات پر معتدل خیالات شایع ہوتے ہون اور آنحالیکہ الحاد کے سرچشمے ہمین کے دار الحکومت سے ابل رہے ہین، اسی بنا پر چند دردمند اصحاب نے یہ ارادہ کیا ہے کہ **اصلاح** کے نام سے لکھنؤ سے ایک ماہوار مذہبی، اخلاقی و اصلاحی رسالہ نکالین، ہمارے نوجوان عزیز مولوی مطلوب الرحمٰن صاحب نگرامی ندوی نے اسکی ادارت کا بار اٹھانے کی ہمت کی ہے، قیمت سالانہ تین روپیہ ہوگی، دین کے دردمندون سے درخواست ہے کہ وہ خریداری سے اس مقدس کام کی اعانت کرین، پتہ۔ دفتر اصلاح، نگرام ضلع لکھنؤ، اگر کوئی صاحب ہمت اس ضروری کام مین مالی مدد فرمائین تو اجر جزیل کے مستحق ہونگے۔

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی مجلس طلباے قدیم گو ایک مدت سے قائم تھی، مگر ادھر چند سالون سے وہ مردہ سی ہوکر رہ گئی تھی، اب مولوی رئیس احمد صاحب جعفری ندوی اور دوسرے ارباب ہمت برادران ندوہ کی کوششون سے اس نے نئی زندگی پائی ہے، پچھلے سال دسمبر ۱۹۳۲ء کا اجلاس خاص طور سے اہم تھا کہ اسکے مقامی صدر استقبالیہ مولٰنا عبد الماجد صاحب دریابادی اڈیٹر سچ، اور صدر اجلاس مولٰنا مسعود علی صاحب ندوی تھے، اس اجلاس مین مولٰنا عبد الماجد صاحب نے صدر استقبالیہ کی حیثیت سے جو خطبہ پڑھکر سنایا تھا وہ ادب و انشا کا اعلیٰ نمونہ ہونے کے علاوہ اپنی روحانی تاثیر کے لحاظ سے بیحد قابل قدر تھا، کتنی آنکھین تھین جو اس خطبہ کے سنتے وقت اشکبار تھین، صاحب صدر مولانا مسعود علی صاحب کا زبانی

خطبہ حسب معمول زندگی اور زندہ دلی کی تصویر تھا، جس نے روتون کو بھی ہنسا دیا،

گریانم و خندانم چون طفل بخواب اندر

مولوی رئیس احمد صاحب ندوی نے ندوۃ العلما کے ان "اطفال قدیم کے اس گریان و خندان خواب" کا مرقع کاغذ پر کھینچکر، جلسۂ مذکور کی روداد کی صورت مین شائع کیا ہے، یہ مطبوعہ روداد جسمین دونون خطبے اور جلسہ کے مشاعرہ کی غزلین، اور ہمدردون کے خطوط بھی شامل مین، مولوی صاحب سے قرول باغ جامعہ ملیہ دہلی کے پتہ سے ملیگی،

اس دفعہ لاہور کے سفر مین یہان کی تاریخی عمارتون کے دیکھنے کا موقع ملا، یہ دیکھکر اور سنکر بڑا افسوس ہوا، کہ سکھون کے چند سالہ عہد حکومت مین یہان کی اکثر اسلامی عمارتون کو شدید نقصان پہنچایا گیا، یہان کی مسجدون اور مقبرون کے پتھرون اور طلائی کامون کو اکھاڑ اکھاڑ کر امرتسر کے سکھ معبدون کو آراستہ کیا گیا، سب سے زیادہ افسوسناک منظر یہ ہے کہ لطافت و نزاکت کی مجسمہ بیگم نورجہان کے مقبرہ کی عمارت کے ایک ایک پتھر کو نوچکر اس طرح اسکو برہنہ کردیا گیا ہے کہ دنیا کی نسوانیت اسکی اس قابل رحم حالت پر ہمیشہ کے لیے سوگوار اور ماتم گسار رہیگی، خدا مسیح الملک حکیم اجمل خان صاحب پر اپنی رحمت نازل کرے کہ ان کی قومی غیرت نے بیگم اور اسکی لاڈلی بیٹی کی برہنہ قبرون پر سپید سنگ مرمر کی دو چادرین اڑھادی ہین، اور کتبہ کا پتھر لگاکر ان کے نامون کو مٹنے سے بچالیا ہے،

یہی کیفیت نورجہان کے بھائی اور جہانگیر کے وزیر آصف خان کے مقبرہ کی کیگئی ہے، عمارت کے گوشہ گوشہ پر عبرت کی آنکھین آنسو بہارہی ہین، خود جہانگیر کے مقبرہ کو گو ہاتھ نہین لگایا گیا ہے، تاہم اس کے سر کا تاج بھی اتار لیا گیا ہے، یعنی مقبرہ کی دوسری منزل پر سپید مرمر کی بارہ دری تھی، یہ بارہ دری سکھون نے وہان سے اکھاڑلی، اور ایک دوسری جگہ لیجاکر اس کو آسمان سے اتار کر زمین پر پٹک دیا ہے، یعنی زمین پر اس کے ٹکڑون کو جوڑ کر دوبارہ بارہ دری بنائی ہے، یہ بارہ دری بھی انقلابات کے گرد و غبار سے اندر زمین مین چھپ گئی تھی، چند سال ہوئے

کہ اب حکومت انگریزی نے مٹی ہٹا کر اس سنگی خزانہ کو دوبارہ زمین سے نکالا ہے،

نہ گور سکندر نہ ہے قبر دارا مٹے نامیون کے نشان کیسے کیسے
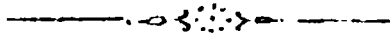
پچھلے مہینہ کی اسلامی دنیا مین مشرقی ترکستان مین وہ عظیم الشان انقلاب پیش آیا جسکا انتظار ہماری آنکھون کو دس پندرہ برس سے تھا، ترکستان کا یہ اہم خطہ جسپر صدیون سے چین نے قبضہ کر رکھا تھا، اسلامی تاریخ مین مسلمان فاتحون اور کشور کشاؤن کا گہوارہ رہا ہے، یہین وہ ایلک خانی خاندان جو آل افراسیاب اور ملوک خانیہ بھی کہلاتا ہے تیسری صدی سے چھٹی صدی تک فرمانروا رہا ہے، جس نے ایک طرف محمود غزنوی اور دوسری طرف ملکشاہ سلجوقی کو مصالحت اور مصاہرت پر مجبور کر دیا تھا، چینیون نے اس پر بار بار حملے کئے ہین، اور پھر اس نے خودمختاری حاصل کرلی ہے، ۱۸۶۴ء مین یعقوب خان کی سرداری مین اس ملک نے خودمختاری حاصل کی، لیکن سات برس کے بعد اسپر چینیون نے پھر قبضہ کرلیا، نااتفاقی کا برا ہو جس نے ہمیشہ ہر ملک کی خودمختاری کا خاتمہ کیا ہے، خدا اس دفعہ ہمارے ان مشرقی ترک بھائیون کو اس سے محفوظ رکھے اور دوسری طرف بالشویک روس کے پنجہ سے بچائے، تو یہ نئی اسلامی سلطنت کشمیر و تبت اور افغانستان و چین و روس کے بیچ مین اسلامی تمدن کا نیا منارہ بنکر کھڑی ہو،
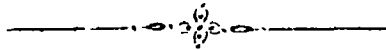
قوم کے غمخوارون مین مشورے ہو رہے ہین، کہ مریض جان بلب کے علاج کے لیے مسلم لیگ کو پھر پوری اجتماعی قوت سے زندہ کیا جائے، یہ خیال مبارک ہے، مگر اس کے انسداد کی تدبیر کیا ہے، کہ ہم مین سے کسی اختلاف کے موقع پر پھر ایک جماعت ٹوٹکر ایک نئی مسلم لیگ، یا نئی مسلم کانفرنس نہ بنالیگی، جنگ عظیم کے بعد سے لیکر آج تک ہم نے بچون کی طرح سیاسی کھلونون کے بنانے اور توڑنے کے سوا اور کیا کیا ہے، جبتک ہم یہ عزم نہ کرلین کہ ہماری ہمیشہ ایک ہی سیاسی مجلس ہوگی، اور جو فرقہ کسی اختلاف کی بنا پر کوئی الگ رائے قائم کریگا، وہ اس مجلس کو توڑنے اور دوسری سیاسی مجلس کے بنانے کے بجائے وہ اس پرانی مجلس کا ایسا فریق اقلیت بنکر رہیگا جو آئینی جدوجہد سے اپنی اکثریت کیلئے ہمیشہ کوشان رہیگا، اس وقت تک مسلم لیگ کے احیا کی یہ دوبارہ کوشش بھی وقتی تفریح طبع سے زیادہ وقیع نہین ہے،

مقالات

انکارِ حدیث

(۲)

از مولوی شاہ معین الدین صاحب ندوی، رفیق دار المصنفین

اب حضرت عمرؓ کے ان واقعات کو لیجئے، جو مخالفتِ حدیث کی بنیاد کہے جاتے ہین،

۱- آپکی مخالفتِ حدیث کے ثبوت مین ایک واقعہ یہ پیش کیا جاتا ہو کہ آپ فرماتے تھے حسبنا کتاب اللہ یعنی ہمارے لئے خدا کی کتاب کافی ہے، اور اس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہو کہ جب آپ خدا کی کتاب کو کافی سمجھتے تھے تو اسکا منطقی نتیجہ یہ ہو کہ حدیثون کو لائق التفات نہ خیال کرتے تھے، بیشک یہ جملہ حضرت عمرؓ کا ہو لیکن اسکو حدیث کی مخالفت سے دور کا بھی تعلق نہین، اور نہ اسکے وہ معنی ہین جو منکرینِ حدیث نکالتے ہین، حدیث و رجال کی کسی کتاب مین یہ جملہ اس معنی و مفہوم مین میری نظر سے نہین گذرا، حدیث کیا طبقات و تاریخ مین بھی اس معنی مین یہ جملہ نہین ملسکتا، حدیث کی کتابون مین یہ جملہ صرف ایک موقع پر آیا ہو، اور یہ موقعہ وہ ہے کہ جب آنحضرت صلعم نے مرض الموت مین فرمایا کہ قلم دوات لاؤ مین تمہارے لیے کچھ لکھدون تاکہ تم گمراہ نہ ہو تو حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ آپنے غفلت کی حالت مین ایسا فرمایا ہے، اور درد کی تکلیف آپکو زیادہ ہی، ایسی حالت مین آپکو لکھنے لکھانے کی زحمت دینا مناسب نہین ہو، یہ جملہ کہا، اصل روایت کے الفاظ یہ ہین،

قد غلب علیہ الوجع وعندکم القرآن حسبنا کتاب اللہ، اسوقت آپ پر درد کا غلبہ ہو، تمہارے پاس قرآن موجود ہے ہمارے لئے کتاب اللہ کافی ہو

ظاہر ہے کہ اس کو مخالفتِ حدیث سے کوئی تعلق نہین، بلکہ خاص اس واقعہ سے متعلق ہے، دوسرے موقع پر یہ جملہ تاریخ اور بعض رجال کی کتابون مین بھی ملتا ہے، جب مسلمانون نے عجم فتح کیا تو وہان کچھ عجمی کتابین ہاتھ آئین حضرت

سب سے پہلا نام ابن مسعود کا ہے، (دیکھو مسلم ج ۲ فضائل ابن مسعود) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص تھے، آپ کی مسواک کا انتظام، آپ کو جوتہ پہنانا، جوتہ اتارنا، آپ کا بستر درست کرنا، وضو کا پانی رکھنا، عصا کو لیکر چلنا، سفر میں سواری وغیرہ کا انتظام کرنا انھیں سے متعلق تھا، ان خدمات کی وجہ سے صحابہ میں وہ "صاحب السواد" یعنی رسول اللہ کے سامان والے کے معزز لقب سے یاد کئے جاتے تھے، اس تقریب و خدمت کی وجہ سے یہ حضر و سفر میں ہر وقت ساتھ رہتے تھے اور کاشانۂ نبوی میں کثرت آمد و رفت اور نشست و برخاست کی وجہ سے وہ اعمالِ نبوی کے سب سے بڑے واقفکار مانے جاتے تھے اور صحابہ انھیں رکن اہلبیت تصور کرتے تھے۔ (تفصیل کے لیے دیکھو طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۱۰۸ و ۱۰۹ و مستدرک حاکم ج ۳ تذکرہ ابن مسعود) ایسی حالت میں اگر ان کی روایات قابلِ اعتماد نہیں ہوسکتیں تو پھر کسکی ہونگی ؟

خود حضرت عمرؓ اور دوسرے اکابر صحابہ ان کے کمالات علمی کے مداح و معترف تھے، حضرت عمرؓ انھیں علم کا بھرا ہوا ظرف فرماتے تھے، (تذکرۃ الحفاظ ج اول، تذکرہ ابن مسعود) زید بن وہب راوی ہیں کہ میں لوگوں کے ساتھ عمرؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں ایک دبلا پتلا مختصر آدمی آیا، اُسے دیکھ کر حضرت عمرؓ کا چہرہ بشاش ہوگیا، اور فرمایا علم کا بھرا ہوا ظرف ہے، علم کا بھرا ہوا ظرف ہے، علم کا بھرا ہوا ظرف ہے، یہ ابن مسعود تھے، (طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۱۱۰)

ان کو مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کے لئے معلم اور نمونہ بنا کر بھیجتے تھے، اور ان کی تقلید کا حکم دیتے تھے، چنانچہ ۲۰ھ میں جب عمار بن یاسر کو کوفہ کا امیر بنا کر بھیجا تو عبداللہ بن مسعود کو بحیثیت وزیر اور معلم انکے ساتھ کیا اور اہل کوفہ کے نام خط لکھا،

قد بعثت الیکم عمار بن یاسر امیرًا وعبداللہ بن مسعود معلمًا و وزیرًا وھما من النجباء من اصحاب رسول اللہ صلعم من اھل بدر	میں نے عمار بن یاسر کو امیر اور عبداللہ بن مسعود کو معلم اور وزیر بنا کر تمھارے پاس بھیجا ہے، یہ دونوں رسول اللہ صلعم کے مقتدر صحابہ ہیں اور بدری ہیں، تم لوگ ان کی

فاقتدوا بهما واسمعوا وقد آثرتكم بعبد الله على نفسي . (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳)

اقتدا کرنا اور ان کی اطاعت کرنا مین نے تم کو اپنے اوپر ترجیح دے کر عبداللہ کو تمہارے پاس بھیجا ہے،

یہی نہین بلکہ جو شخص مذہبی معاملات مین ان سے حجت کرتا تھا اس کو سزا دیتے تھے، ایک شخص کا ازار لٹکا ہوا تھا، ابن مسعود نے اُسے ٹوکا اور کہا ازار اونچا کرو، اس نے کہا تم بھی اپنا ازار اونچا کرو، انھون نے کہا مین تمہاری طرح نہین ہون میری پنڈلیان پتلی ہین

حضرت عمرؓ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے اس آدمی کو مارا اور کہا کہ تم ابن مسعود سے حجت کرتے تھے

(اصابہ ج ۴ ص ۱۳۰)

ایسی حالت مین کہانتک یہ روایت قابل قبول ہو سکتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابن مسعود کو کثرت روایت کے جرم مین قید کیا تھا،

حضرت ابو درداؓ بھی بڑے صاحب علم صحابی تھے خود امام ذہبی لکھتے ہین کہ ابو درداء امام ربانی حکیم الامت ان صحابہ مین تھے جنھین خدا نے علم عطا کیا تھا، (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۲۱ و ۲۲)، مسروق بیان کرتے ہین کہ رسول اللہ کے اصحاب مین چھ بڑے صاحب علم صحابہ تھے، عمرؓ، عبداللہؓ بن مسعود معاذؓ بن جبل، ابو درداءؓ اور زیدؓ بن ثابت، کلام پاک براہ راست زبان وحی والہام سے حفظ کیا تھا (ایضاً) ابو درداء ان چار عالم قرآن صحابہ مین ہین، جنھون نے حیات نبوی ہی مین قرآن کی سورتین جمع کرلی تھین، (بخاری) امام الامت حضرت معاذ بن جبلؓ سے لوگون نے درخواست کی کہ ہمین کچھ وصیت فرمائے، ارشاد فرمایا علم وایمان اپنی اپنی جگہ پر ہین، جو اُسے تلاش کرے گا وہ پائے گا، تم لوگ ابو درداء سلمان ابن مسعود اور عبداللہ بن سلام کے پاس علم تلاش کرنا، (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۲۳) یہ اس شخص کے علمی کمالات کی سندین ہین، جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اسے قید کیا تھا، پھر ابو درداء مکثرین کے زمرہ ہی مین نہین آتے، ان کی مرویات ابن مسعود سے بھی کم ہین، یعنی کل ۱۷۹ ہین ان مین

بھی صرف دو حدیثین متفق علیہ ہین اور ۳ مین بخاری اور ۰ مین مسلم منفرد ہین، (تہذیب الکمال ص ۲۹۹)

حضرت ابو مسعودؓ بھی صاحب کمال اور بدری صحابی تھے، ان کی مرویات ابو درداء سے بھی کم ہین یعنی کل ۱۰۲ اور ان مین سے صرف ۹ متفق علیہ ہین اور ایک مین امام بخاری اور ۷ مین امام مسلم منفرد ہین (تہذیب الکمال ص ۲۶۹) ایسی حالت مین آخر الذکر دونون کسی طرح مکثرین حدیث مین آہی نہین سکتے، پھر حضرت عمرؓ انھین اس جرم مین سزا کیسے دے سکتے تھے،

آخر مین یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ ابن مسعود اور ابو مسعود بدری صحابی ہین، جنکے اگلے پچھلے تمام گناہ بحکم قرآن معاف ہین، اس لیے اگر یہ کوئی جرم بھی کرتے تب بھی حضرت عمرؓ انھین سزا نہین دیسکتے تھے، حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ کا بہت مشہور واقعہ ہے، جس زمانہ مین آنحضرت صلعم نے مکہ پر چڑھائی کی خفیہ تیاریان شروع کین، اس زمانہ مین حضرت حاطبؓ ابن ابی بلتعہ آنحضرت صلعم کے پاس مدینہ مین تھے، اور ان کے بال بچے مکہ مین، اور عزیزون مین کوئی اُن کی حفاظت کرنے والا نہ تھا، اس لئے حاطب نے اپنے کسی مکی دوست کو بال بچون کی حفاظت کے خیال سے مسلمانون کی تیاریون کی خبر کر دی، لیکن یہ خط راستہ ہی مین پکڑ لیا گیا، اور آنحضرت صلعم کے سامنے پیش ہوا، آپ نے حاطب سے پوچھا، حاطب یہ کیا، انھون نے معذرت مین صحیح صحیح واقعہ بیان کر دیا کہ مکہ مین میرا کوئی عزیز نہ تھا اس لئے مین نے بال بچون کی حفاظت کے خیال سے ایسا کیا، آپ نے ان کی معذرت سنکر فرمایا، انھون نے سچ کہا، حضرت عمرؓ بہت غضبناک ہو رہے تھے، انھون نے عرض کی، اس نے اللہ اور رسول اور مومنین کی خیانت کی ہے، اجازت ہو تو اس منافق کی گردن اڑا دون، آپ نے فرمایا کیا یہ بدر مین شریک نہ تھے؟ خدا نے ان کے تمام گناہ معاف کر دیئے ہین، اور فرمایا ہے "جو تمہارا دل چاہے کرو تمہارے لئے جنت واجب ہو چکی، اور مین نے تمہارے تمام گناہ معاف کر دئے" یہ سنکر حضرت عمرؓ کی آنکھون سے آنسو جاری ہو گئے، اور عرض کیا، اللہ اور اسکا رسول زیادہ بہتر جانتا ہے، (بخاری فضائل من شہد بدرا ج ۲ ص ۵۶۶)

ایک طرف بدری صحابہ کا یہ مرتبہ تھا کہ ایک شدید اور سنگین قومی جرم مین جسکی اگر بروقت اطلاع نہ ہوگئی ہوتی
تو اس کا نتیجہ مسلمانون کے لیے سخت مہلک تھا، آنحضرت صلعم حاطب بن ابی بلتعہ کو محض بدری ہونیکی وجہ سے معاف
فرما دیتے ہین، اور حضرت عمرؓ کے غیظ و غضب پر ارشاد فرماتے ہین کہ تم کو نہین معلوم یہ بدری صحابی ہین جن کے
تمام گناہ خدا نے معاف کر دیئے ہین، اس ارشاد پر حضرت عمرؓ کا سارا غیظ و غضب آنسوؤن سے بدل جاتا ہے،
دوسری طرف یہی عمر ایک بدری صحابی کو کثرت روایت کے جرم مین قید کر سکتے تھے، اسے کون عقل تسلیم کر سکتی ہے،

۵. پانچوان واقعہ ایک طویل روایت کے ناقص اور مسخ شدہ ٹکڑے سے پیش کیا جاتا ہے کہ حذیفہ حدیثین
بیان کرتے تھے رسول اللہ صلعم کی، تو سلمان نے کہا تم اس سے باز آؤ، ورنہ مین عمرؓ کو لکھ دونگا، اس غلط مسخ شدہ
ٹکڑے سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ اگر حضرت عمرؓ روایت حدیث کے مخالف نہ ہوتے تو سلمان حذیفہ کو انھین اطلاع
دینے کی کیون دھمکی دیتے، لیکن یہ واقعہ ہی اس شکل مین صحیح نہین ہے، پوری روایت مین اس کا مطلب ہی
بالکل بدل جاتا ہے، پوری روایت یہ ہے،

عن عمرو بن ابی قرۃ قال کان حذیفہ
بالمدائن فکان یذکر اشیاء قالها رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم لاناس من اصحابہ
فی الغضب فینطلق ناس ممن سمع ذالک
من حذیفہ فیاتون سلمان فیذکرون
لہ قول حذیفہ فیقول سلمان حذیفہ
اعلم بما یقول فیرجعون الی حذیفہ
فیقولون لہ قد ذکرنا قولک لسلمان
فما صدقک ولا کذبک فاتی حذیفہ

عمرو بن ابی قرہ روایت کرتے ہین کہ حذیفہ مدائن مین ایسی
باتین بیان کرتے تھے جنھین رسول اللہ صلعم نے غصہ کی حالت
مین اپنے بعض اصحاب کے متعلق فرمائی تھین، لوگ انھین
حذیفہ سے سنکر تصدیق کے لیے سلمان کے پاس جاتے تھے اور
ان سے حذیفہ کا بیان ذکر کرتے، اسے سنکر سلمان کہتے
حذیفہ جو کہتے ہین اسکو زیادہ جانتے ہین، یہ جواب سنکر یہ
لوگ حذیفہ کے پاس لوٹ آتے اور کہتے ہم نے تمھارا قول سلمان
کے سامنے بیان کیا وہ نہ اسکی تصدیق کرتے ہین اور نہ تردید،
ایک دن حذیفہ خود سلمان کے پاس آئے اور ان سے کہا

سلمان وھو فی مقبلۃ فقال یا سلمان ما یمنعک
ان تصدقنی بما سمعت عن رسول اللہ صلعم
فقال سلمان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کان یغضب فیقول فی الغضب لناس
من اصحابہ و یرضی فیقول فی الرضی لناس
من اصحابہ اما تنتھی حتی تورث رجالا
حب رجال و رجالا بغض رجال وحتی توقع
اختلافا و فرقۃ ولقد علمت ان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم خطب فقال ایما رجل
من امتی سببتہ سبۃ او لعنتہ لعنۃ
فی غضبی فانما انا من ولد آدم اغضب کما
یغضبون وانما بعثنی رحمۃ للعالمین فاجعلہا
علیھم صلوۃ یوم القیمۃ واللہ لتنتھین
او لاکتبن الی عمر،
(ابو داؤد و کتاب السنۃ باب النہی عن سب اصحاب
رسول اللہ صلعم)

سلمان جو کچھ تمنے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے اسکے بارہ
میری تصدیق سے تمہین کونسی شے مانع ہوتی ہے، سلمان
نے کہا رسول اللہ صلعم سے (عام انسانون کی طرح)
کبھی غصہ ہوتے تھے اور غصہ کی حالت مین اپنے بعض
اصحاب کے متعلق کچھ کلمات فرما دیتے تھے اور کبھی خوش
ہوتے تھے اور خوشی کی حالت مین اپنے بعض اصحاب
کے متعلق کچھ فرما دیتے تھے، تم اسوقت (ان باتون کے
بیان کرنے سے) باز نہ آؤ گے جبتک (انھین بیان
کرکے) کچھ آدمیون کی طرف سے کچھ آدمیون کے دل مین
محبت اور کچھ آدمیون کیطرف سے کچھ آدمیون کے دل
مین بغض کرکے اختلاف اور تفرقہ نہ پیدا کردو گے،
تم کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ایک خطبہ مین فرمایا
ہے کہ مین نے غصہ کی حالت مین اپنی امت کے جن آدمیون
کو برا بھلا کہا ہے یا ان پر لعنت بھیجی ہے تو معلوم ہونا چاہئے کہ
مین بھی آدم کی اولاد مین ہون اور انھین کی طرح غصہ
ہوتا ہون، خدا نے مجھکو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے اسلئے
قیامت کے دن ان گالیون اور لعنتون کو ان آدمیون
کے حق مین دعا بنا دونگا، یہ بتا کر سلمان نے حذیفہ سے
کہا "اگر تم اس قسم کی اختلاف انگیز روایتون سے باز نہ
آؤ گے تو مین عمر کو لکھ دونگا"

کہاں مسلمانوں میں بغض اور منافرت پھیلانے والے واقعات کی اشاعت سے منع کرنا، اور کہاں اشاعت کی ممانعت، جیسا کہ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سلمانؓ نے حذیفہ کو جن باتوں کی اشاعت سے منع کیا تھا اور حضرت عمرؓ کو اطلاع دینے کی دھمکی دی تھی وہ کوئی مذہب کے متعلق امر و نہی کی حدیث یا اسوۂ نبوی نہیں تھا بلکہ ایسی وقتی اور جذباتی باتیں تھیں جو آپ نے غصہ اور رضا کی حالت میں بعض لوگوں کے متعلق فرمائی تھیں اور ان کا کوئی دائمی اثر نہ تھا، اور بعد میں جنکی اشاعت سے مسلمانوں میں بغض و منافرت پیدا ہوجانے کا قوی احتمال تھا، بہت ممکن ہے کہ یہ باتیں بعض بنی ہاشم اور بنی امیہ کے افراد کے متعلق رہی ہوں حقیقت یہ ہے کہ اس قبیل کے واقعات سے اگر وہ کسی حد تک صحیح بھی مان لیے جائیں تو یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ حضرت عمرؓ حدیث کے مخالف تھے اور اس کو قابلِ احتجاج نہیں سمجھتے تھے، ایسا نتیجہ پیدا کرنا حدیث کے رد و قبول کے بارہ میں حضرت عمرؓ کے اصول سے لاعلمی کا ثبوت ہے، گو زمانۂ مابعد میں محدثین نے یہ اصول بنا دیا کہ تمام صحابہ عدول ہیں اور قرن اول کی روایات میں کسی ضعف کا احتمال نہیں، لیکن حضرت عمرؓ اس نکتہ سے خوب واقف تھے کہ سہو و نسیان خصائص بشری میں سے ہیں جن سے کوئی انسان مستثنیٰ نہیں، صحابہ کی عدالت مسلم ہے اور ان کی جانب سے رسول اللہ پر کذب کا امکان نہیں، لیکن سہو و نسیان کی انسانی خصوصیت سے تو انھیں مستثنیٰ نہیں کیا جاسکتا، نیز خلفاء کے زمانہ میں خلافتِ الٰہیہ کی تشکیل ہو رہی تھی، روزانہ نئے نئے واقعات اور نئے نئے مسائل پیش آتے تھے، جن میں خلفاء کا فیصلہ اصولِ دین سمجھا جاتا تھا، ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھکر، حضرت عمرؓ نے احادیث کی چھان بین اور انکی تصدیق و تحقیق اور رد و قبول میں وہ تمام احتمالات ملحوظ رکھے، جو ایک عام انسان کی بات قبول کرنے میں رکھنے چاہئیں، چنانچہ اسی احتیاط کے ماتحت وہ خبر آحاد کو بغیر تائیدی شہادت کے قبول نہ کرتے تھے، کہ ایک انسان سے بھول چوک بہت ممکن ہے، لیکن تائیدی شہادت کے بعد جب انھیں حدیث کی صحت کا پورا یقین ہو جاتا تھا، تو اسے بلا تامل قبول کر لیتے تھے اور اس کے مطابق فیصلہ دیتے تھے، چنانچہ اسقاطِ حمل کی دیت میں مغیرہ کی روایت محمد بن سلمہ انصاری کی شہادت کے بعد، مکان کی بیع میں حضرت عباسؓ

کی روایت چند انصاری بزرگون کی شہادت کے بعد قبول کی (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷) استیذان مین (یعنی صاحب خانہ سے تین مرتبہ اندر داخل ہونے کی اجازت مانگنی چاہئے، جب تین مرتبہ کے بعد بھی نہ ملے تو واپس چلا جانا چاہئے) حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت تائیدی شہادت کے بعد قبول کی (مسلم باب الاستیذان) لیکن ان شہادتون سے صرف حدیث کی تصدیق مقصود ہوتی تھی نہ کہ انکار، اگر سرے سے انکار مقصود ہوتا تو تصدیق کیون طلب کرتے، اور تصدیق کے بعد اوس پر عمل کیون کرتے،

کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ جب کوئی نئی صورت پیش آتی تھی یا کسی مسئلہ کے متعلق آنحضرت صلعم کا کوئی فرمان نہ معلوم ہوتا تھا تو صحابہ کے مجمع مین کھڑے ہو کر پوچھتے تھے کہ کسی کو کوئی حدیث معلوم ہے، تکبیر جنازہ غسل میت، جزیہ مجوس اور اس قسم کے صدہا مسائل کے متعلق حضرت عمرؓ نے مجمع صحابہ سے پوچھکر احادیث کا پتہ چلایا۔

حدیث کی روایت مین دوسرا امر انھون نے یہ ملحوظ رکھا (جسے بعض ظاہر بین انکی مخالفتِ حدیث مین پیش کرتے تھے) کہ آپ انھین حدیثون کے ساتھ زیادہ اعتنا کرتے تھے، جو دین یعنی عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق سے تعلق رکھتی تھین، لیکن جنھین مذہب سے چندان تعلق نہ تھا، مثلاً دعا، قصص، حکایات، پیشین گوئیان، لباس و معمولات نبوی وغیرہ کی طرف چندان توجہ نہ کی کہ انھین مذہب اور اصولِ دین سے کوئی تعلق نہین ہے، لیکن عام رواۃ کی نظر اس قدر دقیقہ رس نہین تھی، وہ ہر قسم کی روایتین خواہ مذہب سے متعلق ہون یا غیر متعلق بیان کرنا ضروری سمجھتے تھے، اور بیان کرتے پھرتے تھے، ایسی حالت مین اگر حضرت عمرؓ نے کسی راوی کو روکا بھی ہوگا تو اسی قسم کی روایات سے، ناواقفون نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ آپ حدیثون کے مخالف تھے، حالانکہ حضرت عمرؓ کی یہ انتہائی دقت نظری تھی کہ انھون نے متعلق بہ مذہب اور غیر متعلق روایات مین تفریق قائم کردی،

اس سلسلہ مین ایک احتمال اور پیدا ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین جو بارگاہِ نبوی کے سب سے زیادہ مقرب تھے ان سے بہت کم حدیثین مروی ہین، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حدیثون کی طرف توجہ کرتے تھے، اس

استدلال میں ہم کو یہ دیکھنا چاہئے کہ خلفائے نے حدیثیں روایت کی ہیں، یا نہیں کم یا زیادہ سے بحث نہیں (انکی قلت روایت کا سبب آگے چل کر معلوم ہوگا) نفس روایت حدیث سے خواہ وہ کم ہی کیون نہ ہون اس کا فیصلہ ہوجاتا ہے اگر خلفاء حدیثون کے مخالف ہوتے تو سرے سے ان کی کوئی روایت ہی نہ ہوتی، حالانکہ اس سے منکر حدیث بھی انکار نہیں کرسکتا کہ خلفاء کی روایتین حدیث کی کتابون مین موجود ہین، حضرت ابوبکرؓ سے (۱۴۲) حدیثین مروی ہین (تہذیب الکمال ص ۲۰۴) حضرت عمرؓ سے (۵۳۹) حدیثین مروی ہین، (ایضاً ص ۲۴۲)، حضرت عثمانؓ کی (۱۴۶) روایات ہین، (ایضاً ص ۲۶) حضرت علیؓ کی ۵۸۶ روایات ہین (ایضاً ص ۲۷۴) اور یہ اہل سنت کی حدیثون کی تعداد ہے، ورنہ اگر حضرات شیعہ کی حدیثون کو بھی شامل کرلیا جائے تو حضرت علیؓ کی مرویات کی تعداد ہزارون سے متجاوز ہوجاتی ہے،

جب اس قدر مسلم ہے کہ خلفاء نے روایت کی ہے خواہ وہ کم سہی تو یہ بھی ثابت ہے کہ وہ حدیثون کے مخالف نہ تھے، باقی رہا یہ احتمال کہ ان کے تقرب بارگاہ نبوی کے باوجود دوسرے کثیر الروایہ صحابیون کی روایات کے مقابلہ مین ان کی مرویات اس قدر کم کیون ہین کوئی حقیقت نہیں رکھتا، محدثین کے نزدیک یہ اصول مسلم ہے کہ صحابی جب کوئی ایسا مسئلہ بیان کرے جسمین راے اور اجتہاد کو دخل نہ ہو تو اس مین خواہ وہ رسول اللہ کا نام لے یا نہ لے اس کا مطلب یہی ہوگا کہ اس نے رسول اللہ سے سنا ہے،

اور جب عام صحابیون کے متعلق جسمین خلفائے راشدین بھی شامل ہین یہ حکم ہے تو خلفاء کے متعلق بدرجۂ اولی ہوگا اور یہ اصول بالکل قرین قیاس ہے، معمولی سمجھ کا انسان بھی اس سے انکار نہیں کرسکتا کہ مثلاً حضرت عمرؓ نے تمام ممالک محروسہ مین لکھ بھیجا تھا کہ زکوٰۃ فلان فلان چیزون پر فرض ہے تو اس مین اسکا احتمال ہی نہیں کہ انھون نے اپنی راے سے لکھا ہوگا، اس لیے کہ وہ شارع نہ تھے کہ اسکے مجاز ہوتے بلکہ انھون نے رسول اللہ ہی سے اسکو سنا ہوگا، یہ اور بات ہے کہ انھون نے حکم رسول کا حوالہ نہیں دیا اور انھین اس کی ضرورت بھی نہ تھی، کیونکہ وہ خود صاحب الامر تھے جن کا کام حکم نافذ کردینا تھا، اس

اصول کے ماتحت خلفاے راشدین کے نافذ کردہ وہ تمام قوانین جو مذہب سے متعلق ہین اور جنمین ان کے اجتہاد کو دخل نہین ہے، درحقیقت حدیث ہی پر مبنی ہین، اسلئے انکے عہد کے تمام مذہبی قوانین کو انکی مرویات ہی شمار کرنا چاہئے،

حضرت عثمانؓ کے انکار حدیث کے ثبوت مین صرف یہ ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ محمد بن علی حضرت عثمانؓ کے پاس رسول اللہ صلعم کا ایک نوشتہ لائے انھون نے کہا مجھے اس سے معاف رکھئے" (توجیہ النظر ص ۱۶)

اوّلاً اس واقعہ کی صحت ہی مشکوک ہے، طاہر جزائری نے معلوم نہین کہان سے بلا حوالہ نقل کر دیا ہے، کسی حدیث کی کتاب مین میری نظر سے نہین گذرا، لیکن اگر اسے صحیح بھی مان لیا جائے تو اسکی شکل یہ نہین ہے جو پیش کیجاتی ہے، دوسرے واقعات کی طرح اسے بھی ناتمام نقل کرکے اس سے غلط نتیجہ نکالا جاتا ہے، پورا واقعہ یہ ہے،

ان عثمان حمل الیہ محمد بن علی بن ابی طالب	محمد بن علی بن ابی طالب حضرت عثمانؓ کے پاس زکوٰۃ
من عند ابیہ کتاب النبی صلعم فی الزکوٰۃ	کے بارہ مین آنحضرت صلعم کا ایک تحریری حکم لائے
فقال اغنہا عنا، (توجیہ النظر)	انھون نے کہا مجھکو اس کی ضرورت نہین ہے،

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ نے اس نوشتہ کو اسلئے واپس نہین کیا تھا کہ اسے قابلِ حجت نہین سمجھتے تھے بلکہ اسکی ضرورت ہی نہ تھی، زکوٰۃ کا مسئلہ مشتبہ مسئلون مین نہین ہے بلکہ اس کے متعلق حدیثون مین تفصیلی احکام موجود ہین، اور آنحضرت صلعم کی زندگی ہی سے ان پر عمل ہو رہا تھا، آپکی وفات کے بعد جب ارتداد کا فتنہ اٹھا اور بعض قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تو حضرت ابوبکرؓ نے اسی دلیل سے ان پر تلوار اٹھائی کہ رسول اللہ صلعم کے زمانہ مین زکوٰۃ کی جو شرح معین تھی اور جو جو لوگ جس قدر زکوٰۃ ادا کرتے تھے اگر وہ اس مین اونٹ کے چھند ان کے برابر بھی کمی کرنا چاہین گے تو مین ان سے جہاد کرونگا، ایسی حالت مین زکوٰۃ کے متعلق تمام مسائل اسی زمانہ مین منقح ہو چکے تھے اور اس وقت سے حضرت عثمانؓ کے عہد تک ان پر عمل ہوتا چلا آرہا تھا، اس لئے

محمد بن علی کے نوشتہ سے حضرت عثمانؓ کے معلومات میں کوئی مزید اضافہ نہیں ہوتا، لہذا نوشتہ واپس کرنا انکار حدیث پر محمول نہیں کیا جا سکتا،

تمسک بالحدیث والسنہ میں حضرت عثمانؓ کا بھی وہی عمل تھا، جو ان کے پیشرؤں کا تھا، احکام و قوانین کی احادیث کا تو ذکر کیا، حضرت عثمانؓ آنحضرت صلعم کے تمام اقوال بلکہ آپکے حرکات و سکنات تک کی پیروی کرتے تھے، ایک مرتبہ وضو کرکے متبسم ہوئے، لوگوں نے اس بے موقعہ تبسم کی وجہ پوچھی، فرمایا میں نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلعم کو وضو کرکے اس طرح مسکراتے ہوئے دیکھا تھا (مسند احمد بن حنبل ج اول ص ۵۸) ایک مرتبہ ایک جنازہ سامنے سے گذرا، فوراً کھڑے ہوئے اور فرمایا آنحضرتؐ بھی ایسا ہی کرتے تھے، (ایضاً ص ۸۰) ایک مرتبہ مسجد کے دوسرے دروازہ پر بیٹھکر بکری کا گوشت منگوا کر کھایا اور بغیر تازہ وضو کئے ہوئے نماز کے لیے کھڑے ہوگئے، پھر فرمایا آنحضرت صلعم نے بھی اسی جگہ بیٹھکر نوش فرمایا تھا اور اسی طرح کیا تھا (ایضاً ص ۶۲) لوگوں کو اعمال نبوی کی تعلیم دیتے تھے، ایک مرتبہ عصر کے وقت سب کے سامنے وضو کرکے دکھایا اور فرمایا رسول اللہ اسی طرح وضو کرتے تھے، (ایضاً ص ۶۷ و ۶۸)

حدیث رسول کی طاعت اور پابندی کی اس سے بڑھکر سند کیا ہو سکتی ہے کہ اسکی پابندی میں جان تک دیدی، جب مدینہ میں آپ کے خلاف شورش بپا ہوئی تو مغیرہ بن شعبہ نے اس سے محفوظ رہنے کے لیے مختلف مقاموں پر چلے جانے کا مشورہ دیا، نہیں ایک نام مکہ کا بھی تھا، حضرت عثمانؓ نے مکہ نہ جانے کی وجہ یہ بیان کی کہ میں وہاں چلا جاؤں تو ان باغیوں سے امید نہیں کہ حرم الٰہی کی حرمت کا لحاظ کرینگے اور جنگ نہ کریں، اور میں رسول اللہ صلعم کی پیشین گوئی کے مطابق وہ شخص بننا نہیں چاہتا جو مکہ جا کر اسکی بے حرمتی کا باعث ہوگا (مسند احمد بن حنبل ج اول ص ۶۷ ملخصاً) یا جب باغیوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کیا، اس وقت صحابہ اور عام مسلمان ملا کر سات سو آدمی آپ کے گھر میں موجود تھے، (ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۴۹) بعض جان نثاروں نے مشورہ کہ آپ مقابلہ کیوں نہیں کرتے، فرمایا رسول اللہ نے مجھ سے ایک عہد لیا تھا، اور میں اسی

صابر ہون (ایضاً ص ۴۶) غرض پاس فرمان رسول کی وجہ سے طاقت رکھتے ہوئے مقابلہ نہین کیا اور جان دیدی، ایسی حالت مین یہ کہنا کہ وہ حدیث وسنت کی طرف التفات نہ کرتے تھے، کیسے درست ہو؟

۳- تیسری دلیل یہ دیجاتی ہے کہ محدثین ہر صحابی کو مستند، قابل یقین اور سچا مان کر ان کی روایتون کو قبول کرلیتے ہین، حالانکہ انھین مین ایسے صحابہ بھی ہین جنکو کلام اللہ نے مردود الشہادہ قرار دیا ہے اور مثال مین حضرت حسانؓ بن ثابت کا نام پیش کیا جاتا ہے، کہ واقعہ افک مین حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانے والون مین یہ بھی تھے جنکے متعلق کلام پاک کا یہ فیصلہ ہے،

والذین یرمون المحصنٰت ثم لم یاتوا	جو لوگ عفیفہ اور پاکدامن عورتون پر تہمت لگائین اور
باربعۃ شھداء فاجلدوھم ثمانین	اسکے ثبوت مین چار گواہ نہ لاسکین، تو انھین اسی کوڑے
جلدۃ ولا تقبلوا لھم شھادۃ ابدا،	مارو اور انکی شہادت کبھی قبول نہ کرو،

لیکن معترضین اس موقعہ پر اسے نظر انداز کردیتے ہین کہ اس شہادت سے مراد معاملات اور مقدمات کی شہادت ہے نہ کہ روایت حدیث، لیکن اگر یہ حکم عام بھی مان لیا جائے تو بھی پوری آیت کے حکم کو دیکھنا چاہئے، یا صرف اپنے حسب منشا، ایک ٹکڑا لے لیا، اور باقی حصہ کو جو منشا کے مخالف پڑتا ہو نظر انداز کردیا جائے، اس حکم کے بعد ہی یہ استثنا ہے،

الا الذین تابوا من بعد ذالک واصلحوا	مگر کئے پیچھے جن لوگون نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کرلی
فان اللہ غفور رحیم،	(وہ مستثنیٰ ہین) بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے،

حضرت حسان بن ثابتؓ مقتدر صحابی ہین، دربار رسالت کے شاعر تھے اور آنحضرت صلعم کی جانب سے کفار کو جواب دیتے تھے، آپ نے ان کے متعلق فرمایا ہے کہ روح القدس حسان کے ساتھ ہے، لیکن منافقون کے دام مین آگئے تھے، لیکن جب تحقیقات سے واقعہ غلط ثابت ہوا اور قرآن نے خود اس کی تردید کی تو حسان کو اپنے کئے پر پشیمانی ہوئی، خود حضرت عائشہؓ نے انھین معاف کردیا تھا چنانچہ جب آپ کے سامنے

حسان کو کوئی برا کہتا تھا تو اس کو منع کرتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ وہ آنحضرت صلعم کی جانب سے کفار کو جواب دیا کرتے تھے" اور آپ کی مدافعت کرتے تھے" (بخاری ج ۲ ص ۵۰۹) اس لیے حضرت حسانؓ الذین تابوا واصلحوا کے حکم سے مستثنی ہوگئے، لیکن اگر کسی کو اس کے بعد بھی اُن کے مردود الشہادہ ہونے پر اصرار ہے تو زیادہ سے زیادہ ان کی روایات قابل اعتماد نہ تسلیم کرے، یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ مقدس صحابہ کی جماعت میں غالباً حضرت حسانؓ ہی وہ بزرگ ہیں جنسے صرف ایک حدیث مروی ہے اسلیے مردود الشہادہ صحابہ سے قبول روایت کا اعتراض ہی غلط ہوا جاتا ہے، لیکن اگر ان کی روایات ہوتیں بھی تو اُن سے تمام صحابہ کی مرویات کی تضعیف کیونکر ہوسکتی ہے، قصوروار ایک شخص ہو اور ملزم ساری جماعت ٹھہرائی جائے یہ کونسا اصول اور قانون ہے،

۴ - چوتھی دلیل یہ پیش کیجاتی ہے کہ حدیثوں کے متعلق صحابہ کی رائے اچھی نہ تھی، وہ انھیں قابل اعتماد نہ سمجھتے تھے، اس لیے صحابہ کم روایت کرتے تھے، اور اس کے ثبوت میں حسب ذیل واقعات پیش کئے جاتے ہیں،

ابن عباس کہتے تھے کہ ہم اس وقت رسول اللہ سے حدیث بیان کرتے تھے، جب آپ سے جھوٹی حدیثیں روایت نہیں کیجاتی تھیں، لیکن جب سے لوگ ہر قسم کی رطب و یابس روایتیں بیان کرنے لگے، اس وقت سے ہم نے حدیث بیان کرنا چھوڑ دیا (مسند دارمی) ابن عباس کہتے تھے کہ تم کو قال رسول اللہ اور قال فلان کہتے وقت، اس کا خوف نہیں معلوم ہوتا کہ تم پر عذاب نازل کیا جائے، یا زمین تم کو لیکر دھنس جائے (ایضاً) امیر معاویہ سے ایک حدیث بیان کیگئی، جس کو انھوں نے غلط خیال کیا، اور تصدیق کیلئے ام المومنین ام سلمہ کے پاس گئے، اور کہا یا ام المومنین، جھوٹی باتیں رسول اللہ کی طرف منسوب ہوگئی ہیں ہمیشہ کہنے والا یہی کہتا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے، حالانکہ وہ بات آپ نے نہیں فرمائی تھی، (ابن مردویہ) امام شعبی کہتے ہیں کہ میں ابن عمر کے ساتھ سال بھر بیٹھا، اس عرصہ میں انھوں نے کوئی حدیث نہیں بیان کی، (مسند دارمی) سائب بن یزید بیان کرتے ہیں کہ میں مکہ کے راستہ میں سعد بن ابی وقاص کا ہم سفر رہا، پھر وہاں سے مدینہ واپس آیا، اس سفر میں میں نے ان سے کوئی حدیث نہیں سُنی (مسند دارمی) مجاہد کہتے ہیں

کہ مین مدینہ تک ابن عمر کے ساتھ رہا مگر مین نے ان کو حدیث روایت کرتے ہوئے نہین سنا (مسند دارمی)
ثابت بن قطبہ انصاری کہتے ہین کہ عبداللہ بن مسعودؓ مہینہ مین ایکبار حدیث بیان کرتے تھے، (مسند دارمی)

ان واقعات سے یہ نتیجہ نکالاجاتا ہے کہ یہ تمام بزرگ حدیثون کے مخالف تھے ورنہ وہ حدیثون کے متعلق بری رائے کیون ظاہر کرتے، اور اتنی کم روایت کیون کرتے، اس موقع پر ہم سے مجھے وہی کہنا پڑتا ہے کہ ان واقعات سے یہ استدلال کوتاہ نظری کا نتیجہ ہے، اگر ان بزرگون کے حالات اور حدیثون پر معترضین کی نظر ہوتی تو وہ ہرگز انکار حدیث کا نتیجہ نہین اخذ کرسکتے تھے، اب واقعات کی شکل مین اسکی تفصیل ملاحظہ ہو،

پہلے ابن عباسؓ اور امیر معاویہ کے بیان کو لیجئے، ان سے زیادہ سے زیادہ یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ مین لوگون نے غلط روایتین شروع کر دی تھین، اس سے حدیثون کا انکار کہان سے نکلتا ہے، ابن عباسؓ خود کہتے ہین کہ "ہم حدیثین روایت کرتے تھے لیکن جب سے لوگون نے ہر قسم کی رطب ویابس حدیثین بیان کرنا شروع کر دین اسوقت سے ہم نے روایت چھوڑ دی، یعنی انھون نے روایت اس لئے نہین چھوڑی کہ وہ حدیث کے منکر تھے یا اسے قابل حجت نہین سمجھتے تھے، بلکہ اس لیے کہ لوگون نے قول رسول مین آمیزش شروع کر دی تھی، اسلئے ابن عباس کا ترک روایت جس کے معنی اس موقع پر قلت کے ہین برنبائے احتیاط تھا نہ کہ بربنائے انکار حدیث، ورنہ وہ ہمیشہ سے حدیثون کی روایت نہ کرتے حالانکہ ایسا نہین اس موقعہ پر ترک بمعنی قلت ہے اس لیے کہ ابن عباس کی اس احتیاط کے باوجود ان کی ۱۶۶۰ روایتین حدیث کی کتابون مین موجود ہے جنمین سے ۷۵ متفق علیہ ہین اور ۲۰ مین امام بخاری اور ۴۹ مین امام مسلم منفرد ہین (تہذیب الکمال ص ۲۰۲) ابن عباس مکثرین حدیث مین ہین اور حفاظ حدیث صحابہ کے زمرۂ اول مین انکا شمار ہے ایسی حالت مین ترک کو اصلی معنون مین لینا اور ابن عباس کو منکرین مین شمار کرنا کہانتک صحیح ہے، باقی ان کا یہ قول کہ تم کو قال رسول اللہ کہتے وقت خوف نہین معلوم ہوتا الخ غیر محتاط لوگون

کے متعلق ہے، ظاہر ہے کہ رسول کی جانب حدیث کا غلط انتساب کرنے والا اس سے زیادہ کچھ جانے کا مستحق ہے، لیکن اس سے سچے راویوں پر کیا اعتراض عائد ہوتا ہے،

امیر معاویہ کے بیان سے بھی صرف یہی ثابت ہوتا ہے کہ بعض غیر محتاط راویوں نے رسول کیجانب غلط حدیثیں منسوب کرنا شروع کر دی تھیں خود امیر معاویہ کا حدیثوں سے انکار نہیں ثابت ہوتا اگر وہ نفس حدیث کے منکر ہوتے تو حضرت ام سلمہؓ کے پاس روایت کی تصدیق کیلئے کیوں جاتے ہیں، یہ تو حدیثوں میں اپنے سب سے بڑے حریف حضرت علیؓ سے استفادہ کرتے تھے (موطا امام مالک القضاء فیمن وجد مع امراتہ رجلاً) خود انھوں نے (۱۳۰) حدیثیں روایت کی ہیں (تہذیب الکمال ص ۳۸۱) جو دوسرے صحابہ کے مقابلہ کم ہیں، اس کا سبب یہ تھا کہ یہ فتح مکہ کے زمانہ میں اسلام لائے اور قبول اسلام کے بعد بھی مکہ ہی میں رہے اس لئے آنحضرت صلعم کی صحبت کا انھیں موقع نہ ملا،

بقیہ حضرت ابن عمر، عبداللہ بن مسعود اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کے کم روایت کرنے کے واقعات محض اتفاقی ہیں، یعنی جن لوگوں کا یہ بیان ہے اتفاق سے ان کے سامنے ان بزرگوں نے نہ بیان کیا ہوگا، یا ان لوگوں کو خود اس دوران میں ان سے سننے کا اتفاق نہ ہوا ہوگا، اسلئے کہ ان بیانات کے باوجود ابن عمر کی مرویات کی تعداد (۱۶۳۰) ہے، ان میں سے (۱۷۰) متفق علیہ ہیں اور ۸۰ میں امام بخاری اور ۳۱ میں امام مسلم منفرد ہیں (تہذیب الکمال ص ۲۰۷) ابن عباس کی طرح ابن عمر بھی حفاظ حدیث صحابہ کے زمرۂ اول یعنی مکثرین حدیث میں ہیں، یہ آنحضرت صلعم کے بعد ساٹھ برس تک زندہ رہے اور اس طویل مدت میں صرف علم و افتا اور حدیث کی خدمت کرتے رہے، (اسد الغابہ تذکرۂ ابن عمر) اسی طرح ابن مسعود کی مرویات کی تعداد (۸۴۸) ہے (تہذیب الکمال ص ۳) البتہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ مکثرین حدیث میں نہیں ہیں چنانچہ ان کی مرویات کی تعداد (۲۱۵) ہے، جنمیں ۱۵ متفق علیہ ہیں اور ۵ میں بخاری اور ۸ میں مسلم منفرد ہیں ان بزرگوں کے "انکار حدیث" کے ثبوت میں اوپر جو واقعات نقل کئے گئے ہیں، یا اس قبیل کے

اور جو واقعات ملتے ہون انکا ان سے اعتماد فی الحدیث کے سوا اور کچھ ثابت نہین ہوتا، اور اوسکا انکار نہین بلکہ واقعہ ہی،

۵ - پانچوین اور سب سے اہم دلیل یہ پیش کیجاتی ہے، کہ حیات نبوی سے لیکر بنی امیہ کے اختتام تک حدیثین نہین لکھی گئین اور اس طویل مدت مین بغیر حدیثون کے مسلمانون کا کام چلتا رہا، اس کے بعد جب بنی عباس کا زمانہ آیا اور دینا وی علوم کیطرف توجہ ہوئی تو حدیثون کے لکھنے کا بھی خیال پیدا ہوا، اس طرح آنحضرت صلعم کی وفات کے دو ڈھائی سو برس بعد حدیث کی موجودہ کتابین لکھی گئی ہین، چنانچہ امام بخاری، مسلم، ابو داؤد، نسائی اور تمام بڑے بڑے محدثین اسی زمانہ مین تھے، اور جو قول رسول آنحضرت صلعم کے دو ڈھائی سو برس بعد لکھا گیا ہو اس پر اعتماد نہین کیا جا سکتا اس لئے حدیثون کا سارا سرمایہ ناقابل اعتبار ہے،

اس دلیل کے دو حصہ ہین، ایک یہ کہ حیات نبوی اور خلفائے راشدین اور بنی امیہ کے زمانہ مین حدیثین نہین لکھی گئین، اور یونہی کام چلتا رہا، دوسرا یہ کہ حدیث کی موجودہ کتابین آنحضرت صلعم کی وفات کے دو ڈھائی سو برس بعد لکھی گئین، اس لئے اعتبار کے قابل نہین،

پہلا حصہ تو سرا سر غلط اور خلاف واقعہ ہے، ان مین سے بعض اجزا کی تردید اوپر گذر چکی ہے، اس موقع پر پھر اس پر تفصیلی بحث کیجاتی ہے، اس قسم کا دعوی معترضین کی کوتاہ نظری اور تاریخ حدیث سے ناواقفیت کا ثبوت ہے، واقعہ یہ ہے کہ عہد رسالت، عہد خلفائے راشدین اور عہد بنی امیہ مین سے کوئی ایسا دور نہ تھا جس مین حدیثون کے مجموعے نہ مرتب کئے گئے ہون، یہ دوسرا امر ہے کہ دستبرد زمانہ سے وہ بعینہ محفوظ نہ رہ سکے، ورنہ اس حیثیت مین وہ اب تک محفوظ ہین کہ بعد کی کتب مدونہ مین وہ تمام مجموعے شامل ہوگئے، اس لئے گو وہ ممتاز و مستقل صورت مین نہین، مگر موجودہ کتب کے اجزا بنگئے ہین،

اوپر گذر چکا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص نے آنحضرت صلعم سے حدیثون کے قلمبند کرنے کی اجازت لے لی تھی، اس اجازت کے بعد انھون نے ایک مجموعہ مرتب کیا تھا جس کو وہ صادقہ کہتے تھے یہ مجموعہ ان کی عزیز ترین متاع تھا مجاہد کا بیان ہے،

عن عبد اللہ بن عمرو قال ما یرغبنی فی الحیوٰۃ الا الصادقۃ والوھط فاما الصادقۃ فصحیفۃ کتبتھا من رسول اللہ صلعم واما الوھط فارض تصدق بہا عمرو بن العاص کان یقوم علیہا (مسند دارمی ص ۶۰)

عبد اللہ بن عمرو بن العاص بیان کرتے تھے کہ مجھے زندگی کی خواہش صرف صادقہ اور وہط کی وجہ سے ہے صادقہ وہ صحیفہ ہے جسکو مین نے رسول اللہ صلعم سے لکھا اور وہط ایک جاگیر ہے، جسے عمرو بن العاص نے صدقہ کیا ہے جسکے وہ منتظم تھے،

حضرت ابوہریرہؓ نے اپنی تمام مرویات قلمبند کی تھین مستدرک حاکم مین فضل بن حسن اپنے والد کا واقعہ بیان کرتے ہین،

قال (حسن بن عمرو) حدثت عن ابی ھریرۃ بحدیث فانکرہ فقلت انی سمعتہ منک قال ان کنت سمعتہ منی فانہ مکتوب عندی فاخذ بیدی الی بیتہ فارانی کتابا من کتبہ من حدیث رسول اللہ صلعم فوجد ذٰلک الحدیث فقال قد اخبرتک انی ان کنت حدثتک فھو مکتوب عندی (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۱۱)

(حسن بن عمرو) کہتے تھے کہ مین نے ابوہریرہ سے ایک حدیث بیان کی انھون نے اس سے انکار کیا، مین نے کہا اسکو مین نے تمسے سنا ہے، انھون نے کہا اگر تم نے مجھ سے سنا ہوگا تو وہ میرے پاس لکھی ہوگی اور میرا ہاتھ پکڑ کے اپنے گھر لے گئے، اور مجھکو اپنی حدیث رسول کی کتابون مین سے ایک کتاب دکھائی اسمین وہ حدیث مل گئی پھر کہا مین نے تم سے پہلے ہی کہدیا تھا کہ اگر مین نے تمسے روایت کی ہوگی تو وہ میرے پاس لکھی ہوگی،

ظن غالب یہ ہے کہ عہد نبوی مین یہ مجموعہ لکھا ہوگا کیونکہ زبان نبوی سے سنکر لکھتے تھے، ورنہ خلفاء کے زمانہ مین تو یقیناً مرتب ہو چکا تھا، اس لیے کہ امیر معاویہ کے زمانہ مین ابوہریرہ کا انتقال ہوا، اور اس سے پہلے وہ لکھ چکے ہون گے،

عہد رسالت کے بعد خلفائے راشدین کے زمانہ مین آئے، خلفائے راشدین مین حضرت علیؓ نے

چند فقہی حدیثیں لکھی تھیں، اور اس تحریر کو وہ صحیفہ کہتے تھے (بخاری کتاب العلم باب کتابت العلم) باقی خلفاء کے متعلق جہانتک علم ہے انھون نے کوئی باقاعدہ حدیثون کا مجموعہ نہین لکھا، لیکن بہت سے فقہی مسائل جو احادیث ہی پر مبنی تھے لکھ کر ممالک اسلامیہ مین شائع کئے، خصوصاً حضرت عمرؓ وقتاً فوقتاً عمال وافسرون کو مذہبی احکام ومسائل لکھ لکھ کر بھیجا کرتے تھے، مثلاً نماز پنجگانہ کی اوقات کی تعیین کے متعلق تمام عمال کو مفصل ہدایت نامہ بھیجا، یہ ہدایت نامہ امام مالک نے بجنسہٖ موطا مین نقل کیا ہے (دیکھو موطا امام مالک ص ۲ مطبع احمدی دہلی) یا جمع بین الصلوتین کی ممانعت کے متعلق تمام ممالک مین تحریری فرمان جاری کیا (موطا امام محمد مطبع مصطفائی ص ۱۲۹) گو یہ احکام حدیث کی شکل مین نہین ہین، لیکن حدیث ہی سے ماخوذ ہین، اس لیے حضرت عمرؓ نے گو حدیثین نہین قلم بند کین لیکن اس کا منشا اور مقصد قلمبند فرمایا، اور حکم دیا کہ "قیدوا العلم بالکتابۃ" علم کو لکھکر قید کرد (مسند دارمی ص ۶۸) یہ ظاہر ہے کہ اس سے مراد حدیث ہی ہے، اس لئے کہ ان کے زمانہ مین قرآن وحدیث کے علاوہ کوئی علم نہ تھا اور قرآن لکھا جاچکا تھا، اس لیے حدیث ہی کے متعلق یہ حکم ہوسکتا ہے، اس قسم کے اور بہت سے احکام ہین، جنکی تفصیل کا یہ موقعہ نہین، خلفاء کے علاوہ بہت سے صحابہ اور تابعین جنمین سے بہتیرے خلافت راشدہ کے زمانہ مین تھے اور بہتیرے بنی امیہ کے زمانہ مین حدیثون کو قلمبند کرنے کا حکم دیتے تھے اور اپنے تلامذہ کو قلمبند کراتے تھے،

حضرت انسؓ بن مالک اپنے لڑکون سے فرماتے تھے کہ علم (حدیث) کو لکھکر قید کرو، سعید بن جبیر روایت کرتے ہین کہ مین ابن عباس اور ابن عمرؓ سے رات کو جو حدیثین سنتا تھا اسکو کجاوہ کی لکڑی مین لکھ لیتا تھا، دوسری روایت مین ہے کہ مین ابن عباس سے جو کچھ سنتا تھا اس کو صحیفہ مین لکھ لیتا تھا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے مشہور محدث غلام نافع ان کے سامنے ان کی حدیثین لکھا کرتے تھے، آبان حضرت انسؓ سے سنکر ان کے سامنے حدیثین لکھ لیا کرتے تھے، بشیر بن نہیک حضرت ابوہریرہؓ سے حدیثین لکھا کرتے تھے، استفادہ کا زمانہ ختم کرنے کے بعد جب رخصت ہونے لگے تو حدیثون کی کتاب لیکر ابوہریرہؓ

کے پاس آئے اور ان کے سامنے پڑھکر کہا کہ یہ وہ حدیثین ہین جو مین نے آپ سے سنکر لکھی ہین آپ نے اثبات مین جواب دیا، براء کے تلامذہ ان سے حدیثین لکھا کرتے تھے، حضرت امام حسن نے اپنے صاحبزادون بھتیجون کو ہدایت فرمائی تھی کہ تم ابھی بچے ہو ایک دن بڑے ہوگے اس لیے علم سیکھو، اور تم مین سے جو شخص اسکو روایت کرنے اور یاد رکھنے پر قادر نہ ہو اس کو چاہئے کہ لکھکر اپنے گھر مین رکھے، اس قسم کے ایک نہین صدہا واقعات ہین ہم نے صرف چند بطور مثال لکھدیئے، تفصیل کے لئے دیکھو مسند دارمی ص ۶۸،

یہ واضح رہے کہ ان مین ابوہریرہ، ابن عمر، ابن عباس اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم بڑے مقتدر صحابی ہین، باقی تابعی ہین، یہ لوگ کتابت حدیث کا حکم دیتے تھے اور لکھاتے تھے، ان مین سے تمام صحابہ خلفاے راشدین کے زمانہ سے لیکر بنی امیہ کے زمانہ تک تھے اور تابعین مین سے کچھ خلافت راشدہ کے آخر کے ہین، اور کچھ خالص بنی امیہ کے عہد کے، اس لیے یہ کہنا کہ خلفاے راشدین اور بنی امیہ کے زمانہ مین حدیثین نہین لکھی گئین صحیح نہین ہے، اب خالص اموی دور مین آئیے، مروان امیر معاویہ کے زمانہ مین جبکہ وہ ان کی جانب سے مدینہ کا گورنر تھا، حضرت ابوہریرہؓ کو بلاکر ان سے حدیثین سنتا تھا اور ان کو قلمبند کراتا تھا (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۰۹ و ۵۱۱) ہشام بن عبد الملک کو جب ضرورت پیش آتی تھی تو حدیثون کی طرف رجوع کرتا تھا، اور حدیثون کے تحریری مجموعون سے اسکی مقصد برآری ہوتی تھی، رجاء بن حیوۃ روایت کرتے ہین کہ امیر ہشام بن عبد الملک نے اپنے ایک عامل کو مجھ سے ایک حدیث پوچھنے کا حکم دیا اگر وہ میرے پاس لکھی ہوتی تو مین اسے بھول چکا تھا (مسند دارمی ص ۶۹) ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اموی فرمانروا حدیث نبوی سے بے نیاز نہ رہ سکے اور ان کے زمانہ مین حدیثون کے مجموعے بھی موجود تھے،

جب خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز اموی کا زمانہ آیا تو انھون نے مرکز حدیث مدینۃ الرسول اور تمام ممالک اسلامیہ مین فرمان جاری کیا کہ حدیثون کے مجموعے مرتب کرائے، چنانچہ قاضی ابوبکر محدث کو جو ان کی طرف سے مدینہ کے گورنر تھے لکھا،

انظر ما کان من حدیث رسول اللہ صلعم فاکتبہ فانی خفت دروس العلم وذھاب العلماء ولا یقبل الا حدیث النبی صلعم (بخاری کتاب العلم باب کیف یقبض العلم)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث تلاش کرکے ان کو لکھو کیونکہ مجھے علم کے مٹنے اور علما کے ختم ہو جانے کا خوف ہے، لیکن سوائے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی چیز نہ لکھی جائے۔

مسند دارمی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی ابوبکر کے علاوہ تمام اہل مدینہ کے نام یہ حکم صادر ہوا تھا،

عن عبد اللہ بن دینار قال کتب عمر بن عبد العزیز الی اھل المدینة ان انظروا احادیث رسول اللہ صلعم فاکتبوہ فانی خفت دروس العلم وذھاب اھلہ (مسند دارمی ص ۶۸)	عبد اللہ بن دینار روایت کرتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز نے اہل مدینہ کو لکھا کہ رسول اللہ صلعم کی حدیثیں تلاش کرکے لکھو مجھے علم کے مٹنے اور علماء کے ختم ہو جانے کا خوف ہے،

حافظ ابن حجر عسقلانی ابونعیم کی تاریخ اصفہان کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ

کتب عمر بن عبد العزیز الی الآفاق انظروا حدیث رسول اللہ صلعم فاجمعوہ (فتح الباری ج اول ص ۱۷۴)	عمر بن عبد العزیز نے تمام دنیائے اسلام میں فرمان لکھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں تلاش کرکے جمع کرو،

غرض تمام دنیائے اسلام سے حدیثیں جمع کرکے انھیں کل ممالک محروسہ میں شائع کیا چنانچہ جامع بیان العلم حافظ ابن عبد البر قرطبی میں سعد بن ابراہیم کی یہ روایت ہے،

قال امرنا عمر بن عبد العزیز بجمع السنن فکتبناھا دفترا دفترا فبعث الی کل ارض لہ علیھا سلطان دفترا (جامع بیان العلم وفضلہ ص ۳۳)	ہم کو عمر بن عبد العزیز نے احادیث نبوی جمع کرنے کا حکم دیا، ہم نے اسکے دفتر کے دفتر لکھے، عمر بن عبد العزیز نے جہاں جہاں انکی حکومت تھی ایک ایک دفتر بھیجا،

ان تاریخی حقائق کے بعد یہ کہنا کہ خلفائے راشدین اور بنی امیہ کے زمانہ میں حدیثیں نہیں لکھی گئیں کس حد تک

ثبوت ہے؟ اس سلسلہ مین یہ دعوی اور بھی زیادہ عجیب اور حیرت انگیز ہے کہ صحاح سے پہلے جو رسول اللہ ؐ کے دو ڈھائی سو برس بعد لکھی گئین، حدیثون کا اور کوئی مجموعہ مرتب نہین ہوا، معلوم نہین اس دعوی کے وقت امام ابوحنیفہ المتوفی ۱۵۰ھ امام شافعی المتوفی ۲۰۴ھ امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ کی مسندون اور امام مالک المتوفی ۱۷۹ھ کی موطا کو کیون فراموش کر دیا جاتا ہے، خصوصاً موطا امام مالک جو اپنے پایہ کے لحاظ سے میرے نزدیک صحیحین سے بھی زیادہ بلند مرتبہ ہے، یہ اور بات ہے کہ اسے صحیحین کے جیسا قبول عام حاصل نہ ہوا، ان مین سے مسند احمد بن حنبل کے سوا باقی کل کتابین دوسری صدی کے اندر اندر صحاح سے پہلے کی ہین، بلکہ مسند بھی صحاح سے پہلے کی ہے، یہ تمام کتابین کتب فروشون کے یہان عام طور سے ملتی ہین، کوئی نایاب نہین، پھر انھین کیون نظر انداز کر دیا جاتا ہے،

حقیقت یہ ہے کہ صحاح سے بہت پہلے دوسری صدی کے اندر اندر حدیثون کے بہت سے مجموعے مرتب ہو چکے تھے جو دست برد زمانہ سے بالکل معدوم ہو گئے اور اب صرف ان کے نام باقی ہین، بلکہ بہتون کے نام بھی باقی نہین ہین، ابن ندیم نے بہت سے ایسے محدثین کے نام گنائے ہین جنھون نے حدیثین مدون کی تھین، ان مین سے بعض نام یہ ہین:-

سفیان ثوری المتوفی ۱۶۱ھ، ابو عبد الرحمن محمد بن عبد الرحمن المتوفی ۱۵۹ھ، عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج المتوفی ۱۵۰ھ، زائدہ بن قدامہ ثقفی المتوفی ۱۶۰ھ یا ۱۶۱ھ، محمد بن فضیل بن غزوان ضبی المتوفی ۱۹۵ھ، یحیی بن زکریا بن زائدہ المتوفی ۱۸۳ھ، وکیع بن جراح بن ملیح رواسی المتوفی ۱۹۶ھ، عبد الرحمن بن عمرو المعروف باوزاعی، المتوفی ۱۵۹ھ، ولید بن مسلم المتوفی ۱۹۴ھ، ہشیم بن بشیر سلمی المتوفی ۱۸۳ھ، عبد اللہ بن مبارک المتوفی ۱۸۱ھ وغیرہم، (دیکھو فہرست ابن ندیم الفن السادس من المقالۃ السادسہ)

ان تمام بزرگون نے فقہی حدیثون کے مجموعے مرتب کئے تھے، جنمین سے آج کسی کا پتہ نہین، یا بہت کم کا پتہ ہے، یہ واضح رہے کہ یہ لوگ دوسری صدی کے ہین، اگر تیسری صدی کے آغاز والون کو بھی لیا جائے

جنکا زمانہ صحاح کے قبل کا ہوگا، تو ان کی تعداد دو چند اور سہ چند ہو جاتی ہے،

اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے ایک اہم اور اصولی امر کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے ہم کو حدیث کی کتابت یا عدم کتابت سے بحث ہی نہین اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے، کہ رسول اللہ صلعم کے زمانہ سے لے کر بنی امیہ کے اختتام تک حدیثین نہین لکھی گئین تب بھی حدیث وسنت کے نا واجب العمل اور نا قابل حجت ہونے پر کوئی اثر نہین پڑتا، اصل شے تواتر عمل ہے ہم کو دیکھنا یہ چاہئے کہ ان زمانون مین مسلمانون کا عمل کیا تھا، جس چیز پر آنحضرت صلعم کی دہ سالہ مدنی زندگی مین ہزارون صحابہ، پھر خلافت راشدہ کے سی سالہ دور مین ہزارون صحابہ، لاکھون تابعی پھر بنی امیہ کے صد سالہ دور مین سیکڑون ائمۂ اسلام، لاکھون تابعی اور تبع تابعی اور کرورون مسلمان بلا اختلاف پابندی کے ساتھ عمل کرتے چلے آئے ہین اور آج تک وہ عمل جاری ہے، اسکو نا واجب الطاعۃ اور نا واجب العمل کس طرح کہہ سکتے ہین، صحابہ، تابعین، تبع تابعین، ائمۂ مذہب، علمائے اسلام بلکہ کسی قابل ذکر مسلمان نے آج تک احکام واعمال نبوی مین فروعی اختلاف کے سوا جو حدیث وسنت ہی سے متفرع تھے، کوئی اصولی اختلاف کیا ہے یا اس کے خلاف عمل پیرا ہوا ہے، اگر کوئی مثال ہو تو پیش کرنی چاہئے ورنہ پھر امت اسلامیہ کے سواد اعظم کے عملی تواتر کو جسمین صحابہ، تابعین، علمائے اسلام اور ائمۂ مذہب سبھی تھے کون رد کر سکتا ہے اور کون عقل اسے تسلیم کر سکتی ہے، ومن انکر فعلیہ البرھان،

سب سے آخر مین یہ سوال باقی رہجاتا ہے کہ حدیث کی جو کتابین رسول اللہ صلعم کے دو ڈھائی صدی بعد لکھی گئی ہون وہ قابل استناد ہو سکتی ہین یا نہین، اور حدیث کی موجودہ متداول کتابین کس حد تک قابل اعتماد ہین، اس پر انشاء اللہ کسی اور موقع پر مفصل بحث کی جائیگی،

ہندی فلسفہ

از

جناب بشیر احمد صاحب ڈار ایم اے لاہور

آج کل دنیا میں مغربی فلسفہ کا دور دورہ ہے۔ حالانکہ مشرقی فلسفہ مختلف حیثیتوں سے اس سے بدرجہا بہتر اور تشفی بخش ہے۔ مشرقی فلسفوں میں ہندوستان کا قدیم فلسفہ اپنی قدامت اور گہرائی اور وسعت کے لحاظ سے سب سے زیادہ قابل توجہ ہے،

ہندوستان کے فلسفہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے، کہ وہ عملی ہے، محض نظری نہیں، مغرب میں فلسفہ کا مفہوم محض نظری (Theoretical) ہے، انسان کی فطرت چونکہ ہر وقت نظام قدرت کی پیچیدگیوں کے متعلق سوال کرتی ہے، اس لئے فلسفہ ان سوالوں کے جواب دینے کا نام ہے، یونان میں فلسفہ کا آغاز محض اسی استفسار فطرت انسانی کا ظہور تھا، تھیلس (Thales) پارمینائیڈز (Parmenides) اور زینون (Zeno) وغیرہ فلاسفۂ یونان کی تمامتر کوششیں صرف اسی نظام کائنات کے مسائل کے سلجھانے میں صرف ہوئیں، اگرچہ بعض جگہ مثلاً سقراط اور افلاطون کے فلسفہ میں عملی رنگ کافی طور پر نمایاں ہے، لیکن ان کے بعد ارسطو نے دوبارہ فلسفہ کو محض نظری کر دیا، اور اس کے بعد آج تک کسی مغربی فلسفی نے فلسفہ کو عملی رنگ میں دنیا کے سامنے پیش نہیں کیا، مغرب میں بکثرت فلاسفہ پیدا ہوئے، ان کے عقائد و اصول (خواہ وہ غلط ہوں یا صحیح) کا رنگ کبھی ان کی عملی زندگی میں نمایاں نہ ہوا، ایک شخص مثلاً جان لاک (John Locke) اگر عقلی دلائل کی رو سے اس نتیجہ پر پہنچا ہے، کہ دنیا میں کسی چیز کی ہستی خواہ وہ مادی ہو یا روحانی، ثابت از نمونہ نہیں تو جب ہم اس کے عمل کی طرف دیکھتے ہیں،

تو اُس میں اور اُس کے مخالف عقیدہ رکھنے والے شخص میں کوئی فرق نظر نہیں آتا، لیکن ہندوستان کے فلسفہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ سہاپالی ہے فلسفہ کی جو کتاب بھی ہندوستان میں لکھی گئی، اس کا پہلا سوال دنیا کے مصائب اور تکالیف کے متعلق ہے، کوئی انسان خواہ امیر ہو یا غریب، عورت ہو یا مرد، بچہ ہو یا بوڑھا، اس عالمگیر رنج وغم سے فارغ نہیں، اگرچہ تمام فلاسفۂ ہند میں یہ بات مشترک ہے لیکن مہاتما بدھ کی تعلیم بہت زیادہ اسی مضمون کو دہراتی ہے، بدھ فلسفہ کے تین عنوان ہیں،

(ا) دنیا رنج وغم سے پُر ہے،

(ب) اس سے چھٹکارا حاصل کرنا ممکن ہے،

(ج) وہ کیا طریقہ ہے، ؟

بالکل یہی سوالات ہیں جو باقی مذاہبِ فلسفہ میں بھی موجود ہیں، ہر ایک فلسفی اپنے خیال کے مطابق ایسا نظامِ فلسفہ پیش کرتا ہے جسکی پیروی سے انسان دنیا کے رنج وغم سے چھٹکارا حاصل کرتا ہے، یہی وجہ تھی کہ فلسفہ کے جتنے مذاہب ہندوستان میں پیدا ہوئے، بالکل عملی رنگ میں رنگے ہوئے تھے، فلاسفہ کا مقصد محض انسان کی فطرتِ مستفسرانہ کو تشفی دینا نہ تھا بلکہ اُسے دنیا کے مصائب سے چھٹکارا دلانا تھا، اسلئے فلاسفۂ ہند مغربی فلاسفہ کی طرح محض عالم بے عمل نہ تھے، بلکہ علم کے ساتھ عمل سے بھی انھیں وافر حصہ ملا تھا،

سب سے بڑا ضروری سوال جو ہر ایک فلسفی کے لئے بحث طلب تھا، یہ تھا کہ یہ عالم کیسے بنا؟ کیسے چل رہا ہے؟ اور اسکا انجام کیا ہوگا؟ کیا یہ عالم حقیقتِ مطلق (Absolute Reality) ہے؟ اور اگر نہیں تو وہ حقیقت کیا ہے؟ ان سوالوں کے جواب دو مختلف پہلوؤں سے دئے جا سکتے ہیں، ایک پہلو تو خارجی ہے، جہاں ہمیں حقیقت کی ماہیت معلوم کرنے کیلئے معقولات یا منکرات (Phenomena of Objects) سے شروع کرنا پڑتا ہے، دوسرا پہلو داخلی ہے، جہاں ہم بجائے معقولات کے نفسِ ناطقہ سے بحث شروع کرتے ہیں، تمام مذاہبِ فلسفہ میں جو ہندوستان میں پیدا ہوئے، دوسرے پہلو کو اختیار کیا گیا ہے، آتمانم وِدھی یعنی نفس (روح) کو پہچانو، ان کی تعلیم تھی، اور یہی وجہ تھی کہ سب فلاسفہ نے مابعد الطبیعیات کو علم النفس کی بنیاد پر کھڑا کیا، لیکن اس بیان سے یہ نہ سمجھنا چاہئے، کہ چونکہ ہندوستانی

فلاسفہ نے مباحثِ فلسفیانہ کو داخلی پہلو سے دیکھا، تو اس لئے اونھون نے خارجی مباحث کو بالکل نظر انداز کر دیا، بلکہ جب ہم تاریخ قدیم کا مطالعہ کرتے ہین، تو معلوم ہوتا ہے، کہ اہلِ ہند اُس زمانے مین بھی خارجی علوم وفنون مثلاً سپہ گری، شاعری، نجوم، تعمیر، علمِ ہیئت، علم طبیعی، وکیمیا، علم الحساب اور علمِ طب مین ماہر کامل تھے،

چونکہ اونھون نے داخلی پہلو ہی کو زیرِ بحث لیا، اور خارجی پہلو کو بالکل نظر انداز کر دیا، اس لئے ضروری تھا، کہ فلسفہ مین ان کا نقطۂ نگاہ تصوریت (IDEALISM) ہو۔ اور چونکہ نظامِ فلسفہ کو ہمیشہ (SYNTHETIE شکل مین پیش کرنا چاہتے تھے، اسلئے تصوریت کے ساتھ واحدیت (MONISM) بھی اس کا لازمی نتیجہ تھی، چنانچہ ان دو مختلف میلانون کا اصل ایک طرف تصوریت کا ظہور اور دوسری طرف واحدیت کا نشو ونما تھا، ہندوستان کے تمام مختلف مذاہبِ فلسفہ مین یہ دونون اجزا پائے جاتے ہین، اگرچہ بعض جگہ ظاہراً ان کے مخالف رائے بھی موجود ہوتی ہے، اس تصوریتِ واحدی (Monistic idealism) کی تین مختلف حالتین ہین، جو ہندوستانی فلسفہ مین ظاہر ہوئی ہین،

(۱) غیر ثنویت یا اَدوَیت،

(ب) واحدیتِ خالص،

(ج) واحدیتِ معتدلہ (ترمیم شدہ)

پہلی قسم کا پیش کرنے والا شنکر اچاریہ ہے، جسکے نزدیک روح ایک ازلی وغیر فانی چیز ہے، اور تین مختلف انسانی حالتون یعنی جاگنا، سونا، اور خواب دیکھنا ہر ایک مین بدستور قائم رہتی ہے، روح کے بالمقابل خارجی دنیا کی اشیا بھی ہین، جو فانی اور ضائع ہونے والی ہین، برہمن (خدا) یا "مطلق" جو شنکر کے نزدیک حقیقت ہے، ہمارے ادراکِ عقلی سے بالاتر ہے، اگر کوئی ذریعہ اس کے معلوم کرنے کا ہے، تو وہ وجدان (Intuition) ہے، لیکن دوسری طرف جو کچھ ہمین خارجی دنیا مین دکھائی دیتا ہے، وہ اگرچہ موجود ہے، اور اس کی ہستی سے ہم انکار نہین کر سکتے، لیکن وہ حقیقت نہین، اب سوال یہ ہے، کہ ان دونون (یعنی برہمن اور دنیا) کا تعلق کیا ہے، ؟ اس کا جواب شنکر کے

پاس سوائے لفظ مایا کے اور کچھ نہیں یعنی ان دونوں کا تعلق اگرچہ ہمارے عقلی نقطۂ نگاہ سے کچھ نہیں ہوسکتا، کیونکہ ایک طرف حقیقت ہے، اور دوسری طرف محض باطل لیکن پھر بھی کچھ ہے، جسکو ہم نہیں بیان کرسکتے،

یہ ادویت کا نظریہ ہے!

(ب) لیکن بعض فلاسفہ اس نقطۂ نگاہ سے اختلاف کرتے ہیں، ان کے نزدیک "مایا" حقیقت لاعلمی کو چھپانے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے، وہ چاہتے ہیں کہ حقیقت اور دنیائے فانی کا تعلق کسی عمدہ پیرایے میں بیان کیاجائے، ورنہ تو ہم کہنے سے رہے، کہ دنیا برہمن میں کچھ اضافہ کرنے سے پیدا ہوئی، کیونکہ اس سے حقیقت میں نقص لازم آئے گا، اسلئے ہمیں یہ کہنا پڑیگا، کہ ایک اصول منفی ([illegible] Mega [illegible]) ازل سے موجود تھا، اور یہ اسی کی کارفرمائی تھی کہ دنیائے فانی کا ظہور ہوا یعنی برہمن سے کچھ نفی ہونیکے بعد دنیا پیدا ہوئی،

اس گروہ کے مطابق بھی ہماری عقل محض اس قابل نہیں کہ وہ حقیقت کو معلوم کرسکے، اس کے لئے اس سے اعلی قوت چاہیئے، جسے ہم وجدان کہہ سکتے ہیں، جس سے حقیقت کا محض علم ہی حاصل نہیں ہوتا، بلکہ ہمیں اس کا کلی تجربہ ہوتا ہے؛ ایسی واحدیت خالص ہمیں بعض اپنشدوں میں ملتی ہے، اور اون کے علاوہ اگار جون اور شری ہرش میں بھی پائی جاتی ہے، مغرب میں پارمنیا ئیڈز، افلاطون، اسپینوزا، پلاطینس، بریڈلے اور برگساں وغیرہ کے خیالات میں بھی ملتی ہے،

(ج) اس گروہ کا نقطۂ نگاہ پہلے دو گروہوں سے بالکل مختلف ہے، اس گروہ کے سردار ہندوستان میں رامانج اچاریا اور مغرب میں ہیگل ہیں،

شنکر اچاریہ کی رائے ہے، کہ برہمن ([illegible]) صرف حقیقت ہے، اور باقی تمام باطل لیکن یہ وجود ہماری عقل اور فکر سے بہت بالا ہے، اور صرف وجدان ہی اس کو سمجھ سکتا ہے، مگر اس گروہ کے نزدیک برہمن خواہ وجدان کے نزدیک کچھ ہی ہو، لیکن فکر و عقل ([illegible]) کے لئے محض تجرید مطلق ہے، جسکی کوئی حقیقت نہیں، انسانی دماغ کے لئے وجدان کا یہ فیصلہ کہ صرف برہمن وجود حقیقت ہے" یہ معنی رکھتا ہے، کہ دنیا

مین کچھ نہین، ہمارا تعلق اشیاے متعینہ (Concrete) سے تعلق رکھتا ہے، اور اس کے لئے ہر ثبت مین منفی مضمر ہے جب ہم ایک چیز کی نفی کرتے ہین، تو اس نفی مین ان چیزون کے غیر کا اثبات لازم آتا ہے، بہت سے متعرفین خاد شے مین عدم و وجود اثبات و نفی ہر دو موجود ہین،

اس گروہ کے نزدیک خدا کا مفہوم بھی اسی قسم کا ہے، خدا یا وجود (BEING) وہ ہے جس کے اندر عدم (NON BEING) بالقوہ (POTENTIALLY) موجود ہو یعنی ان دونون مین کوئی تضاد نہین، شنکر اچاریہ کے نظریہ کے مطابق ہم برہمن اور دنیا کا تعلق نہ بیان کر سکتے ہین، اور نہ سمجھ سکتے ہین، لیکن اس نظریہ کے مطابق یہ تعلق بالکل واضح ہے، دونون درحقیقت ایک ہین، خدا اگر بنیاد ہے، تو دنیا اس پر عمارت، خدا اگر حقیقت ہے، تو دنیا اس حقیقت کا مظہر،

ان تمام مسائل کی تفصیل و تشریح اپنے اپنے مقام پر کی جائے گی،

فلسفۂ ہندی کے مختلف دور

فلسفۂ ہندوستان کی تاریخ کو ہم چار مختلف زمانون مین تقسیم کر سکتے ہین،

(۱) ویدون کا زمانہ (۱۵۰۰ ق م سے لیکر ۶۰۰ ق م تک) اس زمانہ مین آریہ قوم ہندوستان مین آباد ہوئی اور آہستہ آہستہ اس کا تمدن یہان پھیلنا شروع ہوا، اسی زمانے مین جنگلون مین درسگاہین قائم کی گئین، اور فلسفے کی تعلیم کا آغاز ہوا، سب سے پہلے منتر لکھے گئے، بعد مین برہمن اور آخر مین اپنشد، اگرچہ ہم اس زمانے کی تعلیم کو اصطلاحاً فلسفہ نہین کہہ سکتے، لیکن پھر بھی جو کچھ ہوا، وہ فلسفہ کی تمہید ضرور تھا،

(۲) زمانہ شجاعت (۶۰۰ ق م سے لیکر ۲۰۰ء تک)

یہ زمانہ قدیم اپنشدون کی تصنیف کے وقت سے شروع ہوتا ہے، اور مذاہب فلسفہ کے ابتدائی زمانہ تک جاتا ہے، مہابھارت اور رامائن، اسی زمانہ کے خیالات کی یادگار ہین، ایک طرف بدھ مت نے اس زمانے مین اپنشدون کی تعلیم سے فائدہ اوٹھایا، اور دوسری طرف بھگوت گیتا جیسی بے مثل کتاب انھی اپنشدون کی تعلیم کے تحت مین دنیا کے سامنے نمودار ہوئی، مختلف مذاہب مثلاً بدھ مت، شیومت، جین مت اور وشنومت سب اسی زمانہ کی یادگار ہین، انکے علاوہ چھ

درشنون یا مذاہب فلسفہ کی ابتدا بھی اسی زمانے مین ہوتی ہے،

(۳) سوتر دنکا زمانہ (سنہ ء سے)

سوتر ایک طرز تحریر (اسٹائل) کا نام ہے جو اس زمانہ مین مصنفین نے اختیار کیا، اس طرز تحریر سے وسیع سے وسیع معانی کو بالکل چھوٹے چھوٹے فقرون مین بیان کر دیا جاتا تھا، اس لئے سوائے مصنف کے اس کا سمجھنا بھی بہت مشکل ہے، چنانچہ انھی مشکلات کو مدنظر رکھکر ایک ایک سوتر پر بے شمار شروح تصنیف کی گئین، اور اصل سوترون کی بجائے ان کی شرحون کو زیادہ وقعت دی گئی، اور دی جاتی ہے، مثلاً ویدانت سوتر کے مقابلے مین شنکر اچاریہ اور رامانوج اچاریہ کی شروح زیادہ مشہور ہین،

لیکن اس دور کی ایک اور خصوصیت قابل ذکر ہے، اس زمانے سے پہلے فلسفہ کے مباحث اگرچہ موجود تھے لیکن ان پر تنقیدی نظر نہین ڈالی گئی تھی، مغربی فلسفۂ جدید کی تاریخ سے ظاہر ہے کہ اگرچہ ڈیکارٹ (DESCARTES) اور اسپینوزا وغیرہ فلاسفہ ایک طرف اور لاک، بارکلے، اور ہیوم دوسری طرف ان سب نے فلسفیانہ مباحث مین بڑے زور شور سے حصہ لیا لیکن نظریۂ علم (Theory of Knowledge) پر کسی نے توجہ نہ کی، اگرچہ لاک وغیرہ فلاسفہ نے بظاہر فلسفہ کی اس شق پر بحث کی لیکن جیسا کہ کانٹ نے بعد مین ثابت کیا، وہ ان کا نظریۂ علم نہ تھا، نظریۂ علم کا موضوع ہمارے نفس کی وسعت علم ہے، یعنی ہم کس کس چیز کا علم حاصل کر سکتے ہین؟ لیکن جس چیز کو لاک اور اس کے دیگر پیروون نے لیا، وہ منبع علم تھا، یعنی ہمارا علم کہان سے شروع ہوتا ہے؟ یعنی ہم کسی چیز کا علم کس طرح حاصل کرتے ہین؟ اور یہ دو مبحث بالکل مختلف ہین، فلسفۂ جدید مین پہلا شخص کانٹ (KANT) ہے جس نے نظریۂ علم کی صحیح تاویل کی اور اسکی بحث کو مابعد الطبیعیات کی بحث سے مقدم رکھا،

چنانچہ جس طرح کانٹ نے یہ پہلا قدم اٹھایا، اسی طرح اس دور مین بھی یہ کام پہلی دفعہ عمل مین آیا، اور فلسفہ کی تمام شقون پر بحث کیگئی،

(۴) دور شارحین،

اس چوتھے دور اور تیسرے دور مین کوئی حد فاصل قائم نہین کی جاسکتی لیکن یہ وہی زمانہ ہے جسمین ہندوستان کے بہترین سے بہترین اور قابل ترین فلاسفہ دنیا کے سامنے نمودار ہوے، مثلاً کمارل بھٹ، شنکر، رامانوج، مادھو، وشیشتی، ادواین، جے انت، جینان بھکشو اور رگھوناتھ وغیرہ، لیکن یہی وہ زمانہ ہے جس سے ہندو فلسفہ کا تنزل شروع ہوا، کیونکہ مصنفین قدیم نے اپنے اپنے اوریجنل خیالات سے دنیا کو متمتع کیا، لیکن اس دور مین سب سے زیادہ کام صرف گذشتہ باتون کی شرح تھا، اگرچہ ہم اس سے انکار نہین کرسکتے کہ بعض شارحین نے اپنی تصانیف مین محض کورانہ تقلید ہی پر قناعت نہین کی لیکن پھر بھی ایسی مثالین کم ملتی ہین، زیادہ تر اس دور کا انحصار تقلید پر ہے، اور جب تقلید کا آغاز ہو تو تنزل ایک لازمی نتیجہ ہے، چنانچہ بجائے اصلی فلسفیانہ مباحث کے اس دور مین صرف ظاہری آرائش کی فکر دامن گیر تھی، بجائے فلسفیانہ معانی پر غور کرنے کے محض لفظون اور اصطلاحون کے جھگڑے اور موشگافیان نظر آتی ہین،

دور اول

یعنی ویدون کا زمانہ

وید ہندوستان کی مذہبی کتابین ہین، اور یہ تسلیم شدہ بات ہے، کہ ویدون سے زیادہ پرانی کوئی کتاب آج دنیا کے صفحہ پر موجود نہین، لیکن اس کے ساتھ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ وید اوس مکمل حالت مین جس مین وہ رشیون پر اترے تھے، موجود نہین، ویدون کی تعداد صرف چار ہے، رگ وید، سام وید، یجر وید، اور اتھرووید، پہلے تین وید زبان اور مضمون کے لحاظ سے ایک جیسے ہین، صرف اتھروید ان سب سے مختلف ہے!

رگ وید ان سب ویدون مین سے فلسفیانہ نقطۂ نگاہ سے بڑھ چڑھ کر ہے، جب آریہ ہندوستان مین وارد ہوئے تو انھین مختلف قسم کے مذہبی گروہون سے ملنے کا اتفاق ہوا، جن کا طریقۂ عبادت اور طریقۂ زندگی بالکل مختلف تھا، اس لئے ان کو یہ خوف پیدا ہوا کہ مبادا وہ تمام منتر جوان مین زمانۂ قدیم سے رائج تھے، ضائع نہ ہو جائین، ان منترون کے مجموعہ کا نام رگ وید ہے، یہ اس زمانہ کی یادگار ہے، جب آریہ ابھی ہندوستان مین آئے ہی تھے، اور صرف پنجاب کے میدانون تک ہی محدود تھے،

سام وید حقیقت، رگ وید کے منتروں کو مختلف پیرایوں سے اکٹھا کرکے بنایا گیا ہے، اور اسی طرح یجروید منتروں کے یہ دونوں مختلف مجموعے صرف اس لئے تیار کئے گئے تھے، تا کہ قربانی (یگیہ) کے موقع پر ان کا ورد بآسانی ہو سکے، ان کا زمانہ، تصنیف رگ وید کے بعد کا ہے، جب آریہ پنجاب کی وادی سے نکل کر مشرق کی طرف دریائے گنگا کی وادی میں جا پہنچے،

اتھروید، رگ وید کی طرح ایک علحدہ حیثیت رکھتا ہے لیکن مذہبی نقطۂ نگاہ سے اس کی وقعت پہلے تینوں ویدوں سے کم ہے، کیونکہ مدت تک اس کو وید تسلیم ہی نہیں کیا گیا تھا، اور نہ اسی لئے اُسے معتبر مانا جاتا تھا، اور نہ اس پر کوئی شرح لکھی گئی، مگر فلسفیانہ نقطۂ نگاہ سے رگ وید کے دوسرے درجہ پر ہے، اس کی طرزِ تحریر (Style) اور اس کے مضامین، رگ وید کی طرز تحریر اور مضامین سے بالکل مختلف ہیں، یہ رگ وید کے بہت بعد کے زمانے کی تصنیف ہے، وہ زمانہ جب آریوں نے محکوم قوموں کو اپنے مذہب و تمدن میں ملانے کے لئے ان کے رسوم مذہبی و معاشرتی کو اپنے اندر جذب کر لیا تھا، چنانچہ اتھروید جو مذہب پیش کرتا ہے، وہ رگ وید کے مذہب سے بہت فروتر ہے؛

ہر ایک وید پھر تین حصوں پر مشتمل ہے، یعنی

(۱) منتر (۲) برہمن اور (۳) اپنشد،

منتروں کے مجموعے کا نام سنہتا ہے، برہمنوں میں مذہبی احکام اور اوامر و نواہی کے متعلق بحثیں موجود ہیں اپنشد اور ارنیکا، برہمنوں کے آخری حصوں کا نام ہے، جن میں فلسفیانہ مضامین پر بحث ہوتی ہے، برہمنوں میں صرف وہ مسائل ہیں، جن کی پیروی ایک گرہستی کو لازم ہے، لیکن جب بڑھاپے میں لوگ دنیا چھوڑ کر جنگلوں میں چلے جاتے ہیں، تو ان کی رہنمائی کے لئے ارنیکا ہیں، منتر شاعروں کے دماغ کا نتیجہ ہیں، برہمن رشیوں اور پنڈتوں کے دماغ کا، اور اپنشد، فلاسفہ کے خیالات کا نتیجہ ہیں،

جیسا کہ ابھی بیان کر دیا گیا ہے، کہ فلسفیانہ نقطۂ نگاہ سے صرف رگ وید اور اتھروید ہی قابلِ ذکر ہیں

صرف انھی کا ذکر ہیں اور آیندہ مضمون میں کیا جائے گا،

رگ وید دنیا میں جتنے علوم ہیں، ترقی کے مختلف درجات سے گذر کر آج اپنی موجودہ حالت میں ہم کو نظر آرہے ہیں، مثلاً کیمسٹری (Chemistry) کا پہلا درجہ کیمیا کی تلاش تھی، جب لوگ بجائے موجودہ طرز تحقیق کے صرف سنگ پارس کے لئے مختلف اشیا کو مختلف طریقوں سے تقسیم (Analysis) کیا کرتے تھے، موجودہ علم ہیئت کی پہلی صورت علم نجوم تھا، اسی طرح فلسفہ کے پیشرو علم الاصنام اور مذہب ہیں، چنانچہ اسی اصول کے مطابق اگر ہم کو کسی قوم کے فلسفہ پر غور کرنا ہے، تو ضروری ہے کہ اس سے پہلے اس کے مذہب پر نگاہ ڈالی جائے، مذہب بھی دنیا کی دیگر اشیا، کی طرح ارتقاء کی مختلف منازل سے گذرتا ہے، لیکن اگر مذہب کی حقیقی ابتدا (Origin) یا اوس کی پہلی منازل دیکھنا ہو تو رگ وید سے بہتر کوئی کتاب دنیا میں موجود نہیں، ہومر (Homer) کی تصانیف میں اور عہد عتیق کے پرانے ملفوظات میں ہمیں مذہب کی ترقی کی بعد کی منازل نظر آتی ہیں، لیکن صرف ہندوستان ہی میں مذہب اپنی اولین حالت میں جلوہ افروز ہے،

جب ہم ان منتروں کا مطالعہ کرتے ہیں، تو سب سے پہلے جو چیز نظر آتی ہے، وہ ان کی اکثریت پرستی (Polytheism) ہے، بے انتہا دیوتاؤں کے نام ہیں، جنکی پرستش کیجاتی تھی، لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ ہمیں کہیں کہیں ایسے منتر بھی ملتے ہیں جنمیں خدا سے واحد کی پرستش کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، چنانچہ صرف رگ وید ہی میں ہمیں مذہب کی تین مختلف منازل ارتقا نظر آتی ہیں، وہ یہ ہیں،

(ا) اکثریت پرستی (یا پولوتھی ازم) یعنی بہت سے خداؤں کی پرستش،

(ب) وحدانیت (یا مونوتھی ازم) یعنی صرف ایک خدا کی پرستش،

(ج) وحدیت (یا مونزم) یعنی صرف وجود واحد حقیقی ہے،

(۱) اکثریت پرستی رگ وید میں بے حد دیوتاؤں کا نام آتا ہے، اور پروفیسر رادھا کرشن کے الفاظ میں "انسانی دماغ کی خدا گری کا بہترین نمونہ ہے، ذیل میں صرف چند دیوتاؤں کے نام درج کئے جاتے ہیں جس سے معلوم ہو جائیگا"

کہ ان دیوتاؤں کی سیرت (Character) کیا ہے، اور وہ مذہب جس کو رگ وید نے پیش کیا ہے، کیسا ہے، ؛

(۱) ورُون دیوتا، اس کا مادہ ہے "ور" جس کے معنی ہیں "ڈھانکنا" یہ آسمان کا دیوتا ہے، ایرانی اہور مزدا اور ورون دیوتا در اصل ایک ہی ہیں، متر اس کا دوست ہے، اور جب ان دونوں کا نام اکٹھا آتا ہے، تو اس سے مراد رات اور دن نور وظلمت ہوتی ہے، ورون آہستہ آہستہ ترقی کرکے اخلاقی دیوتا (یعنی وہ دیوتا جو محافظ اخلاق ہے،) کی حیثیت اختیار کرلیتا ہے، وہ گنہگاروں کو سزا دیتا اور توبہ کرنے والوں کو بخش دیتا ہے،

اگرچہ ستیارتھ پرکاش (ترجمہ اردو ۵۵۶) میں لکھا ہے، کہ ایشور گناہ معاف نہیں کرتا لیکن رگ وید کے ہر اس منتر میں جو ورون دیوتا کے منسوب ہے، ہم یہی ایک چیز پاتے ہیں، گناہوں سے توبہ اور استغفار، وشنو اور بھگوت فرقے جنھوں نے بھگتی کے اصول پر بہت زور دیا ہے، درحقیقت اسی ورون دیوتا کی عبادت کی صدائے بازگشت ہیں جس میں گناہ کا احساس اور خدائے رحیم کی بخشش کی امیدواری ہر وقت نمایاں تھی،

وہ قانون اخلاق جس کا وہ محافظ تھا، رتہ کہلاتا ہے، رتہ لغوی معنوں کے لحاظ سے دنیا کی اشیاء کا ایک بنیادی اصول ہے، اور افلاطون کے تصورات (Ideas) سے مشابہ ہے، جس طرح افلاطون کے نزدیک دنیا کی ہر شے محسوس یا غیر محسوس بے حقیقت اور باطل تھی، اور اصل حقیقت وہی تصورات تھے، اسی طرح یہ دنیائے مادی اسی رتہ کا ایک پرتو یا عکس ہے، جو تمام تبدیلیوں میں یکسان اور ثابت ہے، اور چونکہ وہ سب اشیاء کا بنیادی اصول ہے، اس لئے ضروری ہوا کہ وہ ان اشیا یعنی مادی دنیا سے مقدم ہو، لیکن یہی رتہ ترقی کے منازل طے کرتے ہوئے طبیعی قانون کے بجائے خدائے واحد کے "ارادے" (Will) کا مظہر اور پھر اخلاق و نیک چلنی کے قانون کی شکل اختیار کرلیتا ہے، رتہ کے لغوی معنی تھے، سورج، چاند، ستارے، دن، رات، صبح و شام، غرض تمام مظاہر طبیعی کی مقررہ روش، لیکن بعد میں وہ قانون اخلاق تسلیم کیا گیا جس کی پیروی ہر بشر و دیوتا کے لئے لازمی تھی، چنانچہ اسی لئے ورون دیوتا جو پہلے ایک قانون طبیعی کا محافظ تھا، بعد

یں قانونِ اخلاق (رتہ) کا محافظ قرار پایا،

(۲) سوریہ۔ سورج کا دیوتا ہے، سورج کی تپش اور روشنی کوئی کم عالمگیر نہ تھی، کہ آدمی قدیم الایام میں اس سے مرعوب نہ ہوتا، چنانچہ وہ مرعوب ہوا، اور سورج کی پرستش یونانی اور ایرانی ہر دو مذاہب کا لازمہ قرار پائی، سورج کی طرف بہت سی مافوق الادراک قوتیں منسوب کی گئیں، وہ دنیا کا نگہبان ہے، وہی لوگوں کو کام کے لئے بیدار کرتا ہے، اندھیرا دور کرکے روشنی پیدا کرتا ہے، اور انھی بے مثل قوتوں کی وجہ سے اسے دنیا کا خالق اور منتظم قرار دیا گیا،

(۳) وشنو، یہ تینوں کروں کا خدا ہے، زمین آسمان، اور ملاءِ اعلیٰ کو گھیرے ہوئے ہے، رگ وید میں وشنو کا رتبہ اگرچہ بہت معمولی ہے، لیکن اس کا مستقبل بہت شاندار معلوم ہوتا ہے، وشنومت کی ابتدا بھی رگ وید ہی سے شروع ہوتی ہے، جہاں وشنو کو بہت سریرا (یعنی جسم عظیم کا مالک) کے نام سے پکارا گیا ہے، کہا جاتا ہے کہ اس نے تمام دنیا زمین کو تین بار صرف مصیبت زدہ آدمیوں کی مدد کیلئے طے کیا تھا،

(۴) ادتی، اس کے لغوی معنی لامحدود ہیں، اور یہ اُس لامحدود ہستی کا نام ہے، جو ہم کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے، اَدتی آسمان ہے، اَدتی ماں ہے، باپ ہے، اور بیٹا ہے، ادتی ہی تمام دیوتاؤں کا مبداء ہے، اور ادتی ہی وہ ہے، جو پیدا ہو چکا ہے، اور آیندہ پیدا ہوگا، اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ ادتی دیوتا دراصل سانکھیہ مذہب کی پراکرتی کا پیشرو ہے یعنی جو مفہوم سانکھیہ میں پراکرتی ادا کرتی ہے، وہی مفہوم اس دیوتا سے مراد ہے،

(۵) اگنی، اگنی آگ کا دیوتا ہے، اور اندر دیوتا سے صرف دوسرے درجہ پر، اس کے نام تقریباً ۲۰۰ منتر منسوب ہیں، اس کی جسمانی شکل بہت خوفناک دکھائی گئی ہے، اس کے دانت بہت تیز اور کاٹنے والے ہیں، لکڑی یا گھی اس کی خوراک ہے، جب وہ حملہ کرتا ہے، تو اس کا راستہ سیاہ ہوتا ہے، اور اسکی آواز بجلی کی طرح کڑکتی ہے،

آگ نہ صرف زمین پر ہوتی ہے بلکہ سورج، صبح اور بجلی کی شکل میں آسمان پر بھی ہوتی ہے، اور آہستہ آہستہ ترقی کرتے ہوئے وہ دیوتا اور آدمیوں کے درمیان ایک واسطہ یا وسیلہ ہو جاتا ہے جسکی مدد سے اندر دیوتا اور ورن

دیوتا وغیرہ کو مدد کیلئے پکارا جاتا ہے،

(۶) اندر بجلی کی کڑک کا دیوتا ہے، اور چونکہ تمام مظاہر طبیعی میں سے یہ زیادہ دہشت انگیز ہے، اس لئے اس کا دیوتا اندر بھی بڑا زبردست ہے، اگر ان منتروں کا بغور مطالعہ کیا جائے، جو رگ وید میں اس کے نام کی طرف منسوب ہیں، تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کی ہر دلعزیزی دوسرے دیوتاؤں سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے، اسکی طبیعی پیدایش تو ظاہر ہے دو دریاؤں اور بادلوں سے پیدا ہوا ہے، وہ بجلی کی کڑک کا آقا اور ظلمت کو شکست دینے والا ہے لیکن آہستہ آہستہ وہ اس منزل طبیعی سے ترقی کرکے روحانیت کے اعلی درجہ پر پہنچ جاتا ہے، اور تمام عالم اور مخلوق کا خدا تسلیم کر لیا جاتا ہے، وہ سمیع اور علیم ہے، چونکہ اس زمانہ میں آریہ، ہندوستان کے قدیم باشندوں کے ساتھ جنگ وجدال میں مشغول تھے، اسلئے اندر ان کا جنگی دیوتا قرار پایا، اور چونکہ ورون دیوتا، جس کی سیرت کا بہترین حصہ صلح جوئی، حلیم طبعی اور شاہانہ سکون تھا، اس قابل نہ تھا کہ وہ اس زمانہ میں آریوں کا دیوتا بن سکتا، اس لئے اندر نے اس کی جگہ پر بھی قبضہ پا لیا،

اس مختصر سی روداد سے صاف ظاہر ہے کہ یہ تمام دیوتا کیا تھے؟ محض مظاہر طبیعی و قوائے طبعیہ کا مجسمہ تھے آدمی اپنی حیوانی حالت سے گذر کر جب انسانی حالت میں داخل ہوا، تو اس نے اپنے اردگرد مختلف قوائے طبعیہ کو دیکھا، جن پر اس کی زندگی کا انحصار تھا، زمین آسمان، ہوا، بارش، کڑک وغیرہ ان کی طرف نہ صرف اس نے انسانی قوت ارادی منسوب کی، بلکہ انسانی نفس انسانی یا خودی، انسانی خواہشات اور کمزوریاں بھی منسوب کیں اس کے بعد انھی مجسم قوائے طبیعی کو اخلاق قانون کا محافظ سمجھا گیا، چنانچہ یہ تمام دیوتا دو مختلف قسم کے اجزا سے مرکب تھے (۱) طبیعی اور (۲) اخلاقی، مگر مذہب بہتر وہ ہے، جس میں اخلاقی عنصر، طبیعی عنصر پر غالب ہو، اگر اس معیار پر رگ وید کے مذہب کو جانچا جائے تو صاف ظاہر ہوگا کہ وہ اتنا بلند رتبہ نہیں کیونکہ رگ وید کے دیوتا اگرچہ ایک طرف اخلاق کے نگہبان تھے تو دوسری طرف بہت زیادہ عنصر نہ صرف قوائے ماورائے انسانی کا بلکہ خود پرستی کا عنصر بھی ان میں موجود تھا، اسی نقص کی وجہ سے ویدوں کا پرانا طریقۂ عبادت مقبول نہ ہو سکا،

(ب) وحدانیت،

جیسے یونان میں زینوفانیس (Xenophanes) نے یونانیوں کے بے شمار دیوتاؤں کے بجائے خدائے واحد کا مفہوم اول اول پیش کیا، اور جس سے یونانی فلسفہ کے پہلے حقیقی مذہب (ELATICISM) کا آغاز ہوا، اسی طرح ہندوستان میں بے شمار دیوتاؤں کے ہوتے ہوئے لوگوں کے دل میں وحدانیت کی طرف رغبت پیدا ہوئی اور یہی درحقیقت فلسفہ کے آغاز کا پہلا نشان ہے، اگر قدرت کے بے شمار مظاہر کے لئے بے شمار دیوتاؤں کی ضرورت تھی، تو قانون فطرت کی وحدت (Unity) اور استمرار (Uniformity) اسکی مقتضی تھی کہ خدا صرف ایک ہو جو سب پر حکمران ہو، چنانچہ ورون دیوتا کی پرستش درحقیقت اسی مقصد کی طرف ایک قدم تھا، مختلف صفات اخلاقی و روحانی مثلاً عدل، رحم اور نیکی وغیرہ اس کی طرف منسوب کئے گئے، لیکن خالص وحدانیت اور اکثریت پرستی (پولوتھی ازم) کے درمیان ایک منزل اور بھی ہے، جو ہمیں رگ وید کے منتروں میں نظر آتی ہے، اس منزل کا نام میکس میولر نے ہینوتھی ازم (Henotheism) رکھا ہے اس سے مراد یہ ہے، کہ لوگ باری باری صرف اس ایک دیوتا کی پرستش کرتے جس کی اس وقت ضرورت ہوتی، اور باقی دیوتا بالکل فراموش کردئے جاتے، چنانچہ جب بارش کی ضرورت ہوتی تو اس وقت صرف بارش کے دیوتا کی پرستش ہوتی تھی، لیکن اگر کچھ دیر بعد دھوپ کی ضرورت ہوتی، تو اس وقت صرف سورج کے دیوتا کی واحد پرستش کی جاتی، غرض کبھی ورون دیوتا سب سے بڑا درجہ حاصل کرلیتا، کبھی اندر اور کبھی اگنی، اس طرز عمل کو اگرچہ ہم خالص وحدانیت نہیں کہہ سکتے، لیکن پولی تھی ازم یعنی اکثریت پرستی بھی نہیں کہا جاسکتا،

ہینوتھی ازم کے بعد اصلی وحدانیت کا دور شروع ہوتا ہے، اس زمانے میں رشی اس دنیا کی علت واحد (یعنی خالق واحد) کی تلاش میں سرگرداں تھے، جو قدیم و ازلی ہو، یہ مقصد حاصل کرنے کیلئے صرف ایک راستہ کھلا تھا یعنی تمام دیگر دیوتاؤں کو صرف ایک بڑے دیوتا کی ماتحتی میں پیش کیا جائے، اور وہ تمام دیوتا اسکی طرف سے مختلف کاموں پر مامور، چنانچہ اس طرح ان کا مقصد بھی حل ہوگیا، اور گذشتہ روایتیں بھی محفوظ رہ گئیں،

وہ خالق واحد جسکی تلاش کا ذوق کئی ایک منتروں سے ظاہر ہوتا ہے، آخر کار پرجاپتی کی شکل میں نمودار ہوتا ہے، برہمنوں میں مختلف مواقع پر کئی منتروں کے ورد کی فرمائش کی گئی ہے، اور یہ منتر ان برہمنوں کے مطابق وہ تھے جو پرجاپتی نے دنیا کو پیدا کرنے کے وقت استعمال کئے تھے، اور یہ تمام منتر عام طور پر اس طرح شروع ہوتے ہیں،

"ابتدا میں صرف پرجاپتی تھا...... وغیرہ"

(ج) وحدیت (Monotheism)

جب ہم غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے، کہ اکثریت پرستی (یعنی پولی تھی ازم) کا سبب انسانی فطرت مستفسر تھی، جو ہر شے اور ہر مظہر قدرت کی حقیقت معلوم کرنے کے در پے تھی، رات کو سورج کہاں جاتا ہے، دن کو ستارے کہاں ہوتے ہیں؟ سورج گر کیوں نہیں پڑتا؟ ہوا کہاں سے آتی ہے، اور کہاں جاتی ہے۔؟ یہی وہ سوالات تھے، جو اکثریت پرستی کا باعث ہوئے، اور ان سوالات کے جواب دینے میں لوگوں نے مختلف دیوتاؤں کی ہستی پیش کی، لیکن یہ انسانی دماغ کے ارتقا کا صرف پہلا دور تھا، جب انسان نے اور ترقی کی، تو یہ اکثریت پرستی ان کو ان جوابات سے مطمئن نہ کر سکی، اب سوال یہ پیدا ہوا کہ ان تمام دیوتاؤں میں سے سب سے بڑا کون ہے؟ یہ زمانہ شبہات و شکوک کا تھا، اور بڑا نے خیالات بدل رہے تھے، چنانچہ رگ وید کے بعض بعد کے منتروں میں یہ تبدیلی صاف طور پر نمایاں ہے، ایک منتر میں شاعر صلہ رحمی کا ذکر بغیر کسی دیوتا کا نام لئے ہوئے کرتا ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ اخلاقی قانون کی حفاظت اب ان کے سپرد نہیں رہی، ایک دوسرے منتر میں جو اندر کے نام منسوب ہے، شاعر کہتا ہے،۔

"وہ خطرناک دیوتا جس کی ہستی کے متعلق لوگوں کو شک ہے، اور پوچھتے ہیں کہ وہ کہاں ہے؟ نہیں بلکہ واضح لفظوں میں اسکی ہستی کا انکار کرتے ہیں، وہی ان کو تباہ کریگا،"

ایسے شکوک کئی جگہ منتروں میں ملتے ہیں، اور بعض جگہ تو سارے کے سارے منتر میں دیوتاؤں اور ان کی پرستش کرنے والوں کا تمسخر اڑایا گیا ہے،

غرضکہ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ دیوتاؤں کا رعب و دبدبہ زائل ہو رہا تھا حتی کہ اپنشدوں کے زمانہ میں تو یہ دیوتا بالکل غائب

ہی ہوگئے یہان تک کہ دوسرے دور (یعنی دور وحدانیت) کے خالق واحد کی ہستی بھی مشکوک ہوگئی، خدا کو انسانی شکل اور انسانی صفات (Anthropomorphic) مین پیش کرنا بھی اس دور کے فلسفیانہ دماغ کے لئے ناقص تھا خواہ خدا کا تصور ایک وحشی کی طرح ظالم انسان کا سا ہو، یا مہذب لوگون کی طرح جن کے نزدیک خدا مہربانی اور انصاف کرنے والا اور ساری روئے زمین کا خالق و محافظ ہے، یہ ہر دو تصور انسانی (Anthropomorphism) ہین، اور اس لئے فلسفہ کے معیار کی رُو سے ناقص، اس لئے اس دور مین بجائے وحدانیت کے وحدیت نے ترقی پکڑی،

اس نظریہ کی پیروی مین اونھون نے اس اصول مرکزی کو لفظ "ست" سے پکار، تاکہ اُس سے ذکر و اُنث کا امتیاز ہی اُٹھ جائے، انھین یقین کامل تھا کہ حقیقت (Reality) موجود ہے، تمام دیوتا اگنی، اندرا اور ورون وغیرہ اسی حقیقت کا پرتو ہین، وہ "حقیقت" واحد ہے، کثیر نہین، اور جسمانی خصوصیات وقیود سے بالاتر ہے، میکس میولر کہتا ہے،

"جس زمانہ مین رگ وید مجتمعا اکٹھا کئے گئے، اگرچہ ہم نہین جانتے کہ وہ کونسا زمانہ تھا، لیکن اس زمانے سے بھی بہت پہلے یہ رائے قائم ہوچکی تھی، کہ خدا صرف ایک ہے، جو مذکر و مؤنث اور دیگر ہر قسم کی قیود سے بالاتر ہے، اور جب اگنی اندرا اور دیگر ایسے نام لئے جاتے ہین، تو اون سے مراد اسی خدائے واحد سے ہے، حتی کہ خود پرجاپتی سے بھی یہی مطلب مراد ہے،

رگ وید کے بعض منترون مین اس پرم پرش (یعنی ایزد تعالیٰ) کے لئے جو ضمیر استعمال کیگئی ہے، وہ کبھی جاندار کی ہوتی ہے، اور کبھی بیجان کی، اس دو طرفہ بات سے نتیجہ یہ نکلتا ہے، کہ مصنف دو مختلف نظریون یعنی مونوتھی ازم (وحدانیت) اور مونوازم (وحدیت) مین پورے طور پر فیصلہ نہین کرسکا کبھی اس کا رجحان ایک طرف ہوجاتا ہے، اور کبھی دوسری طرف اصلی معاملہ یہ ہے کہ خدا کا تصور ایک فلسفی کے نقطۂ نگاہ سے اتنا بلند ہے، کہ اس کا بیان تقریباً ناممکن ہے، لیکن اگر ہم اسے بیان کرنا چاہین، تو یقیناً ہمین اس کے لئے ایسے الفاظ استعمال کرنے پڑین گے، جو اسکو اپنے اصلی درجہ سے بہت نیچے لے آئین گے چنانچہ اس کی عبادت کرنے کیلئے ہمین اس خدائے لامثال کو ذات وصفات (Personality) کی قیود مین محدود کرنا پڑتا ہے جونہی ہم خدائے مطلق کو معبود خلائق بناتے ہین، تو وہ مطلق (Absolute) کے درجہ سے گرجاتا ہے لیکن ایسی حالت مین خدا کو ہم خدائے کامل نہین کہہ سکتے چنانچہ اگر خدا کامل ہے (یعنی مطلق ہے) تو مذہب ناممکن ہے (کیونکہ مذہب کیلئے

خدا اور انسان کا تعلق لازمی ہے، اور یہ تعلق ہی فلسفیانہ نقطۂ نگاہ سے خدائے مطلق کے لئے ناممکن ہے) اور اگر خدا کامل نہین یعنی مطلق کے درجہ سے کم ہے، تو ایسا خدا کسی مذہب کے لئے درست نہین ہو سکتا، ایک محدود خدا کا مفہوم انسان کے کمزور دماغ کے لئے تسکین بخش نہین ہو سکتا، اور نہ اس سے آخرت مین خیر(GOOD) کی کامیابی کا یقین آسکتا ہے، خالص اور بلند مذہب کے لیے خدائے مطلق کی ضرورت ہے، جو ذات وصفات (AUTHRO POMORPHISM) کی قیود سے بالاتر ہو،

اسی اختلاف کو ظاہر کرنے کے لئے کبھی جاندار کی ضمیر استعمال کی گئی ہے، جس سے وہ خدا مراد ہے جس کی مذہبی لوگ پرستش کرتے ہین، اور کبھی بے جان کی ضمیر استعمال کی گئی ہے، جس سے خدائے مطلق مراد ہے، جو فلسفہ اور اعلیٰ مذہب کے نزدیک خدا کا مفہوم ہے،

الغرض رگ وید کے منترون مین مذہبی خیال کے ارتقا کی چار مختلف منازل ہین، :-

(۱) پہلا زمانہ فطرت پرستی کا تھا جب کہ ہر ایک مظہر قدرت کو دیوتا سمجھ کر اوسکی پرستش کیجاتی تھی،

(۲) اس زمانہ مین دیوتا نہ صرف طبیعی قانون کے حامل سمجھے جاتے تھے بلکہ اخلاقی قانون کی حفاظت بھی ان کا فرض سمجھا جانے لگا، اس زمانہ کا دیوتا ورون تھا،

(۳) یہ وہ زمانہ تھا جب کہ آریہ اس ملک کے قدیم باشندون سے برسر پیکار تھے، اس زمانہ کا دیوتا اندر تھا جس مین نفس پرستی اور خودداری کا مادہ بہت زیادہ نمایان ہے،

(۴) ظہور وحدانیت :- اس زمانہ کا خدا پرجاپتی تھا،

(۵) دور وحدیت :- اس زمانہ کا خدا برہمن ہے، جو خدا کا بہترین فلسفیانہ تصور ہے،

لیکن رگ وید کے منترون مین یہ تمام منازل یکے بعد دیگرے موجود نہین کئی دفعہ ایک ہی منتر مین یہ پانچون خیالات موجود ہین، اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے، کہ جس وقت رگ وید کے منتر جمع کئے گئے، تو یہ ساری منازل گذر چکی تھین اور مختلف آدمی مختلف خیالات کی پیروی کرتے تھے،

حضرت ناصر جنگ شہید
کے
بعض عنایت نامے

از جناب محمد غوث صاحب، (عثمانیہ) حیدر آباد دکن

حضرت مغفرت مآب آصفجاہ اول کے انتقال کے بعد سرزمین دکن مین حضرت مرحوم کی جانشینی کیلئے جو اختلاف پیدا ہوا، اس کے متعلقہ کاغذات اب گویا عنقا ہین، اس عہد کا جو بھی کاغذ فی الوقت دستیاب ہو جائے وہ ایک قیمتی دستاویز ہے، حسن اتفاق کہ اس زمانہ پرآشوب کے بعض اصلی کاغذات قدیم بستون کے ٹٹولنے مین برآمد ہوئے ہین،

سیوا جی کے باپ شاہ جی کے حملہ کے بعد سے تنجاور پر مرہٹہ راجاؤن کی حکومت تھی جسوقت حضرت ناصر جنگ شہید مسند آصفی پر متمکن ہوئے اس زمانہ مین راجہ پرتاب سنگھ تنجاور کے حکمران تھے، اس زمانہ مین جنوبی ہند کے راجاؤن نواب سب کو اپنی سلامتی کے لیے آصف جاہی زلہ ربائی ضروری تھی، راجہ پرتاب سنگھ بھی اس سے مستثنیٰ نہین تھے، انھون نے بھی حضرت ناصر جنگ شہید سے اظہار عقیدت کیا اور نذر گذرانی، پیشگاہ شہادت مآب سے بھی الطاف و عنایات کا اظہار ہوا اور عنایت نامے بہ دستخط و مہر خاص نافذ ہوتے رہے، فی الوقت اس قسم کے گیارہ عنایت نامے پیش نظر ہین، یہ سب اس زمانہ کے حسب دستور افشانی کاغذ پر زیب تحریر پائے ہین، سب کے سرنامون پر "ہو الکریم" درج ہے، اور سب کے سب مزین بہ "بیض خاص" ہین، دو عنایت نامون پر خط خاص سے بھی کچھ عبارت زیب تحریر فرمائی گئی ہے،

اس زمانہ مین خط اور لفافہ پر تاریخ درج کرنے کا عموماً دستور نہین تھا، کاتب کی مہر صرف لفافہ پر ہوتی تھی، مکتوب الیہ کا نام بھی لفافہ ہی پر درج ہوتا تھا، مراسلہ کاتب و مکتوب الیہ ہر دو کے نام و مہر سے معرا ہوتا تھا، اس لحاظ سے اس زمانہ کے

خطوط و فرامین وغیرہ جب لفافہ کے بغیر بدست ہوتے ہین تو کاتب و مکتوب الیہ اور تاریخ کتابت کا پتہ چلانا بہت مشکل ہو جاتا ہے،

پیش نظر عنایت نامون کا بھی یہی حال ہے، بدقسمتی سے اس کے لفافے غالباً مکتوب الیہ ہی کے دفتر مین تلف کر دیئے گئے ہین، البتہ یہ امر باعث تشفی ہے کہ لفافون پر جو مہر ثبت ہوتی تھی انکو علٰحدہ کرکے ان عنایت نامون کی پشت پر چسپان کر دیا گیا ہے، جو مہر چسپان ہے وہ یون ہے:۔

"نظام الدولہ ۱۱۵۲"

مزید خوش قسمتی سے ایک عنایت نامہ پر ۱۲ ربیع الاول ۱۱۶۳ھ بھی مرقوم ہے، سب عنایت نامون کا آغاز "شہامت و جلادت دستگاہا" کے القاب سے ہوا ہے،

بہر حال باوجود صاحب عنایت نامجات کا نام مرقوم ہونے کے یہ امر محقق ہے کہ یہ عنایت نامے راجہ پرتاپ سنگھ والی تنجاور کو ہی مرحمت ہوتے تھے[1]،

۱۔ ۱۱۵۹ھ مین اعلیحضرت مغفرت مآب آصفجاہ اول نے حضرت ناصر جنگ کو میسور کی جانب روانہ فرمایا تھا،

---

[1] تنجاور سے سرسری واقفیت حاصل کرنے کے لیے ای۔ کے۔ آر۔ سبرامنین صاحب ایم اے (مدراس) کا ایک انگریزی رسالہ موسوم بہ "مرہٹہ راجاز آف تنجور" بہت مفید ہے،

ان عنایت نامون پر نوٹ لکھنے مین حسب ذیل کتب سے مدد لی گئی ہے،

۱۔ تحفۃ الاخبار، ۲۔ توزک والاجاہی، ۳۔ توزک آصفیہ، ۴۔ گلزار آصفیہ، ۵ مآثر الامرا، ۶۔ مرقع دکن اور ۷۔ تاریخ ہندوستان تالیف تھامسن صاحب (انگریزی)

ان مین سے تحفۃ الاخبار اور توزک والاجاہی کرناٹک کی تاریخ پر مشتمل ہین، دونون تاحال غیر مطبوع ہین، ان کا ایک ایک نسخہ حیدرآباد مین دفتر دیوانی و مال وغیرہ کے بیش قیمت کتب خانے مین فراہم کیا گیا ہے، یہ دونون کتابین ایک مستقل مضمون کی محتاج ہین، توزک آصفیہ اور گلزار آصفیہ حیدرآباد کی تاریخ پر مشتمل ہین، دونون کتابین طبع ہو گئی ہین،

تاکہ میسور کے راجہ سے پیشکش وصول کیجائے چنانچہ سری رنگ پٹن میں پہنچکر پیشکش وصول فرمائی گئی اور بعد ازاں جانب اورنگ آباد مراجعت عمل میں آئی[1] معلوم ہوتا ہے کہ مندرجہ ذیل عنایت نامہ نواح میسور ہی سے راجہ پرتاب سنگھ کے نام پر نافذ ہوا،

"مبالغ خطیر من جملہ پیشکش بذمہ آن جلادت دستگاہ باقیست، نظر براین معنی عزم مصمم داشتیم کہ بحول وقوۃ الٰہی بعد انفراغ معاملت سری رنگ پٹن متوجہ تعلقہ آن جلادت دستگاہ شویم لیکن چون درین روزہا شہامت پناہ محمد محفوظ خان[2] بحضور رسیدہ ملازمت نمودہ کیفیت برآوردن اناستگیا وستقیم بودن آن جلادت دستگاہ برجادۂ اطاعت وفکر سبیل زر پیشکش بعرض رسانید لہذا در توجہ ان طرفہا توقف فرمودیم وعقیدت شعار خوبہا امید راکہ از فدویان معتمد ست فرستادیم، می باید کہ زر باقی پیشکش را مع نیاز معقول برائے ما معرفت شہامت پناہ انورالدین خان[3] بہادر ارسال نمایند والا فوج ظفر موج بتعلقہ خود رسیدہ دانند، بعض ارشادات از نوشتہ شہامت پناہ محمد محفوظ خان بہادر معلوم خواہد شد"

۲۔ ذیل میں جو عنایت نامہ نقل کیا جاتا ہے وہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ حکمرانی سے پہلے کا ہے ممکن ہے کہ یہ عنایت نامہ پہلی فرانسیسی جنگ کے سلسلہ میں صادر ہوا ہو[4]

"وکلائے انگریزان بحضور رسیدہ تعدی فرانسیسان بعرض رسانیدند چنانچہ درباب معاونت انہا بہ شہامت مرتبت انورالدین خان بہادر از حضور بندگان حضرت[5] وازین جا تاکید رفتہ، باید در امداد واعانت انگریزان پرداختہ نگذارند کہ احدے از تعلقہ داران بادشاہی رسد غلہ وسرت وباروت وغیرہ بمردم پھول چری کہ مصدر شورش وفساد اند رساند درین باب تاکید بکار باید برد"

---

[1] مآثر الامرا جلد سوم صفحہ ۸۵۰۔ سری رنگ پٹن حسب بیان مآثر الامرا، اس زمانہ میں راجگان میسور کا دار الامارہ تھا، [2] نواب محمد علی خان والاجاہ کے بھائی، [3] نواب محمد علی خان والاجاہ کے والد جنکو حضرت آصفجاہ نے اس نواح کی نظامت پر مامور کیا تھا [4] اسکی تفصیل بعنوان مندرجہ مجلہ عثمانیہ نمبر ۲ و ۳ جلد چار میں ہو چکی ہے۔ [5] غالباً حضرت آصفجاہ اول مراد ہیں۔

۳۔ حضرت آصفجاہ مغفرت مآب کی وفات کے بعد نواب ناصر جنگ شہید مسند پدری پر رونق بخش ہوئے اس موقع پر راجہ پرتاب سنگھ نے بھی اظہار عقیدت کرکے ۲۴ اشرفی نذر گذرانی اور عرضداشت پیش کی، شہادت مآب کی بارگاہ سے قبولیت نذر اور عرضداشت مرسلہ کا جو جواب مرحمت ہوا وہ یہ ہے،

"خط مرسل با چہل و دو اشرفی نیاز رسید و موجب سرور خاطر گردید، بہ مقتضائے خلوص ارادت و رسوخ عقیدت تردد داشتہ کہ از ان جلالت دستگاہ ظہور نمودہ شایان تحسین و آفرین است، بنصرو تائید الٰہی اصلاح و انتظام امور و مہام ان حدود مکنون خاطر است و عنقریب از قوۃ بہ فعل می آید، آن شہامت پناہ مترصد ظہور این لطیفہ غیبی بودہ بیش از بیش مراسم دولت خواہی را کہ مسلک قویم اطاعت و انقیاد است بتقدیم رسانیدہ بہمین آئین نویسان حالات باشند، زیادہ چہ نوشتہ شود"

۴۔ ۱۱۶۱ھ میں حضرت مغفرت مآب آصف جاہ اوّل نے جان عزیز جان آفرین کے سپرد کی اور فتنہ و فساد کا ایک نیا عالم وجود میں آگیا، سرزمین دکن جنگ و جدل اور دغا و فریب کے شرمناک اور دردانگیز مناظر کی تماشہ گاہ بنگئی، سارے دکن میں باہمی نزاعوں کا ایک نہایت پرپیچ جال بچھ گیا، قحط الرجال کی جو شکایت شاہ ...کان کو تھی وہ اب عالمگیر ہو چکی تھی، خودسری کے تخیل کی ہمہ گیری تھی، درست ہے کہ اس وقت بھی بقیۃ السیف مشرقی ارباب دانش و بینش حالات کی نزاکت سے سہمے جارہے تھے لیکن ان کے ہاتھ اس قدر قوی نہیں تھے کہ آنے والے طوفان کو روک دیتے اور جن افراد میں اس افراتفری کے فرو کرنے کی قوت تھی وہ تیغ و تفنگ کے شکار ہوگئے۔

بہرحال حضرت مغفرت مآب کے جانشین شہادت مآب ناصر جنگ کے برخلاف آپکے ہمشیرزادہ حافظ ہدایت محی الدین خان مظفر جنگ صوبہ دار بیجاپور نے علم بغاوت بلند کیا، اور نواب انورالدین خان شہید سے قبل نظامت ارکاٹ جس خاندان میں چلی آتی تھی اس کے ایک رکن نواب حسین دوست خان چندا صاحب کو صوبہ داری کرناٹک کے دعویٰ کی سوجھی، نواب انورالدین خان شہید اسوقت دربار آصفی کے مقرر کردہ صوبہ دار کرناٹک تھے انھوں نے نواب مظفر جنگ کو اپنے دعویٰ سے باز آجانے کی نہایت اخلاص سے بہت ترغیب دی، نواب

انوالدین خان کو ان کے پاک اور نیک ارادون مین تقریباً پوری کامیابی حاصل ہو چکی تھی، نواب مظفر جنگ نے اپنی نازیبا حرکت سے تائب ہو جانے کا ارادہ کر ہی لیا تھا کہ فرانسیسی ڈپلومیسی بازی لے گئی، بقول صاحب "تحفۃ الاخبار" نواب مظفر جنگ کی اطلاع کے بغیر لشکر انوری پر بے خبری مین دھاوا بول دیا گیا، اس تہلکہ مین دکن کے لیے حضرت مغفرت مآب کے انتقال کے بعد دوسری مصیبت یہ آئی کہ نواب انوالدین خان بھی شہید کر دیئے گئے، (۱۱۶۲ھ)

اب نواب مظفر جنگ کے ساتھ جیتنے والے ارکاٹ مین داخل ہوئے اور نواب مظفر جنگ کو مسند آصفی کا وارث ٹھہرایا، نواب محمد علی خان والاجاہ بہادر اس وقت ترچناپلی مین مقیم تھے۔ ان کے والد نواب انوالدین خان شہید نے ان کو ان اضلاع کا انتظام سپرد کیا تھا، نواب والاجاہ بہادر نے نواب مظفر الملک کی حکومت تسلیم نہین کی اور حضرت ناصر جنگ شہید کو حالات سے مطلع کیا، اس وقت راجہ پرتاب سنگھ کے نام پر جو عنایت نامہ صادر ہوا وہ یہ ہے،

"بے ہدایت شقی[۱] از برگشتگی طالع طریق بغی نمودہ با انبوہ اوباش در الکہ کرناٹک انتشار داد[۲]

لہذا موکب منصور بہم عنانی عساکر نصرت و تائید ربانی عنقریب متوجہ آن سمت میشود و باغی شقی[۳]

علف صمصام انتقام بہادر آن نصرت آئین میگردد، بہمہ جہت مستقل بودہ با بسالت دستگاہ

محمد علی خان[۴] از صمیم قلب شرائط موافقت و مرافقت بجا آرند و رفیق و شریک ترددات باشند

و این معنی را باعث افزائش توجہ خاطر و مثمر نتائج شناسند، زیادہ چہ نوشتہ شود۔"

ارکاٹ مین چند دن قیام کرکے نواب مظفر جنگ پانڈیچری کیجانب روانہ ہوے، وہان نواب حسین دوست خان چندا صاحب[۵] اور ڈوپلے کی مشورت سے طے ہوا کہ فی الوقت نواب والاجاہ بہادر سے مقابلہ نادرست ہے، ان کا مقابلہ نہایت سخت ہوگا، اس کے لیے معقول رقم کی ضرورت ہے، لہذا تنجاور پر تاخت کرنی چاہئے کہ مال و دولت کے حصول کی بڑی توقع ہے، تنجاور پر یورش عمل مین آئی، معلوم ہوتا ہے کہ اسکی

[۱] حافظ ہدایت محی الدین خان مظفر جنگ مراد ہین، [۲] ملک کرناٹک مراد ہے، [۳] نواب مظفر جنگ مراد ہین [۴] نواب والاجاہ بہادر مراد ہین [۵] دیکھو بقیہ حاشیہ بر ص ۴۵۲،

اطلاع پیشگاہ شہادت مآب مین عرض کیگئی، جو جواب شرف صدور پایا وہ اس طرح ہے :-

" خط مرسل متضمن آوارگی باغی شقی[1] در نواح تنجاور و حرکات سفیہانہ باغوائے چندلے ادبار نصیب شریربے[2] پیر و محاصرہ قلعہ و استقلال آن شہامت پناہ رسید و مضامین بوضوح انجامید بفضل و تائید بست و پنجم شہر صفر ختم بالخیر و الظفر سواد مدکری (؟) مخیم جاہ و جلال گردید و فوج جرار خونخوار مرہٹہ برسم منقلا تعین شد کہ پاشنہ کوب بسر وقت اشقیا رسیدہ علف تیغ انتقام سازد و موکب منصور نیز جلو ریز عنقریب رسیدہ، بقیۃ السیف راقتل و اسیر می کند و ساحت ان ملک از لوث شرارت باغی شقی پاک میشود، ان شہامت پناہ باستقلال تمام سرگرم مدافعہ سفہا بود لشکر ظفر اثر راہم عنانی تائیدات الٰہی رسیدہ دانند زیادہ چہ نوشتہ شود "

۶ - شہادت مآب نے بغاوت کے سد باب کے لیے خود بنفس نفیس جانب کرناٹک عزیمت فرمائی تھی، عنایت نامہ نمبرہ اثنای راہ ہی سے مرحمت ہوا ہے، اس اثنا مین مخالفون کی جد و جہد اپنے پورے شباب پر تھی، غالباً راجہ پرتاب سنگھ نے وقت بوقت حالات سے مطلع کرنے کا التزام رکھا تھا،

معلوم ہوتا ہے کہ تنجاور پر جو یورش کیگئی تھی اسمین نواب مظفر جنگ کو کامیابی نہین ہوئی، اس کی اطلاع عرض کیگئی تو ارشاد ہوا کہ

" الحمد للہ والمنۃ باغی شقی[3] آوارہ دشت ادبار شد و اطمینان کلی از فتنہ او و امنیت تام دران حدود بحصول پیوست لہذا بہ شہامت پناہ انوارالدین خان[4] نوشتیم، کہ خود را بحضور رساند از آنجا کہ خان مذکور بکرات اثبات حقوق بران جلادت پناہ نمودہ و شرائط امداد و اعانت بجا آوردہ

---

[1] نواب مظفر جنگ نے ان کو صوبہ داری کرناٹک پر مامور کر دیا تھا لیکن نواب والا جاہ بہادر نے ان کی صوبہ داری چلنے نہین دی، [2] نواب مظفر جنگ مراد ہین، [3] نواب حسین دوست خان چندا صاحب سے مراد ہین، [3] غالباً نواب مظفر جنگ مراد ہین، [4] نواب محمد علی خان والاجاہ بہادر مراد ہین،

وہمہ جہت ممد و معاون بودہ و حق اینست کہ بہ تقویت خان مذکور از ین بلاے مبرم محفوظ و مصون ماندہ[1] باید خود را بلا توقف ہمراہ خان مذکور بحضور رسانیدہ در قتل و اسر باغیان ظلمت سرشت شقی مصدر ترددات نمایان شوند و رسد غلہ متصل و ہم بار دوے معلی می فرستادہ باشند درین باب تاکید دانند زیادہ چہ نوشتہ شود"۔

۷۔ جانب دکن عزیمت عمل میں آنے کے بعد اثنائے راہ سے جو عنایت نامے صادر ہوتے رہے اُن کے منجملہ ایک عنایت نامہ یہ ہے :۔

"عرضہ داشت متضمن ارادہاے فاسد و حرکات لغو بے ہدایت او بار نصیب[2] رسید و مضامین مفصل لوضوح انجامید. باغی ظلمت سرشت با اعوان و انصار عنقریب قتیل و اسیر میشود و عرصہ کرناٹک[3] از لوث فتنہ او منزہ و مطہر می گردد و تقدیم لوازم برفاقت شہامت پناہ انورالدین خان[4] کہ فی الجملہ شاہد عدل است بر خلوص عقیدت و فدویت باعث افزونی توجہ خاطر بکمال آن جلادت دستگاہ شد، وفاق و اتفاق با فدویان ارادت سرشت ما ہمہ وقت مفید است بتخصیص در اوقات فتنہ و آمادہ شدن اسباب فساد فواید کلی دارد و مثمر حفظ و حراست ملک و منتج صیانت مال خلائق است بعون و صون الٰہی ہفتم شہر محرم الحرام از دریائے کشنا[5] و شانزدہم از نمبہدرا[6] عبور عساکر فیروزی ماثر بہم عنانی جنود بخندہ تائیدات ربانی قرین فرح و فیروزی دست بہم داد و بحول اللہ و قوتہ عنقریب بیان حدود رسیدہ میشود و باغیان بدہنر مقہور مخذول و مستاصل می شوند، زیادہ چہ نوشتہ شود"

۸۔ اسی سلسلہ کا ایک دوسرا عنایت نامہ یہ ہے :۔

"بنصرت تائید الٰہی موکب منصور بارادہ تنبیہ باغیان قریب رسیدہ باید آن شہامت پناہ با جمعیت

---

[1] راجہ نے نواب محمد علی خان سے مدد مانگی تھی، انھوں نے امدادی فوج روانہ کی، فوج کی آمد آمد سنکر مخالفین کو منتشر ہو جانے کے سوا دوسرا کوئی چارہ نہیں تھا، [2] یہاں بھی غالباً نواب مظفر جنگ مراد ہیں [3] نواب محمد علی خان والا جاہ بہادر [4] ... [5] دریائے کرشنا [6] دریائے تنگ بھدرا

شایستہ خود را بحضور رسانیدہ در قتل و اسر فرقۂ ادبار نصیب مصدر تر ددات نمایان شوند، دوازدہم شہر ربیع الاول ۱۱۶۳ھ قلمی شد"

۹۔ اسی مضمون کا ایک اور عنایت نامہ بشرح دستخط خاص صادر ہوا :۔

"بنصرت و تائید الہٰی موکب منصور بارادۂ تنبیہ باغیان قریب رسیدہ بایدان شہامت پناہ با جمعیت شایستہ خود را بحضور رسانیدہ در قتل و اسر فرقۂ ادبار نصیب مصدر تر ددات نمایان شوند، زیادہ چہ نوشتہ شود"

شرح دستخط خاص[1] :۔

"شنیدہ شد تا حال اشقیا ہمانجا بامید ادبار اند، افواج قاہرہ و سرداران نامی عنقریب می رسند خود بخود اشقیا خود را گرفتار و بال و نکال کردہ اند درصورتے کہ ہمانجا ہستند و فوج منقلا برسد آنہا را جائے گریز ہم نمی ماند درین وقت استقلال از دست نہ دہند ہمین کہ فوج منقلا محمد علی خان کہ ملقب بہ انور الدین خان شدہ یقین کہ شریک فوج منقلا خواہد شد از چار طرف اشقیا را در میان گرفتہ قسمے تنگ باید کرد کہ از جان بتنگ آیند درین صورت گروہ نکبت پژوہ آنہا پراگندہ میشود و تاہم با لشکر قیامت اثر بسر وقت آنہا می رسیم بحول و قوت الہٰی"

۱۰۔ شہادت آب کے کرناٹک مین تشریف فرمائی کے بعد جو ماجرا گذرا وہ مختصراً یہ ہے کہ لشکر آصفی کیا آیا، فتنہ و فساد کی جڑ کٹ دیگئی، فرانسیسی فوج اپنے سب عہد و پیمان بھول گئی، میدان سے بھاگ کھڑی ہوئی نواب مظفر جنگ تنہا چھوڑ دیئے گئے، نواب حسین دوست خان چندا صاحب بھی چل کھڑے ہوئے، بالآخر نواب مظفر جنگ گرفتار اور پیشگاہ شہادت مآب مین حاضر کئے گئے، نواب مظفر جنگ کی جان بخشی عمل مین آئی، نواب والاجاہ کو ربیع الثانی ۱۱۶۳ھ مین نظامت ارکاٹ پر سرفراز کیا گیا اور اس خصوص مین جو فرمان دہلی سے شرف

---

[1] جس عنایت نامہ وغیرہ پر بعد بیضہ جو عبارت بخط خاص ہوتی ہے اسکو شرح دستخط خاص کہا جاتا ہے۔

نفاذ پایا تھا وہ ان کو عطا کی گیا۔

باوجود اپنی بے سروسامانی کے اعدا، اپنی دھن مین لگے رہے، فرانسیسی سازشین برابر کام کرتی رہین تا آنکہ خبر آئی کہ قلعہ نصرت گڈھ بھی مخالفون کے قبضہ مین آگیا، غالبًا یہ خبر سماعت فرما کر جو عنایت نامہ نافذ فرمایا گیا وہ یہ ہے:

"خط مرسل رسید و مضامین مفصل بوضوح انجامید باوصف بودن ہمچو قلعہ مستحکم و تکاثر جمعیت و توافر مصانع و ادوات حرب و علاوہ ان از صولت و سطوت انی ائی افواج ظفر امواج مضطرب و سراسیمہ شدن باغی شقی و تطرق تفرقہ و انتشار در انبوہ نکبت پژدہ او و عجالتًا تعین فوج منقلا بکومک و اعانت شما و برسر رسیدن فوج مذبور تاب مقاومت نیاوردہ استدعاے مصالحہ و قبول زر باعث تعجب شد تسلیت مشہور کہ قلعہ اگراز کاغذ و خار سمش زن و حربہ اش سوزن باشد تا شش ماہ متوانند قائم داشت فائدہ زر دادن چہ شد کہ یکے این کہ آنہا قابو یافتہ باز ہنگامہ پیکار گرم کردند مار ارزیدہ دانند و بمدافعہ پر دازند، زیادہ چہ نوشتہ شود"

شرح دستخط خاص:-

عنقریب بحول و قوۃ قوی مطلق لشکر قیامت اثر برسر وقت باغیان ظالم می رسد، دست و پا . . . . . نباید کرد، اما استقلال باید بود"

یہ امر ہنوز تحقیق طلب ہے کہ راجہ پرتاب سنگھ نے اس وقت تائید و اعانت کے کیا مراتب انجام دیئے، اس وقت جو مواد پیش نظر ہے، اس سے یہ مشکل حل نہین ہو سکی ہے، اس لحاظ سے یہ بالتحقیق نہین کہا جا سکتا کہ یہ عتاب کس قلعہ کی سپردگی سے صادر ہوا، ممکن ہے کہ راجہ پرتاب سنگھ کو قلعہ نصرت گڈھ کی حفاظت پر مامور فرمایا گیا ہو،

سرگذشت ادب ترکی، ترکی ادب کی سرگذشت کا اجمالی خاکہ جسمین ترکی ادب کی تاریخ کے قریب قریب تمام ابواب اور ہر دور کے ممتاز شعرا کا تعارف کرایا گیا ہی از مولوی سید ریاست علی ندوی اسب اڈیٹر معارف حجم تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ کے ۲ صفحے ۱۲۰ ارکے ٹکٹ بھیجکر طلب کرین، "منیجر"

"وامق وعذرا"

از

جناب نبی احمد خان صاحب شآد، رجسٹرار کتب خانہ رام پور،

داستان وامق وعذرا، فارسی زبان کا ایک قدیم مشہور قصہ ہے، جسکی اصل و منشا مین شدید اختلاف ہے، بعض لوگون نے اسکو ویس و رامین کی طرح قدیم ایرانی زبان کا قصہ تصور کیا ہے، چنانچہ دولت شاہ سمرقندی اپنے تذکرہ مین لکھتا ہے، کہ ایک روز امیر عبداللہ بن طاہر والی خراسان، نیشاپور مین مقیم تھا کہ ایک شخص نے ایک کتاب پیش کی، امیر نے پوچھا کہ کیا کتاب ہے؟ جواب دیا کہ قصہ وامق وعذرا، جسکو حکما نے نوشیروان کے لئے ترتیب دیا تھا الخ، بعض لوگ اسکو لیلیٰ مجنون کی طرح عربی داستان خیال کرتے ہین، چنانچہ ابن ندیم اپنی فہرست مین لکھتا ہے، کہ سب سے پہلے قصہ وامق وعذرا، کو سہل بن ہارون نے تالیف کیا،

تیسرے گروہ کا گمان ہے کہ سلامان و آبسال و یوسف زلیخا کی طرح یہ کتاب ملل اجنبیہ سے اقتباس کی گئی ہے، اور اصلاً یہ کتاب یونانی زبان مین تھی، جیسا کہ مجمل التواریخ مین تحریر ہے، کہ داراب بن داراب کے عہد مین پہلی مرتبہ یہ کتاب ملک یونان مین تالیف ہوئی، عنصری کی مثنوی کے اعلام و اسما سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے، کہ اوس کی اصل یونانی زبان مین تھی، اور لفظ وامق وعذرا بھی یونانی زبان کے عاشق و معشوق کا ترجمہ ہے،

وامق وعذرا کی شخصیت مین بھی سخت اختلاف ہے، اور کوئی دو روایتین بھی باہم متحد نہین ملتین، جیسا کہ ہر مثنوی کے تحت مین ظاہر کیا جائیگا، حمد اللہ مستوفی نے اپنی مشہور تالیف گزیدہ[1] مین اون کو اسکندر اکبر کا ہم عہد لکھا ہے،

وامق وعذرا پر اب تک تقریباً سیکڑون کتابین تالیف ہو چکی ہین، اور ان کے حالات محبت پر ہر زبان مین کچھ نہ کچھ لکھا جا چکا ہے

[1] تاریخ گزیدہ مطبوعہ لندن ج ۱ ص

لیکن یہ بات حدِ تواتر تک پہنچ چکی ہے، کہ زبان فارسی مین سب سے پہلے جس شخص نے اس قصہ کو نظم کیا، وہ ابوالقاسم عنصری المتوفی ۴۳۱ھ تھا، عنصری نے چوتھی صدی ہجری کے آخر یا پانچوین کی شروع مین اوس کو مثنوی کے قالب مین ڈھالا، لیکن افسوس کہ یہ مثنوی آج دنیا سے ناپید ہے، بعض اہل لغات نے اس کے کچھ اشعار بطور شواہد اپنی فرہنگون مین نقل کئے ہین، جن سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ مثنوی بحر متقارب مین تھی، جو اشعار دستیاب ہو سکے، وہ یہان نمونہ کے طور پر لکھے جاتے ہین ؛-

جزیرہ یکے بد بیونان زمین ۔۔۔ کرونیسش[۱] بہ نام شہر گزین

کہ کمذ لیطس[۲] آن جایگہ داشتے ۔۔۔ بشاہی درا و تخت گرداشتے

یکے دوستش بود ترقان نام ۔۔۔ بسے آزمودہ بنا کام کام

بفرمود تا آستنا تی بگاہ ۔۔۔ بیاید بنزدیک رخشندہ ماہ

ابا دیگر کان اندر وامق بجنگ ۔۔۔ نہ روے گریزو نہ رائے درنگ

بافسر نجہ افراطس نامدار ۔۔۔ یکے بادشاہے بدے ہوشیار

فلاطوش برگشت و آمد زراہ ۔۔۔ برجہرہ وامق نیک خواہ

دل و مجنبوسش بشد بانتلیب ۔۔۔ کہ در کارِ عذرا چہ سازد فریب

بدوجست عذرا چو شیر نژند ۔۔۔ بدوست دیشمّ ادا نوس کند

بشد از پس رنجہائے دراز ۔۔۔ بیک جا جزیرہ رسیدند باز

کجا نام او بود طرطانوش ۔۔۔ درو بادشاہ نام او توگیوش

زدریا بخشکے برون آمد ۔۔۔ زبر بر سوے زلیفنون آمدند[۱۰]

---

[۱] کرونیس ایک جزیرہ کا نام ہے، وامق یہین کا رہنے والا تھا [۲] کمذ لیطس یا کمذ لیطس وامق کے باپ کا نام ہے، [۳] نام خسر وامق [۴] افرنجہ ایک شہر کا نام ہے، جہان کی والدہ عذرا رہنے والی تھی، [۵] فلاس نام استاد وامق [۶] ایک تاجر کا نام ہے، جس نے عذرا کو منقلوس کے پاس سے چرا کر آزاد کیا تھا، [۷] نام قاصد اندر دشمن [۸] نام جزیرہ [۹] نام شہر

[۱۰] مندرجہ بالا اشعار مختلف مواقع کے ہین، ناظرین اس کو مرتب خیال نہ فرمائین،

عنصری کے بعد اس کے ہم عہد شاعر ابوریحان بیرونی المتوفی ۴۴۰ھ نے اس کا فارسی مین ترجمہ کیا جیسا کہ وہ خود اپنے مصنفات کی فہرست مین ذکر کرتا ہے، بیرونی کے بعد سلطان سلمان ثانی کے عہد مین محمود بن عثمان لامعی متوفی ۹۳۸ھ نے اس قصہ کو ترکی زبان مین نظم کیا، اگرچہ لامعی سے پہلے بھی ایک شخص اس کو ترکی مین ترجمہ کر چکا تھا لیکن وہ ترجمہ منثور تھا، لامعی کی مثنوی کا ایک نسخہ کتب خانہ چلپی (استامبول) مین محفوظ ہے، ترکی زبان مین ان کے علاوہ معبدی نے بھی ایک خمسہ ترتیب دیا جس کا ایک عنصر مثنوی وامق وعذرا بھی تھی،

زبان فارسی مین عنصری کے بعد ملا فصیحی[1] جرجانی نے پانچوین صدی ہجری مین اس قصہ کو نظم کیا، دولت شاہ سمرقندی کے بیان کے مطابق مندرجہ ذیل شعر اسی کا ہے:۔

چہ فرخ وجودے کہ از ہمتش
بمیرد بہ پائے ولی نعمتش

اس مثنوی کا بھی کوئی نسخہ آج تک نظر سے نہین گذرا،

فرہنگ[1] مشاہیر شرق مین لکھا ہے کہ امیر فرخاری نے بھی جو کیکاؤس سلجوقی کے عہد کا شاعر ہے، قصۂ وامق وعذرا کو نظم کیا تھا، دسوین صدی ہجری مین ضمیری اصفہانی، شعیب جوشقانی، اور اسیری ترتی نے اس داستان کو منظوم کیا جن مین سے صرف اسیری کی مثنوی کا کتب خانہ فاتح (ایران) مین پتہ چلتا ہے، یہ مثنوی ۸۵۴ھ کی تصنیف ہے، نظامی کی شیرین خسرو کی بحر مین ہے، اس کا وامق قاآنشاہ ساسانی والی سرحد خطا کا فرزند ہے،

اس کے بعد عہد اکبری مین مولانا صلحی نے ایک مثنوی لکھی جس کا ایک نادر اور تصنیف سے قریب تر زمانہ کا لکھا ہوا نسخہ کتاب خانہ رامپور مین موجود ہے، آغاز اس بیت سے ہوا ہے:۔

خداوندا درے از وصل بکشا زفرغم رہ بسوئے اصل بنما

[1] فصیحی امیر عنصر المعالی کیکاؤس بن قابوس کے عہد کا مشہور شاعر ہے، ص ۵۲ (Oriental Dictionary Bigraphy

جلال الدین محمد اکبر کے نام پر معنون ہے، سنہ تصنیف کے متعلق کتاب سے کوئی صریح شہادت دستیاب نہیں ہوئی، صرف ص ۱۹ پر شاہزادہ دانیال کے متعلق لکھا ہے، کہ "گل نورستہ گلزار خوبی"

شہزادہ دانیال کی ولادت سنہ ۹۷۹ھ میں ہوئی، لہذا اس کو بھی اس کے قریب ہی کی تصنیف ہونا چاہئے، صلقی بایک جگہ لکھتے ہیں کہ اس داستان کو مجھ سے پہلے کسی شخص نے نظم نہیں کیا، (یا للعجب)

اس مثنوی کا وامق شاہ عرب کا فرزند اور عذرا، شاہ کشمیر کی نور نظر تھی، صفحہ ۲۲ پر اپنا وطن خراسان بتاتا ہے،

صلقی کے بعد شیخ صرفی نے اسی بحر میں ایک مثنوی ترتیب دی جس کا ایک خوشخط با تصویر نسخہ کتاب خانہ رامپور میں محفوظ ہے، آغاز اس بیت سے ہوا ہے،

خداوندا حجاب از پیش بکشا،

بمشتاقان جمال خویش بنما،

سنہ تصنیف کے متعلق لکھتا ہے:-

بچشم شیخ صرفی دید لائق ... کہ تاریخش بود معشوق و عاشق
(۹۹۳)

اس مثنوی کا وامق شاہ یمن کا شہزادہ اور عذرا شاہ استقار کی شہزادی تھی،

اس کے بعد مولانا قتیلی نے ابراہیم خان میر جہانگیر بادشاہ کے حکم سے اس داستان کو لیلی مجنون کی بحر میں نظم کیا اشعار کی تعداد تقریباً چھ ہزار ہے، ابتدا اس شعر سے ہوئی ہے:-

اے نام خوش تو ورد لبہاست ... دریاد تو ہست ہر چہ پیداست،

جہانگیر کے نام پر معنون ہے، شاعر نے اس مثنوی میں بھی دعویٰ کیا ہے، کہ مجھ سے پہلے کسی شخص نے وامق و عذرا کے حالات محبت نظم نہیں کئے، اس مثنوی کا بھی ایک نایاب خوشخط با تصویر نسخہ کتب خانہ رامپور میں محفوظ ہے، اس کا وامق ایک حبشی سردار کا فرزند اور عذرا، شاہ حجاز کی دختر ہے، جس کا سلسلہ نسب کیانیان تک پہنچتا ہے،

شاہ سلیمان صفوی کے زمانہ میں ظہیر اصفہانی نے ایک مثنوی لکھی، ظہیر کو چونکہ فن رمل نجوم، اور موسیقی سے خاص طور پر دلچسپی

تھی، اس لئے اوس نے اپنی مثنوی میں ان علوم کی اکثر اصطلاحات صرف کی ہیں،

بارھویں صدی ہجری میں بعہد کریم خان ژند مرزا محمد صادق نامی نے ایک خمسہ تیار کیا جسکی ایک کڑی مثنوی وامق و عذرا بھی تھی، اس مثنوی کی ابتدا اس شعر سے ہوئی ہے،

کردہ احسانے بقدر پایہ اش

دادہ از ہوش و خرد پیرایہ اش

اس داستان کا وامق شاہ یمن کا شہزادہ اور عذرا ایک خیمہ نشین دوشیزہ تھی، داستان کا خاتمہ اس طور پر کیا ہے،

چون بہ پیوستند باہم آن دو یار	آتش دل شعلہ ناگہ بر فروخت
تنگ گرفتند ہم را در کنار	پیکر زیبائے آن ہر دو بسوخت

اس مثنوی کا ایک نسخہ برٹش میوزیم لندن میں پایا جاتا ہے،

ناصر اصفہانی نے بھی ایک مثنوی اس نام سے نظم کی ہے، ابتدا:-

بنام تازگی بخش بیانہا نزاکت بخش آثار زبانہا

صفحہ ۲۴۲ پر لکھا ہے کہ میرا نام ناصر ہے میں اصفہان کا رہنے والا ہوں، سنہ تصنیف وغیرہ معلوم نہیں ہے، اس مثنوی کا ایک نسخہ رامپور لائبریری میں موجود ہے، اس مثنوی کا وامق طیطش بادشاہ خورستان کا فرزند اور عذرا امشک بن دارا شاہ مغرب کی شاہزادی ہے،

یہ مثنوی ۱۸۷۵ء میں لکھنؤ میں طبع ہو چکی ہے،

مولوی مظفر حسین صبا نے تذکرہ روز روشن صفحہ ۵۵ میں لکھا ہے، کہ ملا محمد علی استرآبادی قسمتی نے بھی مثنوی وامق و عذرا تصنیف کی ہے،

علاوہ ان کے حاجی محمد حسین قزوینی نے ایک ستہ ترتیب دیا جسمیں وامق و عذرا بھی تھی،

اودھ کٹیلاگ کے صفحہ ۲۰ پر کمال الدین حسین کی بھی ایک مثنوی درج ہے،

مرزا ابراہیم نے بھی اس قصہ کو تالیف کیا ہے، جس کا ایک نسخہ برلن لائبریری میں موجود ہے،

نظامی گنجوی کی قبر

از قاضی احمد میان اختر، جونا گڑھی

ایران کے سرآمد شعراء حضرت شیخ نظامی گنجوی شہر گنجہ میں پیدا ہوئے، اور وہین مدفون ہوئے، انھون نے سکندر نامہ مین یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ انکی قبر نیکون کی زیارت گاہ ہو:-

نگویم بد اندیش را نیز بد ۔۔۔ کز ان گفتہ باشم بد اندیش خود

بدین نیکی آرند بر من فزود ۔۔۔ زنیکان و از نیکنامان درود

وزین حال گر نیز گردان شوم ۔۔۔ زیارتگہ نیک مردان شوم

ان کی یہ دعا مقبول ہوئی، چنانچہ صاحب آتشکدہ کا بیان ہے کہ

"شیخ در گنجہ مدفون است و مزار کثیر الانوارش حال نیز محل زیارت اکابر و اعاظم آن دیار میباشد"[۱]

اس کا ثبوت ذیل کے واقعات سے بھی ملتا ہے:-

(۱) اسکندر منشی نے اپنی تاریخ مین[۲] لکھا ہے کہ ۱۰۱۴ھ مین شاہ عباس صفوی کی فوجین جب گنجہ کے قریب پہنچین تو شیخ نظامی کی تربت پر پڑاؤ ڈالا، اور وہین بروز شنبہ ۱۵ ذوالقعدہ ۱۰۱۴ھ (۲۵ مارچ ۱۶۰۶ء) کو جشن نوروز منایا گیا،

(۲) اسی طرح شاہ ناصر الدین قاچار نے اپنے سفرنامہ مین[۳] لکھا ہے کہ سفر یورپ سے واپسی کے بعد الزابتھ پول (گنجہ) جاتے ہوئے انھون نے شیخ نظامی کے مقبرہ کی زیارت کی جو شہر سے آدھا میل دور بر سر راہ واقع ہے، اور نہایت معمولی درجہ کا اور پکی اینٹون سے تعمیر کیا ہوا نہایت شکستہ اور منہدم حالت مین ہے،

نظامی کی قبر اس وقت کس جگہ اور کیسی حالت مین ہے، اس کے متعلق روس کی انجمن آثار قدیمہ کے رسالہ "زیسکی"

[۱] آتشکدہ صفحہ ۳۴۲ طبع بمبئی [۲] تاریخ عالم آرائے عباسی صفحہ ۵۰۹ مطبوعہ طہران، [۳] سفرنامہ شاہ ایران صفحہ ۱۷۰ مطبوعہ بمبئی ۱۸۷۴ء،

(Za...) جلد ۲ صفحہ ۳۵ - ۳۴ مین روسی مستشرق بارتولڈ (Barthold) کے قلم سے ایک مضمون روسی زبان مین شائع ہوا ہے، رسالہ کا پورا نمبر تو نہ مل سکا مگر اس اصل روسی مضمون کی مطبوعہ نقل مع عکس مزار نظامی ایک جرمنی کتب فروش کی بدولت ہم کو دستیاب ہوئی ہے، اور روسی زبان سے عدم واقفیت کی دشواری کو ہمارے کرمفرما مشہور روسی مستشرق پروفیسر آئی وانو (W. Ivanow) نے حل کر دیا ہے، جو "اسماعیلیات" کے ماہر خصوصی ہین، چنانچہ اسی مضمون کی بنا پر ہم قبر نظامی کے متعلق بعض معلومات پیش کرتے ہین،

شہر طفلس کے عجائب خانۂ کوہ قاف (Caucasian Museum) کے ناظم اے، کازنکو کی اطلاع کے مطابق قبر نظامی کے کھنڈر مقامی طور پر "شیخ نظامی" کے نام سے مشہور ہین، اور الزابیتھ پول (گنجہ) سے[1] جو تمامتر روسی حکومت کے ماتحت ہے، چار [illegible][2] کی مسافت پر اس قدیم طریق البرید (Old Post Road) کے قریب واقع ہین جو دلمتلو (Dalmitlu) کے اسٹیشن کو جاتا ہے،

مرزا محمد آخوند وف (گنجوی) نے ایک رسالہ بعنوان "شیخ نظامی" آذربائجانی ترکی زبان مین لکھا تھا جو ۱۹۰۹ء مین گنجہ یا الزابیتھ پول سے شائع ہوا تھا، مؤلف نے اس کو یورپی ماخذ سے مرتب کیا ہے اور قبر نظامی کا عکس بھی اس مین دیا ہے، اس رسالہ کے مطابق قبر نظامی دراصل "قدیم شہر" (گنجہ) مین واقع ہے، مؤلف اس قبر کی شکستہ حالت کا ذکر کرتے ہوئے عالم اسلامی کا مقابلہ یورپ سے کرتا ہے، جہان اہل علم کی بہت قدر کیجاتی ہے، وہ لکھتا ہے کہ

"شعرائے اسلام، سعدی، حافظ، فضولی، خاقانی، قاآنی وغیرہ کے مقابر اس وقت شکستہ حالت مین پڑے ہوئے ہین، اور کسی سے اتنا نہین ہوسکتا کہ انکی مرمت کرائے"[3]

مؤلف نے اس رسالہ کی آمدنی تمامتر قبر نظامی کی مرمت کے لئے وقف کر دی ہے، لیکن یہ نہین معلوم ہوسکا کہ اس کے بعد قبر نظامی کی مرمت کسی نے کرائی یا نہین، واللہ درمن قال:-

---

[1] مشرقی جانب (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۲ ص ۱۳) [2] تقریباً ۲-۳ میل [3] شاید مؤلف کو سعدی اور حافظ کے مقبرون کا صحیح علم نہین ہے، کہ وہ اس وقت بہت آباد اور اچھی حالت مین ہین، اور شیراز مین سعدیہ اور حافظیہ کے نام سے مشہور ہین،

نہ گور سکندر نہ ہے قبر دارا ۔ مٹے ناموں کے نشان کیسے کیسے

۱۳۲۵ھ میں قبر نظامی کی قابل افسوس کس مپرسی کی حالت کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک ایرانی اہل قلم نے لکھا ہے کہ

"و از قرار تقریر بعضی کہ چند سال قبل دیدہ اند محوطہ مقبرۂ این حکیم بزرگ جائے ستوران و خران شدہ با وجود احترامی کہ بزرگان فرنگ از آثار حکمای ہر ملت و طائفہ دارند جای تعجب است کہ چرا اُمنای دولت معظمۂ ایران روسیہ در تعمیر و تنظیف مقبرۂ این بزرگوار اہمال کردہ غمض عین فرمودہ اند امیدوارم بعدہ ملتفت این نکتہ شدہ آنچہ لازمۂ احترام و نگاہداری ہمیشہ آنجناب است معمول دارند"[1]

[1] دیباچہ خمسۂ نظامی مطبوعہ بمبئی صفحہ ۲،

تاریخ صقلیہ جلد اول

از مولوی سید ریاست علی صاحب ندوی

مسلمانوں نے سسلی پر ڈھائی سو برس تک حکومت کی اور اسپین کیطرح اسکو بھی اسلامی خیر و برکت کا سرچشمہ بنادیا، اور تقریباً پانچسو برس تک اس سے وابستہ رہے، مگر افسوس کہ اسکی کوئی تاریخ اردو انگریزی میں کیا عربی میں بھی موجود نہ تھی، چھ سات برس کی مسلسل محنت اور تلاش و تحقیق کے بعد دو ضخیم جلدوں میں اسکی تاریخ مرتب کیگئی ہے جنمیں سے پہلی جلد اب شائع ہوگئی ہے جو سیاسی سرگذشت پر مشتمل ہے، اس میں صقلیہ کے جغرافی حالات سسلی اٹلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملوں کی ابتدار، اسلامی حکومت کا قیام عہد بعہد کے دوروں کا عروج، اسلامی حکومت کے خاتمہ اور صقلیہ و جزائر صقلیہ میں مسلمانوں کے مصائب اور جلا وطنی کا تفصیلی مرقع دکھایا گیا ہے، کتاب میں چند رنگین نقشے بھی منسلک ہیں،

ضخامت مجموعی ۵۵۲ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ قیمت:- للعہ

"منیجر"

تلخیص و تبصرہ

قصہ آدم وحوار کی اثری تائید

حضرت ابراہیم کے شہر اُدر کی کھدائی اور اس کے آثار کا تذکرہ اس سے پہلے ان صفحات مین آچکا ہے ماہرین آثار قدیمہ آجکل ایک دوسرے شہر کی کھدائی مین مصروف ہین، اور خیال ہے کہ یہ شہر اُدر سے بھی قدیم تر ہو اسکی کھدائی مین ایک مصور ٹھیکرا دستیاب ہوا ہے، اس کے متعلق علمائے آثار کا خیال ہے، کہ یہ حضرت آدم وحوا کے قصہ کی تمثیل ہے، اسی پر رسالہ الہلال مصر بابت ماہ مئی مین ایک مختصر مقالہ آیا ہے، اسکی تلخیص ذیل مین پیش کیجاتی ہو:

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوار کا قصہ تمام قدیم قومون مین مشہور و متداول ہے، توراۃ مین یہ قصہ جس طرح مذکور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا اور انکی ناک مین ایک زندہ روح پھونکی، اور انکی اعانت کے لیے ان کے ساتھ حضرت حوار کو اس طرح پیدا کیا کہ پہلے ان پر نیند طاری کی اور جب وہ سو کر اٹھے تو اپنے پہلو مین حوار کو پایا اور ان کے ساتھ ایک شاداب باغ مین رہنے لگے، اس باغ کے درختون مین سے خداوند تعالیٰ نے ان پر صرف ایک درخت کے پھل کھانے کی ممانعت کی تھی یعنی خیر و شر کے معرفت کا درخت، لیکن اس ممانعت سے حضرت آدم اور حوار کے دل مین اس درخت کی طرف رغبت پیدا ہوئی، اور شیطان نے سانپ کی شکل مین نمایان ہوکر حوار کو اس درخت کے پھل کھانے کی ترغیب دی، اور وہ اسکی باتون مین آگئین، خود اسکا پھل کھایا اور حضرت آدم علیہ السلام کو بھی کھلایا، نتیجہ یہ ہوا کہ دونون اس جرم مین جنت سے نکالے گئے،

یہ اس قصے کا خلاصہ ہے، اور علمائے آثار متفق اللفظ ہین کہ انسان اول کا ظہور اس ملک مین ہوا جو بین النہرین

کے نام سے مشہور ہے، اور "جنت عدن" سے چاہے کوئی حقیقی جگہ مراد ہو یا مجازی، لیکن توراۃ کے تمام قرائن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اسی ملک مین تھی اور اسکی فضا اور اسکی آب وہوا اور اس کے پھول پھل انسان کی ترغیب کا بہترین ذریعہ تھے،

حال کی اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے کہ علمائے آثار نے چند ایسے جدید آثار کا سراغ لگایا جن سے حضرت آدمؑ اور حضرت حوا کے قصے کی تائید ہوتی ہے، یہ آثار شہر "تیب جورا" مین ملے ہین جو انسان کے آباد کردہ شہرون مین سب سے قدیم ہے اور چھ ہزار سال سے پہلے آباد کیا گیا ہے،

یہ اثر ایک ٹھیکرا ہے جس پر ایک مرد اور ایک عورت کی تصویر بنی ہوئی ہے جنکی پیٹھ رنج وغم سے ٹیڑھی ہوگئی ہے، اور ان کے چہرے سے پریشانی ظاہر ہو رہی ہے، دونوں برہنہ جنت سے نکلے ہین اور ان کے پیچھے ایک سانپ کھڑا ہوا ان کا انتظار کر رہا ہے، ٹھیکرے پر عورت اور مرد کا نام لکھا ہوا نہین ہے، لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ دونون سانپ کے فریب مین آگئے ہین اور اسکی وجہ سے اس باغ سے نکال دیے گئے ہین، جسمین دونون رہتے تھے،

تحقیقات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس نقاش نے یہ تصویر بنائی ہے وہ ۳۵۰۰ قبل میلاد مین تھا یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم وحوا کا قصہ جس زمانے مین لکھا ہے اس سے دو ہزار سال پہلے اسکا وجود تھا، ٹھیکرے پر اس تصویر کے بنانے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ عام طور پر مشہور تھا اور ممکن ہے کہ دنیا کا پہلا قصہ یہی ہو،

شہر "تیب جورا" جسکا ذکر اوپر گذر چکا ہے ملک ما بین النہرین کے شمال شرقی جانب واقع ہے اور ایک علمی جماعت نے ڈاکٹر سپیزر کی صدارت مین اس کے کھنڈرون کی تحقیقات کی ہے، یہ جماعت چند سال سے کلدانیون کے شہر اُر کے کھنڈرون کی تحقیقات کر رہی تھی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جنم بھوم ہے، اور جس کی نسبت علماء کا خیال تھا کہ وہ دنیا کا سب سے قدیم شہر ہے، اس کے بعد شہر تیب جورا کے کھنڈرون کا پتہ چلا تو معلوم ہوا کہ وہ اُر

سے بھی قدیم تر ہے بلکہ اگر ہم غاروں اور چھوٹے چھوٹے گانوں کو مستثنیٰ کرلیں تو وہ دنیا کا سب سے قدیم شہر ہے اور اس حیثیت سے اگر اس کے کھنڈروں میں قصۂ آدم وحوا کے آثار ملیں تو کوئی عجیب بات نہیں ہے،

علمائے آثار نے جب مابین النہرین کے کھنڈر کھودنے شروع کئے، تو اس وقت وہ اشور، بابل اور کلدان کی تاریخ سے بہت کم واقف تھے، صرف توراۃ کے ذریعہ سے ان کو یہ معلوم تھا کہ ان ممالک میں ایک تمدن پیدا ہوکر مٹ گیا، لیکن ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ تمدن کیونکر پیدا ہوا؟ کیونکر بڑھا، اور ان پر کس قدر دور گذرے، کنعانیوں فلسطینیوں اور عبرانیوں کے تمدن اور ان کے باہمی تعلقات کا بھی یہی حال تھا، لیکن گذشتہ صدی کے نصف اخیر میں ان علمائے ان تباہ شدہ اقوام کے آثار کی تحقیقات شروع کی، اور ان کے تمدنی تہ تک پہنچنا چاہا، ان کوششوں کی بدولت بہت سے ایسے آثار ملے جن کے مطالعہ سے اُن تعلقات کا پتہ چلا جو عبرانی تمدن اور دوسری تباہ شدہ اقوام بالخصوص اشوری اور بابلی تمدن کے درمیان پائے جاتے تھے، اس بحث ومطالعہ کے ذریعہ سے ان قوموں کی بہت سی مذہبی باتوں کا پتہ ملا جنمیں ایک قصۂ طوفانِ نوح کا بھی تھا جو بابلیوں کے قصوں کے درمیان پورا موجود تھا انکو یہ بھی معلوم ہوا کہ بابلی ارواح، ملائکہ، کروبیم، اور سرافیم پر جو عبرانی مذہب میں مذکور ہیں ایمان رکھتے تھے،

ان باتوں کے معلوم ہوجانے کے بعد ان کے لیے قصۂ آدم وحوا کی واقفیت کوئی عجیب چیز نہ تھی کیونکہ قوی دلائل سے بابلی اور عبرانی آداب میں مستحکم تعلقات ثابت ہوچکے تھے، اس لئے ممکن ہے کہ ان قومی قصوں اور مذہبی روایتوں کا جو بابلیوں اور عبرانیوں میں منقول ہوتی چلی آتی تھیں ماخذ ایک ہو بلکہ دوسرے قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم وحوا اور ان کی لغزش کا قصہ اہل بابل کے درمیان بھی مشہور تھا کیونکہ علمار کو ایسے آثار ملے ہیں جنمیں اس قصے کی طرف غیر صریح اشارات پائے جاتے ہیں، یہ تو علمار کے ایک گروہ کی رائے ہے، لیکن دوسرے گروہ کے نزدیک ان قرائن سے صراحۃً آدم وحوا کا قصہ معلوم ہوتا ہے،

اسی طرح بابلیوں اور عبرانیوں کی مذہبی روایات کے باہمی تعلق میں علمار کا اختلاف ہے، لیکن مشہور یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جن سے یہودی قوم علمائے توراۃ کے نزدیک پیدا ہوئی، اپنی جنم بھوم اور سے

ہجرت کی، اگرچہ اس شہر کو اور کلدانی کہا جاتا ہے لیکن حقیقت میں وہ اپنے لفظی معنی کے لحاظ سے ایک بابلی شہر تھا اس بنا پر اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام بوقت ہجرت کچھ بابلی قصے اپنے ساتھ لیتے گئے ہوں تو یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے، کچھ زمانے کے بعد "ارض موعد" میں یہودیوں اور کنعانیوں کا اجتماع ہوا، اور کنعانیوں اور فلسطینیوں میں نسبی تعلقات قائم تھے اور ان سے انھوں نے بہت سے قصے نقل کئے جنہیں آیندہ زمانے میں تغیر و تحریف نے راہ پائی اس لیے جب کنعانیوں اور فلسطینیوں کے ساتھ عبرانیوں کا اجتماع ہوا اور ان سے اہل بابل کی بہت سی روایتیں سنیں تو ان کو اس پر کوئی حیرت نہیں ہوئی،

یہ سوال یہ شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ آدم و حوا کی تخلیق کا قصہ اہل بابل تک کیونکر پہنچا؟ ماہرین سردست اس کا کوئی جواب نہیں دیتے، وہ صرف اسیقدر کہتے ہیں کہ اتنا ضرور ثابت ہے کہ یہ قصہ لوگوں کو کم از کم حضرت موسیٰ سے دو ہزار سال پہلے یا اس سے بہت پیشتر معلوم تھا،

"ع"

جدید ترکی زبان میں ایک جدید تاریخ عالم

حال میں غازی مصطفےٰ کمال پاشا نے تاریخ عالم پر ایک کتاب اپنی نگرانی میں لکھوا کر جدید رسم خط میں شائع کی ہے اسکا مقصد نوجوانانِ جمہوریہ میں قومیت کی ایک تازہ روح پیدا کرنا ہے، عیسائی رسالہ "مسلم ورلڈ" (اپریل ۱۹۳۸ء) میں اس پر ایک مضمون نکلا ہے، اہل مغرب اسلام اور مسلمانوں سے متعلق اپنی قدیم ذہنیت کو جس طرز جدید میں چھپانے کی کوشش کرتے ہیں وہ اس مضمون میں بھی ظاہر ہے، تاہم نفس مضمون کے لحاظ سے اس کا مطالعہ ناظرین کیلئے دلچسپ ہوگا، ذیل میں ہم اسکی تلخیص پیش کرتے ہیں:-

غازی مصطفےٰ کمال پاشا نے حال میں تمام دنیا کی تاریخ چار جلدوں میں شائع کی ہے، ترکی قوم کے موجودہ دورِ حیات میں اس کتاب کی اشاعت ایک خاص اہمیت رکھتی ہے، کیونکہ یہ کتاب ملک کے سامنے دنیا کا ایک جدید منظر پیش کرتی ہے، یہ تالیف اس نظامِ عمل کا ایک جزو ہے جو ترکوں کی قدیم ذہنیت کی جگہ ایک جدید ذہنیت پیدا کرنے کے لیے قائم کیا گیا ہے، ان جلدوں میں ابتداے آفرنیش سے زمانہ موجودہ تک کے حالات درج ہیں

چونکہ جدید رسم خط نے موجودہ نسل کو تمام قدیم ترکی خیالات سے منقطع کر دیا ہے، لہذا یہ کتاب اس خلا کو پُر کرنے کی غرض سے لکھی گئی ہے، پہلی جلد مین زمانہ قبل تاریخ سے یونانی اور رومن عہد تک کے حالات ہین، دوسری جلد مین قرونِ وسطیٰ کی تاریخ ہے، جسمین آلِ عثمان سے قبل کی ترکی سلطنتون کے حالات زیادہ تفصیل سے بیان کئے گئے ہین، تیسری جلد مین سلطنت عثمانیہ اور یورپ کیساتھ اس کے تعلقات کا بیان ہے، اسی مین قرونِ وسطیٰ کے آخری دور اور یورپ جدید کی تاریخ کا بھی ایک جزو شامل ہے، چوتھی جلد مین جنگ عمومی کے خاتمہ پر جمہوریہ ترکی کے قیام کی تاریخ اور گذشتہ دس سالون کے حیرت انگیز کارنامون کا ذکر ہے،

یہ تاریخ آفرینش کی بحث سے شروع ہوتی ہے اور عام اسلامی عقیدہ کے خلاف بیان کرتی ہے کہ دنیا کے نشو و نما مین خدا کو کوئی دخل نہین تھا، جیسا کہ اسلام سے واقفیت رکھنے والون کو معلوم ہے حضرت محمد صلعم کی بڑی دلیل خدا کے وجود پر یہی تھی کہ اس نے کائنات کو پیدا کیا، اس کا ذکر بار بار قرآن مین آتا ہے اور خدا کے اسلامی نامون مین "خالق" ایک عام نام ہے،

یہ تاریخ ترک مورخین کی ایک جماعت نے غازی مصطفےٰ کمال پاشا کی ذاتی ہدایت کے ماتحت تیار کی ہے، یہ مشرق و مغرب کی تاریخی تصانیف پر مبنی ہے اور اسکی تالیف مین بہت احتیاط برتی گئی ہے، ملک مین جتنے ثانوی یا اعلیٰ مدارس ہین ان سب کے طلبہ کے لیے اس کا مطالعہ ضروری ہے، اور ابتدائی مدارس کے اساتذہ سے یونیورسٹی کے اساتذہ تک ہر ایک کے لیے اس کتاب کا خریدنا ضروری قرار دیا گیا ہے، یہ اساتذہ سرگرم مقامی لیڈر ہوتے ہین، اور ان کا اثر قومی کلبون اور اسی طرح کے دوسرے ادارون پر کافی ہوتا ہے، اس طرح یہ لوگ اس کتاب کے مضامین سے عامۃ الناس کو باخبر اور مطلع کرتے رہین گے، چونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ اس کتاب کی تالیف مین صدر جمہوریہ نے حصہ لیا ہے، اور اسی نے اس کے اصول مرتب کئے ہین، اس لیے عام لوگون پر اسکا اثر بہت نمایان طور پر پڑے گا، اور چونکہ لکھنے والون کی جماعت مین ملک کے تقریباً تمام مورخین شامل ہین اسلئے تعلیم یافتہ طبقون مین بھی کتاب وقعت کی نگاہ سے دیکھی جائیگی،

حیات انسانی کے ابتدائی دور کے بیان مین ترکون کی اصل و ابتدا پر ایک مفصل بحث ہے، یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ زمانۂ قدیم مین جو قومین وسط ایشیا سے کوچ کرکر کے مغرب کی طرف روانہ ہوتی تھین وہ ترکی النسل تھین دکھایا گیا ہے کہ قدیم ترک ایک طاقتور نسل کے لوگ تھے، اور ایک قدیم تہذیب و تمدن کے مالک تھے،

عہد تاریخی مین سلطنت رومہ کے زوال کے بعد مختلف ترکی مملکتون کا ذکر تفصیل کیساتھ کیا گیا ہے، اور دکھایا گیا ہے کہ دیوار چین کی تعمیر کے بعد ہی ترکون نے مغرب کی جانب کوچ کرنا شروع کیا، اور اس دیوار کی تعمیر ہی بعد مین سلطنت رومہ پر وحشی اقوام کے حملہ کا باعث ہوئی، چین کے متعدد شاہی خاندان ترکی النسل تھے، اسیطرح ہندوستان کے شاہان مغلیہ اور مصر کے شاہان ملوک بھی ترک ہی تھے، چین سے جو کاروان یورپ کو جایا کرتے تھے وہ وسط ایشیا کی مختلف ترکی سلطنتون سے ہو کر گذرتے تھے، اور اس طرح قطب نما، بارود، اور چھاپنے کی مشین یورپ پہنچی، کئی سو برس تک یورپ کے طبی مدارس مین فاضل ترکی طبیب ابو علی سینا ہی کی تصانیف کا درس دیا جاتا تھا، کتاب مین اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ ان تمام عہدون مین ترک صلح پسند اور متمدن تھے، یہ تالیف اس خیال کو مٹا دینا چاہتی ہے کہ ترک ایک جنگجو قوم ہے، برخلاف اس کے یہ ترکون کو تہذیب و تمدن کا علمبردار دکھانا چاہتی ہے،

عہد عثمانیہ کے بیان مین دیمقراطی حکومت کے فوائد سلاطین گذشتہ کے نقائص سے مقابلہ کرکے دکھائے گئے ہین، یورپ کی قدیم مالیاتی محکومی اور اس کے برے اثرات نمایان طور پر پیش کئے گئے ہین، ترکی پالیسی معاشیاتی آزادی ہے اور گذشتہ چند سالون مین ترکون نے اس پالیسی کو برقرار رکھنے کے لیے خوشی سے بہت سی سختیون کو برداشت کر لیا ہے،

مسیحیت کی طرف ترکون کے معاندانہ رویہ کے متعلق جو خیال عام طور پر پھیلا ہوا ہے، اس کے لحاظ سے اہل مغرب کو اس رویہ پر حیرت ہے جو اس کتاب مین یہودیت اور مسیحیت کی طرف ظاہر کیا گیا ہے، اسمین تورات کی بہت کچھ ستایش کیگئی ہے اور دکھایا گیا ہے کہ یورپ کے لٹریچر اور آرٹ پر اس کا بہت زیادہ اثر پڑا ہے،

حضرت عیسیٰؑ کے حالات سلطنت روما مین مسیحیت کی اشاعت کے سلسلہ مین بیان کئے گئے ہین، انکے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ انسان تھے، ان کو رسمی طریق پرستش سے کوئی سروکار نہ تھا بلکہ وہ ایک بہتر زندگی کی بشارت لائے تھے، اس کے بعض جملے یہ ہین:- "وہ وحدانیت باری تعالیٰ کے عقیدہ کی تعلیم دیتے تھے حضرت عیسیٰ کا اصول مذہب دلون کو بلند اور متحد کرنا تھا نہ کہ پرستش کے طریقے تجویز کرنا . . . . . .
ابتدائی مبلغین کے خلوص، ایثار، اور جرأت کی وجہ سے لوگون نے مسیحیت قبول کی" حضرت عیسیٰ کے متعلق عزت و احترام کا یہ رویہ نیز ان کی وہ سوانح عمری جو حکومت کی طرف سے شائع ہوئی ہے ظاہر کرتی ہے کہ اب قدیم تعصبات اور نفرت کو جو ہر عیسائی شے سے تھی برطرف کرنے کی ایک مستقل خواہش پیدا ہوگئی ہے،

چوتھی جلد مین مختصر طور پر ان حیرت انگیز کارنامون کا بیان ہے جو جدید ترکی نے غازی مصطفےٰ کمال پاشا کی قیادت مین گذشتہ دس سال مین دکھائے ہین، اس جلد کے پہلے حصہ مین اس فوجی مہم کا ذکر ہے جس نے ترکی کو دول متحدہ کی سطح پر لا کھڑا کر دیا، اس کے بعد اصلاح کے مختلف شعبون کا بیان ہے، جنمین قانونی، مذہبی، اور مدنی اصلاحات شامل ہین، جدید قومی نظام مدارس کی ترقی کا بیان اور مسجدون کے قدیم مکاتب کے منسوخ کئے جانے کا ذکر ہے، اس جلد مین دکھایا گیا ہے کہ کیونکر وہ اختیارات جو سلطان کی ذات کے ساتھ مخصوص تھے، جمہوریہ کی مجلس قومی کو تفویض کر دیئے گئے،

ترکی حال مین جس انقلاب سے گذری ہے اس کے متعلق مشرق و مغرب کے بہت سے اہل قلم نے مضامین اور کتابین لکھ ڈالی ہین اور ہر ایک نے اس انقلاب کے متعلق مختلف نقطہ ہائے نظر پیش کئے ہین، لیکن اس جلد مین ہمین سرکاری بیان ملتا ہے جو انھین لوگون کا پیش کردہ ہے، جو اس انقلاب کے بانی ہین، اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سامنے کون سے مقاصد تھے، جو کچھ انھون نے کیا وہ کیون کیا، اور کیونکر انھون نے ان مقاصد کی تکمیل کی؛

"ع ر"

اخبار علمیہ

ناخن کی زبان

ناخن کے "بلاوں" کو دیکھکر کسی شخص کی عام صحت کے متعلق جو اندازہ کیا جاسکتا ہے اس کا ذکر ان صفحات مین دو ماہ قبل آچکا ہے، اس عرصہ مین اس فن پر مزید معلومات شائع ہوگئی ہین جو رسالہ لٹریری ڈائجسٹ کے حوالے سے ذیل مین درج کیجاتی ہین:-

ناخن سے امراض کی تشخیص کے متعلق یہ جدید معلومات پروفیسر ہنری ناگن بالٹ ہزارڈ (Henri Mangin Balt-Hazard) کے تجربات و تحقیقات کا نتیجہ مین جو بین الاقوامی ادارۂ انسانیات کے ایک رکن ہین، پروفیسر موصوف کا بیان ہے کہ ناخنون کے امتحان سے بہتیرے امراض کی تشخیص ہوسکتی ہے ایک تندرست آدمی کے ناخن کی پہچان یہ ہے:- نرم ہو لیکن بہت زیادہ نرم نہ ہو اور نہ ایسا ہو کہ آسانی سے ٹوٹ جائے، نہ بہت لمبا ہو نہ بہت چھوٹا، نہ بہت چوڑا نہ بہت پتلا، انگلی کے سرے سے پہلے پور کی گرہ تک جو لمبائی ہے ناخن اس کا نصف ہو، اس کے دونون کنارے متوازی ہون، اس کا رنگ ہلکا گلابی ہو، نرم اور چکنا ہو، اس مین خفیف سا خم ہو، اس مین کوئی داغ نہ ہو، کوئی خلا نہ ہو، اگر کسی کے ناخن مین یہ تمام علامات نہ پائی جاتین تو سمجھنا چاہئے کہ اسکی صحت مین کوئی نہ کوئی خرابی ہے،

اگر ناخن بہت زیادہ لمبے ہین تو غالبًا ایسے شخص مین ان امراض کی استعداد موجود ہے جو قوت کی کمی یا ماندگی اور طبیعت کی سستی سے پیدا ہوتے ہین، اگر ناخن بہت زیادہ چھوٹے ہون خصوصًا جب وہ چوڑے

اور تقریباً مربع ہوں تو یہ خرابی قلب اور ضعف اعصاب کی دلیل ہے بہت زیادہ مثلث نما ناخن دماغی عملی حرکات اور فایح ولقوہ کی استعداد کو ظاہر کرتے ہیں، جو کوشخص کے ناخن جنکے دونوں کنارے متوازی ہوتے ہیں، افسردہ دلی کا پتہ دیتے ہیں، پتلے ناخن سے معلوم ہوتا ہے کہ صحت کچھ اچھی نہیں ہے،

بادام کی شکل کے ناخن سے ظاہر ہوتا ہے کہ شرائین کا نظام زیادہ مقاومت کی قوت نہیں رکھتا اگر ناخن نمایاں طور پر محدب ہیں یعنی بہت زیادہ ابھرے ہوئے ہیں تو اکثر یہ خرابی جگر کی علامت ہے، اگر شہادت کی انگلی کا ناخن بہت زیادہ محدب ہو تو اس سے پھیپھڑوں کی بیماری کا پتہ چلتا ہے، اگر ناخن بہت زیادہ چپٹے ہوں تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کا جسم ڈھیلا اور طبیعت میں سستی اور کاہلی ہے، اگر ناخن ڈھیلے اور پیلے ہوں تو یہ قوت جسمانی کی کمی کی علامت ہے،

فن جراحی کی ایک تازہ تحقیق

بعض بچوں کی ٹانگیں کسی مرض کے باعث ابتدا ہی سے چھوٹی ہوتی ہیں، اس نقص کو دور کرنے کے لئے ڈاکٹر البرٹ فرگوسن (Albert B. Ferguson) نے علاج کا ایک بالکل انوکھا طریقہ معلوم کیا ہے، یعنی ایسی ٹانگوں کی ہڈیوں میں سوراخ کر دینے سے یہ نقص دور ہو جاتا ہے، اس طریق علاج کے متعلق رسالہ وکس سائنس (Science News Letter) میں حسب ذیل بیان شائع ہوا ہے:

لمبی ہڈیوں میں جیسی انسانی ٹانگ کی ہڈیاں ہوتی ہیں خون دو ذریعوں سے پہنچتا ہے، ایک تو ہڈی کے گودے میں سے ہو کر اور دوسری اس جھلی سے ہو کر جو ہڈی کے خارجی حصہ پر لپٹی ہوئی ہوتی ہے، ڈاکٹر فرگوسن کو اپنے تجربات کی بنا پر یہ معلوم تھا کہ اگر کسی اتفاقی حادثہ سے کوئی ہڈی ٹوٹ جائے یا اس کے علاوہ اور کوئی ایسی بات ہو جائے جس کی وجہ سے گودے کے ذریعہ سے خون کا پہنچنا موقوف ہو جائے تو اس ہڈی کے بڑھنے کی رفتار بہ نسبت پیشتر کے زیادہ تیز ہو جاتی ہے، چنانچہ ڈاکٹر موصوف نے ایسے سولہ بچوں کی ٹانگوں پر تجربہ کیا جنکی ایک ٹانگ دوسرے سے چھوٹی تھی اور ہر ٹانگ کی ہڈی میں دو دو سوراخ کر کے ایک قسم کے نشتر سے ان رگوں کو کاٹ دیا جن سے

خون آتا جاتا تھا، ان سوراخون سے کوئی نقصان نہین ہوا، اور ہڈی کے اوپر کی جھلی مین خون کی روانی بدستور قائم رہی، ڈاکٹر ڈکوسن کا بیان ہے کہ جن ٹانگون پر یہ عمل جراحی کیا گیا، ان کے بڑھنے کی رفتار بہ نسبت دوسری ٹانگون کے سال مین بقدر (½) انچ زیادہ ہوجاتی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بچون کی ٹانگون کا یہ نقص اس تدبیر سے قریب قریب بالکل زائل ہوسکتا ہے،

امریکہ مین بے روزگاری کا حل،

بے روزگاری کا مسئلہ امریکہ مین جس وقت سے رونما ہوا، وہان کی حکومت نے اس کے حل کی مختلف صورتین پیدا کین لیکن ان مین سے کوئی زیادہ کامیاب ثابت نہین ہوئی، مرکزی حکومت نے ہر ریاست کو علیحدہ علیحدہ اختیار دیدیا کہ وہ جو تدبیر مناسب خیال کرے عمل مین لائے، پھر بھی بے روزگارون کی تعداد روز بروز بڑھتی گئی، لیکن ۱۹۳۲ء کے آخر سے ایک بالکل جدید تحریک شروع کی گئی ہے جس نے بہت جلد تمام ملک مین مقبولیت حاصل کرلی، اسکی کامیابی نمایان طور پر نظر آنے لگی ہے، اس تحریک کا نام "تحریک شرکت کار" (Share the work movement) ہے، یہ تحریک اس تخیل کے ماتحت پیدا کیگئی ہے کہ امریکہ مین بے روزگاری کا سبب زیادہ تر خوف بے روزگاری کی ہمہ گیری ہے، جون ہی بے روزگاری معمولی حدود سے آگے بڑھنے لگی جو لوگ ہنوز برسرکار تھے انھون نے بھی آیندہ کے خطرہ سے حتی الامکان اپنے اخراجات مین تخفیف کردی، اس تخفیف اخراجات کا اثر ملک کی اندرونی تجارت پر پڑا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اور زیادہ آدمی بے روزگار ہوگئے، بے روزگاری جتنی بڑھتی جاتی تھی اتنا ہی لوگ آیندہ کے خوف سے اپنے اخراجات کم کرتے جاتے تھے اور اس سے لازمی طور پر بے روزگارون کی تعداد مین اضافہ ہوتا جاتا تھا یہانتک کہ ۱۹۳۲ء کے آخر مین امریکہ کے بے روزگارون کی تعداد ایک کرور تک پہنچ گئی، "تحریک شرکت کار" کا اصول یہ ہے کہ تجارت کے انحطاط پر مزدورون کی تعداد کم کرنے کے بجائے انکی اجرت مین تخفیف کردیجائے اور تعداد برقرار رکھی جائے، مثلاً کسی کارخانہ مین چھ ہزار آدمی کام کرتے ہین جو آٹھ گھنٹے یومیہ کے حساب سے مجموعی طور پر بیالیس ہزار گھنٹے کام کرتے ہین، فرض کیجئے کہ کساد بازاری کے باعث کار

کو اب صرف پینتیس ہزار گھنٹے روزانہ کام کی ضرورت ہے، ایک سال قبل یہ کارخانہ ایک ہزار آدمیون کو برطرف کر دیتا،
اس طرح وہ لوگ اپنی استعداد خریداری سے محروم ہو جاتے، اور اس کا اثر ملک کی تجارت اور پھر بے روزگاری پر
پڑتا، بقیہ پانچہزار آیندہ برطرف کر دیئے جانے کے اندیشہ سے اپنے اخراجات مین مزید تخفیف کر دیتے، لیکن آج
وہ کارخانہ کسی کو علحدہ نہین کرتا، بلکہ اپنے ہر مزدور سے بجائے سات کے صرف چھ گھنٹے یومیہ کام لیکر اسی نسبت
سے اُن کی اجرت مین تخفیف کر دیتا ہے، اس طرح وہ چھتیس ہزار گھنٹے یومیہ کام لیکر اس کی اجرت بجائے
پانچ ہزار مزدورون کے چھ ہزار مزدورون پر تقسیم کر دیتا ہے، اس تحریک کی بے شمار شکلین ہین، چنانچہ
پنسلونیا ریلروڈ کمپنی نے اپنے ہان ایک حد مقرر کر دی ہے کہ ایک مہینہ مین کوئی مزدور اس سے زیادہ اجرت
نہین پا سکتا، جونہی اس نے مقدار کے مطابق کام کر کے وہ رقم حاصل کر لی اُسے آیندہ مہینہ کی پہلی تاریخ
تک کام کرنے سے روک دیا جاتا ہے، اور اسکی جگہ دوسرا آدمی کام پر لگا دیا جاتا ہے، یہ تحریک اس قدر مقبول
ہوئی کہ ریاستہائے متحدہ امریکہ مین ۶۷ فی صدی کارخانون نے اسے اختیار کر لیا ہے اور کوشش کیجا رہی ہے
کہ بنکون، بیمہ کمپنیون اور اسی قسم کے دوسرے کاروبار مین بھی جاری کر دیجائے، اس تحریک کے چلانے
والون کا دعویٰ ہے کہ اس وقت تک پینتیس لاکھ بے روزگار کام پر لگائے جا چکے ہین، امید کیجاتی ہے کہ اگر
پورے ملک مین اس تحریک پر عمل کیا گیا تو بے روزگاری کا مسئلہ حل ہو جائے گا،

حواس کا باہمی تعلق

عام طور پر مشہور ہے کہ بعض حواس مین باہم اس قدر تعلق ہے کہ جب ایک حاسہ کسی وجہ سے بیکار ہو جاتا ہے تو
دوسرا حاسہ بھی بیکار ہو جاتا ہے، جدید علمی تجارب سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے، چنانچہ خوشبو کا تعلق قوت شامہ سے ہے،
لیکن بعض خوشبوئین اس قسم کی ہین جن سے قوت باصرہ و ذائقہ کو بھی تقویت حاصل ہوتی ہے،

"ع ز"

ادبیات

خونِ جگر

(از حضرت جگر مراد آبادی)

نہ راہزن، نہ کسی رہنما نے لوٹ لیا
ادائے عشق کو، رسمِ وفا نے لوٹ لیا

نگاہِ لطف کی اک اک ادا نے لوٹ لیا
وفا کے بھیس میں، اس بے وفا نے لوٹ لیا

نہ پوچھ شومیِ تقدیرِ خانہ بربادی
جمالِ یار کہاں، نقشِ پا نے لوٹ لیا

وہ دل کو توڑ کے بیٹھے تھے مطمئن کہ انھیں
شکستِ شیشۂ دل کی صدا نے لوٹ لیا

قسم ہے تیری پشیمان نگاہیوں کی قسم
مجھی کو خود، مری شرمِ وفا نے لوٹ لیا

شکایتِ دلِ ایذا طلب کو کیا کیجے
تمام کیف تو شکرِ جفا نے لوٹ لیا

کسی بہارِ تبسم کا آہ کیا شکوہ
مرے ہی اس دلِ رنگین قبا نے لوٹ لیا

وہ ایک قطرۂ خون بچ رہا تھا جو دل مین
اُسے بھی گوشۂ چشمِ حیا نے لوٹ لیا

زبان خموش، نظر بے قرار، چہرہ فق
تجھے بھی کیا تری کافر ادا نے لوٹ لیا

"وہی ہے، وہی آواز ہے وہی انداز"
مجھے تو اس دلِ آفت نوا نے لوٹ لیا

دلِ تباہ کی روداد اور کیا کہئے
خود اپنے شہر کو فرمان روا نے لوٹ لیا

قریبِ دل ہی یکایک اٹھے تھے کچھ فتنے
یہین کہین کسی محشر ادا نے لوٹ لیا

نہ اب خودی کا پتہ ہے نہ بیخودی کا جگر
ہر ایک لطف کو لطفِ خدا نے لوٹ لیا

نظامِ زندگی

از

جناب سید حامد حسین صاحب اثر بی اے ایل ایل بی علیگ

بادۂ حق پر نہ ہو جب تک احترامِ زندگی — زندگی کی صبح بھی کچھ نہ شامِ زندگی

پنجروزہ ہے زمانہ مین قیامِ زندگی — پانچ حرفون سے مرکب یون ہے نامِ زندگی

موت کے طالب کو حاصل ہے دوامِ زندگی — آرزو سے زندگی ہے اختتامِ زندگی

کچھ کٹی قیدِ قفس مین کچھ رہی نذرِ جنون — میری قسمت سے ہوا یون انقسامِ زندگی

شمع جل کر کہہ رہی ہے گریۂ پیہم کے ساتھ — صبح ہو جاتی ہے کتنی جلد شامِ زندگی

موت کے پردہ مین پنہان ہے کوئی شکلِ حسین — خود بخود اوٹھتا چلا جاتا ہے گامِ زندگی

شہر و گورستان دونون زندگی کے نام ہین — اک مقامِ موت ہے، اور اک مقامِ زندگی

جس کی غیرت اوٹھ گئی جس کی حمیت اُٹھ گئی — ہو چکا اس قوم کا لبریز جامِ زندگی

فرقہ بندی سے نہ ہو خطرہ مین کیون قومی بقا — ربط ہی تو ہے عناصر کا نظامِ زندگی

ہر نفس بے کل نہ ہو جن کا خیالِ قوم سے — ایسے لوگون کے لئے ہے ننگ نامِ زندگی

راہِ حق مین جان دینا ہی ہے مقصودِ حیات — موت ہی کے نام سے زندہ ہے نامِ زندگی

ایسی کوئی شے نہین ہے، جو فنا سے بچ سکے — موت ہو سکتی نہین، ہرگز غلامِ زندگی

تفرقہ کے ذکر سے بہتر ہے ذکرِ اتفاق — وہ پیامِ موت ہے یہ ہے پیامِ زندگی

کامیابی رہتی ہے، بے تاب کچھ اُن کے لئے — دیتی ہین ناکامیان جن کو پیامِ زندگی

آشنائے رمزِ خودداری ہیں جو قومین، اثر — قابلِ تعریف ہے ان کا نظامِ زندگی

مطبوعات جدیدہ

مقدمات عبد الحق، حصۂ اوّل و دوم، مرتبہ جناب مرزا محمد بیگ صاحب، حجم ۴۰۹، ۲۱۲، تقطیع چھوٹی، قیمت ے روعار، پتہ:- مکتبہ ابراہیمیہ، اسٹیشن روڈ، حیدرآباد، دکن،

مولوی عبد الحق صاحب، سکرٹری انجمن ترقی اردو کی علمی و ادبی خدمات کا بڑا ذخیرہ ان مقدمون کی شکل مین ہے، جو وہ مختلف کتابون پر اپنی علمی و ادبی زندگی کے دور آغاز سے ابتک لکھتے رہے ہین، جن کتابون پر مولوی صاحب موصوف کے مقدمے تھے، ان مین سے اکثر مین نہ صرف "یونی لگنی شروع ہوگئی" بلکہ بعض کتابین اور رسالے ایک مدت گذری کہ اپنی زندگی پوری کرکے گمنام ہو چکے ہین، اور انھی کے ساتھ وہ مقدمے بھی دفن ہو چکے تھے، مرتب نے اپنے اس مجموعۂ مقدمات سے ان گمشدہ تحریرون کو ایک مرتبہ پھر نگاہون کے سامنے کردیا ہے، یہ مقدمے دو ضخیم جلدون مین سمائے ہین، پہلے حصہ مین "اسلامیات"، "سائنس و فلسفہ" اور "تاریخ و تذکرہ" پر ۲۴ مقدمے ہین، اور دوسرے حصہ مین "ادبیات" "لسانیات" اور "متفرقات" کے عنوانون سے چند مقدمے ہین،

مولوی صاحب موصوف کی علمی و ادبی زندگی کا بڑا حصہ اسی مقدمہ نویسی مین بسر ہوا، ان کا خاص فن "ادب اردو اور اس کی تاریخ" ہے، اسلیے مقدمات کی بیشتر تعداد کسی نہ کسی نوع سے اسی موضوع سے متعلق ہے، اور چونکہ ان مین سے ہر مقدمہ الگ الگ کتاب پر تھا، اور بسا اوقات انھون نے ایک ہی مصنف کی علحدہ علحدہ کتابون پر جدا جدا مقدمہ لکھا ہے، اس لیے مضامین و مباحث کی تکرار کا ہونا ضروری تھا، جس کا احساس اس مجتمع شکل مین زیادہ ہوتا ہے، مولوی صاحب موصوف اردو ادب کی تاریخ مین اور اردو کے بعض انشا پردازون کے متعلق اپنے خاص خیالات اور اپنی منفرد تنقید اور رائے لکھتے ہین، جو ان مقدمات مین کم و بیش ہر جگہ نمایان ہے،

اور بلکہ مولوی صاحب کو اردو کے بعض مسلم انشا پردازون اور ناقدون سے جو دیرینہ اختلاف ہے، اسکی بو نہ صرف ادب اور تاریخ ادب کے مضامین مین آتی ہے، بلکہ وہ راے اور تنقید سے گذر کر ذاتیات کے حدود تک پہنچ گیا ہے، جس کی نمایان مثال "مقدمۂ تمدن ہند" ہے، جس مین تمدن ہند کے مترجم شمس العلما، ڈاکٹر سید علی بلگرامی کے سوانح حیات مین بے ضرورت اور بے محل طور پر بعض ایسی شخصیتون پر خواہ مخواہ کے ذاتی حملے کئے گئے ہین، جن سے مولوی صاحب کو ان کی زندگی مین اختلاف رہا، اور انکی وفات کے بعد بھی انھون نے انھین کبھی کسی کلمۂ خیر سے یاد نہ فرمایا ہین، اس کا افسوس ہے کہ مرتب "مقدمات عبدالحق" نے اس مجموعہ کو شائع کرنے سے پیشتر مولوی صاحب کی خدمت مین پیش نہین کیا کہ شاید وہ وقت کی ان گرم تحریرون کو جن مین سے بعض محض جذبات اور ماحول کے لحاظ سے قلم سے نکلی ہونگی، اس عہد پیری مین کسی معتدل شکل و صورت مین لے آتے، اور تلافی مافات بھی ہو جاتی، بہرحال مولوی صاحب موصوف اردو کے ایک پرانے خدمتگذار ہین، اور اردو دانون پر ان کا یہ جائز حق ہے کہ وہ اُن سے اپنی تحریرون کے پڑھنے کا مطالبہ کرین، اور ہمارے نوجوانون کے لیے بھی یہی سزاوار ہے کہ وہ بزرگون کی ہر قسم کی تحریرین دیکھین، کہ رطب و یابس کا فیصلہ تو وہ اپنے ذوق سلیم سے خود کرلین گے،

سید الانبیاء از تھامس کارلائل مترجمہ جناب محمد اعظم خان صاحب، حجم چھوٹی تقطیع کے ۸۰ صفحے، قیمت مجلد ۱۲؍ مترجم سے نصیر ولا، عثمان پورہ، حیدرآباد، دکن کے پتہ سے مل سکتی ہے،

"سید الانبیاء" کارلائل کے مشہور سلسلۂ خطبات "ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ" مین سے خطبۂ "محمد" (صلعم) کا اردو ترجمہ ہے، کارلائل نے اس خطبہ کے ذریعہ ایک ایسے زمانہ مین یورپ مین آنحضرت صلعم کے صادق القول ہونے کا بالاعلان اعتراف کیا تھا، جب کلیسا کے پادریون، اور عام متعصب مستشرقین کی نہایت گمراہ کن روایتین اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق یورپ مین پھیلی ہوئی تھین، لیکن اسی قند مین زہر بھی ملا ہے، کارلائل نے کچھ تو مجمع کے جذبات کا پاس کرکے، اور کچھ اپنے غلط ماحول، اور واقعات کو صحیح روشنی مین نہ دیکھ سکنے کے باعث، بعض بے معنی اور مبنی بر غلط افکار بھی پیش کئے ہین، مترجم نے اپنے دیباچہ مین اُن غلطیون پر قارئین کو متنبہ کر دیا ہے، کارلائل

انگریزی زبان کا مستند و ممتاز انشا پرداز ہے، مترجم نے کوشش کی ہے، کہ اس کے زور بیان اور تشبیہ و استعارات کے استعمال کو بھی اردو مین حسب مقدرت نباہ لے، اور اس مین شبہ نہین کہ ترجمہ کی زبان مین سلاست اور لطف بیان پیدا ہوگیا ہے، تاہم کہین کہین ترجمہ کی عبارت سست بھی رہ گئی ہے، (مثلاً ص ۱۴۳ وغیرہ) اور اندازہ ہوتا ہے کہ اصل عبارت مین جو زور بیان ہے مترجم کا قلم اسے سنبھالنے کی کوشش مین درماندہ رہا ہے، لیکن عمومی حیثیت سے اسے ایک اچھا ترجمہ کہہ سکتے ہین، اس خطبہ کے پہلے بھی متعدد تراجم شائع ہو چکے ہین،

ورڈسورتھ اور اسکی شاعری، از جناب میرحسن مدیر مجلّہ عثمانیہ، حجم ۱۰۴ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت مجلد عہ مولف سے بی بی الاوہ، نمبر ۳۳۰، حیدرآباد، دکن کے پتہ سے مل سکتی ہے،

ورڈسورتھ، انگریزی ادب کا معیاری شاعر ہے، جناب میرحسن نے اس کو اردودان طبقہ سے روشناس کیا ہے، اور اس رسالہ مین اس کے سوانح اور کلام کو پیش کیا ہے، لیکن یہ حصے الگ الگ نہین، بلکہ اولاً ورڈسورتھ کا ابتدائی تعارف کرا کر خود اس کے کلام کی روشنی مین اُسے مختلف دور سے گذارنا شروع کیا، یہانتک کہ وہ شاعر بنکر نمودار ہوا، اور اوسکی نظمین سامنے آنے لگین، پھر اسکی زندگی مین جو واقعات پیش آتے گئے، اور نظمون کے جو اثرات پیدا ہوتے گئے، اور اسکی طبیعت پر فلسفہ و شعر کے جس مسلک و مشرب کے رجحانات رہے، سب کو اسی سلسلہ مین بیان کیا ہے، اور پھر اس کی زندگی اور شاعری پر جو تنقیدین ہوئین، اور خود مرتب کو اسکی شاعری مین جو معیار اور اسکے فلسفہ مین جو رجحان نظر آیا، اسکو اسی سلسلۂ سوانح مین بیان کیا ہے، اور جا بجا دوسرے شعرا سے اس کا موازنہ بھی کیا ہے، مولف نے یہ ایک اچھا طریق سوانح نگاری اختیار کیا ہے، اگر اسی رنگ پر وہ دوسرے باکمال شعرائے یورپ کو روشناس کرنے مین کامیاب ہو جائین جیسا کہ ان کا قصد ہے، تو اردو کی ایک مفید خدمت انجام دینگے، لیکن ضرورت ہے کہ تحریر اور انداز بیان مین اختصار ملحوظ رکھا جائے، اور طریق ادا مین بھی شگفتگی پیدا کیجائے اگرچہ نظمون کا ترجمہ صاف، سلیس اور رروان ہے، اور اس کتاب مین براعظم یورپ کا نام اس طرح پر لیا گیا ہے، کہ شبہ ہوتا ہے کہ شاعر کسی مشرقی ملک کا باشندہ ہے، طریق ادا مین ایسے التباسون سے بچنے کی بھی ضرورت ہے، اسیطرح

مولف نے اپنے دیباچہ مین دکھایا ہے، کہ مولنا حالی اپنی جدید نظمون مین اکی شاعری سے متاثر ہوئے ہین، ہمین اس نظریہ کے ماننے مین بہت کچھ تامل ہے، بہرحال توقع ہے کہ ادبی حلقون مین یہ رسالہ دلچسپی سے دیکھا جائے گا،

طب النبی، مؤلفہ جناب حکیم غلام غوث صاحب حجم ۱۲۸ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی معمولی، قیمت ۹ر

مؤلف سے اشراق الاسلام، نوان کوٹ، ڈاکخانہ پکالاڑان، ریاست بہاولپور کے پتہ سے مل سکتی ہے،

دور حاضر مین احادیث پر جو حملے کئے جاتے ہین، ان مین کتب احادیث کی کتاب الطب بھی نشانہ بنائی جاتی ہے، اور بعض احادیث کا محض اسلئے استخفاف ہوتا ہے کہ ان کے ناقص علم مین وہ علم طب کے اصول کے منافی ہین، جناب مولوی حکیم غلام غوث صاحب ہمارے شکریہ کے مستحق ہین، کہ انھون نے زیر نظر رسالہ طب النبی مین، طب نبوی کو طب یونانی اور جدید علم طب کے معیار پر پرکھنے کی خدمت انجام دی ہے، کتاب کے دو حصے ہین، اولاً طب النبی بالادویۃ الطبعیہ ہے، جو دو ابواب "کلیات" و "مفردات" پر مشتمل ہے، "کلیات" گویا "اصول حفظان صحت کے" بیان مین ہے، جسمین مختلف احادیث کو حفظان صحت کے جدید اصولون سے منطبق کیا گیا ہے، اگرچہ اس مین بعض مقامات پر تشفی بخش تطابق نظر نہین آتا کہ مصنف جس توجیہ کے ساتھ اس حدیث کو منطبق کرنا چاہتے ہین، وہ اسلئے صحیح نہین کہ خود اسی حدیث ہی مین اس توجیہ کے خلاف کوئی دوسری وجہ اس حکم کی بیان کردیگئی ہے، مثلاً ص ۱۹ اور ۲۶ وغیرہ مین "دخانیت" "ٹخنون سے اونچا پائجامہ" اور "تمباکو" وغیرہ کے بیانات، تاہم مصنف کی محنت و فکر لائق ستایش ہے، اور بظاہر اکثر جگہ وہ اپنے مقصد مین کامیاب ہوئے ہین، اور "مفردات" کے بیان مین، احادیث مین جن جن اشیاء و ادویہ سے علاج کا ذکر آیا، اور جو طریقے درج ہین، ان کے خواص و اثرات کو دکھایا ہے، کتاب کا دوسرا حصہ طب النبی بالادعیہ ہے، جس کو مولنا عاشق الٰہی صاحب مترجم قرآن مجید نے چند صفحون مین آخر مین منسلک کردیا ہے، جس مین امراض کے متعلق ماثور دعائین نقل کیگئی ہین، لیکن یہ حدیثین بلاحوالہ درج ہین، اور پہلے حصہ کی حدیثین جو باحوالہ درج کیگئی ہین انمین بعض حدیثین ضعیف اور موضوع بھی آگئی تھین، مولنا عاشق الٰہی صاحب نے اپنے حواشی مین ان کی تصحیح کا فرض ایک حد تک انجام دیدیا ہے،

"م"